خلیفۂ ثانی، عادلِ حکمران، فاتحِ روم و فارس، شہیدِ محراب
امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت کے تابناک نقوش

سیرتِ عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ

جلد دوم

دکتور علی محمد الصلابی

www.KitaboSunnat.com
سیرتِ عمر رضی اللہ عنہ
جلد دوم

خلیفۂ ثانی، عادلِ حکمران، فاتح روم و فارس، شہیدِ محراب
امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت کے تابناک نقوش

سیرتِ عمر رضی اللہ عنہ

جلد دوم

تالیف : دکتور علی محمد محمد الصلابی

ترجمہ: مولانا ندیم شہباز

نظرِ ثانی: محمد نعمان فاروقی سوہدروی

دار السلام
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدّہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخُبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • [illegible] فون: 4186619 416 001

لندن • [illegible] فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • [illegible]: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • [illegible] فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • [illegible] فون: 4180 2373 22 0091

• [illegible] فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • [illegible] فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • [illegible] فون: 358712 115 0094 • [illegible] فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 00 4 32 372, 24 400 372, 34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092

info@darussalampk.com | www.darussalapk.com
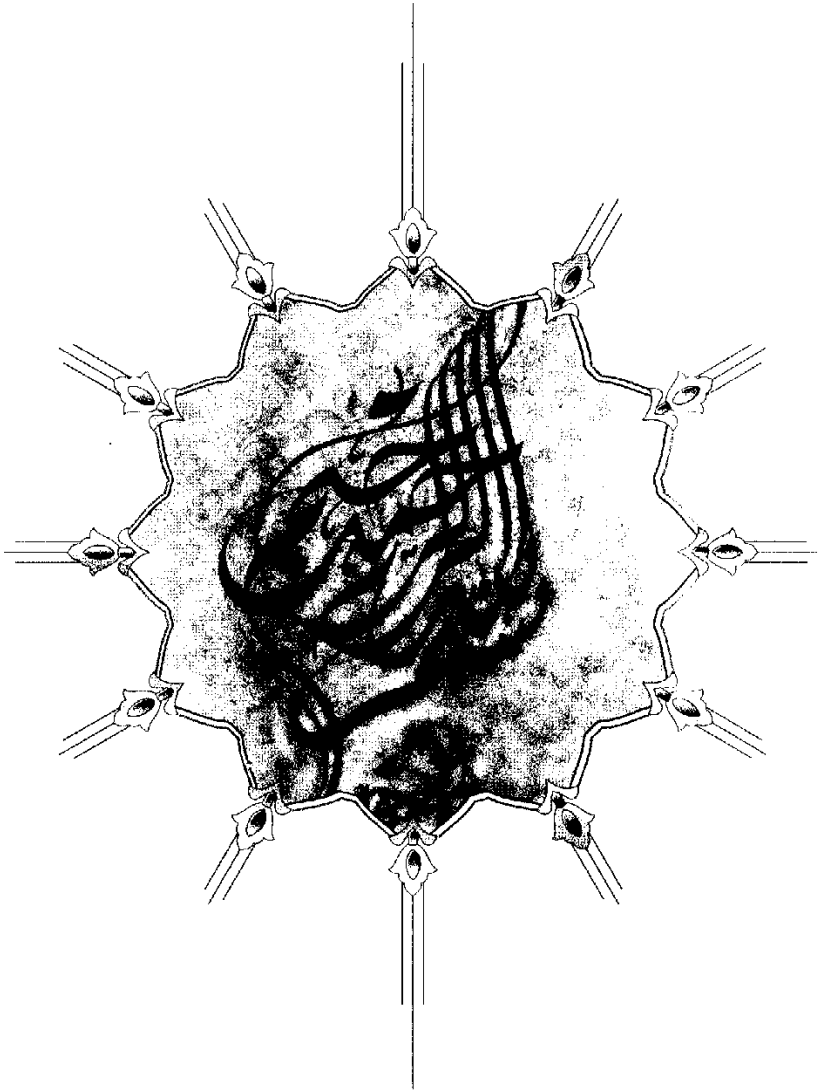
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

مضامین

باب:5 محکمۂ قضا کا قیام

باب 6:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گورنر، ان کا تقرر، اوصاف اور حقوق وفرائض

باب: 7
عہد عمر رضی اللہ عنہ میں عراق اور بلادِ مشرق کی فتوحات

باب:8
شام لیبیا اور مصر کی فتوحات

باب:9

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ کے آخری ایام

باب

5

محکمۂ قضا کا قیام

- قاضی کی صفات اور ذمہ داریاں
- عدالتی فیصلوں کے مصادر
- فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چند فیصلے اور جرائم کی سزائیں
- عمر رضی اللہ عنہ کے فقہی اجتہادات

محکمۂ قضا کا قیام

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلام پھیلا، اسلامی ریاست کا رقبہ وسیع ہوا اور مسلمانوں کے دوسری قوموں سے تعلقات بڑھے تو ان ترقی یافتہ حالات میں ایک عدالتی ادارے کا قیام ضروری ہو گیا۔ خلیفۂ وقت انتہائی مصروف ہو گئے۔ نئے قائم ہونے والے مختلف صوبوں اور شہروں میں مقرر کردہ گورنروں کی مصروفیات میں بھی بہت اضافہ ہو گیا۔ وسیع مملکت اور بڑھتی ہوئی آبادی میں باہمی تنازعات بھی بڑھنے لگے۔ ان حالات میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعض شعبوں کو بعض محکموں سے الگ کرنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ انھوں نے عدلیہ کی حیثیت مستقل طور پر جداگانہ کر دی۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ خلیفۂ وقت کو امورِ ریاست کے لیے بھرپور وقت مل سکے۔ انھوں نے عدلیہ کو الگ کرنے کے ساتھ ساتھ مستقل بنیاد پر قاضیوں کا تقرر بھی کیا۔ ان کا کسی دوسرے ادارے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلامی حکومت کے پہلے فرمانروا تھے جنھوں نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے اسے مستقل بنیاد پر قائم فرمایا۔ انھوں نے کوفہ، بصرہ، شام اور مصر کے علاقوں میں بھی قاضی مقرر فرمائے۔ یہ محکمہ براہِ راست خلیفہ کے تحت کام کرتا تھا۔ قاضی حضرات کو خود خلیفہ نامزد کرتا تھا یا خلیفہ کی نیابت کرتے ہوئے کوئی اور مجاز شخص بھی اس کا تقرر کر دیتا تھا۔ قضاۃ خلیفہ کے سامنے جوابدہ ہوتے تھے۔

عدلیہ کو بالکل جداگانہ بنیاد پر قائم کر دینا بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فراست اور بصیرت کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔ آج دنیا بھر کی ریاستوں میں عدلیہ ایک جداگانہ محکمے کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ فاروق اعظم نے یہی کام 14 سو برس قبل کر دکھایا تھا۔ حق یہ ہے کہ وہ امت مسلمہ کے حقیقی اور عبقری لیڈر تھے۔ وہ بدلتے ہوئے حالات کو فوراً بھانپ لیتے تھے، اس لیے جدید قوانین وضع کرنے، امورِ ریاست کو منظّم کرنے اور ہر محکمے کے حدود و اختیارات متعین کرنے کی حیرت انگیز صلاحیتیں رکھتے تھے۔

اہل یورپ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے قواعد و قوانین اٹھارھویں صدی عیسوی میں جدید نظریے کے عنوان سے پیش کیے اور انھیں عوامی بھلائی کا ضامن قرار دیا۔ ایسے ہی خیالات کا ذکر مونٹسکو نے اپنی کتاب ''روح الشرائع'' میں کیا اور اس کی عملی شکل انقلابِ فرانس کے سوا دو سو سال کے بعد سامنے آئی۔

اسلام نے آزاد اور بے لاگ عدل کا نظریہ چودہ سو سال قبل پیش کیا اور اسے اپنا ایک اہم اساسی اور انتظامی اصول قرار دیا۔ روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجا تو اُن سے دریافت فرمایا: «كَيْفَ تَقْضِي يَا مُعَاذُ؟» ''اے معاذ! تم لوگوں کے درمیان کس طرح فیصلے کرو گے؟'' معاذ رضی اللہ عنہ نے وضاحت سے عرض کیا: میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اگر کسی مسئلے کا حل کتاب اللہ کی صریح نص سے نہ ملا تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی لوں گا۔ اگر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی واضح حکم نہ ملا تو اجتہاد کروں گا اور اجتہاد کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے کو درست قرار دے دیا۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عدلیہ اور اس کے ساتھ متعلقہ امور کو بہتر سے

[1] جامع الترمذي، حديث: 1327، و سنن أبي داود، حديث: 3592، و مسند أحمد: 230/5، و نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي: 53/2، یہ حدیث ضعیف ہے۔

بہتر بنانے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ان کی طرف سے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دینے کا اقدام اس لیے کیا گیا کہ ریاستی امور کی نگرانی کے باعث ان کی مصروفیات میں بدر جہا اضافہ ہو گیا تھا۔ جہاں تک انصاف کرنے کا تعلق ہے تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت بے لاگ اور عادلانہ فیصلے کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعض ایسے والی بھی مقرر فرمائے جنھیں عدالتی اور انتظامی دونوں طرح کے اختیارات حاصل تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ عدالتی معاملات میں اُن سے مسلسل خط کتابت جاری رکھتے تھے۔ انھوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے، جو پہلے بصرہ، پھر کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے، عدالتی معاملات میں خط کتابت کی، نیز شام کے والی معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعض متنازعہ مسائل کی رپورٹ طلب کی اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی کئی عدالتی امور کے بارے میں حقائق دریافت کیے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قاضی کو جس علاقے میں مقرر کیا جاتا تھا، وہ اس علاقے کا مکمل بااختیار قاضی ہوتا تھا، چاہے اس کا تقرر خلیفہ کی طرف سے کیا جاتا یا ان کے کسی نائب کی طرف سے، قاضی کے اختیارات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔[1]

اکثر بڑے بڑے شہروں میں عدالتی محکمہ علیحدہ اور مستقل ادارہ بن چکا تھا۔ اس کی مثال کوفہ اور مصر میں قائم عدالتی محکمے سے دی جا سکتی ہے۔ بعض مقامات پر اگر والی اپنے انتظامی امور میں حرج محسوس نہ کرتا تو اُسے قاضی کی ذمہ داری بھی سونپ دی جاتی تھی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ قاضیوں سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے اور بوقت ضرورت مقرر شدہ قاضیوں کی موجودگی کے باوجود مدینہ منورہ میں بعض مقدمات کا فیصلہ خود صادر کر دیتے تھے۔[2]

وہ قاضی جنھیں عمر رضی اللہ عنہ نے مستقل طور پر صرف قاضی ہی مقرر فرمایا تھا وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں کوفہ کا چیف جسٹس بنا کر بھیجا گیا تھا۔ حضرت قتادہ ابومجلز سے بیان

---

[1] القضاء في الإسلام لعطية مصطفٰى، ص: 77. [2] النظام القضائي في العهد النبوي والخلافة الراشدة للقطان، ص: 47.

فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اہل کوفہ کا امام اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا منتظم اور جسٹس بنا کر بھیجا تھا۔ ①

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سلیمان بن ربیعہ کو بصرہ اور قیس بن ابو العاص قرشی کو مصر کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔

بیک وقت گورنر اور قاضی کے مناصب پر فائز ہونے والے افراد

وہ لوگ جن کو گورنر اور قاضی دونوں مناصب تفویض ہوئے، ان میں مکہ مکرمہ کے والی نافع الخزاعی بھی تھے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مکہ کا والی بنا کر بھیجا، وہاں قریش کے بڑے بڑے سردار رہائش پذیر تھے۔ انھیں کچھ عرصے کے بعد معزول کر دیا گیا اور خالد بن عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو والی بنا دیا گیا۔ ②

یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کو صنعاء، سفیان بن عبداللہ ثقفی کو طائف، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو شام، عثمان بن ابو العاص ثقفی کو بحرین اور عمان، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ اور عمیر بن سعد کو حمص کا والی مقرر کیا گیا۔

مذکورہ اشخاص میں سے بعض کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی کے منصب پر بھی فائز کیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر بھی تھے اور قاضی بھی تھے جبکہ مغیرہ رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ محض گورنر تھے، قاضی نہیں تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منصب قضا تفویض فرمایا۔ حضرت نافع بیان فرماتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منصب قضا تفویض فرمایا اور ان کے لیے تنخواہ بھی مقرر فرمائی۔ ③ اسی طرح سائب بن یزید کو بھی یہ منصب دیا گیا۔ ④

① أخبار القضاء لوكيع: 188/2. ② النظام القضائي في العهد النبوي، ص: 49. ③ أخبار القضاء لوكيع: 108/1. ④ وقائع ندوة النظم الإسلامية في أبو ظبي: 375/1.

قاضیوں کے نام بعض اہم خطوط

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قضا اور عدالتی کارروائی کا جو مضبوط اور مربوط نظام قائم فرمایا تھا، فقہِ اسلامی کے اجل علماء نے اس نظام کی تشریح کی ہے اور اس کے حاشیے بھی لکھے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس نظام اور دستور کی جھلک اُس خط میں دیکھی جاسکتی ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام لکھا گیا تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

اللہ کے بندے امیر المومنین عمر بن خطاب کی طرف سے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کی طرف۔ آپ پر سلامتی ہو۔ امابعد: بلاشبہ محکمۂ قضا انتہائی اہم ذمہ داری ہے۔ یہ ایک مسلسل عمل کا نام ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو، جب کسی دعوے کی دلیل پیش کی جائے تو اس پر خوب غور کرو۔ دعوے دار برحق ثابت ہو تو اسے فوری انصاف فراہم کرو، ورنہ اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اپنی مجلس میں لوگوں کے مابین کامل مساوات قائم رکھو تاکہ کوئی بڑا سردار تم سے ظلم کا ارتکاب نہ کرا سکے نہ کوئی کمزور شخص انصاف سے محروم رہے۔ دعوے دار کو لامحالہ ثبوت پیش کرنا چاہیے اور مدعی پر قسم لازم ہے۔ مسلمانوں کے مابین ہر ممکن طور پر صلح جائز ہے۔ ہاں، وہ صلح ہرگز جائز نہیں جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔ تم نے کسی مقدمے کا فیصلہ کر دیا ہو تو اگلے دن اس پر پھر غور کرو اور تنقیدی جائزہ لو۔ اگر تمھیں حق کی طرف راہنمائی مل جائے تو فوراً حق کی طرف پلٹ آؤ، اس لیے کہ حق ہر اعتبار سے ہر چیز پر مقدم ہے۔ حق ہی کی طرف ہمیشہ رجوع کرنا چاہیے۔ باطل پر اَڑ جانا ہٹ دھرمی ہے۔ ہر مسئلے کا حل قرآن و سنت میں تلاش کرو۔ ہر معاملے کا ثبوت قرآن و سنت ہی میں ڈھونڈو۔ ثبوت نہ ملے اور متعلقہ مسئلہ تمھارے سینے میں کھٹک رہا ہو تو اس کی کوئی اور نظیر تلاش کرو۔ مل جائے تو پیش آمدہ مسائل کو

ان پر قیاس کرو۔ جو بات اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب اور حق سے زیادہ مشابہت رکھتی ہو اس پر اعتماد کر لو۔

کوئی مدعی ثبوتِ حق پیش کرنے کے لیے مہلت مانگے تو اسے مہلت ضرور دو۔ وہ ثبوت فراہم کر دے تو اسے اس کا حق مہیا کرو۔ ثبوت نہ دے سکے تو اس کا دعویٰ خارج کر دو۔ یہ طریق کار رفعِ شک اور اُلجھے ہوئے مسائل حل کرنے میں مفید ثابت ہوگا۔

تمام مسلمان عادل اور منصف مزاج ہیں، البتہ کوئی ایسا مسلمان جسے کسی شرعی حد کے لاگو ہونے پر کوڑے لگے ہوں یا جس نے جھوٹی گواہی دی ہو یا وہ بسلسلۂ وِلا یا نسب متہم ہو تو وہ قابل اعتماد نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے باطن کا حال خوب جانتا ہے۔ اس نے تمھارے معاملات میں بذریعۂ ثبوت اور بذریعۂ قسم اپنے دفاع کا حق مرحمت فرمایا ہے۔ تمھیں اپنی طبیعت کی تنگی، اُکتاہٹ اور مقدمے کے کسی فریق سے کبھی نفرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ جھگڑوں کا فیصلہ کرتے ہوئے ناگواری یا ناپسندیدگی کا مظاہرہ ہرگز نہ کرنا کیونکہ حق دار کو اس کا حق پہنچانا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجر کا باعث ہے۔ اس عمل سے تمھاری حسنات میں اضافہ ہوگا۔ جس کی نیت کھری ہو اور وہ بے لاگ انصاف کرنے پر ڈٹا رہے، اللہ تعالیٰ اس کی اس طرح کفایت فرماتا ہے کہ اپنے سوا کسی کی کفایت کا محتاج نہیں رکھتا۔ جو قاضی لوگوں کا دباؤ پیش نظر رکھ کر ایسا فیصلہ کرے جو اس کے ضمیر کی آواز کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ اسے اسی دنیا ہی میں رسوا کر دے گا اور اللہ کی رحمت اور رزق کے خزانے ایسے شخص کی رسائی سے بہت دور رہیں گے۔ والسلام [1]

دانش سے بھرپور اس حیران کن عبارت کے حامل خط میں قاضی کے تمام آداب و فرائض اور عدالت کے مکمل اُصول بیان کر دیے گئے ہیں۔ علمائے کرام آج تک اس خط کی

[1] إعلام الموقعين لابن القيم:85/1.

شرحیں اور حاشیے لکھتے چلے آ رہے ہیں اور قیامت تک جو فرد بھی اس خط کے الفاظ پر غور کرے گا وہ اس مکتوب گرامی کی عظمت پر حیرت زدہ رہ جائے گا۔ اگر تاریخ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جملہ بے مثال کارناموں کا تذکرہ کیے بغیر ان کا محض یہی مکتوب گرامی نقل کرتی تو صرف یہی مکتوب اس ثبوت کے لیے کافی تھا کہ وہ بے مثل مفکر اور لاثانی مقنن تھے۔

آج کل کے دور میں جبکہ عدالتوں کے بارے میں مختلف اصول و قوانین وضع کیے جارہے ہیں اگر یہ الفاظ کسی ریاست کا سربراہ تحریر کرے، پھر ان الفاظ کے بارے میں یہ مطالبہ کیا جائے کہ اتنے دانش آموز الفاظ یقیناً طلبہ کے نصابِ تعلیم میں شامل ہونے چاہئیں تو اس سے لکھنے والے کی عظمت کا کیسا منہ بولتا ثبوت سامنے آئے گا۔ اس لحاظ سے غور فرمائیے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ کتنا رفیع الشان ہے جنھوں نے یہ الفاظ آج سے چودہ سو سال پہلے لکھ دیے تھے۔ یہ الفاظ انھوں نے کسی کتاب سے نقل نہیں کیے۔ وہ انھیں قلم بند کرنے کے لیے کسی کی مدد کے محتاج نہیں ہوئے۔ یہ تحریر ان کے اپنے تخلیقی ذہن کی آئینہ دار ہے جس نے ہزاروں فوائد یکجا کر دیے۔ دراصل یہ سب کچھ اُن ملفوظاتِ مبارکہ کی برکت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دار ارقم میں ان کے دل میں اتار دیے تھے اور انھوں نے جواباً کہا تھا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔''[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مکاتیب گرامی میں سے ایک اہم مکتوب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام بھی ارسال کیا گیا۔ اس میں انھوں نے تحریر فرمایا:

[1] أخبار عمر، ص: 174.

''یہ خط جو تمھیں تحریر کر رہا ہوں صرف بھلائی اور خیر خواہی پر مبنی ہے۔ میں نے اپنے اور تمھارے لیے خیر خواہی کی جُستجو میں تمھاری طرف یہ خط لکھا جس میں میں نے تمھارے اور اپنے لیے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پانچ عادتیں مضبوطی سے اپنا لو، تمھارا دین محفوظ ہو جائے گا اور تمھارا مقدر جگمگا اُٹھے گا۔

① جب تمھارے پاس دو جھگڑنے والے آئیں تو انصاف پر مبنی دلائل پر توجہ دو اور مضبوط قسموں کو لازم پکڑو۔

② کمزور آدمی کو اتنا قریب کر لو کہ اس کی زبان کی بندش کھل پڑے اور وہ اطمینان سے کھل کر بات کرے اور دل ڈھارس پا کر مضبوط ہو جائے۔

③ اجنبی کا خیال رکھو، ایسا نہ ہو کہ اس کا مقدمہ طوالت اختیار کر جائے اور وہ اپنا حق چھوڑ کر واپس چلا جائے۔

④ جو شخص اپنے حق کے لیے مقدمہ ہی دائر نہ کرے وہ یقیناً اپنا حق ضائع کر لے گا۔

⑤ اگر تم کسی مقدمے میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکو تو فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کرو۔ والسلام۔''[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قضا کے سلسلے میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو لکھا:

''امابعد، میں یہ خط تمھارے نام لکھ رہا ہوں۔ اس میں میں نے تمھارے اور اپنے لیے خیر خواہی تلاش کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ پانچ عادات مضبوطی سے اپنا لو تمھارا دین محفوظ رہے گا اور تم دین کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو جاؤ گے۔

① جب تمھارے پاس دو آدمی کوئی مقدمہ لے کر آئیں تو ان کے قضیے کا فیصلہ انصاف پر مبنی ثبوت یا فیصلہ کن قسم لے کر کرو۔

② کمزور کو اپنے قریب کرو تا کہ اس کا دل مضبوط ہو اور اس کی زبان کھل کر اپنا مدعا بیان

---

① مجموعة الوثائق السياسية، ص:438.

کر سکے۔

③ دور سے آنے والے اجنبی کی طرف خصوصی توجہ دو، ورنہ وہ اپنا حق چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔ اس کا ذمہ دار وہ ٹھہرے گا جس نے اسے اپنی شفقت اور مہربانی کے سلوک سے محروم رکھا ہو گا۔

④ سب کو ایک نظر سے دیکھو اور سب سے یکساں تعلقات رکھو۔ اپنی نظر اور تعلقات میں برابری رکھو۔

⑤ جب تک کسی فیصلے پر نہ پہنچو اس وقت تک فریقین کے درمیان صلح کروانے کی بھرپور کوشش کرو۔''[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح رحمہ اللہ کے نام اجتہاد کے بارے میں لکھا:

''جب تمھارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو سب سے پہلے کتاب اللہ، پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حل تلاش کرو۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حل نہ ملے تو دیکھو کہ درپیش مقدمے جیسی صورت حال میں ماضی میں کسی نے کیا کہا ہے۔ اگر ایسی نظیر بھی نہ ملے تو پھر اپنی بصیرت کی روشنی میں اپنی رائے قائم کرو۔''

ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تم اجتہاد کرنا چاہتے ہو تو آگے بڑھو اور اپنی رائے قائم کرو۔ اگر چاہو تو اجتہاد نہ کرو، اس مسئلے سے پیچھے ہٹ جاؤ۔ یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے۔''[2]

سیرت خلفاء کا مطالعہ کرنے والا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ، ان کے خطوط، عدلیہ کے بارے میں ان کے احکام، قاضیوں کے لیے وظائف، ان کی معزولی، فیصلے کرنے کے طریقے، قاضی کی صفات، ان کے واجبات، فیصلہ کرنے کے مصادر اور خود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بحیثیت جج انصاف کی ذمہ داری پوری کرنے کے طریقوں کے بارے

---

① البيان والتبيين: 2/150. ② جامع بيان العلم و فضله: 2/70.

میں مکمل معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

قاضیوں کا تقرر اور وظائف

قاضیوں کا تقرر

قاضیوں کا تقرر خلیفۂ وقت خود کرتا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح رحمہ اللہ کو کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔ اسی طرح خلیفۂ وقت کی نیابت کرتے ہوئے علاقائی گورنر بھی قاضی کا تقرر کر سکتا تھا۔ گورنر مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عثمان بن ابو العاص کو مصر کا قاضی مقرر فرمایا۔ قاضی کا تقرر دراصل خلیفۂ وقت ہی کی طرف سے ہوتا تھا۔ چاہے وہ خود براہِ راست تقرر کرے یا اس کی طرف سے مقرر گورنر اس کا تقرر کرے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خود خلیفۂ وقت کسی مقدمے کی سماعت ہی نہیں کر سکتا تھا بلکہ عدلیہ کے اختیارات کا اصل سرچشمہ وہ خود ہوتا تھا اور بوقت ضرورت اپنے یہ اختیارات کسی کو تفویض کر دیتا تھا، لہٰذا سب سے پہلی فیصلہ کن شخصیت وہ خود ہی ہوتا تھا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کوئی بھی قاضی اس وقت تک قاضی کے منصب کی ذمہ داری نہیں سنبھال سکتا جب تک کہ اس کا تقرر خلیفۂ وقت یا اس کا کوئی مجاز والی اور حاکم نہ کر دے۔

قاضیوں کے تقرر میں خصوصی طور پر اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ با اثر اور صاحبِ عظمت شخص کو قاضی مقرر کیا جائے۔ کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر نہ کیا جائے جو معاشرے میں بے اثر ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام خط میں واضح طور پر حکم دیا کہ معاشرے کے با اثر اور صاحبِ علم و فضل شخص کو قاضی مقرر کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر کیا۔ یہ کاتب وحی تھے اور علوم فقہ و فرائض میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ بصرہ کے قاضی کعب بن سور ازدی رضی اللہ عنہ اور فلسطین کے قاضی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی طرح حضرت علی، عبداللہ

بن مسعود، عمران بن حصین اور ابوقرہ الکندی رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر اصحابِ رسول قاضی مقرر کیے گئے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ چند مخصوص فیصلے خود ہی فرماتے تھے۔ مخصوص فیصلے کرنے کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کا صرف ایک قول منقول ہے۔ انھوں نے سائب بن یزید بن اخت النمر کو قاضی مقرر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''ایک درہم یا دو درہموں کے مقدمے مجھ سے دُور رکھو۔''[1]

خلیفۂ وقت کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی قاضی کو خاص نوعیت کے مقدمات کی سماعت کے لیے مقرر کرے۔ معمول یہ تھا کہ عمومی طور پر ذاتی اور دیوانی نوعیت کے مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ مقرر شدہ قاضی کرتے تھے۔ لیکن حدود اور قصاص کے مقدمات کا فیصلہ خلیفۂ وقت یا اس کی طرف سے مقرر کردہ علاقے کا والی کرتا تھا۔ قاضیوں کو ان کی مرضی کے خلاف چلنے کی اجازت نہیں تھی۔ بعدازاں قتل کی حد میں خلیفۂ وقت کی منظوری اور قتل کے علاوہ دیگر احکام قصاص میں علاقے کے والی اور حاکم کی منظوری لازمی ہوگئی۔

اس دور میں قاضی کے لیے کوئی مخصوص جگہ مقرر نہیں ہوتی تھی۔ وہ جہاں چاہتا مسجد، گھر یا لوگوں کی مجلسوں میں بیٹھ جاتا تھا اور مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔[2]

اس زمانے میں مقدمات کی بھرمار بھی نہیں تھی۔ کسی مقدمے کا اندراج بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ محدود پیمانے پر کیے ہوئے فیصلے زبانی یاد رہتے تھے۔ قاضی کو اختیار تھا کہ وہ کسی ملزم کو قید بھی کر سکتا ہے تاکہ اس پر سختی کر کے اس سے حق وصول کیا جا سکے۔ حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم نے ملزم کو قید کرنے کے طریقے پر عمل کیا۔ ریاست مملکت کے مختلف مقامات پر جیل خانوں کے قیام کا اہتمام کرتی تھی جبکہ قصاص عام لوگوں کی موجودگی میں سرعام

[1] النظام القضائي، ص: 74، وعصر الخلافة الراشدة، ص: 144. [2] عصر الخلافة الراشدة، ص: 145.

نافذ کیا جاتا تھا۔[1]

قاضیوں کے وظائف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کے معقول وظائف کا بھی اہتمام فرمایا۔ تاکہ قاضی اپنی مالی ضرورت کے لیے غلط فیصلے کرنے پر مجبور نہ ہو۔ قاضی شریح اور سلمان بن ربیعہ باہلی اور دوسرے قاضیوں کے لیے ماہانہ پانچ پانچ سو درہم وظیفہ مقرر کیا۔ یہ اس زمانے کے اعتبار سے معقول رقم تھی۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام لکھے گئے خط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قاعدہ یہ بھی بیان کیا کہ قاضی کے عہدے کے لیے صاحبِ فضل شخص کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کسی فیصلے میں دولت مند شخص کی دولت سے مرعوب نہ ہو اور فیصلہ کرتے وقت اسے کسی کی پروا نہ ہو۔ قاضی کو تجارت، خرید و فروخت اور کاروبار کرنے کی اجازت نہ تھی۔

قاضی کی صفات اور فرائض

قاضی کی صفات

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت طیبہ کے مطالعے کی روشنی میں یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی قاضی کا تقرر فرماتے تھے تو وہ ان کی کون کون سی خوبیوں کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ ان میں سے چند اہم خوبیوں کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے:

احکام شرعیہ کا علم: کیونکہ مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ کرنے میں شرعی احکامات کی تطبیق نہایت ضروری ہوتی ہے، ورنہ صحیح فیصلہ کرنا محال ہو جاتا ہے۔

تقویٰ: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے نام اپنے احکام میں لکھا تھا کہ تم اپنے علاقے کے نیک اور پرہیزگار لوگوں کو قاضی مقرر کرو۔[2]

---

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 145. [2] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 723، والمغني لابن قدامة: 37/9.

قناعت: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے واضح فرمایا تھا: «لَا يُقِيمُ أَمْرَ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ لَّا يُصَانِعُ وَلَا يُضَارِعُ وَلَا يَتْبَعُ الْمَطَامِعَ» ''دھوکا دینے والا، ریاکار اور حریص آدمی اللہ کا قانون نافذ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے۔''[1]

ذہانت: قاضی کے لیے لازم ہے کہ وہ انتہائی ذہین اور سمجھدار ہوتا کہ معاملات کی گہرائی تک پہنچ سکے۔ امام شعبی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ کعب بن سور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ اسی دوران ایک عورت آئی۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ نے میرے خاوند سے بڑھ کر بہتر آدمی کوئی نہیں دیکھا ہوگا۔ اللہ کی قسم! وہ شب زندہ دار ہے، دن کو مسلسل روزے رکھنے والا ہے۔ وہ سخت گرمی میں بھی روزہ نہیں چھوڑتا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کی بات سن کر اس کے لیے بخشش کی دعا فرمائی، تعریفی کلمات کہے اور ارشاد فرمایا: تمھارے جیسی عورتیں انتہائی قابل رشک ہیں (کہ ان کے شوہر اس قدر نیک اور پارسا لوگ ہیں) شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر وہ عورت شرم وحیا سے سمٹ گئی اور واپس جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس خاتون کو واپس جاتا دیکھ کر کعب نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اس عورت نے اپنے خاوند کے خلاف جو شکایت کی ہے، آپ نے اس شکایت کا ازالہ نہیں فرمایا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا اس نے اپنے خاوند کی کوئی شکایت کی ہے؟ کعب نے عرض کیا: جی ہاں، اس نے اپنے خاوند کی بڑی سخت شکایت کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: کیا واقعی اس نے شکایت کی ہے؟ کعب نے عرض کیا: جی ہاں، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس عورت کو میرے پاس لاؤ۔ وہ حاضر ہوئی تو فرمایا: خاتون! حق بات وضاحت کے ساتھ صاف صاف کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ کعب کا خیال ہے کہ تو نے اپنے خاوند کے بارے میں شکایت کی ہے کہ وہ رات تیرے پاس بسر نہیں کرتا۔ عورت فوراً بولی: جی ہاں، یہی بات ہے۔ میں نوجوان

---

[1] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي: 102/2.

ہوں۔ دوسری عورتوں کی طرح میں بھی خاوند کا قرب چاہتی ہوں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس کے خاوند کو بلا بھیجا اور کعب کو حکم دیا: تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ کعب نے عرض کیا: امیر المومنین! فیصلہ کرنے کا زیادہ استحقاق آپ کو ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا حکم ہے کہ یہ فیصلہ تم ہی کرو کیونکہ تم اس مقدمے کی وہ بات سمجھ گئے جو میں نہ سمجھ سکا۔ کعب نے عرض کیا: مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس آدمی کی تین اور بیویاں بھی ہیں۔ یہ اس کی چوتھی بیوی ہے۔ اس کے شوہر کے لیے میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ تین دن اور تین راتوں تک عبادت کرے اور یہ اپنی ہر بیوی کے ساتھ ایک دن اور ایک رات رہے۔ یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! تمھاری دوسری رائے پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہے۔ جاؤ! میں تمھیں بصرہ کا قاضی مقرر کرتا ہوں۔''[1]

سختی اور نرمی کا امتزاج: منصب قضا پر فائز ہونے والے کے لیے 4 صفات سے متصف ہونا ضروری ہے: وہ نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو، طاقتور ہو لیکن تشدد سے کام نہ لے۔ مال پر کنٹرول کرے۔ احتیاط سے خرچ کرے لیکن بخیل نہ ہو اور سخی ہو مگر فضول خرچی نہ کرے۔[2]

بارعب شخصیت: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا: میں ابو مریم کو معزول کر دوں گا۔ اس کی جگہ ایسا آدمی مقرر کروں گا کہ جو فاجر بھی اسے دیکھے گا خوفزدہ ہو جائے گا، پھر اسے معزول کر کے کعب بن سور کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔[3]

مال داری اور حسب ونسب: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گورنر کے نام اپنے مکتوب گرامی میں تاکید فرمائی کہ تم اپنے علاقے میں مال دار اور صاحب حسب ونسب لوگوں کے علاوہ کسی اور سے کوئی سرکاری کام نہ لینا، اس لیے کہ ایک متمول شخص کسی کا مال ضبط کرنے کی کوشش نہیں کرے گا اور صاحبِ حسب ونسب نفاذِ حکم کے لیے کسی انجام کو خاطر میں نہیں لائے گا۔[4]

---

[1] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:723. [2] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:724.
[3] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:724. [4] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:724.

قاضی کے فرائض

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کے لیے اہم ذمہ داریوں کی نشاندہی کی اور فرمایا کہ عدالت کی بنیادیں مضبوط رکھنے کے لیے چند صفات کا ہونا ضروری ہے۔ ہم یہاں ان صفات کا مختصراً تذکرہ کر رہے ہیں:

اخلاص: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق دار کے لیے برحق فیصلہ کرنے پر اجر عطا فرماتا ہے اور ذخیرۂ حسنات میں اضافہ فرما دیتا ہے۔ جس کی نیت حق کے بارے میں کھری ہو، چاہے معاملہ خود اسی کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے درمیان اس کی کفایت فرمائے گا اور اسے کسی کی کفایت کا محتاج نہیں رکھے گا۔ اور اگر اس نے خالص نیت سے کوئی فیصلہ نہ کیا تو وہ رسوا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول فرماتا ہے جو خلوصِ نیت سے کیا جائے۔ اب تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا تم دنیا کا رزق اور اللہ کی رحمت کے خزانے حاصل کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟[1]

مقدمے کا باریک بینی سے جائزہ: کسی بھی مقدمے کا فیصلہ سنانے سے قبل اس کا بنظرِ غائر جائزہ لینا ازبس ضروری ہے تاکہ حق واضح ہو سکے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''جب تمھارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو پہلے اسے اچھی طرح سمجھو۔''

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی قاضی کو کسی مقدمے کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کرنا چاہیے جب تک حق اس پر اس طرح واضح نہ ہو جائے جس طرح دن اور رات واضح ہوتے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کی رپورٹ ملی تو انھوں نے فرمایا: ''ابو موسیٰ نے سچ کہا۔''[2]

اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ: مدعی مسلمان ہو یا غیر مسلم قاضی کو فیصلہ اسلامی

---

[1] إعلام الموقعين لابن القيم: 85/1. [2] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 725.

شریعت کے مطابق کرنا چاہیے۔ حضرت زید بن اسلم بیان فرماتے ہیں: ایک یہودی عورت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئی اور کہا: میرا بیٹا فوت ہوگیا ہے۔ یہودی علماء کا خیال ہے کہ مجھے اس کی وراثت سے کچھ نہیں ملے گا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بلایا اور دریافت فرمایا: کیا تم اس عورت کو اس کا حق نہیں دو گے؟ انھوں نے کہا: ہم اپنی کتاب میں اس کا حق نہیں پاتے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا یہ بات تورات میں لکھی ہوئی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں ''یہ بات ''مثناۃ'' میں ہے'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مثناۃ'' کیا چیز ہے؟ انھوں نے کہا: یہ وہ کتاب ہے جسے ہمارے علماء اور دانا لوگوں نے مرتب کیا ہے۔ یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سخت الفاظ میں ڈانٹا اور فرمایا: جاؤ، اس خاتون کا حق فوراً ادا کردو۔ [1]

مشورہ: قاضی کو مشکل معاملات میں منتخب افراد سے مشورہ لینا چاہیے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قاضی کو لکھا: شرعی معاملات و مسائل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں سے مشورہ کرلیا کرو۔ [2]

انھوں نے قاضی شریح کو لکھا: اگر تم چاہو تو مجھ سے مشورہ کرلیا کرو۔ میں مشورہ طلب کرنے پر تمھیں یقیناً امانت داری سے مشورہ دوں گا۔ [3]

خود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ اکثر امور میں اصحاب رائے سے مشورہ فرماتے تھے۔ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کو عدالتی فیصلے کرنے کا تجربہ حاصل کرنا ہو، وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عدالتی فیصلوں کو لازم پکڑے، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کثرت سے مشورے کرتے تھے۔ [4]

مساوات کا برتاؤ: قاضی کو چاہیے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان مساوات قائم رکھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا: اپنے روبرو، اپنی عمومی مجلس اور عدالت میں لوگوں

---

[1] المحلّٰی لابن حزم: 307/9، و موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 725. [2] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 725، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 112/10. [3] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 725، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 110/10. [4] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 725، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 109/10.

کے مابین مساوات قائم رکھو۔ نہ کوئی سردار تم سے ظلم کرا سکے، نہ کوئی کمزور شخص تمھارے انصاف سے نا اُمید ہو۔

مزید لکھا: تم سب لوگوں کے حقوق برابر سمجھو۔ کسی قریب کو بعید اور بعید کو قریب پر فوقیت نہ دو۔

ایک دفعہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک باغ کے حصول کے بارے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ پر دعویٰ کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مستحق نہ سمجھا۔ دونوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ثالث بنانے کا فیصلہ کیا اور زید رضی اللہ عنہ کے گھر آ گئے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔ لوگ فیصلے کرانے کے لیے زید رضی اللہ عنہ کے گھر پر آیا کرتے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ امیر المومنین کو دیکھ کر اپنے بستر سے اٹھے اور کھڑے ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ زید رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تکیہ پیش کیا اور عرض کیا: اے امیر المومنین! یہاں تشریف رکھیے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «جُرْتَ يَا زَيْدُ! فِي أَوَّلِ قَضَائِكَ وَلٰكِنْ أَجْلِسْنِي مَعَ خَصْمِي فَجَلَسَا بَيْنَ يَدَيْهِ» ''اے زید! تم نے تو پہلے ہی مرحلے میں ظلم کر دیا، مجھے میرے مدِ مقابل کے ساتھ بٹھاؤ، لہٰذا دونوں زید رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے۔''[1]

کمزور کی حوصلہ افزائی: کمزور شخص کا لحاظ اس لیے ضروری ہے کہ وہ خوفزدہ نہ ہو اور کھل کر اطمینان سے گفتگو کر سکے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: «أَدْنِ الضَّعِيفَ حَتّٰى يَجْتَرِئَ قَلْبُهُ وَيَنْبَسِطَ لِسَانُهُ» ''کمزور کو اپنے قریب کرو تاکہ اس کا دل دلیر ہو جائے اور زبان کھل جائے۔''[2]

دور سے آنے والے کا فیصلہ جلدی نمٹانا: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''دور سے آنے والے اجنبی کا خیال رکھو۔ اگر وہ اپنے مقدمے کے سلسلے میں اپنے گھر سے زیادہ

---

[1] صحيح التوثيق في سيرة و حياة الفاروق، ص:259. [2] مجموعة الوثائق السياسية، ص:438.

دیر دور رہا تو ممکن ہے، وہ اپنا حق چھوڑ کر واپس چلا جائے۔ یقیناً اس نے اس کا حق برباد کیا جس نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔"[1]

عالی ظرفی: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا: تمھیں فیصلے کرتے وقت مطمئن اور معتدل ہونا چاہیے۔ کبیدہ خاطر، غضب ناک اور مضطرب نہیں ہونا چاہیے۔ مقدمے کی سماعت کے وقت لوگوں سے کبھی تنگی، تکلیف اور ناگواری محسوس نہ کرو۔ اگر کوئی قاضی متذکرہ حالتوں کی بنا پر خود کو بے چین پائے تو کسی مقدمے کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہ کرے، ایسا نہ ہو کہ اس ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ کوئی غلط فیصلہ سنا دے۔"

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا: "غصے کی حالت میں کوئی فیصلہ نہ کرو۔"[2] قاضی شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ غصے کی حالت میں کبھی کوئی فیصلہ نہ کرنا۔[3] سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: «لَا يَقْضِي الْقَاضِي إِلَّا وَهُوَ شَبْعَانُ رَيَّانُ» "کوئی قاضی اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ کرے جب تک وہ اچھی طرح کھا، پی نہ لے۔" وہ سمجھتے تھے کہ بھوک یا پیاس کی حالت میں جلد بازی سے غلط فیصلے صادر ہو جانے کا بڑا خدشہ ہے۔[4]

فیصلے پر اثر انداز ہونے والے امور سے اجتناب: جس طرح رشوت، تجار سے خرید و فروخت کے معاملات میں نرمی، تحائف کی وصولی وغیرہ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کو تجارت کرنے، بازاروں میں خرید و فروخت کرنے، تحائف قبول کرنے اور رشوت لینے سے بڑی شدت سے منع فرمایا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا: تم کسی قسم کی خرید و فروخت اور مضاربت نہ کرو، نہ کسی مقدمے میں کوئی رشوت قبول کرو۔

---

[1] مجموعة الوثائق السياسية، ص: 438. [2] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 726.
[3] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 726، والمغني لابن قدامة: 79/9. [4] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 726، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 106/10.

قاضی شریح فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب مجھے منصب قضا پر مامور فرمایا تو مجھے اس امر کا پابند فرمایا کہ میں خرید وفروخت کا کوئی دھندا کروں گا نہ رشوت لوں گا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: «إِيَّاكُمْ وَالرِّشَا وَالْحُكْمَ بِالْهَوٰى» ''رشوت لینے اور مقدمات میں خواہشات کی دخل اندازی سے بچو۔''[1]

ظاہر پر فیصلہ کرنا: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو ہم تمھیں اچھی طرح جان سکتے تھے۔ وحی کا زمانہ تھا اور وحی کے ذریعے سے تمھارے ہر معاملے کی خبر ہو سکتی تھی۔ اب ہم صرف تمھیں تمھاری گفتگو ہی سے پہچان سکتے ہیں۔ جس کا ظاہر اچھا ہوگا ہم اسے اچھا سمجھیں گے اور اس سے محبت کریں گے اور جس کا ظاہر بُرا ہوگا ہم اسے برا خیال کریں گے اور اس سے نفرت کریں گے۔ تمھارے اصل بھید تمھارے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہیں۔[2]

حتی الامکان صلح کی کوشش کرنا: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی بھی مقدمے کا حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے دونوں فریقوں کو صلح کا موقع دو کیونکہ حتمی فیصلے بعض اوقات بعد میں باہمی دشمنی بغض اور کینے کا سبب بنتے ہیں۔ اگر دونوں فریق شریعت اسلامی کے مطابق باہمی صلح پر راضی ہو جائیں تو قاضی صلح کو مؤثر قرار دے گا۔ اگر صلح کسی شرعی حکم سے متصادم ہوگی تو قاضی اس صلح کو توڑ دے گا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا» ''مسلمانوں کے درمیان باہمی صلح جائز ہے، سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے۔''[3]

اگر قاضی کو کسی مقدمے میں حتمی فیصلے پر پہنچنے میں دشواری ہو تو فریقین کے مابین صلح کرانے پر خصوصی توجہ دے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا: اگر کسی مقدمے میں تمھیں

---

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 135/10، و موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 727. [2] صحيح البخاري، حديث: 2641، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 125/10و150. [3] تاريخ المدينة: 769/2، وموسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 727.

کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے میں دشواری کا سامنا ہو یا فریقین ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوں تو ان کے مابین صلح کا راستہ اختیار کرو کیونکہ ایسے حالات میں حتمی فیصلہ باہمی رنجش کا سبب بن سکتا ہے۔[1]

حق کی طرف رجوع: قاضی کسی مقدمے میں اپنا فیصلہ صادر کر چکا ہو، بعدازاں اس کی عدالت میں پھر اسی جیسا کیس آجائے مگر اب حالت یہ ہو کہ اس مقدمے کے بارے میں قاضی کا سابقہ اندازِ فکر تبدیل ہو چکا ہو تو اسے کسی تردد کی ضرورت نہیں۔ وہ یقیناً اس نئے کیس میں اپنے جدید اندازِ فکر کے مطابق فیصلہ کرنے کا پوری طرح مجاز ہے، لہٰذا اس کا سابقہ مقدمے والا فیصلہ بھی کالعدم نہیں ہوگا۔ وہ بدستور بحال رہے گا۔ آگے چل کر اگر پھر کسی وقت قاضی کے سامنے کوئی اور نیا اجتہاد آجائے تو وہ بخوشی اسے بر سر کار لائے۔ لیکن اس کے سابقہ فیصلے برقرار رہیں گے۔ کوئی فیصلہ کالعدم نہیں ہوگا۔

سالم ابن ابی الجعد فرماتے ہیں: اگر زندگی میں کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنی ہوتی تو اس دن ضرور کرتے جب اہل نجران سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تھے۔ معاملہ یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ وہ شخصیت تھے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ نجران کے مابین عہد نامہ تحریر فرمایا تھا۔ اب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے مابین اختلاف کا اندیشہ ہوا۔ اہل نجران سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور اس عہد نامے میں تبدیلی کی گزارش کی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تبدیلی فرما دی۔ بعدازاں وہ اپنے اس اقدام سے کچھ پشیمان بھی ہوئے اور باہمی اختلافات بھی پیدا ہو گئے۔ وہ لوگ دوبارہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حسب سابق پہلے معاہدے ہی کی طرف رجوع کے خواستگار ہوئے لیکن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انکار فرما دیا، پھر جب علی رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے

[1] إعلام الموقعين: 108/1.

امیرالمومنین! یہ تو آپ کی زبان کی سفارش اور آپ ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا معاہدہ ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم پر افسوس! سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بلاشبہ انتہائی سمجھدار آدمی تھے۔''[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس پہلے فیصلے کو کالعدم کرنے سے انکار فرما دیا جو انھوں نے اہل نجران کے بارے میں فرمایا تھا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُن کا فیصلہ برقرار رکھا اور اسے کالعدم کرنے سے انکار فرما دیا۔[2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت سے مسائل میں اپنا اجتہاد تبدیل کرتے رہے، مثلاً: وراثت کے باب میں بھائیوں کی موجودگی میں دادا کی وراثت اور نسبی بھائیوں کے لیے وراثت سے کچھ نہ ملنے کی صورت میں انھیں اخیافی بھائیوں کے ساتھ ثلث میں شریک کرنا وغیرہ۔ روایات سے ثابت ہے کہ انھوں نے اپنا پہلا فیصلہ کالعدم قرار نہیں دیا، جبکہ اس طرح نئے مقدمات آجانے پر ان کا فیصلہ جدید اجتہاد کے مطابق کیا اور یہ نیا اجتہاد سابقہ مقدمات میں دیے گئے فیصلوں کی وجہ سے حق کے مطابق فیصلہ کرنے میں رکاوٹ نہ بنا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''اگر آج تم کوئی فیصلہ کرو جس میں تمھاری رائے اس جیسے اس سے قبل کیے جانے والے فیصلے سے متصادم ہو تو حق کی اتباع کرتے ہوئے اس درست رائے کو قائم رکھو اور جان لو کہ حق قدیم ہے جسے کوئی امر باطل نہیں کر سکتا۔ حق کی اتباع کرنا جان بوجھ کر باطل پر ضد کرنے اور اڑے رہنے سے بہتر ہے۔''[3]

اسی باعث سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دادا کی وراثت میں مختلف فیصلے فرمائے اور اس عورت کے بارے میں جس نے اپنے پیچھے خاوند، ماں، دو اخیافی اور دو علاتی بھائی چھوڑے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نسبی بھائیوں کو اخیافی بھائیوں کے ساتھ ثلث میں شریک فرمایا۔ ایک آدمی نے عرض کیا: آپ نے فلاں سال تو اس طرح کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ ہمارا اس وقت کا فیصلہ تھا اور یہ اس وقت کا فیصلہ ہے۔''[4]

---

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 120/10، وموسوعة فقه عمر، ص: 728. [2] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 728. [3] إعلام الموقعين: 85/1. [4] إعلام الموقعين: 111/1، وموسوعة فقه عمر، ص: 729.

جرم ثابت نہ ہونے تک ملزم کو بری سمجھنا: عبداللہ بن عامر بیان فرماتے ہیں: میں ایک قافلے کے ساتھ تھا۔ ہم ''ذاالمروۃ'' نامی جگہ پہنچے، کسی نے میرا بیگ چوری کر لیا۔ قافلے میں ایک آدمی تھا، لوگوں نے اسے متہم کیا۔ اس سے کہا: ارے! ان کا بیگ واپس کرو۔ اس نے کہا: میں نے ان کا بیگ نہیں لیا۔ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ انھیں اپنے معاملے کی اطلاع دی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: تم کون لوگ ہو؟ میں نے سب اہلِ قافلہ کا تعارف کرایا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ یہی شخص، جسے لوگوں نے متہم قرار دیا تھا، چور ہے۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا میں اُسے بیڑیاں پہنا کر آپ کے سامنے پیش کروں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ثبوت کے بغیر تم اس طرح کیسے کر سکتے ہو؟[1]

نص کے مقابلے میں اجتہاد؟ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قاضی کو تاکید فرمائی: جب تمھارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو اس پر بار بار غور کرو اگر قرآن وسنت سے کوئی واضح نص نہ ملے تو پھر قیاس سے کام لو۔[2]

قاضیوں کی ذمہ داری اور قواعد عدالت کے متعلق جاننے کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک تحریر نقل کی جاتی ہے جس میں یہ تمام ادب آداب وضاحت سے پیش کیے گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور طاقتور کو تم سے رورعایت کی امید نہ ہو۔ جو شخص دعوی کرے وہ ثبوت فراہم کرے۔ اور مدعٰی علیہ پر قسم ہے۔ دونوں فریق آپس میں صلح کر سکتے ہیں بشرطیکہ حلال حرام اور حرام حلال نہ ہو۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا ہے تو آج غور وخوض کے بعد رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلے پر شبہ ہو اور وہ قرآن وحدیث میں نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں پر قیاس کرو۔

[1] موسوعة فقه عمر، ص: 729، والمحلّٰی لابن حزم: 132/11. [2] إعلام الموقعين: 85/1.

جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اسے کچھ وقت یا میعاد کی مہلت دو۔ اگر ثبوت پیش کرے تو اسے اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ خارج کر دو، تمام مسلمان ثقہ ہیں۔ ان کی گواہی قابلِ قبول ہے سوائے اس شخص کے جسے حد لگائی گئی ہو یا اس نے جھوٹی گواہی دی ہو یا جس کا نسب مشکوک ہو۔''

یہ تحریر عدالتی فیصلوں کے لیے بنیادی کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تحریر سے ہم مندرجہ ذیل احکام ماخوذ کر سکتے ہیں:

① قاضی کو عدالت میں تمام لوگوں سے یکساں سلوک کرنا چاہیے۔

② ثبوت مدعی پیش کرے گا۔

③ مدعی علیہ اگر کوئی ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو قسم اٹھائے گا۔

④ فریقین خلافِ قانون امر کے علاوہ ہر حال میں صلح کر سکتے ہیں۔

⑤ قاضی اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کے بعد بھی اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔

⑥ مقدمے کی پیشی کی تاریخ متعین ہونی چاہیے۔

⑦ تاریخ معینہ پر اگر مدعیٰ علیہ حاضر نہ ہو تو فیصلہ کر دیا جائے اور اگر مدعی ثبوت پیش نہ کر سکے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے۔

⑧ ہر مسلمان کی گواہی قابل قبول ہے سوائے سزا یافتہ یا جھوٹی گواہی دینے والے یا نسب میں مشکوک افراد کے۔

یہ قاضیوں کی ذمہ داری میں شامل تھا کہ جو بھی انصاف کی دہلیز پر آئے، اپنا حق ضرور پائے۔ یہ وہ صفات ہیں جن کا التزام قاضی کے لیے بہت ضروری ہے۔

عدالتی احکام کی نگرانی: رسالت مآب ﷺ ہی کے عہد مبارک سے دینی احکام وقوانین اور عدالتی فیصلوں کی پابندی کا اہتمام و التزام پوری لفظی و معنوی شان و شوکت کے ساتھ کرنا، مسلمانوں کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ خاص طور پر عمّال و حکّام سب سے پہلے اور

سب سے زیادہ خود ان فیصلوں پر عمل کرتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے۔ اس حوالے سے وہ سب سے زیادہ اسلامی احکام وقوانین کی پابندی فرماتے تھے۔ دل و جان سے عدالتی فیصلے تسلیم کرتے تھے۔ وہ ہر برحق فیصلے پر بہت خوش ہوتے تھے اور فیصلہ کرنے والے قاضی کی تعریف فرماتے تھے، چاہے فیصلہ خود انھی کے خلاف ہوتا، وہ اسے خوش دلی سے مان لیتے تھے اور فیصلہ کرنے والے کو انتہائی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ①

ایک دفعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بدوی سے گھوڑا خریدا۔ انھوں نے اس گھوڑے کو آزمانا چاہا، چنانچہ بطور تجربہ اس گھوڑے پر سوار ہوئے۔ گھوڑا بہت تھک گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بدوی سے فرمایا: اپنا گھوڑا واپس لے لو۔ بدوی نے گھوڑا واپس لینے سے انکار کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چلو، اپنے اور میرے درمیان کسی کو ثالث بناؤ۔ اس نے قاضی شریح کا نام لیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور بدوی دونوں قاضی شریح کی عدالت میں گئے۔ قاضی شریح نے فیصلہ سنایا: اے امیر المومنین! آپ نے جو چیز خرید لی، سو خرید لی۔ اسے اپنے پاس رکھیے یا گھوڑا اسی حالت میں واپس کیجیے جس حالت میں آپ نے خریدا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے فرمایا: فیصلے اسی طرح ہی کیے جاتے ہیں!! پھر شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ ②

① شهيد المحراب، ص: 211. ② عصر الخلافة الراشدة، ص: 147، وشهيد المحراب، ص: 211.

عدالتی فیصلوں کے مصادر اور وہ امور جن کی بنیاد پر فیصلے صادر ہوتے ہیں

عدالتی فیصلوں کے مصادر

خلفائے راشدین کے عہد زریں میں عدالتی فیصلوں کے لیے بنیادی مصادر، یعنی کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجتہاد کی طرف ٹھیک اسی طرح رجوع کیا جاتا تھا جس طرح رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانے میں معمول تھا لیکن خلفائے راشدین کے عہد میں دونئی باتیں سامنے آئیں:

① اجتہاد کے امکانات بڑھ گئے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا طریقۂ کار بھی ترقی کر گیا۔

② اجتہادی مسئلے میں کسی فیصلے تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے تمہیدات قائم کی جاتی تھیں۔ تمہیدات کے مختلف مراتب پر غور ہوتا اور پھر نتائج پر پہنچنا پڑتا تھا۔ خلافت راشدہ میں مجلس شوریٰ، باہمی مشورے کا عمل، اجماع، رائے اور قیاس جیسے جدید مصادر معرضِ وجود میں آئے۔ یہ عہدِ نبوی میں نہیں تھے۔ یہ وہ مصادر تھے جو ایک خلیفۂ راشد کے عہد سے دوسرے خلیفہ کے زمانۂ مبارک تک بتدریج معرض وجود میں آئے، یوں خلافتِ راشدہ میں مصادر کی ترتیب یہ قرار پائی:[1]

[1] تاريخ القضاء في الإسلام للدكتور محمد الزحيلي، ص: 118.

① کتاب اللہ ② سنت رسول اللہ ﷺ

③ اجتہاد ④ اجماع

⑤ قیاس ⑥ وہ فیصلے جو ابتدائی دور میں کیے گئے۔

مختلف مسائل اور طرح طرح کے مقدمات کے فیصلوں کے لیے باہمی مشورے سے انھی مصادر کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اس عہدِ مبارک میں مندرجہ بالا مصادر کی موجودگی پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں۔ ہم ان مصادر کو قدرے تفصیل اور ان کی تائید میں روایات میں سے چند ایک کو بیان کرتے ہیں:

کتاب وسنت

❁ علامہ شعبی رحمہ اللہ قاضی شریح سے نقل فرماتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے تنازعات کے مابین تم سب سے پہلے کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرو۔ اگر کتاب اللہ سے اس بارے میں معلومات نہ ملیں تو رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی روشنی میں فیصلے کرو۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے بھی آگہی نہ ملے تو ہدایت یافتہ ائمۂ دین کے فیصلوں کی روشنی میں فیصلے کرو۔ اگر وہاں سے بھی راہنمائی نہ مل سکے تو پھر اجتہاد کرنا اور اہلِ علم اور تجربہ کار افراد سے مشورہ کرتے رہنا۔[1]

❁ ابن شہاب زہری بیان فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے برسرِ منبر ارشاد فرمایا: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ الرَّأْيَ إِنَّمَا كَانَ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ مُصِيبًا أَنَّ اللّٰهَ كَانَ يُرِيهِ وَإِنَّمَا هُوَ مِنَّا الظَّنُّ وَالتَّكَلُّفُ» ''لوگو! نبی ﷺ کی رائے سو فیصد صحیح ہوتی تھی کیونکہ وہ منجانب اللہ قائم ہوتی تھی۔ ہم تو صرف اندازے اور تکلفات سے کام لیتے ہیں۔''[2]

مزید ارشاد فرمایا: «هٰذَا مَا رَأَى عُمَرُ فَإِنْ يَّكُ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰهِ وَإِنْ يَّكُ خَطَأً

---

[1] إعلام الموقعين: 224/1، وتاريخ القضاء في الإسلام، ص: 119. [2] تاريخ القضاء في الإسلام، ص: 120، وإعلام الموقعين: 57/1، یہ روایت مرسل ہے۔

فَمِنْ عُمَرَ» ”یہ عمر کی رائے ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر غلط ہے تو یہ عمر کی طرف سے ہے۔“[1]

❁ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو فرمایا: ”بلاشبہ مجھے بڑی حیا آتی ہے کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کیے ہوئے فیصلے کو چیلنج کروں۔“[2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اِسی مضمون کی تاکید ان کے اس حکم میں بھی موجود ہے جو انھوں نے قاضی شریح کو تحریرًا ارسال فرمایا۔ آپ نے تاکید کی: تمھاری عدالت میں جب بھی کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم پر لازم ہے کہ اس کی نسبت سب سے پہلے کتاب اللہ میں غور کرو۔ اگر کتاب اللہ سے مسئلہ حل نہ ہو تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرو۔ اور بالفرض سنت رسول سے بھی مسئلہ حل نہ ہو سکے تو نیک اور برگزیدہ ائمہ کے فیصلوں سے رہنمائی حاصل کرو۔[3]

اجماع

اگر قاضی قرآن وسنت میں کسی مسئلے کے بارے میں کوئی واضح نص نہ پاتا تھا تو وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، فقہاء اور علمائے وقت سے مشورہ کرتا تھا۔ پیش آمدہ مسئلہ سب کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، پھر ہر زاویے سے اس پر بحث ہوتی تھی، سب علماء وفقہاء اس سلسلے میں اجتہاد کرتے تھے اگر ان کا اجتہاد ایک رائے پر متفق ہو جاتا تو اسے اجماع کا نام دیا جاتا تھا۔

اجماع باتفاقِ علماء شریعت اسلامیہ کا تیسرا مصدر ہے جو امت محمدیہ کے مجتہد علماء کے کسی شرعی مسئلے پر اتفاق کا نام ہے۔ اس کا ظہور پہلی مرتبہ عہد راشدہ میں ہوا۔ اس بارے میں بہت سی باتیں اور طویل مباحث کتب فقہ، اصولِ فقہ اور تاریخ التشریع کا حصہ ہیں۔

جن مسائل پر اجماع ہوا، وہ بہت کم ہیں۔ اجماع کا امکان صرف مملکتِ اسلامیہ کے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقي: 116/10، و إعلام الموقعین: 58/1، وتاریخ القضاء في الإسلام، ص: 120. [2] إعلام الموقعین: 224/1. [3] تاریخ القضاء في الإسلام، ص: 120.

دارالخلافہ مدینہ طیبہ ہی میں تھا کیونکہ یہاں اجل علماء، فقہاء اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑی کثرت سے جلوہ افروز تھے۔ دیگر علاقوں میں اس کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔[1]

مجمع علیہ مسائل کی ایک مثال اس طرح مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھا: 'أخوان' ''دو بھائی'' آپ کی زبان میں 'اِخْوَہ' جمع کے صیغے کا مفہوم ادا نہیں کرتے، پھر آپ دو بھائیوں کی وجہ سے ماں کا حصہ ثُلث سے سدس کیوں کر دیتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ﴾

''اگر میت کے «اِخْوَہ» 'بھائی' ہوں تو ماں کو سدس ملے گا۔''[2]

اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کسی ایسے فیصلے کو نہیں توڑ سکتا جو مجھ سے پہلے کیا گیا ہو، تمام علاقوں میں نافذ ہو گیا ہو اور لوگ اس کے مطابق عمل کرتے ہوں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسا اجماع تھا جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کے بغیر مکمل ہو گیا تھا اور ان کی مخالفت کے باوجود یہ اجماع غیر مؤثر نہیں ہوا تھا۔ اجماع میں تین بنیادی عناصر ہوتے ہیں: ① باہمی مشورہ ② اجتہاد ③ اتفاق۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بھی عنصر مفقود ہو تو قاضی ان دیگر مصادر کی طرف رجوع کرے گا جو اجماع کے بعد آتے ہیں۔

سابقہ فیصلے

ان سے مراد وہ فیصلے ہیں جو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ائمۂ مجتہدین اور کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کیے تھے۔ یہی وہ فیصلے ہیں جن کا تذکرہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صراحتاً فرمایا اور تمام قاضیوں اور عمّال کو حکم دیا کہ وہ ان فیصلوں سے راہنمائی حاصل کریں۔[3]

① تاريخ القضاء في الإسلام، ص: 122. ② النسآء 11:4. ③ تاريخ القضاء في الإسلام، ص: 123,122.

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس مصدر کو بڑے واضح الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے: «رَأْيُ الصَّحَابَةِ خَيْرٌ مِّنْ رَّأْيِنَا لِأَنْفُسِنَا» ”صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے ہماری رائے سے بہتر ہے۔“ انھوں نے فرمایا: اتنے بلند مرتبہ لوگوں کی آراء ہمارے لیے انتہائی قیمتی ہیں، ان آراء کے سامنے ہماری آراء ہیچ ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو؟ کیونکہ یہ مبارک آراء نورِ ایمان اور علم سے لبریز ہیں۔ یہ ایسے منور دلوں سے صادر ہوئی ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معرفت اور فہم حاصل کیا تھا۔ وہ امت کے خیر خواہ تھے۔ ان کے دل نبی علیہ السلام کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ بلاواسطہ مشکاۃِ نبوت کے معارف و ایمان کا تروتازہ علم نقل فرماتے تھے۔ اس میں کسی قسم کے اشکال نہیں ہوتے تھے۔ اختلاف کی ملاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ نہ کسی معارضے کی وجہ سے اس میں کوئی کدورت ہوتی تھی، لہٰذا ان کی مبارک رائے کے مقابلے میں کسی بھی رائے کو لانا بڑی نادانی کی بات ہوگی۔ [1]

قیاس و اجتہاد

سابقہ مجتہدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فیصلے بہت قلیل تعداد میں ہیں۔ اگر قاضی کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص نہ پائے، نہ اجماع یا سابقہ فیصلوں میں درپیش مسئلے کا حل پاسکے تو اسے اجتہاد کرنا چاہیے۔ اجتہاد کا بیان حدیث معاذ میں موجود ہے۔

کسی غیر منصوص مسئلے کو منصوص مسئلے پر قیاس کرنا اجتہاد کے مبادیات میں سے ہے۔

قیاس شریعت اسلامیہ کا چوتھا ماخذ ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں تحریر فرمایا تھا: ”پھر تم مسائل کو ایک دوسرے پر قیاس کرو اور جدید درپیش مسئلے کے نظائر تلاش کرو، پھر اپنی رائے کے مطابق جو امر حق کے قریب اور اللہ تعالیٰ

---

[1] إعلام الموقعين: 87/1، وتاريخ القضاء في الإسلام، ص: 123.

کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو اسے اختیار کرو۔''[1]

رائے

اگر کسی معاملے میں نئے پیدا ہونے والے مسئلہ کی کوئی نظیر نہ ملے تو قاضی اجتہاد کرے گا اور جو فیصلہ حق، انصاف، مقاصد شریعت کے مطابق اور قاضی کی نظر میں صائب ہو گا، قاضی اسی پر اعتماد کرے گا۔ اس مصدر کا تذکرہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ان احکام میں بکثرت ملتا ہے جو انھوں نے قاضی شریح یا دیگر قاضیوں کو جاری فرمائے۔[2]

مجلس شوریٰ اور باہمی مشاورت قاضیوں کے لیے کسی بھی مقدمے میں حتمی فیصلہ کرنے کا انتہائی اہم وسیلہ ہوتا ہے۔ اس کا تذکرہ بہت سی روایات اور خطوط و رسائل میں گزر چکا ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ قولاً اور فعلاً اس پر یقین رکھتے تھے۔ وہ خود ایک اعلیٰ فقیہ تھے اس کے باوجود شورائی نظام کے حامی تھے۔ ایسا مسئلہ شاذ ہی سننے میں آیا ہے جس کے بارے میں انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ نہیں کیا۔[3]

علامہ شعبی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو بعض اوقات اس کے مختلف پہلوؤں پر ایک ایک مہینے تک نہایت باریک بینی سے غور فرماتے اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے رہتے تھے۔[4]

عدالتی فیصلوں کو صادر کرنے والے امور

قاضی کو حتمی نتیجے تک پہنچنے کے لیے جن عدالتی ثبوتوں پر اعتماد کرنا ہوتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

---

(1) تاريخ القضاء في الإسلام، ص: 124. (2) إعلام الموقعين: 70/1، فما بعد ها. (3) تاريخ القضاء في الإسلام، ص: 125. (4) تاريخ القضاء في الإسلام، ص: 125.

اقرار

صریح اقرار کے ساتھ تحریری ثبوت بھی اقرار کے حکم میں تصور کیا جائے گا۔

گواہی

گواہی کے سلسلے میں قاضی کو چاہیے کہ وہ گواہوں کی اہلیت کو پرکھے۔ اگر وہ گواہوں کو جانتا ہی نہ ہو تو پھر ایسے افراد کو طلب کرے جو موقع کے گواہوں کی عدالت ثابت کریں۔

ایک شخص نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو کسی کی گواہی دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھیں نہیں جانتا لیکن کوئی بات نہیں۔ کوئی ایسا آدمی پیش کرو جو تمھیں جانتا ہو۔ ایک آدمی کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! میں اسے جانتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم اس کی نسبت کیا جانتے ہو؟ اس نے کہا: میں اسے عادل اور معزز آدمی سمجھتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا یہ تمھارا قریبی ہمسایہ ہے جس کا آنا جانا اور شب و روز تمھاری نظروں کے سامنے ہوں؟ اس نے کہا: نہیں۔ پوچھا: کیا تم نے اس کے ساتھ درہم و دینار کا کوئی لین دین کیا ہے جس سے تم نے اس کی پرہیزگاری کو پرکھا ہو؟ اس نے کہا: نہیں، فرمایا: کیا یہ کبھی تمھارا رفیق سفر رہا ہے جس میں لوگوں کے اخلاق کھل کر سامنے آجاتے ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تم اسے نہیں جانتے۔[1]

گواہی بہر حال مدعٰی علیہ کی قسم سے مقدم سمجھی جائے گی۔ مدعٰی علیہ نے گواہی سے پہلے قسم اٹھائی ہو یا بعد میں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مدعی مدعٰی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے اور قاضی اس سے قسم اٹھوائے۔ بعدازاں اگر مدعی ثبوت بہم پہنچا دے تو اس کا پیش کردہ ثبوت قبول ہو گا اور مدعٰی علیہ کی قسم کو مسترد کر دیا جائے گا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے

---

① السنن الكبرٰى للبيهقي: 125/10، وموسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:731.

فرمایا: یہ بات بہر حال لازم ہے کہ سچے ثبوت کے بالمقابل جھوٹی گواہی کو رد کر دیا جائے۔[1]

مدعی سے گواہی کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور مدعیٰ علیہ پر قسم ضروری ہوتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا: مدعی کی ذمہ داری ہے کہ ثبوت فراہم کرے اور دفاع کرنے والے پر قسم واجب ہے۔[2]

بالفرض مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہوں تو ایک گواہ کی موجودگی میں مدعی کی قسم کا اعتبار کر لیا جائے گا اور دوسرے گواہ کی جگہ قسم کفایت کر جائے گی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مالی مقدمات میں ایک گواہ کی موجودگی میں (دوسرے گواہ کے طور پر) مدعی کی قسم کا اعتبار فرما لیا کرتے تھے۔[3]

قسم

قاضی اس وقت تک مدعیٰ علیہ پر قسم کھانا لازم نہیں کرے گا جب تک کہ مدعی گواہ اور ثبوت بہم نہ پہنچا دے اور مدعی مدعیٰ علیہ سے قسم کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر مدعیٰ علیہ قسم اٹھا لے تو قسم کے مطابق مدعیٰ علیہ کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دعوائے قتل کے سلسلے میں ''وادعہ'' کے بارے میں قسموں پر فیصلہ سنایا تھا۔ انھوں نے اصولِ قسامہ[4] کے تحت قسم اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ قتل کی کوئی شہادت یا ثبوت موجود نہ تھا، اس لیے متعلقہ افراد کے قسمیں اُٹھانے پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بری کر دیا۔

---

[1] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:731. [2] السنن الكبرٰى للبيهقي: 10/150-153. [3] المغني لابن قدامة: 9/151، وموسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:732. [4] ''قسامہ'' قسم سے ماخوذ ہے۔ اس کا مطلب بہ تکرار قسم کھانا ہے۔ اللہ نہ کرے کہیں قتل کی کوئی واردات ہو جائے۔ قاتل کا پتہ نہ چلے، کوئی گواہ بھی دستیاب نہ ہو مگر مقتول کے وارث کسی ایک یا متعدد افراد پر قتل کا دعویٰ کریں، اس کے ثبوت میں تھوڑے بہت قرائن بھی پیش کریں تو مدعی بہ تکرار 50 بار قسمیں کھائیں گے کہ فلاں شخص یا اشخاص ہمارے آدمی کے قاتل ہیں۔ یوں ان کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر مدعی قسمیں نہ کھائیں تو مدعیٰ علیہ 50 بار قسمیں کھا کر بری ہو جائیں گے۔ اگر معاملہ واضح نہ ہو سکے تو مقتول کی دیت سرکاری خزانے سے ادا کی جائے گی۔

ایک دفعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان کھجوروں کے ایک باغ کی ملکیت کے سلسلے میں جھگڑا ہو گیا۔ مقدمہ زید رضی اللہ عنہ کی عدالت میں آیا۔ ثبوت موجود نہ تھا، اس لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ پر جو اس وقت خلیفۂ وقت تھے، قسم اُٹھانا لازم ٹھہرا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابی بن کعب! آپ امیر المومنین پر قسم اُٹھانے کی نوبت نہ آنے دیجیے۔ یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا: کیوں؟ امیر المومنین کو اس اصول سے کیوں مستثنیٰ قرار دیا جائے؟ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے میرا حق قسم کی وجہ سے مل سکتا ہے تو میں قسم اُٹھاؤں گا، ورنہ اپنا حق چھوڑ دوں گا، پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں! بلاشبہ کھجور کا یہ باغ میرا ہے اور اُبیّ کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔''

جب وہ زید رضی اللہ عنہ کے گھر سے باہر نکلے تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اُبی کو ہبہ کر دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: اے امیر المومنین! آپ نے یہ کام قسم اٹھانے سے پہلے کیوں نہ کیا؟ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے ڈر تھا کہ اگر میں قسم نہ اٹھاؤں گا تو میرے بعد کے لوگ بھی میرے طریقے پر چلتے ہوئے قسم اٹھانے سے گریز کریں گے۔''[1]

پس کسی قاضی کے لیے جائز نہیں کہ کسی فرد کے صاحب رُتبہ ہونے کی وجہ سے اسے قسم سے مستثنیٰ قرار دے۔ متذکرہ بالا واقعہ میں ہم نے دیکھا کہ حق کے حصول کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی، جو اس وقت خلیفۂ وقت تھے، قسم اٹھائی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بعض اوقات قسم اٹھانے کے معاملے کو انتہائی اہمیت دیتے تھے اس غرض سے وہ مدعٰی علیہان کو ایسے مقامات پر کھڑا کر کے قسم لیتے تھے جہاں لوگ قسم اٹھانے کی جرأت شاذ ہی کرتے ہیں۔ انھوں نے ایک مرتبہ حطیمِ کعبہ میں اور ایک دفعہ حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان کچھ لوگوں سے قسم لی۔[2]

---

[1] تاريخ المدينة المنورة: 755/2، وموسوعة فقه عمربن الخطاب، ص: 732. [2] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 733.

قیافہ شناسی

قیافہ شناسی ان مضبوط دلائل میں سے ہے جس کے مطابق حتمی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس پر سنت رسول ﷺ، خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل شاہد ہے۔ قیافہ شناسی کی بنا پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مقدمات کے فیصلے فرمائے۔[1]

قرائن

قرائن کا باب بڑا وسیع ہے۔ اس میں قاضی اپنی ذہانت اور فنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ کسی غیر شادی شدہ عورت کا حاملہ ہونا زنا کاری کا بین ثبوت ہے۔ اسی طرح کم سے کم مدت حمل سے بھی کم عرصے میں بچے کی ولادت ہونا بھی عورت کے زنا کار ہونے کا واضح ثبوت سمجھا جائے گا۔

دو ایسے افراد کی موت جن میں سے ایک اُوپر اور دوسرا نیچے ہو، نیچے والے کی پہلے اور اوپر والے کی بعد میں موت واقع ہونے کا واضح قرینہ ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے طاعون عمواس میں کسی میت کا ہاتھ یا پاؤں دوسری میت کے اوپر دیکھا تو اوپر والے کو نیچے والے کی وراثت سے حصہ دیا اور نیچے والے کو اوپر والے کی وراثت سے کچھ نہیں دیا۔

شراب پینے کے بارے میں قوی ترین دلیل شرابی کی قے ہے۔ اس میں شراب موجود ہوتی ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بنا پر ایک شرابی پر حد جاری فرمائی تھی۔[2]

فیصلہ کرنے میں قاضی کے ذاتی علم کی حیثیت

حدود کے بارے میں قاضی کا ذاتی علم کسی ملزم پر حد جاری کرنے کا موجب نہیں بن سکتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ کوئی قاضی اپنے علم، گمان اور شک

---

[1] النظام القضائي لمناع القطان، ص:82,81. [2] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:735.

کی وجہ سے کسی سے مؤاخذہ نہ کرے۔[1]

انھوں نے ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر میں کسی شخص کو قتل، چوری یا زنا کرتے ہوئے دیکھوں تو کیا اس پر حد جاری ہوگی؟ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے خیال کے مطابق آپ مسلمانوں کے صرف ایک فرد ہیں اس لحاظ سے آپ کا کوئی جُرم ہوتے دیکھنا تو صرف ایک گواہی قرار پائے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا۔''[2]

حدود کے دعووں میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقول اس روایت میں اختلاف ہے کہ قاضی کے روبرو مطلوبہ دلائل پیش نہ کیے جا سکیں تو کیا قاضی خود اپنے علم کی روشنی میں کوئی فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟[3]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمّال اور قاضیوں کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ وہ لوگوں سے ان کے جرائم کا اعتراف و اقبال زبردستی کرائیں۔ وہ ایسے جرائم کے سلسلے میں، جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوں، توبہ اور پردہ پوشی کے قائل تھے۔ ایک دفعہ سرحد پر قائم مدائن کی ایک چوکی پر متعین مسلمانوں کے کمانڈر شرحبیل بن سمط کندی نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تم ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں شراب نوشی اور عورتیں بکثرت موجود ہیں۔ تم میں سے اگر کوئی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو ہمارے پاس آ جائے ہم اس پر حد نافذ کریں گے، حد کا نفاذ اسے پاک کر دے گا۔'' یہ اطلاع سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو انھوں نے لکھا: «لَا أُحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْمُرَ النَّاسَ أَنْ يَّهْتِكُوا سَتْرَ اللّٰهِ الَّذِي سَتَرَهُمْ» ''میں تمھیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا کہ تم لوگوں کا پردہ چاک کرو جو اللہ تعالیٰ نے ان پر ڈال رکھا ہے۔''[4] البتہ اگر لوگ عدالت میں خود بخود پیش ہو کر

---

[1] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:735، ومصنف عبدالرزاق:342/8. [2] السنن الكبرى للبيهقي:144/10، وموسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:735. [3] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:735. [4] القضاء في خلافة عمر للدكتور ناصر الطريفي:862/2.

اقبالِ جرم کریں تو ریاست کسی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر ان پر حد نافذ کرے گی۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رُوبرو کوئی مقدمہ دائر کیا جاتا تو وہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں کسی مقدمے میں (واجب الادا) حق دینے والے فریق کی طرف کسی طرح بھی مائل ہوتا ہوں تو مجھے پلک جھپکنے کی بھی مہلت نہ دینا۔ [2]

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 146. [2] حلية الأولياء: 140/6، والطبقات لابن سعد: 290/3، اس کی سند صحیح ہے۔

جعلی سرکاری مہر بنانے پر سزا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک ایسا سنگین حادثہ رونما ہوا جو پہلے کبھی رونما نہ ہوا تھا۔ ہوا یوں کہ معن بن زائدہ نے سرکاری مہر کی نقل تیار کی اور پھر اس کی مدد سے بیت المال سے بہت سا مال نکلوانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ مقدمہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سو کوڑے لگوائے اور قید کر دیا۔

پھر اس کے بارے میں سفارش کی گئی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دوبارہ سو (100) کوڑے لگوائے۔ تیسری مرتبہ پھر سفارش کی گئی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تیسری مرتبہ بھی سو (100) کوڑے لگوائے اور پھر جلاوطن بھی کر دیا۔ [1]

کوفہ کے بیت المال سے چوری پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

ایک شخص نے کوفہ کے بیت المال سے چوری کر لی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں فرمایا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اس آدمی کی کیا سزا ہے جو بیت المال سے چوری کر لے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔

[1] أولیات الفاروق، ص:453.

بیت المال پر ہر مسلمان کا حق ہے۔[1] بعدازاں اسے سزا کے طور پر کوڑے مارے گئے۔[2]

عام الرمادہ میں چوری کرنے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے عام الرمادہ (قحط سالی کے سال) میں ایک مزنی شخص کی اونٹنی چرا لی، اسے ذبح کیا اور ہڑپ کر گئے۔ یہ مقدمہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے روبرُو پیش ہوا۔ انھوں نے غلاموں کو طلب فرمایا۔ ان لوگوں نے اعتراف جرم کر لیا اور کہا کہ ہم نے واقعتاً ایک محفوظ جگہ سے چوری کی ہے۔ وہ سب عاقل و بالغ تھے۔ انھوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا کہ ہم نے سخت مجبوری کے عالم میں یہ چوری کی ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کثیر بن صلت کو ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ مگر پھر غور فرمایا کہ یہ تو عام الرمادہ ہے اور لوگ قحط سالی کے شدائد میں مبتلا ہیں تو انھوں نے انھیں معذور سمجھا۔ ان کے مالک کو بلایا اور فرمایا: شاید تم انھیں بھوکا رکھتے ہو؟ اتنی ہی کارروائی پر اکتفا کرتے ہوئے حد موقوف کر دی اور مزنی کو اونٹنی کی دوگنی قیمت، یعنی آٹھ سو درہم دینے کا حکم دے دیا۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حد غلاموں کی مجبوری کے مدنظر موقوف فرمائی۔[4]

مجنون عورت پر زنا کی حد کا عدم نفاذ

ایک دیوانی عورت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئی اس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ انھوں نے لوگوں سے مشورہ کیا اور اسے رجم کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ راستے میں علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اس موقع پر موجود لوگوں کو واپس چلے جانے کے لیے کہا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا آپ نہیں جانتے کہ دیوانوں سے قلم اٹھا لیا گیا

---

[1] المغني لابن قدامة: 386/12، والإرواء، حدیث: 2422، اس کی سند ضعیف ہے۔ [2] عصر الخلافة الراشدة، ص: 148. [3] المنتقیٰ شرح الموطأ للباجي: 63/6. [4] عصر الخلافة الراشدة، ص: 148.

ہے؟ پھر مکمل حدیث بیان فرمائی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، میں یہ بات جانتا ہوں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر اس عورت کو کیوں رجم کیا جا رہا ہے؟ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیوانی عورت کو فوراً رہا کر دیا۔ [1] اور پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلسل تکبیروں کا ورد کرنے لگے۔ [2]

ذمی کو مسلمان عورت سے زنا بالجبر کرنے پر پھانسی کی سزا

یہ واقعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیش آیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بدکاری کے مجرم ذمی کو سولی پر لٹکا دیا کیونکہ یہ ذمیوں کے مسلمانوں سے کیے گئے معاہدے کی صریح خلاف ورزی تھی۔ [3]

زنا بالجبر کی سزا

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بعض سرکاری لونڈیوں کا مقدمہ پیش کیا گیا۔ ان سے بعض سرکاری غلاموں نے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غلاموں پر حد لگائی اور لونڈیوں کو چھوڑ دیا۔ [4]

ایک دفعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عورت لائی گئی۔ اس پر زنا کا الزام تھا۔ اس نے کہا: میں سو رہی تھی۔ ایک آدمی زبردستی مجھ سے چمٹ گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حد سے بری کر کے چھوڑ دیا۔ [5]

یہ ایک شبہے والا معاملہ تھا۔ شبہات کی وجہ سے حدود معاف کر دی جاتی ہیں۔ زنا کاری کے لیے کسی کو مجبور کرنا، عورت کی مجبوری سے ناروا فائدہ اٹھانا اور قتل کی دھمکی دے کر بدکاری کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا واقعہ ہے۔

---

[1] الخلافة الراشدة للدكتور يحيى اليحيىٰ، ص:351، وعصر الخلافة الراشدة، ص:148. [2] عصر الخلافة الراشدة، ص:148، وصحيح البخاري، قبل الحديث:6815. [3] المصنف لعبدالرزاق: 114/6. [4] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 35/8، والمغني لابن قدامة: 217/12. [5] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 236/8، والمغني لابن قدامة: 218/12.

ایک عورت نے ایک چرواہے سے پانی مانگا۔ اس نے اس شرط پر پانی دینے کا وعدہ کیا کہ وہ عورت اس سے زنا کاری کا ارتکاب کرے۔ عورت نے اس کی بات مان لی۔ یہ مقدمہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا، انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ عورت مجبور تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو کچھ مال عطا فرمایا اور بری کر دیا۔[1]

زنا کی حرمت نہ جاننے والے کے بارے میں فیصلہ

سعید بن میسّب سے روایت ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک عامل نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ایک آدمی نے زنا کا اعتراف کیا ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ اس سے پوچھو: کیا وہ زنا کاری کی ممانعت کا حکم جانتا تھا اور اس امر سے واقف تھا کہ یہ مذموم فعل حرام ہے۔ اگر وہ ہاں میں جواب دے تو اس پر حد قائم کر دو اور اگر وہ انکار کرے تو اسے بتاؤ کہ یہ مذموم فعل حرام ہے، پھر آئندہ وہ زنا کاری کا ارتکاب کرے تو اس پر حد جاری کرو۔[2]

عدمِ علم کی بنا پر دورانِ عدت نکاح کرنے پر سزا

ایک عورت نے اپنی عدت کے زمانے میں ایک مرد سے نکاح کر لیا۔ یہ مقدمہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ انھوں نے عورت کو زیرِ ضابطۂ تعزیر سزا دی اور دونوں کو جُدا کر دیا۔[3] پھر اس کے خاوند کو بھی بطور تعزیر کوڑے لگوائے۔[4]

شادی شدہ عورت کو دوسرا نکاح کرنے پر رجم کی سزا

ایک عورت شادی شدہ تھی، اس کا شوہر بھی موجود تھا۔ اس نے اپنی شادی کو صیغۂ راز میں رکھا اور نئی شادی کر لی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کی سزا دی اور اس کے نئے

---

[1] الموطأ للإمام مالك: 827/2. [2] المحلّٰی لابن حزم: 107/12، رقم: 2198. [3] المحلّٰی لابن حزم: 192/12، رقم: 2215. [4] عصر الخلافة الراشدة، ص: 149.

شوہر کو سو (100) کوڑے لگوائے، چونکہ وہ اس عورت سے شادی کرنے والا آدمی اس کی پہلی شادی سے بے خبر تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رجم کی سزا نہیں دی، تاہم اسے سو (100) کوڑے لگوائے۔[1]

چار گواہ نہ لانے پر حدِ قذف کا نفاذ

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی تہمت لگی۔ تین گواہوں نے گواہی دی۔ چوتھے گواہ نے گواہی سے انکار کر دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يُشْمِتِ الشَّيْطَانَ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ» ''تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اصحاب محمد ﷺ کے بارے میں شیطان کی خوشی کو خاک میں ملا دیا۔''[2] پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تین گواہوں پر حدِ قذف لگائی کیونکہ اثبات زنا کی گواہی 3 آدمیوں کی گواہی سے مکمل نہیں ہوتی۔[3]

اپنے غلام سے ہم بستری کرنے والی عورت کو سزا

ایک عورت نے اپنے غلام سے ہم بستری کی جب اس سے جواب طلب کیا گیا تو اس نے جواب دیا: کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں ہے: ﴿مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ ''وہ افراد جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے (ان کے بارے میں تم پر کوئی حرج نہیں)'' لہٰذا وہ (غلام) میرا ملکِ یمین ہے۔ یہ مقدمہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے اس عورت سے فرمایا: ''تیرے لیے تیرا ملک یمین ''غلام'' حلال نہیں ہے۔''[4]

ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے درمیان جدائی کرا دی اور اس عورت کو ازروئے تعزیر سو (100) کوڑے لگوائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کی

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 149. [2] المغني لابن قدامة: 245/12. [3] عصر الخلافة الراشدة، ص: 149. [4] المحلّٰی لابن حزم: 194/12، رقم: 2216.

جہالت کی وجہ سے اس پر سے ضابطۂ حد ساقط کر دیا۔[1]

لونڈی کے بارے میں خاوند پر تہمت کی سزا

ایک عورت نے اپنے خاوند پر تہمت لگائی کہ اس نے اس کی لونڈی سے جماع کیا ہے، بعدازاں اس نے یہ اعتراف کر لیا کہ اس نے یہ لونڈی خاوند کو ہبہ کی تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو بطور حد قذف اسی (80) کوڑے لگوائے۔[2]

کنایۃً تہمت لگانے پر حد قذف کا اجرا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک آدمی نے دوسرے پر اشارے کنائے کے انداز میں تہمت لگائی، اس طرح کہ اس شخص نے کہا: میرے ماں باپ تو زانی نہیں تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ ایک صحابی نے فرمایا: اس نے تو صرف اپنے ماں باپ کی مدح سرائی کی ہے لیکن دیگر اصحاب شوریٰ نے کہا: اس شخص نے کنایۃً تہمت لگائی کہ تمھارے ماں باپ کا معاملہ اس سے الگ تھا، یعنی وہ بدکار تھے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اس پر حد قذف لگائی جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بطور حد قذف اسّی (80) کوڑے لگوائے۔[3]

عمر رضی اللہ عنہ نے اشارے کنائے میں لگائی گئی تہمت پر حد جاری فرمائی کیونکہ اس شخص پر واضح قرینہ حالیہ موجود تھا کہ وہ اس آدمی سے جھگڑ رہا تھا اور اس نے جو بات کہی تھی وہ برائی کے معنوں میں کہی تھی۔

یہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حسنِ تدبیر تھا کہ وہ اس جیسے کم عقل لوگوں کو سبق سکھلانا اور معزز لوگوں کی عزتوں کو محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ یہ ایک ایسی دانائی سے بھرپور تدبیر تھی جو کتاب اللہ

---

[1] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:203. [2] مصنف عبد الرزاق:348/7، وعصر الخلافة الراشدة، ص:150. [3] السنن الكبرى للبيهقي:252/8.

اور سنت رسول ﷺ سے متصادم نہیں تھی بلکہ شریعت کی روح کے عین مطابق تھی۔ [1]

بدکار یہودی کا خون رائیگاں

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دو نیک اور شریف نوجوانوں کے درمیان اسلامی مؤاخات قائم تھی۔ ان میں سے ایک جہاد کے لیے چلا گیا اور اپنے بھائی کو اپنے اہلِ خانہ کی حفاظت پر مامور کر گیا۔ اس کا بھائی اس کے اہلِ خانہ کی خبر گیری کے لیے اس کے گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے گھر میں ایک دیا جل رہا ہے اور ایک یہودی اس کے بھائی کی بیوی کے ساتھ ہے اور کہہ رہا ہے:

> ''وہ کیسا پراگندہ ہے۔ میری طرف سے اسلام نے اسے کیسا دھوکا دیا کہ میں نے ساری رات اس کی بیوی کے ساتھ گزاری۔''
>
> ''میں نے ساری رات اس کی بیوی کے سینے پر گزاری، جبکہ وہ اپنے گھوڑے پر سختیاں جھیل رہا ہے۔''

نوجوان فوراً اپنے گھر آیا، تلوار سونتی اور اپنے بھائی کے گھر پہنچا اور اس یہودی کو قتل کر دیا، پھر اس کی لاش کھینچ کر راستے میں ڈال دی۔ صبح کے وقت یہودیوں نے دیکھا کہ ان کا ایک آدمی قتل کر دیا گیا ہے اور قاتل کا کوئی علم نہیں ہے۔ یہودی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز کے لیے جمع فرمایا۔ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور فرمایا: ''میں تمھیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ جسے بھی اس قتل کے بارے میں کچھ علم ہے وہ مجھے ضرور اطلاع دے۔'' یہ سن کر وہ نوجوان کھڑا ہو گیا۔ اس نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس یہودی کے کہے ہوئے شعر سنائے اور اصل قصے سے آگاہ کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تجھے سلامت رکھے گا۔'' پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ [2]

---

[1] أولیات الفاروق، ص: 440,439. [2] أولیات الفاروق، ص: 414.

عزت و ناموس کی خاطر قتل کرنے پر کوئی قصاص نہیں

مصنف عبدالرزاق اور سنن بیہقی میں ہے کہ ایک آدمی نے قبیلۂ ہذیل کے چند افراد کی دعوت کی۔ ان کی ایک لڑکی (لونڈی) تھی۔ اسے انھوں نے لکڑیاں چُننے کے لیے بھیجا۔ مہمانوں میں سے ایک کا دل اس لڑکی کی طرف مائل ہوگیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے گیا اور اس سے بدکاری کا ارادہ کیا۔ لڑکی نے شدید مدافعت کی اور اس کے پنجے سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ لڑکی نے اسے ایک پتھر مارا۔ وہ اس کے جگر پر لگا۔ اسی ضرب کی تاب نہ لا کر وہ مر گیا۔ وہ لڑکی واپس آگئی۔ اس نے اپنے اہلِ خانہ کو سارا ماجرا سنایا۔ یہ سب لوگ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ ان کے گوش گزار کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعے کی تحقیق کی، پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے مارے ہوئے کا کوئی خون بہا نہیں ہوگا۔''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ظالم اور زیادتی کرنے والے شخص کا خون رائیگاں قرار دے دیا اور کسی قسم کے قصاص، دیت یا کفارے کا کوئی حکم جاری نہیں کیا۔

قتل میں شریک تمام افراد کو قصاصاً قتل کرنے کا فیصلہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک دفعہ ایک لڑکا دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر اس لڑکے کے قتل میں تمام اہلِ صنعاء بھی شریک ہوتے تو میں سب کو قصاص میں قتل کرا دیتا۔'' ایک روایت کے مطابق اس لڑکے کو چار افراد نے قتل کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چاروں قاتلوں کے قتل کا اہلِ صنعاء کو حکم جاری کیا اور فرمایا: «لَوِ اشْتَرَكَ فِيهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ» ''اگر اس قتل میں تمام اہلِ صنعاء بھی شریک ہوتے تو میں ان سب کو قصاص میں قتل کرا دیتا۔''[2]

---

[1] مصنف عبد الرزاق: 435/9، و السنن الکبرٰی للبیهقي: 337/8. [2] صحیح البخاري، حدیث: 6896.

اس مقدمۂ قتل میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے صادر کیے گئے فیصلے کا حکم نہ تو قرآن و سنت میں موجود تھا، نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد زریں میں اس کی کوئی مثال تھی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ دین کے اُن بنیادی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے اجتہاد اور فہم و فراست کی بنیاد پر کیا تھا جو معاشرے کے امن و آشتی کے لیے شرطِ لازم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی شخص کا قتل معمولی معاملہ نہ تھا، اس لیے انصاف، امت کی خیر خواہی اور بنیادی مقاصدِ شریعت کا تقاضا یہی تھا کہ جب ثابت ہو گیا کہ اس لڑکے کو قتل کرنے میں ایک جماعت کا ہاتھ ہے تو اس پوری جماعت کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔

جمہور علماء، ائمۂ اربعہ، سعید بن مسیّب، حسن بصری، ابوسلمہ، عطاء، قتادہ، اوزاعی اور ثوری رحمہم اللہ وغیرہم کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ دلیل کی مضبوطی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع، لوگوں کو جرائم سے روکنے کی حکمت اور معاشرے میں لوگوں کی حفاظت یقینی بنانے کی بنا پر راجح اور قابلِ اتباع ہے۔[2]

جادوگر کو قتل کرنے کا فیصلہ

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمّال کو حکم دیا کہ ہر جادوگر اور جادوگرنی کو قتل کر دیا جائے، پھر یہ قانون عملاً نافذ ہوا اور اس پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔[3]

بیٹے کے قتل کی سزا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹے کے قتل میں دیت ادا کرنے کا فیصلہ دیا۔[4]

ذمی کو قتل کرنے کی سزا

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کو ذمی کے

---

[1] المغني لابن قدامة: 387/11. [2] أوّليات الفاروق السياسية، ص: 409. [3] أوّليات الفاروق السياسية، ص: 447. [4] عصر الخلافة الراشدة، ص: 153، والمغني لابن قدامة: 405/11.

قصاص میں قتل کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ شام میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کو قصاص میں قتل کرا دیا۔ [1]

قسامہ اور دیت کو جمع کرنے کا فیصلہ

قسامہ ان متعدد قسمیں اٹھانے کے عمل کو کہا جاتا ہے جو مقتول کے وارث یا مدعیوں کی طرف سے قتل کے دعوے میں اُٹھائی جائیں۔ [2]

مصنف عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں علامہ شعبی رحمہ اللہ کے حوالے سے ہے کہ یمن کے دو قبیلوں وادعہ اور شاکر کے درمیان ایک مقتول شخص پایا گیا۔ [3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جائے واردات سے دونوں قبیلوں کی زمین ماپنے کا حکم دیا۔ یہ جگہ وادعہ قبیلے کے قریب نکلی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پچاس (50) قسمیں اٹھوائیں۔ حکم دیا کہ ہر شخص یہ قسم اٹھائے کہ میں نے اسے قتل نہیں کیا نہ اس کے قاتل کو جانتا ہوں۔ قسمیں اٹھانے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے ان قبیلے والوں کو دیت ادا کرنے کا فیصلہ سنایا۔ اہلِ وادعہ نے گزارش کی: اے امیر المومنین! نہ تو ہماری قسموں نے ہمارے اموال بچائے۔ نہ ہمارے اموال نے ہمیں قسمیں اٹھانے سے محفوظ رکھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی فیصلہ حق ہے۔ [4]

مرتد کو توبہ کی مہلت دینے کا حکم

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تستر فتح ہونے کی خبر پہنچی تو انھوں نے دریافت فرمایا: کیا کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، ایک آدمی مرتد ہو گیا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے اسے قتل کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اسے کسی کمرے میں بند کیوں نہیں کیا؟ اسے روزانہ ایک روٹی

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 153. [2] أوّليات الفاروق، ص: 264. [3] أوّليات الفاروق، ص: 266. [4] السنن الكبرى للبيهقي: 124,123/8، وأوّليات الفاروق، ص: 466.

دے دیتے اور اسے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہتے۔ اگر وہ پھر بھی توبہ نہ کرتا تو قتل کر دیتے، پھر فرمایا: اے اللہ! جب مجھے یہ خبر پہنچی تو میں وہاں نہ تھا، نہ میں نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور نہ ہی میں اس پر راضی اور خوش ہوا۔ [1]

شراب کی حد اسّی کوڑے مقرر کرنا

جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ لوگ خوش حال ہو گئے۔ آبادی دُور دُور تک پھیل گئی۔ بے شمار غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ پرانے مسلمان لوگوں کی طرح ان نئے مسلمانوں کی اسلامی تربیت پوری طرح نہیں ہوئی تھی۔ لوگ ابھی اسلامی آداب سے ناواقف تھے۔ ان حالات میں ایسے لوگ کثرت سے شراب پینے لگے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ صورت حال آئی تو وہ بے حد فکرمند ہوئے۔ ان کے لیے یہ صورت حال ایک اہم ترین مسئلے کی صورت اختیار کر گئی۔ انھوں نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور اس سلسلے میں مشورہ طلب فرمایا۔ سب نے بالاتفاق شراب پینے کی سزا اسّی (80) کوڑے مقرر کی۔ یہ تمام حدود میں سب سے ہلکی حد تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر عمل کیا۔ ان کے دورِ خلافت میں کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ [2]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شام سے وبرہ صلیتی کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ وبرہ فرماتے ہیں: میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مسجد میں تھے۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ، طلحہ، زبیر بن عوام اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا سلام پیش کیا اور عرض کیا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ یہاں لوگ کثرت سے شراب پی رہے ہیں اور شراب نوشی کی حد کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ آپ اس

---

[1] محض الصواب: 372/1. [2] إعلام الموقعين: 211/1.

بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گرد بیٹھے افراد کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا: یہ لوگ اس بارے میں فیصلہ کریں گے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شرابی جب شراب پیتا ہے تو فضول بکواس کرتا ہے اور جب وہ فضول بکواس کرتا ہے تو تہمت لگاتا ہے۔ تہمت کی حد اسّی (80) کوڑے ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ شراب پینے والے کو اسّی (80) کوڑے مارے جائیں۔ سب لوگوں نے اس حد پر اتفاق فرمایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وبرہ سے فرمایا: جاؤ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس فیصلے کی اطلاع دے دو، پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ دونوں نے شراب کی حد اسّی (80) کوڑے جاری کردی۔ [1]

شراب خانہ جلانے کا فیصلہ

یحییٰ بن سعید بن عبیداللہ حضرت نافع سے اور نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بنوثقیف کے ایک آدمی کے گھر میں شراب دیکھی تو آپ نے اسے جلانے کا حکم دے دیا۔ اس آدمی کو ''رویشد'' یعنی ''بھلائی والا'' کہا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا: تو رویشد نہیں ہے تو ''فویسق'' (نافرمان) ہے۔ [2]

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رویشد ثقفی کا گھر جلانے کا حکم دیا کیونکہ وہ شراب تیار کیا کرتا تھا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شراب خانے کو اس کے سازوسامان سمیت جلادیا جس میں شراب تیار ہوتی تھی۔ انھوں نے ایک ایسی بستی بھی جلا دی تھی جہاں شراب کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔ [3]

دوسروں کے عیوب ظاہر کرنے پر تنبیہ

ایک آدمی عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: میری ایک بیٹی ہے۔ اسے میں نے

---

[1] إعلام الموقعين: 211/1. [2] الأموال لأبي عبيد، ص: 125، رقم: 267، وأوّليات الفاروق، ص: 435. [3] الطرق الحكمية، ص: 16,15.

زمانۂ جاہلیت میں زندہ درگور کرنے کی کوشش کی لیکن موت سے کچھ دیر پہلے ہم نے اسے گڑھے سے نکال لیا۔ اسلام آیا تو وہ مسلمان ہوگئی، پھر اس نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس پر حد جاری ہوتی تھی، اس نے خود ہی ایک چھری پکڑی اور اپنے گلے پر پھیرنے کی کوشش کی۔ اس کی کچھ رگیں کٹ گئیں۔ ہم نے اسے بروقت پکڑ لیا۔ اس کا علاج کرایا۔ وہ تندرست ہوگئی، پھر اس نے سچی توبہ کر لی۔ اب اس کے لیے نکاح کا پیغام آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی حقیقت کھول کر بتا دی جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تیرا یہ ارادہ ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا ہے تو اسے چاک کر دے؟ اللہ کی قسم! اگر تو نے اس لڑکی کے بارے میں کسی کو کچھ بتایا تو میں تجھے پوری مملکتِ اسلامیہ میں عبرت کا نشان بنا دوں گا، چلا جا اور اُسے ایک پاک دامن مسلمان عورت کی حیثیت سے رخصت کر۔ ①

وراثت سے محروم کرنے کی غرض سے بیوی کو طلاق دینے والے پر سختی

سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کے عقد میں دس عورتیں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے چار بیویوں کو منتخب کر لے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں غیلان رضی اللہ عنہ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور سارا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع مل گئی۔ آپ نے غیلان کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا تو فرمایا: مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شیاطین آسمان کی خبریں چراتے ہیں۔ انھوں نے تیری موت کی خبر چرا کر تیرے دل میں ڈال دی ہے اور تجھے بتا دیا ہے کہ تو عنقریب مرنے والا ہے، چنانچہ تو نے فوراً یہ سب کچھ کر دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ کی قسم! میرا گمان یہ ہے کہ تو یہاں سے رخصت ہوتے ہی فوت ہو جائے گا۔ اللہ کی قسم! اگر تو اپنی بیویوں سے

---

① محض الصواب: 709/2، اس روایت کی سند امام شعبی تک متصل ہے جبکہ شعبی رحمہ اللہ کا حضرت عمر سے سماع ثابت نہیں۔

رجوع کرنے اور اپنے بیٹوں سے مال واپس لینے سے پہلے مر گیا تو میں لازماً تیری بیویوں کو تیرے مال سے اُن کا حصہ دوں گا، پھر تیری قبر کو رجم کراؤں گا اور ابو رغال کی طرح تیری قبر کا حشر کروں گا۔ (ابو رغال وہ شخص ہے جس نے ابرہہ الاشرم کی مکہ کی طرف راہنمائی کی تھی جب وہ بیت اللہ کو گرانے کے لیے آیا تھا۔ اہل عرب جب اس کی قبر کے پاس سے گزرتے تو پتھر برساتے۔)

غیلان نے ابھی اپنی بیویوں کو طلاق بتہ نہیں دی تھی۔ اس نے بیویوں سے رجوع کر لیا۔ بیٹوں سے مال واپس لے لیا اور تھوڑے عرصے کے بعد فوت ہو گیا۔ [1]

کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسی عورت کا مقدمہ لایا گیا جس نے چھ مہینے کی مدت میں بچے کو جنم دیا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کی بہن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچی اور عرض کیا: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے میری بہن کو رجم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں، اگر میری بہن کے لیے کوئی عذر ہو سکتا ہے تو بتائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، تیری بہن کے لیے عذر ہے۔ یہ سن کر اس عورت نے بڑی بلند آواز سے تکبیر کہی۔ یہ تکبیر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور وہاں موجود تمام لوگوں نے سن لی، پھر وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچی اور عرض کیا: علی رضی اللہ عنہ کے پاس میری بہن کی طرف سے عذر ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ وہ عذر بیان کیجیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ﴾

”اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں۔“ [2]

---

[1] مصنف عبد الرزاق: 66/7، و موسوعة فقه عمر، ص: 47. [2] البقرة 2: 233.

اور فرمایا:

﴿ وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾

''اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس (30) مہینے ہے۔''[1]

لہٰذا حمل کی اقل مدت چھ مہینے ہوئی اور باقی چوبیس (24) مہینے (دو سال) مدت رضاعت ہوگئی۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رہا کر دیا۔[2]

عمومی طور پر حمل کی مدت نو ماہ ہوتی ہے مگر بعض اوقات نو (9) ماہ سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے روبرُو ایک ایسی عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس کا خاوند دو سال سے اس کے پاس موجود نہ تھا۔ جب وہ آیا تو اس کی بیوی حاملہ تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ نے اس عورت کے خلاف تو فیصلہ دے دیا ہے لیکن اس کے پیٹ میں موجود بچے کا کیا قصور ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو مہلت دی۔ اس نے اس حال میں بچے کو جنم دیا کہ اس کے دانت نکلے ہوئے تھے۔ اس کے خاوند نے فوراً پہچان لیا کہ بچہ اسی سے مماثلت رکھتا ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «عَجَزَ النِّسَاءُ أَنْ يَلِدْنَ مِثْلَ مُعَاذٍ، لَوْلَا مُعَاذٌ هَلَكَ عُمَرُ» ''عورتیں معاذ جیسے فرزند جننے سے عاجز آچکی ہیں۔ اگر معاذ نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''[3]

معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل چار سال شمار کرتے تھے۔ ایک عورت کا شوہر گم ہو گیا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے لیے انتظار کی مدت چار سال مقرر فرمائی، پھر اسے شوہر کی وفات کی عدت گزارنے کا حکم دیا۔

علامہ ابن قدامہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ مفقود الخبر

---

① الأحقاف 46: 15۔ ② مصنف عبد الرزاق: 7/350۔ ③ مصنف عبد الرزاق: 7/354، و موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 371۔

آدمی کی بیوی کو چار سال تک انتظار کرنا چاہیے، پھر وہ وفات کی عدت گزارے گی جو چار مہینے اور دس دن ہے، بعدازاں وہ کسی اور آدمی سے شادی کر سکتی ہے۔[1]

ذاتی ملکیت کے بارے میں قانون

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ان اجتہادات میں جن میں انھیں سبقت حاصل ہے ایک اجتہاد ذاتی ملکیت کے بارے میں تھا۔ ذاتی ملکیت کے بارے میں انھوں نے ایسی پابندی عائد کی کہ کسی کو اپنی ملکیت کے تصرّف کے سلسلے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ موطا میں عمرو بن یحییٰ مازنی سے اور وہ اپنے باپ سے بیان فرماتے ہیں کہ ضحاک بن خلیفہ نے اپنی زمین میں پانی پہنچانے کے لیے ایک بڑی چوڑی نہر سے چھوٹا نالا نکالا اور اسے محمد بن مسلمہ کی زمین سے گزارنے کی کوشش کی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس امر کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ضحاک نے کہا: آپ مجھے ایک ایسے کام سے منع کر رہے ہیں جس میں خود آپ کا بھی فائدہ ہے۔ اس نالے سے شروع سے آخر تک آپ بھی اپنی زمین سیراب کر سکیں گے اور آپ کا اس سے کوئی نقصان بھی نہ ہو گا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل سننے کے باوجود وہ نالا اپنی زمین سے گزارنے کی اجازت نہیں دی۔ ضحاک نے اس سلسلہ میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور نالا گزارنے کا حکم دیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی معذرت کی اور نالا نکالنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اپنے بھائی کو ایسے مفید کام سے کیوں روک رہے ہو جس سے خود تمھیں بھی فائدہ ہو گا اور اس نالے کی مدد سے تمھاری زمین بھی شروع سے آخر تک سیراب ہو جائے گی؟ پھر اس سے تمھارا کوئی نقصان بھی نہیں ہو گا؟ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! یہ نالا ضرور گزرے گا چاہے تیرے پیٹ پر سے گزرے۔''

[1] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:371.

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ضحاک کو حکم دے دیا کہ وہ یہ نالا اس کی زمین سے گزار لے ضحاک نے نالا نکال لیا۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم دراصل ایک قیاس پر مبنی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی دلیل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے لی:

«لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ»

''کوئی آدمی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے سے نہ روکے۔'' پھر حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں: کیا بات ہے کہ میں تمھیں اس سے اعراض کرنے والا پاتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں اس کا تمھارے سامنے برابر اعلان کرتا رہوں گا۔[2]

معلوم ہوتا ہے عمر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ فرمایا وہ قیاس اولیٰ کی بنیاد پر تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کسی پڑوسی کو اپنی دیوار میں شہتیر رکھنے سے روکنے پر نہی وارد ہے۔ اگرچہ جس پڑوسی کی دیوار پر شہتیر رکھا جائے اسے اس کا کوئی نقصان نہیں مگر فی الوقت فائدہ بھی نہیں، جبکہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زمین سے پانی کے گزرنے سے بیک وقت دو پہلو نمایاں تھے: ایک عدم ضرر اور دوسرا فریقین کے لیے اس نالے کا فائدہ مند ہونا، لہٰذا اسے قیاسِ اولیٰ کہا جاسکتا ہے۔ احمد ابراہیم نے بڑی عمدہ رائے قائم کی ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو آج بھی قانونِ انصاف کی بہترین مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔[3]

عبدالسلام السلیمانی اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ اہل مغرب کی سوچ کے مطابق ایسے قوانین کو اپنے حقوق کے استعمال میں رکاوٹ کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو مسلمان اس قانون میں اہلِ مغرب سے صدیوں پہلے ہی سبقت لے گئے تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے پڑوسی کو

---

[1] الموطأ و كتاب إسعاف المبطأ برجال الموطأ، ص: 639,638، والموطأ للإمام مالك: 746/2.

[2] صحيح البخاري، حديث: 2463. [3] علم أصول الفقه و تاريخ التشريع، ص: 39.

فائدہ پہنچانے کا قانون اس کے گھر اور زمین تک وسیع فرما دیا، البتہ بعض علماء اس قانون کا نفاذ پڑوسی کی اجازت سے مشروط کرتے ہیں۔[1]

مندرجہ بالا واقعے سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

① مذکورہ معاملہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عدالتی اجتہاد باور کیا جائے گا کیونکہ ضحاک نے پہلے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے اسلامی اخوت و محبت کی بنا پر نالا اس کی زمین سے گزار لے جانے کی استدعا کی، جب محمد نے انکار کر دیا تو ضحاک نے باقاعدہ یہ دعویٰ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش کیا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرما لیا۔

② سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مقدمے کا فیصلہ اندھا دھند یا اٹکل پچو سے نہیں کیا بلکہ اس مقدمے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا، مکمل تحقیق فرمائی اور دوسرے فریق کی طرف سے زمین سے پانی گزرنے میں رکاوٹ کی تصدیق فرمائی۔ یہ ایک ایسا موقف تھا جو سراسر بلا وجہ تھا کیونکہ اس میں مدعٰی علیہ کا کوئی نقصان نہ تھا بلکہ اسے نفع ہی نفع تھا اور دونوں فریقوں کا اس میں فائدہ تھا۔

جب معاملے کی نوعیت بے ضرر ہی نہیں بلکہ فریقین کے لیے مفید بھی تھی تو اس کے معنی یہ تھے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بلا وجہ رکاوٹ کسی کی ذاتی ملکیت کے تصرف میں تنگی پیدا کرنے کے مترادف تھی اور عمر رضی اللہ عنہ کسی صورت میں بھی امت کے عمومی فوائد و مصالح کو معطل نہیں کرتے تھے۔

③ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے شفقت کا سلوک کیا۔ انھیں اسلامی اخوت کا حوالہ دیتے ہوئے صحیح رستہ اختیار کرنے کی ترغیب دی لیکن محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس مشفقانہ برتاؤ کا جواب مکمل انکار کی صورت میں دیا۔ یہ جواب خلیفۂ وقت کو چیلنج اور ان کے حکم سے روگردانی کے مترادف تھا، لہٰذا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے سخت ردعمل سامنے

[1] الاجتهاد في الفقه الإسلامي، ص: 141,140۔

آیا۔ انھوں نے خلافت کے رعب و دبدبہ کی حفاظت کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سخت فیصلہ دیا۔ یہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وصفِ خاص تھا کہ وہ اسلامی مملکت کے باشندوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے عہدۂ خلافت کی طاقت کا دبدبہ استعمال کرتے تھے۔ [1]

ایک ہی لفظ سے تین طلاقوں کا نفاذ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور اسی طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ لوگوں نے ایک ایسے معاملے میں جس میں ان کے لیے بڑی بردباری اور تحمل سے کام لینے کا موقع ملتا تھا، جلد بازی شروع کر دی ہے، کیوں نہ ہم اس طرح تین طلاقوں کو تین شمار کریں؟ پھر انھوں نے ایسا ہی کیا۔ [2]

ابوالصہباء ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں: کیا آپ کو علم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی تین سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں۔ [3]

ان ذکر کردہ دونوں روایات میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طریقے کے خلاف ایک ہی دفعہ کی تین طلاقوں کو تین شمار کیا جبکہ ان سے پہلے ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ تھا کہ لوگ بکثرت ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے لگے ہیں۔ انھیں سنت طریقے کی طرف لوٹانے کے لیے ضروری ہے کہ ان پر سختی کی جائے۔ سنت طریقہ یہ تھا کہ عورت کو ایک طلاق دی جائے اور پھر اسے

[1] الاجتهاد في الفقه الإسلامي، ص:142,141. [2] صحيح مسلم، حديث:1472. [3] صحيح مسلم، حديث:1472.

چھوڑ دیا جائے تا آنکہ اس کی عدت گزر جائے اگر خاوند دورانِ عدت اس عورت سے دوبارہ ازدواجی تعلقات کا خواہاں ہو تو رجوع کر سکتا ہے۔ ①

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو بعض حضرات نے نصوص کی صریحاً خلاف ورزی شمار کیا ہے جن میں ڈاکٹر عطیہ مصطفیٰ بھی شامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر عمل کرنے میں انتہائی دلیر تھے۔ بعض اوقات وہ نصوص یا اپنے سے قبل معمول بہا فیصلوں کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ وہ جدید اسلامی معاشرے کے احوال پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلے فرما دیتے تھے۔ ② پھر ڈاکٹر عطیہ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مؤثر ہونے کا مسئلہ بطور دلیل پیش کیا۔ ③

صحیح بات یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ایک انتظامی فیصلہ تھا وہ شرعی مسئلے کو بدلنا نہیں چاہتے تھے بلکہ انتظامی طور پر لوگوں کی غلط روش کی اصلاح چاہتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت سے قبل موجود کسی اجماع کی ہرگز مخالفت نہیں کی تھی بلکہ جب انھوں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ یکبارگی تین طلاقیں دیتے ہیں باوجود کہ ان لوگوں کو یہ پتہ ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں دینا حرام ہے لیکن پھر بھی وہ تین طلاقیں دیتے ہیں تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بطور سزا ان پر تین طلاقیں نافذ فرما دیں۔ بلاشبہ خلیفۂ وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ جب وہ دیکھے کہ لوگ کسی معاملہ میں بلاوجہ تنگ نظری کا شکار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی دی گئی رخصت اور سہولت سے فائدہ نہیں اٹھا رہے تو ان کے خلاف ایسا اقدام یقیناً درست ہے۔ ④

نکاح متعہ کی حرمت

نکاح متعہ کی حرمت کے بارے میں بہت سے آثار منقول ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس

① القضاء في عهد عمر بن الخطاب للدكتور ناصر الطريفي: 733/2. ② القضاء في الإسلام، ص: 98. ③ القضاء في الإسلام، ص: 99. ④ زاد المعاد: 270/5.

نکاح کو حرام سمجھتے تھے اور اس بارے میں انتہائی سختی سے کام لیتے تھے۔ اگر کوئی شادی شدہ ایسے نکاح کی جرأت کرتا تھا تو اسے رجم کی سزا سناتے تھے۔

بعض لوگوں نے یہ باور کر لیا کہ دراصل سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی وہ شخص تھے جنھوں نے اس نکاح کو حرام قرار دیا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار نہیں دیا تھا۔

ابونضرہ بیان فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نکاح متعہ کی اجازت دیتے تھے جبکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما اس نکاح سے روکتے تھے۔ ابونضرہ فرماتے ہیں: میں نے اس بات کا ذکر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے کیا تو انھوں نے فرمایا: نکاح متعہ کا مکمل معاملہ تو میرے ساتھ ہی پیش آیا تھا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نکاح متعہ کیا کرتے تھے۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو چاہا اسے حلال رکھا۔ قرآن کریم نے حلال اور حرام کو اپنی اپنی جگہ متعین کر دیا ہے۔ تم حج و عمرہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ادا کرو۔ پھر فرمایا: «وَأَبِتُّوا نِكَاحَ هٰذِهِ النِّسَاءِ فَلَنْ أُوتٰى بِرَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً إِلٰى أَجَلٍ إِلَّا رَجَمْتُهُ بِالْحِجَارَةِ» ”نکاح متعہ سے مکمل طور پر دستبردار ہو جاؤ۔ اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود نکاح متعہ کیا تو میں اسے رجم کی سزا دوں گا۔“[1]

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح متعہ نبی علیہ السلام کے زمانے میں حلال تھا۔ اسے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حرام قرار دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں نکاح متعہ کی حلت اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس کی حرمت کے دلائل مسلم شریف اور مصنف عبدالرزاق میں موجود ہیں۔

دراصل نکاح متعہ کی حرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے متعہ کی حلت روایت کی، یہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1217.

نکاح متعہ کی حرمت کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ اسی طرح ابو ہلال عسکری [1] اور رفیق العظم [2] جیسے متأخرین ہیں جنھوں نے متعہ کی حرمت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی ہے۔ وہ ان دلائل سے بے خبر رہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حرمت ثابت ہے۔ یہی روایات سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے نکاح متعہ کی حرمت کی بنیاد بن گئیں۔ اب یہاں وہ چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن میں نکاح متعہ کی حرمت کا ذکر ہے:

① امام مسلم اپنی سند سے سلمہ رضی اللہ عنہ سے بیان فرماتے ہیں: «رَخَّصَ رَسُولُ اللّٰهِ عَامَ أَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا» ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس کے سال تین دن کے لیے نکاح متعہ کی اجازت دی تھی۔ بعدازاں اسے حرام قرار دے دیا تھا۔'' [3]

② امام مسلم اپنی سند سے سَبِرَہ رضی اللہ عنہ سے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ کی اجازت دی۔ میں اور میرا دوسرا ساتھی بنو عامر کی ایک عورت کے پاس گئے۔ وہ باکرہ تھی اور لمبے قد کی خوبصورت عورت تھی۔ ہم نے اس سے نکاح متعہ کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے مجھ سے پوچھا: تم مجھے کیا دو گے؟ میں نے کہا: یہ چادر لے لو۔ میرے ساتھی نے بھی کہا کہ میں بھی تمھیں اپنی چادر دوں گا۔ میرے ساتھی کی چادر میری چادر سے عمدہ تھی لیکن میں اس سے بڑھ کر خوبرو نوجوان تھا۔ اس نے میرے ساتھی کی چادر دیکھی تو اسے پسند آئی۔ لیکن جب مجھے دیکھا تو اسے میں بھا گیا۔ اس نے کہا: مجھے تم اور تمھاری چادر قبول ہے۔ میں اس عورت کے ساتھ تین دن رہا۔ بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِّنْ هٰذِهِ النِّسَآءِ الَّتِي يَتَمَتَّعُ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهَا»

''جس آدمی کے پاس بھی نکاح متعہ کے ذریعے سے حاصل شدہ عورتیں موجود ہیں، وہ ان سب کو چھوڑ دے۔'' [4]

[1] الأوائل: 1/239,238. [2] أشهر مشاهير الإسلام: 2/432، والقضاء في عهد عمر بن الخطاب: 2/756. [3] صحيح مسلم، حديث: 1405. [4] صحيح مسلم، حديث: 1406.

③ امام مسلم سبرہ جہنی سے اپنی سند سے بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَآءِ وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهٗ وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ» ''اے لوگو! میں نے تمھیں عورتوں سے نکاحِ متعہ کی اجازت دی تھی۔ اب بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک حرام قرار دے دیا ہے، اس لیے جس کے پاس ایسی عورت موجود ہے، وہ اس کا راستہ چھوڑ دے، (یعنی اس سے الگ ہو جائے) اور جو مال تم نے انھیں دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔''[1]

④ امام مسلم اپنی سند سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نکاح متعہ کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: «مَهْلًا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْهَا يَوْمَ خَيْبَرَ، وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ» ''ٹھہر جا اے ابن عباس! نبی ﷺ نے اس نکاح سے اور گھریلو گدھے کے گوشت سے خیبر کے دن منع فرما دیا تھا۔''[2]

پس حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نکاح متعہ کو اپنی طرف سے حرام قرار نہیں دیا تھا بلکہ وہ اس حرمت میں نبی ﷺ کے متبع تھے کیونکہ نبی ﷺ نے اس نکاح کو خیبر کے دن 6 ہجری میں حرام قرار دے دیا تھا، پھر 8 ہجری کو فتح مکہ کے سال کچھ مدت کے لیے اسے حلال قرار دیا۔ لوگ پندرہ دن تک اس نکاح سے فائدہ اُٹھاتے رہے، اس کے بعد تا قیامت اس نکاح کو حرام قرار دے دیا۔[3]

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1406. [2] صحیح مسلم، حدیث: 1407. [3] القضاء في عهد عمر بن الخطاب: 2/756.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فقہی اجتہادات

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ عبقری شخصیت کے حامل تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی فیاض بارگاہ سے غیر معمولی صلاحیتیں لے کر پیدا ہوئے تھے۔ کوئی معاملہ چھوٹا ہوتا یا بڑا، وہ اس کے ہر پہلو پر غور فرماتے تھے اور پھر بڑا جچا تلا فیصلہ دیتے تھے۔ انھوں نے قصاص، حدود، تعزیرات اور متعدد قابلِ سزا جرائم کے سلسلے میں اپنے فقہی اجتہادات کے ذریعے سے عدلیہ میں بڑا اہم اور مؤثر کردار ادا کیا۔ ان کے اجتہادات اُن کی بصیرت، بالغ نظری، وسعت علمی، مقدمات کو گہرائی سے سمجھنے اور شریعت کے بنیادی مقاصد کے بھرپور ادراک کا روشن ثبوت ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بہت سے اجتہادات منسوب ہیں۔ ان میں سے چند یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

① سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس مردار جانور کی کھال کو جسے دباغت سے پاک کر لیا جائے، پاک سمجھتے تھے جو زندگی میں پاک اور طاہر ہوتا، یعنی جو جانور نجس ہوتے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ ان جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہونے کے قائل نہ تھے۔

② سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ لومڑی کی کھال پر نماز ادا کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔

③ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زوال کے بعد روزہ دار کے لیے مسواک کرنا مکروہ نہیں بلکہ مستحب خیال کرتے تھے۔

④ وہ مقیم کے لیے جرابوں پر مسح ایک دن اور رات، جبکہ مسافر کے لیے تین دن اور تین راتوں تک مباح قرار دیتے تھے۔

⑤ وہ مدت مسح کا آغاز حالتِ حدث کے بعد شمار کرنے کے قائل تھے۔

⑥ جمعہ کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد سمجھتے تھے۔

⑦ آلۂ تناسل کو چھونے سے وضو ٹوٹ جانے کے قائل تھے۔

⑧ وہ عیدالاضحیٰ کی تکبیرات یوم عرفہ کی نماز فجر سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن نماز عصر تک سمجھتے تھے۔

⑩ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بچے اور دیوانے کے مال سے زکاۃ ادا کرنے کے قائل تھے۔

⑪ وہ بیوع میں خیارِ فسخ کے قائل تھے کہ جب تک مجلسِ عقد برخاست نہ ہو فریقین کو فسخ کا اختیار حاصل ہے۔

⑫ وہ حیوان میں بیعِ سلم (اُدھار کے سودے) کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

⑬ وہ رہن کے بارے میں اس شرط کو فاسد سمجھتے تھے کہ اگر رہن رکھنے والا مقررہ وقت پر قرض واپس نہ کر سکے تو رہن شدہ چیز قرض کے عوض بیچ دی جائے۔

⑭ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اگر کسی مفلس کے پاس کسی قرض خواہ کی مطلوبہ چیز پاتے تو قرض خواہ کو اس کا حق دار سمجھتے تھے۔

⑮ عمر رضی اللہ عنہ کسی یتیم بچی کو بالغ ہونے کے فوراً بعد اس کا مال اسے دینے کے قائل نہ تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ یتیم بچی کا مال اسی وقت دیا جائے جب وہ شادی کر لے اور اس کے ہاں بچے کی ولادت ہو جائے یا اسے شوہر کے گھر گئے ہوئے ایک سال بیت جائے۔

⑯ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی جانور کی آنکھ ضائع کر دیے جانے پر اس کی قیمت کے چوتھائی حصے کو اس کے مالک کو دینے کا حکم فرماتے تھے۔

⑰ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف منقولہ غیر تقسیم شدہ جائیداد میں حق شفعہ کے قائل تھے۔ وہ پڑوسی

کے حق شفعہ کے قائل نہیں تھے۔

⑱ وہ ہر قسم کے درختوں میں مساقات درست خیال کرتے۔

⑲ سیّدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما لباس دینے کے عوض مزدور رکھنے کو درست خیال کرتے تھے۔

⑳ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہبہ کو تب ہی لازم سمجھتے تھے جب وہ قبضے میں آ جائے۔

㉑ ہبہ اگر کسی غیر رشتہ دار کو دیا گیا ہو اور اس پر اسے کوئی بدلہ بھی نہ ملا ہو تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسے ہبہ میں رجوع کے قائل تھے اور اگر ہبہ کسی عزیز یا رشتہ دار کو دیا ہو تو مطلقًا رجوع کے قائل نہ تھے۔

㉒ وہ ملنے والی گم شدہ چیز کی ایک سال تک تشہیر کرانے کے قائل تھے۔

㉓ وہ تشہیر سے پہلے گم شدہ ملنے والی چیز میں معمولی تصرف کو جائز سمجھتے تھے۔

㉔ وہ گم شدہ ملنے والی کسی بھی چیز کی ایک سال تک تشہیر کرانے کے بعد اسے اسی شخص کی ملکیت خیال کرتے تھے جسے وہ چیز ملی تھی چاہے وہ مال دار ہو یا فقیر۔

㉕ وہ حرم اور حِل کے لقطے کا حکم برابر خیال کرتے تھے۔[1]

㉖ وہ گم شدہ ملنے والی چیز کا اسی شخص کو امین قرار دیتے تھے جسے وہ چیز ملی ہو۔

㉗ وہ وصیت کے بارے میں رجوع اور اس میں تبدیلی کے قائل تھے۔

㉘ وہ کلالہ اس میت کو خیال فرماتے تھے جس کی اولاد اور والد نہ ہوتا تھا۔

---

[1] لقطۂ حِل و حرم کے باب میں بعض علمائے کرام کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ کوئی گم شدہ چیز سرزمینِ حرم سے باہر پائی جائے تو اس کی تشہیر ایک سال تک کی جائے گی۔ اسی دوران میں اس چیز کا مالک مل جائے تو فبہا، بصورتِ دیگر وہ چیز جس شخص کو دستیاب ہوتی ہے، اب وہی اس کا مالک قرار پائے گا...... اس کے برعکس کسی شخص کو کسی کی کوئی گم شدہ چیز سرزمین حرم میں ملی ہے تو اس کی تشہیر محض ایک سال تک محدود نہیں ہوگی بلکہ اس کی تشہیر کا اطلاق ایک سال کے بعد بھی متواتر کیا جاتا رہے گا اور اسے پانے والا شخص اس چیز کا محض امین ہوگا۔ وہ اس میں کسی تصرف کا مجاز نہیں ہوگا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ لقطے کے مال میں اس تخصیص کے حق میں نہیں تھے۔ (ا۔ک)

㉙ وہ وراثت میں بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ خیال کرتے اور باقی مال انھیں دینے کے قائل تھے۔

㉚ وہ وراثت کے باب میں مسئلہ مشرّکہ کے قائل تھے جو کہ مندرجہ ذیل تھا:

اگر میت کے وارثوں میں سے خاوند، ماں، اخیافی بھائی، اور نسبی بھائی ہوں تو علماء کے درمیان اس مسئلے میں طریقۂ تقسیمِ وراثت مختلف فیہ رہا ہے۔ حضرت عمر، عثمان اور زید رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ انھوں نے سگے بھائیوں اور اخیافی بھائیوں کو ثلث میں شریک فرمایا اور مردوں کو عورتوں سے دوگنا دیا۔

صرف سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اخیافی بھائیوں کو محروم کر دیا۔ ان میں سے بعض نے بطورِ مثال عرض کیا: اے امیر المومنین! فرض کیجیے کہ ہمارا باپ گدھا تھا تو کیا ہماری ماں ایک نہیں ہوگی؟ یہ سن کر انھوں نے سب کو شریک کر دیا، اس لیے اس مسئلہ کو ''المشرّکہ'' یا ''الحماریہ'' کہا جاتا ہے۔

㉛ سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ دادیوں کو، چاہے وہ تعداد میں کتنی ہی ہوں، ایک سدس، یعنی چھٹے حصے میں شریک سمجھتے تھے۔

㉜ عمر رضی اللہ عنہ نے میت کے ورثاء ماں، بہن اور دادا کے درمیان وراثت اس تناسب سے تقسیم فرمائی کہ بہن کے لیے نصف، ماں کے لیے باقی مال کا تیسرا حصہ جبکہ باقی ماندہ مال دادا کو دیا۔

㉝ عمر رضی اللہ عنہ نے میت کے ورثاء خاوند، ماں اور باپ کے درمیان وراثت اس طرح تقسیم فرمائی کہ خاوند کو نصف، ماں کو باقی ماندہ کا تیسرا اور باقی مال باپ کو دے دیا۔

عمر رضی اللہ عنہ جب ورثاء بیوی، ماں اور باپ ہوں تو بیوی کو چوتھا حصہ ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ جبکہ بقیہ باپ کو دیتے تھے۔

یہ دونوں مسئلے وراثت کے فن میں ''عمریتین'' کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ ان کا فیصلہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے فرمایا تھا۔

(34) وہ اصحاب الفروض اور عصبہ کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کی وراثت کے قائل تھے۔[1]

یہ وہ چند فقہی اجتہادات ہیں جو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ یہ مسائل مکمل تحقیق اور شرح و بسط کے متقاضی ہیں۔ میں نے یہاں ان کا حوالہ بطور اشارہ دیا ہے۔

(1) محض الصواب:3/754-774.

باب

6

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

کے گورنر، ان کا تقرر، اوصاف اور حقوق وفرائض

* سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے گورنروں سے سلوک
* عہد عمر رضی اللہ عنہ میں حکّام کے تقرر کا طریقِ کار
* گورنروں کے اوصاف وحقوق
* حکّام کے فرائض
* عہد عمر میں گورنروں کی نگرانی اور ان کا محاسبہ

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے گورنروں سے سلوک

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ریاست کی حدود دور دور تک پھیل گئیں تو انھوں نے نظامِ خلافت کو بہتر طریقے سے چلانے اور ذرائع آمدنی کی مؤثر نگرانی کے لیے مملکت کو بڑے بڑے انتظامی حصوں میں تقسیم کر دیا اور تمام دور افتادہ علاقوں میں اپنے گورنر مقرر کیے۔

صوبہ جات

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ریاست کے مختلف صوبوں کی تقسیم اسی طرح تھی جس طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تھی۔ ان میں صرف اتنا فرق پیدا ہو گیا کہ یہ علاقے پہلے سے زیادہ پھیل گئے اور وقتاً فوقتاً ان علاقوں کے قائدین کے مناصب میں تبدیلیاں کی گئیں۔ ان صوبوں کی تفصیل یہ ہے:

مکہ مکرمہ

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سب سے پہلے مکہ کا گورنر محرز بن حارثہ بن ربیعہ بن عبدشمس مقرر ہوا، پھر قنفذ بن عمیر بن جدعان تمیمی ان کی جگہ گورنر بنے۔ ان کی حیثیت بعینہٖ سابقہ گورنروں جیسی تھی۔ ان کی مدت ولایت یا دیگر احوال کے بارے میں کوئی تفصیل

نہیں ملتی۔ قنفذ کے بعد نافع بن عبد الحارث خزاعی مکہ مکرمہ کے گورنر بنے۔ اُنھی کے دور میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ نافع کے زمانۂ گورنری کے بارے میں بعض تفصیلات ملتی ہیں۔ ان میں صفوان بن امیہ سے اس کا گھر خریدنے اور اسے جیل خانے میں بدل دیے جانے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ واقعہ بخاری میں بھی مذکور ہے۔[1]

بعض روایات میں ہے کہ نافع سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے سفرِ حج کے دوران عسفان نامی مقام پر ملے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت فرمایا: تم نے مکہ مکرمہ میں اپنی جگہ کسے عامل مقرر کیا ہے؟ نافع نے عرض کیا: ابن ابزیٰ کو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ نافع نے عرض کیا: ہمارا ہی غلام ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے ایک غلام کو لوگوں کا عامل بنا دیا۔ نافع نے عرض کیا: وہ قاری قرآن اور فرائض کا عالم ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تفصیل سننے کے بعد ارشاد فرمایا: بلاشبہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ»

”یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب کی بدولت بہت سی اقوام کو عزت بخشتا ہے اور بہت سی اقوام کو اسی کتاب کو چھوڑنے کی وجہ سے ذلت سے دوچار کر دیتا ہے۔“[2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مکہ مکرمہ میں جو سب سے بڑا کام کیا، وہ حدود حرم مکی کی توسیع تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حرم سے متصل بہت سے گھر خرید کر مسمار کرا دیے اور حرم میں شامل کر دیے، پھر اس کے گرد چھوٹی چھوٹی دیواریں چنوا دیں۔ حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ کے مختلف مقامات پر امیر المومنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مختلف علاقوں سے آنے والے گورنروں سے ملاقات ہوتی تھی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مکہ مکرمہ کو ریاست کے اہم ترین صوبوں میں سے

[1] صحيح البخاري، قبل الحديث: 2423، ومسند أحمد: 36/1، حديث: 232. [2] صحيح مسلم، حديث: 817، و الولاية على البلدان لعبدالعزيز العمري: 67/1.

انتہائی اہم صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اس صوبے کا اسلامی ریاست میں سب سے بلند مقام تھا۔

مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کا بلاواسطہ گورنر خود خلیفۂ وقت ہوتا تھا کیونکہ خلیفہ کی رہائش مدینہ میں تھی، لہٰذا وہ خود ہی مدینہ منورہ کے جملہ اُمور کا نگران ہوتا تھا اور پیش آمدہ مسائل و معاملات کی تدبیر کرتا تھا۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو مدینہ سے باہر کے دوروں کے وقت وہ مدینہ منورہ کے امور کی نگرانی کے لیے اپنا نائب مقرر فرماتے۔ کبھی کسی سفر پر جاتے یا حج کی غرض سے مدینہ منورہ میں موجود نہ ہوتے تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرماتے۔ [1] انھوں نے کئی دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنا نائب مقرر فرمایا۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نیابت کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

سیاسی نقطۂ نظر سے مدینہ منورہ کی گورنری دیگر علاقوں کی نسبت انتہائی اہم اور منفرد نوعیت کی حامل تھی۔ اس کے متعدد اسباب تھے۔ ان میں مدینہ منورہ کا دارالخلافہ ہونا، مختلف اسلامی علاقوں میں بھیجے جانے والے حکّام کا مرکز ہونا، اسلامی لشکروں کی روانگی اور اُن مختلف کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا وہاں مقیم ہونا بھی شامل تھا جنھیں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے شہروں میں جانے سے روک رکھا تھا۔ [3]

یہی وجہ تھی کہ علم کے پیاسے طلباء صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن وسنت کی تعلیم کے حصول اور براہِ راست فقہی مسائل سیکھنے کے لیے مدینہ منورہ تشریف لاتے تھے۔ [4]

طائف

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں طائف کو ریاست کا بہت اہم صوبہ ہونے کا درجہ

---

[1] الولاية على البلدان: 68/1. [2] تاريخ اليعقوبي: 147/2. [3] تاريخ اليعقوبي: 157/2.

[4] الولاية على البلدان: 68/1.

حاصل تھا۔ اہل طائف نے اسلام کے طاقتور دشمنوں کے خلاف جہادی تحریک میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہی کے زمانۂ مبارک سے طائف کی گورنری پر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ مامور تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو طائف کے گورنر کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی 2 دو برسوں میں بھی عثمان رضی اللہ عنہ ہی طائف کے گورنر رہے، پھر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو جہاد میں شرکت کا شوق ہوا۔ انھوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عثمان! میں تو تمھیں معزول نہیں کرنا چاہتا۔ اب تم خود ہی طائف کی گورنری کے لیے کسی موزوں آدمی کا انتخاب کرو۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی صوابدید سے اہل طائف ہی میں سے ایک آدمی کو طائف کا گورنر مقرر فرما دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو عمان اور بحرین کے علاقوں میں اہم ذمہ داری سونپ دی۔ ①

بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت طائف کے گورنر سفیان بن عبداللہ ثقفی تھے۔ ②

سفیان اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان سبزیوں، پھلوں اور شہد کے بارے میں شرحِ زکاۃ کے سلسلے میں بہت سے مکتوبات کا تبادلہ ہوا۔

ان مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں طائف زرعی پیداوار کے لحاظ سے انتہائی زرخیز اور ثمر بار علاقہ تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں طائف اور اس کے اردگرد کے علاقے انتہائی پرسکون اور خوشگوار تھے۔ اہل مکہ بڑے شوق سے گرمیوں میں طائف کا سفر اختیار کرتے تھے۔ ③

① تاریخ خليفة بن خياط، ص: 134. ② تاريخ الطبري: 239/5. ③ الطائف في العصر الجاهلي و صدر الإسلام لنادية حسين صقر، ص: 19.

یمن

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت یمن کا علاقہ انتہائی پرسکون تھا۔ یمن کا انتظام زیادہ خوش اسلوبی سے چلانے کے لیے یمن کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر علاقے کا الگ الگ مستقل ذمہ دار ہوتا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے مقرر کردہ عمّال کو برقرار رکھا۔ [1]

یعلٰی بن امیہ یمن کے حکّام میں سے ایک تھے۔ اُنھیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حاکم مقرر فرمایا تھا۔ ان کا نام سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خوب روشن ہوا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے بعد وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت میں یمن کے حاکم رہے۔ [2]

بہت سی روایات میں ان حوادث کا تذکرہ موجود ہے جو یعلٰی بن امیہ کے دور میں رونما ہوئے، ان میں یعلٰی کے خلاف سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دربار خلافت میں پیش کی جانے والی شکایات بھی شامل ہیں۔ ان کے نتیجے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد دفعہ یعلٰی کو مدینہ طلب فرمایا اور ان کے خلاف دائر کردہ مقدمات کی سماعت فرمائی۔ [3]

یعلٰی بن امیہ کی عدم موجودگی کے وقت عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد دفعہ یمن کی حاکمیت بطور نیابت متعدد افراد کے سپرد فرمائی۔ تاریخ میں یعلٰی اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مابین زکاۃ کے متعدد مسائل پر مکتوبات کے تبادلے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ [4]

یعلٰی خود فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت کے آخری ایام میں اموال کی تقسیم کے لیے کچھ نگران مقرر فرمائے تھے ان میں سے ایک میں بھی تھا۔ [5]

یمن کے حکّام میں عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی کا نام بھی آتا ہے، غالبًا وہ یمن کے

[1] غاية الأماني في أخبار القطر اليماني ليحيى بن الحسين: 83/1. [2] تاريخ الطبري: 157/2.

[3] غاية الأماني: 83/1. [4] الأموال لقاسم بن سلام، ص: 436. [5] تاريخ اليعقوبي: 157/2.

علاقے الجَنَد کے حاکم تھے۔ علامہ طبری رحمہ اللہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے یمنی حکّام کا تذکرہ کرتے ہوئے یعلیٰ بن امیہ کے ساتھ عبداللہ بن ابی ربیعہ کا بھی بطورِ حاکمِ علاقہ الجند ذکر کیا ہے۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی فتوحات میں اہلِ یمن کا کردار بڑا اہم اور مؤثر تھا۔ وہ شام، عراق اور مصر کی فتوحات میں پیش پیش رہے۔[2]

جب عراق کی سرزمین میں بصرہ اور کوفہ جیسے اسلامی شہر بسائے گئے تو بہت سے یمنی قبائل وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ ان میں سرفہرست قبیلۂ کندہ کے لوگ تھے۔ یہ لوگ کوفہ میں قیام پذیر ہوئے۔[3]

کندہ کے علاوہ دیگر بہت سے یمنی قبائل شام کے علاقے میں پہنچ گئے۔ انھوں نے شام کی فتوحات میں اہم کردار ادا کیا اور مصر میں فسطاط شہر کے معرض وجود میں آنے کے بعد بہت سے یمنی قبائل وہاں رہائش پذیر ہوئے۔[4]

یمنی قبائل کی یہ منظّم ہجرتیں ایک منصوبہ بندی کے تحت تھیں جو لوگ اس وقت یمن کے حاکم تھے انھوں نے اس کی منصوبہ بندی کی تھی اور مختلف نئے شہروں کی آباد کاری کے لیے قبائل کے انتخاب میں انتہائی دانشمندانہ اور مؤثر کردار ادا کیا تھا۔ اس حوالے سے صوبۂ یمن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی ریاست کا بہت اہم صوبہ تھا۔ اس دور میں دوسرے صوبوں کی نسبت یمن کا کردار قابل ستائش رہا۔[5]

بحرین

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت بحرین کے گورنر علاء بن حضرمی تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے منصب پر بدستور بحال رکھا۔ راجح قول کے مطابق وہ

① تاریخ الطبري:239/5. ② الولایة علی البلدان:71/1. ③ الیمن في ظل الإسلام للدکتور عصام الدین، ص:49. ④ فتوح مصر و أخبار ھا لابن عبدالحکم، ص:119-123. ⑤ الولایات علی البلدان:71/1.

14 ہجری تک بحرین کے گورنر رہے۔ ①

حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ ایرانیوں کے خلاف ہونے والی ابتدائی جنگوں میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ انتہائی اہم کردار بھی ادا کرتے رہے۔ اپنی عمر کے آخری دور میں علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ بحرین میں بطور گورنر اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر کے بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ حضرت علاء نے یہ تبادلہ پسند نہیں فرمایا۔

وہ ابھی بصرہ نہیں پہنچے تھے کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور بحرین ہی میں دفن ہوئے۔ ان کی معزولی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ انھوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مرضی کے خلاف مسلمانوں کو بحری راستے سے جہاد کرنے کی ترغیب دی تھی۔

علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بحرین کے گورنر مقرر ہوئے۔ انھوں نے بحرین کے اردگرد علاقوں میں جہاد شروع کیا، یہاں تک کہ وہ سندھ کے نواحی علاقوں تک پہنچ گئے۔ اسی دوران میں انھیں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ملا کہ وہ بصرہ کے حاکم ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعاون کریں، چنانچہ وہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود افواج کے ساتھ مل کر بصرہ کے راستے فارس کی فتوحات میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ ②

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ پرہیزگاری کا مجسمہ تھے اور حرام سے اجتناب کرنے میں مشہور تھے۔ ③

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کم از کم دو مرتبہ بحرین کے گورنر مقرر ہوئے، پہلی مرتبہ 15 ہجری میں گورنر بنے لیکن بعدازاں انھیں بصرہ میں فوجی قیادت کے لیے بھیج دیا گیا۔ ان کی جگہ عیاش بن ابوثور کو بحرین کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ ④ مگر ان کا دور بھی محدود رہا، پھر قدامہ بن مظعون کو بحرین کا نیا گورنر تعینات کر دیا گیا۔

① الولاية على البلدان: 75/1. ② الولاية على البلدان: 73/1. ③ سير أعلام النبلاء: 374/2.
④ الولاية على البلدان: 73/1.

قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بہت سے دیگر سرکاری امور کے علاوہ بحرین کا عہدۂ قضا تفویض ہوا۔ قدامہ کے دور میں بحرین کے لوگ ان سے انتہائی خوش تھے۔ مگر آخری ایام میں ان پر شراب کی تہمت لگ گئی۔ تحقیق کے بعد جرم ثابت ہو جانے پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد قائم فرمائی۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد عبداللہ اور ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے ماموں تھے۔ [1]

قدامہ کی معزولی کے بعد ان کے بھائی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئے لیکن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں مسلسل مطمئن کرتے رہے۔ وہ کہتے: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تو قدامہ سے صلح کر لے وہ تیرا بھائی ہے۔ [2] بتایا گیا ہے کہ قدامہ کی معزولی 20 ہجری میں ہوئی۔ [3]

قدامہ کے بعد مشہور علم دوست صحابیٔ رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین کے گورنر مقرر ہوئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قدامہ بن مظعون کے دور ولایت میں بحرین کے مختلف امور کے نگران تھے اور وہ ان گواہوں میں شامل تھے جنھوں نے قدامہ کے خلاف شراب نوشی کے سلسلے میں گواہی دی تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ کی معزولی کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بطور گورنر تقرر کا باقاعدہ حکم نامہ ارسال فرمایا۔ [4]

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو دوسری مرتبہ بحرین کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک بدستور بحرین کے گورنر رہے۔ [5]

بہت سی روایات میں بحرین کی گورنری کے ساتھ ساتھ عُمان کا نام بھی آتا ہے۔ روایات میں ہے کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بحرین اور یمامہ دونوں علاقوں کے حاکم تھے۔ [6]

ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ بحرین کا عمان اور یمامہ سے گہرا تعلق تھا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ

---

(1) الطبقات الکبری:5/560، وتاریخ المدینة:3/843، والولایة علی البلدان:1/74. (2) الولایة علی البلدان:1/74. (3) البدایة والنهایة: 7/101. (4) الولایة علی البلدان:1/75. (5) الولایة علی البلدان:1/75. (6) تاریخ الطبري:5/239.

کے عہد میں دونوں علاقوں کو بحرین ہی کا جز سمجھا جاتا تھا۔ جغرافیائی اور سماجی اعتبار سے بھی عمان، یمامہ اور بحرین کے درمیان مضبوط اور گہرے روابط تھے۔

مؤرخین کی تحریروں میں اکثر ''بحرین اور اس کے اردگرد کے علاقے'' اور ''بحرین اور اس کے ماتحت علاقے'' کے عنوانات آئے ہیں۔

بحرین خراج اور جزیے کی وصولی کا بہت بڑا مرکز باور کیا جاتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ ان دنوں کس قدر زرخیز تھا۔ بحرین کے مسلم قبائلی علاقوں اور بحرین کے حاکموں نے ایران اور مشرق میں جاری جہاد میں کثرت سے شرکت کی اور اسلامی فتوحات میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔[1]

مصر

مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فتح ہوا۔ ان شاء اللہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ بسا اوقات ان کا بعض امور میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف بھی ہوا۔ بعض مواقع پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تادیبی کارروائی کرتے ہوئے انھیں ڈانٹ بھی پلائی، تاہم سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی مصر کے گورنر رہے۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اس وقت بھی عمرو ہی مصر کے حاکم تھے۔ بس کبھی کبھار ان کے درجے سے کم کسی خاص علاقے کی نگرانی کے لیے مختلف عمال مقرر ہوتے رہے۔ عبداللہ بن ابی السرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد علاقہ ''صعید'' کے نگران مقرر ہوئے۔[2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مصر کے مختلف معاملات کی خصوصیت سے نگرانی فرمائی اور وہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو وقتاً فوقتاً ضروری احکام و ہدایات ارسال فرماتے رہے۔[3]

---

[1] الولاية على البلدان:1/76. [2] فتوح مصر، ص: 173. [3] الولاية على البلدان:1/79.

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خراج اور جزیے کے بارے میں قبطیوں کے تجربے سے فائدہ اٹھایا اور انھی لوگوں میں سے ماہر افراد کو اس کام کا نگران مقرر فرمایا۔ ①

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسلامی افواج سے تعلق رکھنے والے افراد کو پیشۂ زراعت میں مصروف ہونے سے روکتے تھے۔ اگر کوئی حکم عدولی کرتا تو اسے سزا بھی دیتے تھے۔ ②

اس اقدام کا مقصد افواج کو طبعی طور پر جہادی امور میں مصروف رہنے کا پابند بنانا اور راحت پسندی اور عیش کوشی سے دُور رکھنا تھا، اسلامی افواج کو بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں دی جاتی تھیں جو افواج کی ضروریات کے لیے کافی ہوتی تھیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ وقت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہوئے مصر کے تمام سرکاری اور عوامی اُمور چند برس میں اس قدر منظّم کر دیے کہ مصر اسلامی مملکت کا نہایت اہم اور بہت بڑا صوبہ بن گیا۔ مصر میں رُونما ہونے والے غیر معمولی واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت کے حالات کتنے پرسکون تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ رُومیوں کی طرف سے ہر وقت خطرہ بھی لاحق رہتا تھا، مبادا وہ کسی وقت سمندر کی طرف سے براہِ اسکندریہ مصر واپس حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسلامی افواج کو ہر وقت چوکس رکھتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بے لاگ عدل و انصاف کی فراوانی کے سبب مصر میں اسلام بڑی تیزی سے مقبول ہوا۔ اہل مصر نے اس سے پہلے ایسے بے خطا انصاف، نوازش اور مہربانی کا سلوک کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مسلمانوں نے اہل مصر سے بڑی فیاضی اور مہربانی کا سلوک کیا اور انھیں خالص اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ جس وجہ سے قریب قریب تمام مصری باشندے اسلامی افواج کا حصہ بن گئے۔

① فتوح مصر وأخبارهم، ص:152. ② الولاية على البلدان:82/1.

مصر کے انتظامی امور کا دائرۂ کار مختصر تھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خراج کے مسئول تھے۔ وہ مصر کے زیرنگیں دیگر علاقوں کے افراد سے بھی کام لیتے تھے اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جواب دہ تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آخر تک یہی انتظام برقرار رہا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کے بعض مقامی باشندوں سے خراج اور چند دیگر مالی امور کے سلسلہ میں ان کی مہارت اور تجربے سے استفادہ فرمایا۔ ①

ملک شام کے امراء

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت شام کی افواج اور علاقہ جات کے حاکم اور کمانڈر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو شام کے تمام علاقوں کا گورنر مقرر کیا۔ تمام سرکاری وعوامی اُمور میں وہی بلاواسطہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جواب دہ تھے۔ ②

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جوں ہی شام کے گورنر بنے تو انھوں نے شامی علاقوں کی تنظیم نو فرمائی۔ مختلف علاقوں کے امراء کے تبادلے کیے۔ کچھ علاقوں میں پہلے ہی سے نگران اور مسئول مقرر تھے۔ بعض کو انھوں نے بحال رکھا اور بعض کو معزول کر دیا۔

خلیفہ بن خیاط لکھتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب شامی علاقے فتح کیے تو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو فلسطین اور اس کے اردگرد علاقوں کا، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اردن کا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دمشق کا جبکہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حمص کا والی مقرر کیا جن کو بعدازاں معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبداللہ بن قرط ثمالی کو مقرر فرمایا لیکن پھر انھیں بھی برطرف کر دیا۔ بعدازاں حمص کا والی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا لیکن بعد میں پھر بعض وجوہ ومصالح کی بنا پر دوبارہ عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ کو حمص کا گورنر نامزد کر دیا۔ ③

① الولاية على البلدان: 83/1. ② تهذيب تاريخ دمشق: 152/1. ③ تاريخ خليفة بن خياط، ص: 155.

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کبھی کبھی بعض صحابہ کو شام کے مختلف علاقوں میں ایک مقررہ وقت کے لیے بھی روانہ فرماتے تھے۔ انھوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اردن کی طرف روانہ فرمایا۔[1]

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے متعدد دفعہ اپنا نائب بھی مقرر فرمایا۔ ایسا اس وقت ہوتا تھا جب آپ کسی لشکر کی قیادت فرماتے تھے یا کسی سفر پر روانہ ہوتے تھے۔ انھوں نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کو اس وقت دمشق کا حاکم مقرر فرمایا جب وہ بیت المقدس کی طرف عازم سفر ہوئے۔[2]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقوں میں بے لاگ انصاف اور انتظامی خوش تدبیریوں کی ایسی زبردست مثال قائم کی کہ ان کی بلند مرتبہ شخصیت تمام حکّام اور عوام کے لیے ایک سبق آموز مثال بن گئی۔ وہ بڑے صالح اور پرہیزگار انسان تھے۔ کیا حکّام اور کیا عوام سبھی انھیں رشک بھری نظر سے دیکھتے تھے اور ان جیسی نیک زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

گزشتہ صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ وہ طاعون عمواس میں شہید ہوئے۔ ان کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ گورنر مقرر ہوئے۔ وہ بھی کچھ دنوں کے بعد شہید ہو گئے۔ ان دونوں حضرات کی وفات کے بعد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کی افواج کا کمانڈر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو مقرر کر دیا، جبکہ شام کے دیگر مختلف علاقوں پر مختلف عمّال نامزد فرمائے۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فوجی معاملات میں انتہائی تجربہ کار شخصیت تھے۔ انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان افواج کا کمانڈر مقرر فرمایا تھا جو شامی فتوحات کے لیے گئی تھیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں بھی جہاد میں مصروفیت کے دوران انھیں کئی دفعہ دمشق میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔[3]

[1] فتوح الشام، ص: 248. [2] الفتوح لابن أعثم الكوفي، ص: 289، والولاية على البلدان: 90/1. [3] فتوح البلدان، ص: 137.

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو شامی افواج کا کمانڈر مقرر فرمایا تو بہت سے دیگر افراد کو شام کے مختلف علاقوں کی امارت تفویض فرمائی اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو خصوصیت کے ساتھ فلسطین اور اردن کا والی مقرر کیا۔ ①

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا شام پر گورنری کا زمانہ انتہائی مختصر تھا، اسی لیے تاریخی مصادر میں ان کے بارے میں معلومات نہایت محدود ہیں۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما 18 ہجری میں فوت ہوئے۔ وفات سے تھوڑی دیر پہلے انھوں نے اپنی جگہ اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو نائب گورنر مقرر کر دیا اور اس بارے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مکتوب بھی ارسال فرما دیا۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی گورنری تقریباً ایک سال تک رہی۔ ②

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر شام کی حیثیت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھا اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد شام کے علاقے میں مختلف انتظامی تبدیلیاں کیں۔ انھوں نے افواجِ دمشق کی قیادت اور شام کے خراج کی وصولی کا منصب معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس رکھا۔ اور نماز کی امامت اور قضاء کے لیے اصحابِ رسول میں سے دو افراد روانہ فرمائے۔ ایک صحابی کو جج اور دوسرے صحابی کو امامت نماز کا منصب عطا فرمایا۔ ③

اس نظام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختیارات محدود کر دیے گئے اور انھیں امامت نماز کے منصب سے ہٹا دیا گیا جبکہ اس سے پہلے کا معمول یہ تھا کہ صوبے کا گورنر ہی امامت کراتا تھا۔ ہوسکتا ہے اس وقت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں نئی سیاسی سوچ ابھری ہو جس کی وجہ سے انھوں نے منصب امامت کو الگ کر دیا۔ یہ عمل صرف شام ہی میں نہیں ہوا بلکہ تمام صوبوں میں ایسا ہی کیا گیا، یعنی امامت کا منصب گورنری سے الگ کر دیا گیا۔

① فتوح البلدان، ص:146,145. ② الوثائق السياسية للعصر النبوي والخلافة الراشدة، ص: 493. ③ الولاية على البلدان:92/1.

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بُردباری اور فراخدلی کے اعتبار سے بڑی ممتاز شخصیت کے حامل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عراق اور دیگر علاقوں سے بہت سے لوگ شام چلے آئے۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے مختلف علاقوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے بعض امراء کا تقرر کیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض اوقات شام کے شمالی علاقوں میں رومیوں کے خلاف معرکہ آرائی ہوتی رہتی تھی جسے صوائف (گرمی کے زمانہ میں جنگ) سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ [2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک شام کے گورنر رہے۔ ان کے ساتھ دیگر کئی علاقوں پر دیگر کئی والی مقرر تھے اور سب بلاواسطہ دارالخلافہ مدینہ منورہ سے ملحق تھے، فرق صرف اتنا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے معتبر علاقوں: بلقاء، اردن، فلسطین، انطاکیہ، قلقلیہ اور معرۂ مصرین کے حاکم تھے، اس لیے ان سب سے زیادہ مشہور تھے۔ [3]

بعض مؤرخین نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا کامل حاکم لکھا ہے لیکن دیگر بعض مؤرخین نے احتیاطی پہلو اختیار کرتے ہوئے شام کے مختلف علاقوں میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مختلف امراء کا نام لکھا ہے اور پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک حاکم بتلایا ہے۔ بعدازاں مؤرخین نے لکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی موت سے پہلے سارے صوبۂ شام کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ [4]

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ان دنوں فوجی سرگرمیوں اور دیگر حالات کے باعث ریاست کے عمومی احوال اور صوبوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں، مثلاً: اردن کا علاقہ کبھی علیحدہ کر دیا جاتا تھا، کبھی اسے کسی دوسرے صوبے سے منسلک کر دیا جاتا تھا، کبھی جزوی طور

[1] تاريخ الطبري: 239/5. [2] الولاية على البلدان: 92/1. [3] الولاية على البلدان: 93/1. [4] تاريخ خليفة بن خياط، ص: 155، وسير أعلام النبلاء: 88/3.

پر اس کے بعض علاقوں کو صوبہ شام یا فلسطین سے منسلک کر دیا جاتا تھا۔ ایسی تبدیلیاں مختلف ضرورتوں کے پیش نظر ہوتی رہتی تھیں۔[1] ان کی تفصیلات کتب تاریخ کے اوراق میں ملتی ہیں جن کے تذکرے کی یہاں گنجائش نہیں۔

عراق اور ایران کے امراء

عراق کی سرزمین میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان فتوحات کی ابتدا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ہوئی، بعدازاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عراق پہنچ گئے تو وہاں کی امارت انھیں سونپ دی گئی، پھر جب خالد رضی اللہ عنہ کو شام جانے کا حکم ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ پھر عراق کی کمان مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عنایت کر دی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کر دیا۔ عین انھی دنوں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ معزول کر دیے گئے۔ ان دونوں حضرات کی یکے بعد دیگرے معزولی سے عام لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «إِنِّي لَمْ أَعْزِلْهُمَا عَنْ رِيبَةٍ وَّلٰكِنَّ النَّاسَ عَظَّمُوهُمَا فَخَشِيتُ أَنْ يُّوَكَّلُوا إِلَيْهِمَا» ”بلاشبہ میں نے ان دونوں کو کسی عیب کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ لوگوں نے انھیں بڑی تعظیم دے دی تو میں ڈر گیا کہ مبادا لوگ ان دونوں ہی پر بھروسا کر بیٹھیں۔“[2]

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ معزول ہونے کے بعد بھی ایک مخلص مجاہد کی حیثیت سے ابوعبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑے بڑے معرکوں میں شریک رہے اور بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔[3]

ابوعبید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد قیادت ایک دفعہ پھر مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئی، جبکہ عراقی افواج کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مقرر رہوئے۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا ”جسر“ کی

---

[1] الولاية على البلدان: 102/1. [2] الولاية على البلدان: 108/1. [3] البداية والنهاية: 28/7.

لڑائی میں لگا ہوا زخم کھل گیا جس سے وہ بیمار ہو گئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے عراق پہنچنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ ①

بصرہ شہر ان فتوحات سے پہلے ہی معرضِ وجود میں آچکا تھا اور قادسیہ سے پہلے ایک مستقل صوبے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا مگر قادسیہ اور مدائن کی فتوحات کے بعد عراقی علاقوں کی تنظیم نو کی گئی۔ علاقوں کو ایک واضح اور معین شکل دی گئی جس کے خدوخال معروف ہو گئے۔ بصرہ، کوفہ اور دیگر ایسے تمام شہر اور بستیاں جو ایران اور عراق کے صوبوں سے تعلق رکھتی تھیں یا ایرانی علاقوں میں ان کی مستقل شناخت تھی سب کی تنظیم نو کی گئی۔ ②

بصرہ کے امیر: بصرہ شہر کی آباد کاری سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ نے شریح بن عامر کو ان علاقوں کی طرف بھیجا۔ شریح کا تعلق بنو سعد بن بکر سے تھا۔ انھیں قطبہ بن قتادہ کی مدد کے لیے روانہ کیا گیا تھا، پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بصرہ کے علاقوں کا والی مقرر کر دیا۔ شریح بعدازاں ایک معرکے میں شہید ہو گئے۔ ③

پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو ایک لشکر جرار کے ساتھ بصرہ کے علاقوں میں بھیجا اور انھیں ان علاقوں کا والی مقرر کیا۔ یہ تقرر 16 ہجری میں نہیں، 14 ہجری میں کیا گیا تھا۔ شیخ صالح احمد علی اس قول کے قوی ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں: بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو قادسیہ یا معرکۂ جلولا کے بعد 16 ہجری میں روانہ کیا تھا لیکن جمہور مؤرخین کی تحقیق کے مطابق یہ روانگی 14 ہجری کو عمل میں آئی، اس لیے ہم اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ④

عتبہ بن غزوان کا بصرہ کا والی مقرر ہونا اس علاقے کا اہم ترین واقعہ ہے۔ بصرہ کی سرزمین بہت سے عظیم کارناموں کا مرکز رہی جن میں دجلہ اور فرات کے کنارے پر واقع

① الولاية على البلدان: 111/1. ② الولاية على البلدان: 113/1. ③ تاريخ خليفة بن خياط، ص: 155. ④ التنظيمات الاجتماعية والاقتصادية في البصرة، ص: 36.

فارسی علاقوں کی فتوحات سرفہرست ہیں۔[1]

عتبہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے منصب سے علیحدہ ہونے کے لیے استعفا پیش کیا۔ اسے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نامنظور کرتے ہوئے انھیں زبردستی دوبارہ اپنی منصبی ذمہ داریاں سنبھالنے کا حکم دیا لیکن وہ ابھی راستے ہی میں تھے کہ وفات پا گئے۔ یہ واقعہ 17 ہجری کا ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی موت کی خبر پہنچی تو فرمایا: اگر ہر ایک کے لیے موت کا ایک وقت مقرر ہونے کا اصول نہ ہوتا تو گویا میں ہی ان کی موت کا ذمہ دار قرار پاتا، پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ کے لیے تعریفی کلمات کہے۔[2]

عتبہ رضی اللہ عنہ کے بعد بصرہ کی گورنری مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بصرہ میں سب سے پہلے سرکاری سطح پر رجسٹریشن کے لیے دیوان قائم فرمایا۔ وہ بصرہ ہی کے حاکم تھے کہ ان پر تہمت زنا لگائی گئی۔ اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 17 ہجری میں انھیں معزول کر دیا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر لگائی گئی تہمت کی تحقیق فرمائی تو مغیرہ رضی اللہ عنہ بے قصور نکلے۔ اس پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان تین افراد پر، جنھوں نے مغیرہ کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی، تہمت کی حد جاری کی۔ انھوں نے مغیرہ کو بصرہ کی ولایت سے احتیاطاً اور مصلحتاً معزول فرمایا تھا۔ بعدازاں انھیں دیگر کئی علاقوں کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا۔[3]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی گورنری جلیل القدر صحابی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خلافت عمر میں بصرہ کے مشہور ترین گورنر تھے۔ ان کی گورنری کے زمانے میں فارس کے بہت سے علاقے فتح ہوئے۔ وہ خود بھی جہاد میں شریک ہوتے تھے اور مختلف اطراف میں لشکر بھی روانہ فرماتے تھے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقتدار میں بصریوں نے اہواز اور اس کے اردگرد کے کئی اہم ترین مقامات فتح

---

[1] تاریخ خلیفۃ بن خیاط، ص: 128,127۔ [2] الولایۃ علی البلدان: 115/1۔ [3] الولایۃ علی البلدان: 117/1۔

کیے۔ ان کا دور جہادی سرگرمیوں کا دور تھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے نواحی علاقوں میں بہت سے اسلامی کمانڈروں کے ساتھ بھی جہادی سرگرمیوں میں تعاون فرمایا۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جدید مفتوحہ علاقوں کی تنظیم نو کی اور ان علاقوں پر عمّال مقرر فرمائے۔ امنِ عامہ کی صورتحال بہتر بنانے اور دیگر علاقائی اُمور کی اصلاح کے سلسلے میں انھوں نے بڑی محنت کی۔

ابو موسیٰ اور عمر رضی اللہ عنہما کے مابین بہت سے خطوط کا تبادلہ بھی ہوا۔ ان میں مختلف مسائل زیر بحث آئے۔ ایک خط میں عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو مجلس امارت میں لوگوں کا استقبال کرنے کے طریقے اور تفصیل لکھی۔ ایک مکتوب میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو پرہیزگاری اختیار کرنے اور رعایا کو خوشحال رکھنے کی تلقین کی۔ یہ مکتوب انتہائی اہم ہے۔ اس میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا: امابعد، لوگوں میں سب سے زیادہ نیک بخت وہ حاکم ہے جس کی رعایا خوش حال ہو اور سب سے زیادہ بدبخت وہ حاکم ہے جس کی رعایا بدحال اور نافرمان ہو۔ تم محتاط رہنا، عیش پرستی سے پرہیز کرنا، ورنہ تمھاری رعایا بھی اس راستے پر چل نکلے گی اور اُس وقت تمھاری مثال اس جانور کی سی ہوگی جو زمین کی ہریالی دیکھ کر اسے مسلسل چرتا پھرتا ہے اور موٹا ہو جاتا ہے، پھر اسی موٹاپے سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اور بھی بہت سے خطوط کا تذکرہ مختلف تاریخی کتابوں میں موجود ہے۔ ان خطوط میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتظامی اور تنظیمی احکام اور ان پر عمل درآمد کی تفصیلات پائی جاتی ہیں۔ یہ خطوط بھی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہی کے نام ہیں۔ شیخ محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب القیم عن الوثائق السیاسیۃ میں ان مکتوبات گرامی کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے۔

---

[1] مناقب عمر لابن الجوزي، ص: 130.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی گورنری کا زمانہ تمام تر دیگر گورنروں کے ادوار سے بہتر اور افضل تھا۔ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل بصرہ کے لیے آج تک ان سے بہتر کوئی شخص بصرہ میں نہیں آیا۔ [1]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نہ صرف بہترین حاکم تھے بلکہ وہ اہل بصرہ کے عظیم الشان معلم بھی تھے۔ انھوں نے اہل بصرہ کو قرآن کریم اور مختلف شرعی مسائل کی تعلیم بھی دی۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فارس کے بہت سے علاقے اور دیگر کئی مفتوحہ علاقے انتظامی لحاظ سے بصرہ کی امارت کے تحت تھے۔ ان تمام علاقوں میں حکّام کا تقرر حاکم بصرہ ہی کی طرف سے ہوتا تھا اور وہ سب بصرہ کے گورنر ہی کے روبرو جواب دہ ہوتے تھے۔ اس اعتبار سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے سب سے پہلے مقتدر اور عظیم گورنر تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے مابین خطوط سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے عمّال سے سلوک کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کے اس پہلو کی بھی نقاب کشائی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے کس طرح پیش آتے تھے۔ [3]

کوفہ کے امیر: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص تھے جو کوفہ شہر کی تعمیر کے بعد کوفہ کے اولین گورنر بنے۔ انھوں نے ہی کوفہ شہر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے بسایا تھا۔ ان کی گورنری کوفہ اور اس کے اردگرد علاقوں پر محیط تھی۔ جب کوفہ شہر باقاعدہ تعمیر ہو گیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔ انھوں نے اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھائی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کوفہ میں مقیم ہونے کے بعد بہت سے ایرانی علاقوں میں فتوحات حاصل ہوئیں۔ [4]

---

[1] سیر أعلام النبلاء: 389/2. [2] الولایة علی البلدان: 120/1. [3] الولایة علی البلدان: 120/1.
[4] فتوح البلدان، ص: 139، وتاریخ الیعقوبي: 151/2.

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ اقتدار میں بہت سی زرعی اصلاحات کیں۔ بہت سے کسان جمع ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مطالبہ کیا کہ کسانوں کی بھلائی کے لیے ان کے علاقوں میں پانی کی ایک نہر پہنچائی جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسی وقت مطلوبہ علاقے کے عامل کو ان کسانوں کے لیے نہر کھودنے کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور عامل نے اپنے تمام کارکنوں کو جمع کر کے نہر تیار کرا دی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کوفہ کے زیرِ انتظام تمام علاقوں کی کڑی نگرانی کرتے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مشورے کر کے اپنے ماتحت علاقوں کے ذیلی عامل مقرر فرماتے تھے۔

اہل کوفہ کے سمجھدار لوگ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بڑے مداح تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کوفہ کی ایک مشہور شخصیت سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کردار کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب دیا: سعد رضی اللہ عنہ اموال کی وصولی میں انتہائی متواضع ہیں۔ اپنی ذات میں خالص عربی النسل ہیں۔ احکام جاری کرنے میں شیر ہیں۔ مقدمات میں انصاف سے کام لیتے ہیں۔ تقسیم میں مساوات برتتے ہیں۔ لشکر سے دور رہتے ہیں لیکن اہل لشکر پر ایک نیک دل ماں سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ وہ چیونٹی کی طرح چپکے چپکے ہمارے پاس پہنچ جاتے ہیں۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور اسلوب کار کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا: میں نے انھیں اپنے دور ولایت میں طبعاً سب لوگوں سے زیادہ کریم اور سب سے کم سختی کرنے والا پایا۔ وہ لوگوں پر ماں کی مامتا جیسی شفقت کرتے ہیں۔ ان کے لیے اموال اس طرح جمع کرتے ہیں جس طرح چیونٹیاں اپنی خوراک جمع کرتی ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں انتہائی مضبوط ہیں اور لوگوں کے لیے قریش کے محبوب ترین شخص ہیں۔[2]

---

[1] الولاية على البلدان: 123/1. [2] الولاية على البلدان: 123/1.

اہل کوفہ کے سمجھدار طبقے کی طرف سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی کے باوجود کوفہ کے چند ناسمجھ اور سطحی ذہن والے لوگوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے خلاف دربارِ خلافت میں شکایات بھی بھیجیں۔ اس بنا پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔ ہم اس کا مکمل اور تفصیلی تذکرہ حکّام کے خلاف کی گئی شکایات کے باب میں کریں گے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان افراد میں سے تھے جنھیں اسلامی افواج کی کمان سونپی گئی تھی۔ حضرت سعد ایسے افراد سے امور حکومت میں مدد لیا کرتے تھے۔ عمار رضی اللہ عنہ کو حکمرانی کے امور کے بارے میں دیرینہ اور مکمل تجربہ تھا، چنانچہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی گورنری حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یکسر مختلف تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر کئی افراد امور ولایت میں شامل کر کے سب کی ذمہ داریاں تقسیم فرما دی تھیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو نماز، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال، جبکہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو زمین کی پیمائش کا نگران مقرر فرمایا، اس لیے کوفہ میں ان کے دور گورنری میں سعد رضی اللہ عنہ کے دور ولایت کے مقابلے میں تبدیلی آگئی۔ اس نئی تقسیم سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

مذکورہ بالا متعین شدہ تمام افراد نے اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نماز کی امامت فرماتے، امور حکومت کی تنظیم نو فرماتے اور افواج کی قیادت بھی فرماتے تھے۔ انھوں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ ان کے دورِ اقتدار میں اہلِ کوفہ نے ان لشکروں کے خلاف کارروائی کی جو ایرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف جمع کر رکھے تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ارشادات اور مشوروں کی روشنی میں فوجی حالات سامنے رکھتے ہوئے انتظامی نظم و نسق اور حکومت کے دیگر امور کی تدبیر فرماتے تھے۔ وہ کوفہ میں

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اس علاقے کی نگرانی کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مالی امور کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن کی تعلیم بھی دیتے تھے اور دین کے مسائل بھی سکھاتے تھے۔[1]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تقریباً ایک سال اور نو ماہ کوفہ کے حاکم رہے، پھر ان کے خلاف اہل کوفہ کی شکایات کی وجہ سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا۔ بعدازاں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: کیا تجھے اپنی معزولی بُری لگی؟ عمار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جب آپ نے کوفہ کی گورنری عطا کی تھی تو مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی اور اب جبکہ آپ نے مجھے معزول کر دیا تو مجھے کوئی دکھ نہیں ہوا۔[2]

ایک روایت کے مطابق جب عمار رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب اہل کوفہ انھیں ناپسند کرنے لگے ہیں تو انھوں نے ازخود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو استعفا پیش کر دیا جسے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قبول فرما لیا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ازخود انھیں معزول نہیں کیا تھا۔[3]

پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا لیکن ان کی روانگی سے پہلے ہی انھیں معزول کر دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ابھی اپنے تقرر کی خبر پوشیدہ رکھنا لیکن خلاف توقع یہ خبر ہر طرف لوگوں میں پھیل گئی۔ اس پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئے اور انھیں معزول کر دیا، پھر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ مغیرہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک کوفہ کے گورنر رہے۔[4]

مدائن کے امیر: مدائن کسریٰ کا دارالحکومت تھا۔ اسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہاں کچھ مدت ٹھہرے۔ جب کوفہ کا قیام عمل میں آیا تو وہاں تشریف لے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی فوج میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ ایرانیوں کے خلاف بہت سی جنگوں میں شریک رہے۔ قتال سے پہلے اہلِ ایران کو اسلام کی دعوت

---

[1] الطبقات لابن سعد: 157/3. [2] الفتوح لابن أعثم الكوفي: 82/2. [3] نهاية الأرب: 368/19.
[4] تاريخ خليفة بن خياط، ص: 155، وتاريخ الطبري: 239/5.

دینے میں ان کا کردار انتہائی اہم تھا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدائن کی گورنری عطا فرمائی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اہلِ مدائن کے ساتھ مثالی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ وہ معاشرے میں اسلامی شعائر کی اصلی اور عملی تعبیر تھے۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کی گورنری قبول کرنے سے بار بار انکار کرتے رہے، استعفا بھی پیش کیا لیکن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قبول نہ فرمایا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ زہد و قناعت کا مجسمہ تھے۔ صوف کے کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ اپنے گدھے پر بغیر پالان کے صرف ایک کملی رکھ کر سوار ہو جاتے تھے۔ جو کی روٹی تناول فرماتے تھے۔ انتہائی عابد و زاہد تھے۔[1]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مسلسل مدائن ہی میں مقیم رہے حتی کہ راجح قول کے مطابق 32 ہجری کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رحلت فرما گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آخری ایام میں مدائن کے گورنر نہیں تھے کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو مدائن کا گورنر مقرر فرما دیا تھا۔ مؤرخین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی معزولی کا کہیں تذکرہ نہیں کیا، ہوسکتا ہے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بالآخر ان کا استعفا قبول فرما لیا ہو اور ان کی جگہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو مدائن کا گورنر مقرر کر دیا ہو۔ بہت سی روایات ایسی ہیں جن میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کا تذکرہ ملتا ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک مکتوب گرامی میں لکھا ہے کہ انھوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مدائن کا نیا حاکم مقرر کر دیا ہے، لہٰذا سب لوگ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی سمع و طاعت کریں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بقیہ زندگی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت میں مدائن کے گورنر رہے۔[2]

---

[1] مروج الذهب:306/2، والولاية على البلدان:131/1. [2] سير أعلام النبلاء:364/2.

آذر بائیجان کے امیر: آذر بائیجان کے پہلے والی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے مدائن منتقل ہو جانے کے بعد عتبہ بن فرقد سلمی کو آذر بائیجان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ ان کے دورِ گورنری کے دوران میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان بہت سے خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا۔ ان میں سے ایک خط میں یہ تذکرہ بھی ملتا ہے کہ جب عتبہ آذر بائیجان آئے تو یہاں انھوں نے خبیص نامی ایک نہایت عمدہ حلوہ پایا۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ یہ حلوہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا جائے، پھر انھوں نے یہ حلوہ عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے خبیص تیار کرایا، چمڑے کے تھیلے میں اچھی طرح پیک کیا اور عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چکھا تو نہایت لذیذ پایا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا وہاں تمام مہاجرین یہ خبیص کھاتے ہیں؟ ایلچی نے جواب دیا: نہیں یہ تو صرف آپ ہی کے لیے خصوصی طور پر تیار کیا گیا ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حلوہ عتبہ کو واپس بھیج دیا اور لکھا: اے عتبہ! یہ مال تمھاری یا تمھارے باپ کی کمائی نہیں ہے۔ لوگوں کو وہی کھلاؤ جو خود اپنے گھر میں کھاتے ہو۔ عیش پرستی میں نہ پڑو۔ اہل شرک کی وضع قطع نہ اپناؤ، نہ ریشم پہنو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے۔ [1]

یہ واقعہ مختلف روایات سے بیان کیا گیا ہے، ہر روایت دوسری روایت کی تائید کرتی ہے۔ عتبہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے باقی ایام اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت تک آذر بائیجان کے حاکم و گورنر رہے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراق اور ایران کے مختلف اطراف و اکناف میں متعدد افراد کو بطور گورنر تعینات کیا۔ ان میں سے بعض مستقل طور پر اور بعض عراق میں موجود دو بڑے علاقوں کوفہ اور بصرہ سے وابستہ رہے۔ کوفہ اور بصرہ دونوں شہر تنظیمی اور فوجی امور کے محور تھے۔ وہ شہر جہاں مستقل حکومتیں قائم ہوئیں موصل، حلوان اور کسکر تھے۔ [2]

---

[1] الولایۃ علی البلدان: 133/1. [2] الولایۃ علی البلدان: 133/1-135.

عہد عمر رضی اللہ عنہ میں حکّام کے تقرر کا طریق کار

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ حکّام کے تقرر کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج پر چلتے تھے۔ وہ انتہائی قابل، امانت دار اور باصلاحیت افراد کو ریاستی امور کی انجام دہی کے لیے منتخب فرماتے تھے۔ وہ کسی بھی ذمہ دار کے تقرر کے بارے میں انتہائی غور وفکر فرماتے تھے۔ جو شخص خود اپنے منہ سے کسی منصب کا طلب گار ہوتا تھا، اسے کوئی ذمہ داری نہ سونپتے۔ وہ اس کام کو امانت سمجھتے۔ وہ باور کرتے تھے کہ اگر وہ باصلاحیت افراد کا چناؤ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اور تمام اہلِ ایمان کے نزدیک امانت دار اور اگر جانے بوجھے کسی ایسے فرد کو جو تدبیر امور کی اہلیت نہ رکھتا ہو کسی ذمہ داری پر مامور کریں گے تو خائن قرار پائیں گے۔[1]

حکّام کے تقرر کے بارے میں ان کا ارشاد گرامی ہے: مجھ سے اپنی امانت اور ذمہ داری کے متعلق سوال ہوگا۔ مجھے خود اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے، پھر فرمایا: پس میں پوری کوشش کرتا ہوں کہ کوئی بھی منصب ہو اس پر امانت دار اور تم میں سے سب سے زیادہ لوگوں کے خیر خواہ کو فائز کروں، میں اپنی یہ امانت کسی اور کے سپرد نہیں کرسکتا۔[2]

مزید فرمایا: اگر کسی شخص نے کسی فرد کو کسی جماعت کی ذمہ داری سونپی درآں حالیکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ اللہ کو راضی کرنے والا شخص ہوا تو بتحقیق اس نے اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم

[1] وقائع ندوۃ النظم الإسلامية: 1/296,295. [2] دور الحجاز في الحياة السياسية، ص: 255.

اور تمام اہل ایمان سے خیانت کی۔[1]

مزید فرمایا: «مَنْ وُلِّيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَوَلَّى رَجُلًا لِمَوَدَّةٍ أَوْ قَرَابَةٍ بَيْنَهُمَا فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُسْلِمِينَ» ''جس آدمی کو مسلمانوں کے کسی معاملے کا نگران بنایا جائے، پھر اس نے کسی آدمی کو محبت یا رشتہ داری کی بنیاد پر کوئی منصب تفویض کیا تو وہ سمجھ لے کہ اس نے اللہ، رسول ﷺ اور تمام اہلِ اسلام سے خیانت کی۔''[2]

گورنر کے تقرر کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قواعد اور شرائط

قوت و امانت

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ قوی شخص کو منصب تفویض فرماتے تھے، انھوں نے شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر فرما دیا۔ شرحبیل نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا آپ نے مجھے کسی ناراضی کے سبب معزول کیا ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «لَا، إِنَّكَ أَحَبُّ إِلَيَّ وَلٰكِنِّي أُرِيدُ رَجُلًا أَقْوٰى مِنْ رَّجُلٍ» ''نہیں بلاشبہ آپ مجھے بہت عزیز ہیں لیکن میں آپ سے زیادہ طاقتور آدمی کو مقرر کرنا چاہتا ہوں۔''[3]

اس سلسلے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑھ کر قابل قدر ارشاد یہ ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَشْكُو إِلَيْكَ جَلْدَ الْفَاجِرِ وَعِجْزَ الثِّقَةِ» ''اے اللہ! بے شک میں فاجر شخص کی دیدہ دلیری اور قابل اعتماد شخص کے عجز کا معاملہ تیرے حضور پیش کرتا ہوں۔''[4]

علم

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فوج کے سپہ سالاروں کے تقرر میں نبی ﷺ ہی کی سنت پر عمل کرتے تھے۔ علامہ طبری فرماتے ہیں: بلاشبہ امیر المومنین کے رُوبرُو جب اہل ایمان مجاہدین

---

[1] مجموع الفتاوىٰ: 67/28. [2] مجموع الفتاوىٰ: 247/28. [3] تاريخ الطبري: 39/5.
[4] مجموع الفتاوىٰ: 68/28.

کے لشکر جمع ہوتے تو وہ علم و فقہ میں فوقیت رکھنے والے فرد ہی کو سپہ سالار مقرر فرماتے تھے۔[1]

بصیرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو عامل مقرر فرماتے تھے جو مطلوبہ سرکاری اور عوامی امور میں سب سے زیادہ صاحبِ بصیرت ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ اصحاب فضیلت کی پروا نہ کرتے تھے۔[2]

فضیلت سے مراد دین، پرہیزگاری اور اخلاقیات میں اعلیٰ اقدار کا حامل ہونا ہے۔ ایسے لوگ یقیناً مذکورہ اعلیٰ صفات میں افضل ہوتے تھے لیکن بعض اوقات ریاستی اور عوامی امور کی بصیرت میں کمزور ہوتے تھے، چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے برگزیدہ حضرات کو عامل نہیں بناتے تھے کیونکہ یہ کوئی لازمی بات نہیں کہ جو تقویٰ و پرہیزگاری میں افضل ہو، وہ یقینی طور پر تدبیرِ اُمور میں بھی ماہر ہو۔ آج کل کے ترقی یافتہ ملکوں میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وضع کردہ یہی اصول رائج ہے کیونکہ ایسا انتہائی دیندار اور پرہیزگار آدمی جسے ریاستی امور کا تجربہ ہی نہ ہو ممکن ہے کہ وہ خواہشوں کے پیروکار گمراہ لوگوں کے بہکاوے میں آجائے جبکہ صاحبِ بصیرت تجربہ کار شخص فوراً الفاظ کی تہہ اور اصل معاملے تک پہنچ جاتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ایک ایسے شخص کو سرکاری عہدہ دینے سے معذرت کر لی تھی جسے ''شر'' کا علم ہی نہ تھا۔ قصہ یہ تھا کہ انھوں نے ایک آدمی کو ایک منصب سونپنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہ ''شر'' کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ سُن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی شخص سے فرمایا: ہلاک ہو وہ جو شر کو نہیں جانتا کیونکہ ایسے بے خبر آدمی کا خود شر میں مبتلا ہو جانے کا زیادہ خطرہ ہے۔[3]

---

① نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي: 479/1. ② المدينة النبوية فجر الإسلام: 56/2.
③ نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي: 482/1.

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی عامل کے لیے قوت، امانت، علمی اہلیت اور ایسی دیگر صفات کا ہونا لازمی نہیں جن کا کوئی ادارہ یا منصب تقاضا کرتا ہے۔ دراصل ان تمام صفات کی ایک درجہ بندی ہوتی ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ان خصوصیات کے حاملین میں سے صاحب بصیرت شخص کو منصب پر فائز کرتے تھے۔ [1]

دیہاتی اور شہری کا فرق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عامل کا چناؤ کرتے وقت جن امور کا بطور خاص خیال رکھتے تھے ان میں ایک امر یہ تھا کہ وہ دیہی فرد کو شہری امور کی ذمہ داری نہیں سونپتے تھے۔ [2]

دیہی سے مراد وہ شخص ہے جو دور افتادہ علاقوں کے خیموں میں رہتا ہو اور شہری سے مراد وہ شخص ہے جو شہر میں رہتا ہو۔ یہ کسی کو ذمہ دار بنانے کے سلسلے میں بیک وقت ایک سماجی برتاؤ تھا کیونکہ کسی بھی دیہی یا شہری شخص کی اپنی اپنی جداگانہ طبیعت، خصوصیت، اخلاقیات، عادات اور اغراض ہوتی ہیں اور یہ بات شرطِ لازم ہے کہ کسی بھی صاحبِ منصب کو رعایا کے طبائع اور مزاج سے واقف ہونا چاہیے۔ یہ یقیناً بڑی ناانصافی کی بات ہے کہ کسی ایسے فرد کو ایسے لوگوں کا حاکم بنا دیا جائے جو ان کی عادات سے ناواقف اور بیگانہ ہو کیونکہ عین ممکن ہے وہ ان کے کسی مقامی رویے یا روایت کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے اور ان کے کسی قدرتی اور طبعی امر کو انوکھا سمجھے۔ اس طرح وہ اسلامی معاشرے کے اہم اہداف کے حصول میں ناکام رہے۔ [3]

رعایا پر شفقت اور مہربانی

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سرکاری مناصب پر موزوں اور مناسب افراد کا تقرر کرتے ہوئے ان

---

[1] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي:482/1. [2] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي:282/1. [3] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي:283/1.

میں مہربانی کا جذبہ بھی تلاش کرتے تھے۔ انھوں نے متعدد مرتبہ جہادی سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ وہ انتہائی احتیاط اور سوجھ بوجھ سے کام لیں۔ مسلمان سپاہ کو کسی خطرناک اور تباہ کن راستے پر نہ چلائیں اور نہ کسی ایسی جگہ پڑاؤ کا حکم دیں جہاں ہلاکت کا خطرہ ہو۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بنو اسلم کے ایک آدمی کو ایک علاقے کا والی مقرر کیا۔ وہ آدمی عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ اس وقت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک بچے کو گود میں بٹھا کر پیار کر رہے تھے۔ اس آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! آپ بچوں سے اس طرح پیار کرتے ہیں؟ اللہ کی قسم! میں نے تو کبھی کسی بچے کو بوسہ نہیں دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «فَأَنْتَ وَاللّٰهِ بِالنَّاسِ أَقَلُّ رَحْمَةً لَّا تَعْمَلْ لِّي عَمَلًا» ''اللہ کی قسم! تیرے دل میں لوگوں کے ساتھ مہربانی کا قطعاً کوئی جذبہ نہیں ہے تو میری طرف سے والی بن کر کام نہیں کرسکتا۔'' لہٰذا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مسترد کر دیا۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی افواج نے فارس کے علاقوں پر چڑھائی کی۔ اچانک راستے میں ایک نہر آگئی۔ اس پر پل نہیں تھا۔ سپہ سالار نے سخت سردی کے باوجود ایک فوجی کو حکم دیا کہ اس نہر میں اترو اور اس کی گہرائی معلوم کرو۔ وہ بولا: جناب والا! مجھے ڈر ہے کہ اگر میں اس ٹھنڈے پانی میں داخل ہو گیا تو سردی کی شدت سے مر جاؤں گا۔ سپہ سالار نے اسے مجبور کیا۔ وہ چارو ناچار نہر میں داخل ہو گیا اور ایک دم چیخنے لگا: ہائے عمر! ہائے عمر! تھوڑی دیر بعد وہ فوت ہو گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کی اطلاع اس وقت ملی جب وہ مدینہ کے ایک بازار میں تھے۔ انھوں نے اس مجاہد کا حال سنتے ہی فرمایا: میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، پھر اس سپہ سالار کو معزول کر دیا اور فرمایا: اگر یہ ایک ''جنگی'' طریقۂ کار نہ ہوتا تو میں تجھ سے قصاص لیتا۔ تجھے آج کے بعد کبھی کوئی منصب نہیں دیا جائے گا۔[2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے عمّال سے خطاب فرمایا: خوب جان لو کہ ایک امام

[1] محض الصواب: 2/519. [2] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 150.

اور پیشرو کی نرمی اور بردباری اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب اور عظیم ہے۔ اس کے برعکس کسی امام اور پیشرو کی سختی اور جہالت سے بڑھ کر اللہ کو کسی کی سختی ناپسند نہیں۔ خوب جان لو! جو لوگوں کے لیے عافیت کا راستہ اختیار کرتا ہے اسے بھی ان لوگوں کی طرف سے عافیت نصیب ہوتی ہے جو اس سے اونچے منصب پر فائز ہیں۔[1]

اقربا پروری سے اجتناب

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں میں بہت سے ایسے افراد موجود تھے جو اعلیٰ مناصب سنبھالنے کی بھرپور اہلیت رکھتے تھے، مزید برآں انھیں اسلام میں مسابقت کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ اس کے باوجود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کے بجائے کسی غیر ہی کو والی مقرر کریں۔ اُن کے چچا زاد سعید بن زید اور بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کوئی بھی ریاستی ذمہ داری نبھانے کے پوری طرح اہل تھے لیکن انھوں نے اپنے عزیزوں میں سے کسی کو کوئی سرکاری ذمہ داری سونپنی گوارا نہ کی۔

ایک دفعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قریبی ساتھی نے انھیں کہتے ہوئے سنا: کاش! اللہ تعالیٰ کوفہ کی ولایت کے بارے میں میری مشکل حل فرما دے، پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری کوشش یہ ہے کہ اگر کوئی امانت دار، طاقتور اور سچا مسلمان میسر آئے تو اسے اہل کوفہ کا والی مقرر کر دوں۔ اس آدمی نے عرض کیا: میں آپ کی رہنمائی کیے دیتا ہوں آپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو وہاں بھیج دیجیے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرا ستیاناس! اللہ کی قسم! میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا نہیں کی۔[2]

مزید فرمایا: جس نے کسی کو رشتہ داری یا اپنی شخصی محبت کی بنیاد پر ولایت بخشی، اس نے

---

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 334. [2] مناقب عمر بن الخطاب لابن الجوزي، ص: 108، والولاية على البلدان: 128/1.

اللہ اور رسول ﷺ سے خیانت کی۔[1]

عہدے کے طلبگار کی محرومی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی عہدے کے طلبگار کو کوئی منصب نہیں دیتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے: جو شخص ازخود عہدہ طلب کرے گا اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ وہ اس سلسلے میں ٹھیک نبی ﷺ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

حکّام پر تجارت کی پابندی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے مقرر کردہ حکّام کو تاجروں کے ساتھ تجارتی لین دین سے منع فرماتے تھے۔

مروی ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک عامل حارث بن کعب بن وہب کے حالات میں خوشحالی اور مال داری کے اثرات دیکھے گئے تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مؤاخذہ فرمایا اور پوچھا: تمھارے پاس یہ مال کہاں سے آیا؟ انھوں نے جواب دیا: میں جب گھر سے نکلا تو اپنے ساتھ بہت سا سامان تجارت بھی لے آیا تھا۔ اس سے میں نے نفع حاصل کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہم تمھیں اس لیے عامل مقرر نہیں کرتے کہ تجارت کرو، پھر حارث کا وہ تمام نفع ضبط کرلیا جو انھیں تجارت سے حاصل ہوا تھا۔[2]

تقرر کے وقت عمّال کے اثاثوں کی جانچ پڑتال

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بھی کسی کو عامل مقرر کرتے تو اس کے مالی حالات اور اثاثوں کی جانچ پڑتال ضرور کرتے تھے تاکہ عامل مقرر ہونے کے بعد ان کے اموال میں زیادہ اضافہ ہو جائے تو ان کا محاسبہ کیا جاسکے۔ اگر کوئی عامل تجارت کا سبب جتلا کر اپنے دعوے

[1] مجموع الفتاویٰ: 247/28. [2] الإدارة الإسلامية في عصر عمر بن الخطاب، ص: 213.

کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے: «إِنَّمَا بَعَثْنَكُمْ وُلَاةً وَّلَمْ نَبْعَثْكُمْ تُجَّارًا» ''ہم نے تمھیں عامل بنا کر بھیجا ہے تاجر بنا کر نہیں بھیجا۔''[1]

عمال پر پابندیاں

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بھی کسی عامل کا تقرر کرتے تھے، اس سے باضابطہ ایک معاہدہ تحریر کراتے اور اس پر انصار کی ایک جماعت کو گواہ بناتے تھے۔ اس معاہدے میں یہ تحریر ہوتا تھا کہ یہ عامل کسی ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا، میدہ نہیں کھائے گا، باریک اور نفیس لباس نہیں پہنے گا اور مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ اس معاہدے کے بعد وہ یہ جملہ کہتے تھے: اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔[2]

ان شرائط اور پابندیوں کا مقصد لوگوں کو زہد اور عاجزی کی زندگی بسر کرنے کی رغبت دلانا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ بڑی دور رس تھی۔ وہ امت مسلمہ کو معیشت، لباس اور سواری کے لیے اعتدال سے کام لینے کا سبق دیتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ سرکاری حکّام کو سادگی اور جفاکشی کا نمونہ بنانا چاہتے تھے تاکہ انھیں دیکھ کر اسلامی ریاست کے تمام باشندے میانہ روی کی زندگی بسر کریں اور اس طریق عمل سے ان کی پوری زندگی اعتدال کے ساتھ گزرے۔

اعتدال پسندی کا یہ منصوبہ نہایت حکیمانہ تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ امت کے تمام افراد کو فرداً فرداً ذاتی طور پر کسی ایسے حکم کا پابند نہیں کر سکتے تھے جو اسلام نے ان پر لازم نہ کیا ہو۔ وہ صرف سپہ سالاروں اور عمّال کو پابند کر سکتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب ذمہ دار سرکاری حکّام خود کو اعتدال کا عادی بنا لیں گے تو اسلامی معاشرے کے افراد کے لیے وہ پیروی کی مثال اور نمونہ بن جائیں گے۔ یہ ایک ایسا اصلاحی اور انقلابی پروگرام تھا جو

[1] الإدارة الإسلامية في عصر عمر بن الخطاب، ص: 215. [2] محض الصواب: 510/1.

معاشرے کی اصلاح کر کے باشندگانِ ریاست کو ذلت کی گہرائیوں میں گرنے کے اسباب اختیار کرنے سے محفوظ رکھتا تھا۔ ①

حکّام کے تقرر کے لیے مشورہ

حکّام کا تقرر خلیفہ کے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورے کے بعد عمل میں لایا جاتا تھا۔ ②

ایک دن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: مجھے ایسے فرد کا پتا بتلاؤ کہ اگر وہ اپنی قوم کا امیر ہے تو ایسا محسوس ہو جیسے وہ امیر نہیں ہے اور اگر وہ امیر نہیں ہے ایسا دکھائی دے جیسے وہ امیر ہے۔ ③

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ ایسا شخص ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ ہے۔ ④

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کوفہ کی گورنری کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا: اہل کوفہ کے بارے میں ان کی حکّام کے خلاف جرأت کے علاج کے لیے ہماری کون مدد کرے گا؟ کیونکہ میں وہاں ان پر کسی پاک دامن اور متقی آدمی کو گورنر مقرر کرتا ہوں تو اہلِ کوفہ اسے کمزور سمجھتے ہیں اور اگر کسی طاقتور کو مقرر کرتا ہوں تو اسے فاجر ٹھہراتے ہیں، پھر دریافت فرمایا: اے لوگو! بتاؤ تمھارا کیا مشورہ ہے، ایک کمزور مگر متقی پرہیزگار آدمی امارت کے لیے بہتر رہے گا یا ایسا آدمی جو طاقتور اور سختی کرنے والا ہو؟

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کمزور مسلمان کے اسلام کا فائدہ ذاتی طور پر اپنے لیے اور کمزور شخص کا نقصان آپ اور تمام اہلِ اسلام کے لیے ہے۔ اس کے برعکس طاقتور اور سخت گیر آدمی کی سختی کا نقصان خود اس کی ذات کے لیے ہو گا جبکہ اس کی طاقت اور سختی کا فائدہ آپ کو اور جملہ اہلِ اسلام کو پہنچے گا، اب آپ جو فیصلہ کرنا چاہیں کر لیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مغیرہ! تو نے سچ کہا، پھر مغیرہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر

① التاريخ الإسلامي: 268/20,19. ② عصر الخلافة الراشدة، ص: 114. ③ فرائد الكلام، ص: 165. ④ فرائد الكلام، ص: 165.

مقرر فرما دیا اور تاکید کی: خیال رکھنا۔ ایسے آدمی بن کر رہنا کہ تمھاری عمل داری میں نیک لوگ محفوظ رہیں اور فاجر ڈرتے رہیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! میں ایسا ہی کروں گا۔[1]

تقرر سے پہلے عمال کا امتحان

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی بھی عامل کے تقرر سے قبل اس کا امتحان لیتے تھے۔ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کی وضاحت کے مطابق کبھی یہ امتحان طوالت بھی اختیار کر جاتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں: میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ انھوں نے ایک سال تک مجھے اپنے پاس ہی رکھا، پھر فرمایا: اے احنف! میں نے تمھیں آزمایا، تمھارا امتحان لیا۔ تمھارا ظاہر تو بہت اچھا ہے اور امید ہے کہ تمھارا باطن بھی ایسا ہی ہوگا......، پھر احنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ آپس میں مذاکرات کیا کرتے تھے اور یہ خدشہ ظاہر کرتے تھے کہ امت مسلمہ کو ہلاک کرنے والا کوئی سمجھدار منافق ہی ہوگا۔ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے احنف! کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے تمھیں ایک سال تک یہاں کیوں روکے رکھا؟ پھر فرمایا: میں دراصل تمھارا امتحان لینا چاہتا تھا، پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے احنف رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر کر دیا۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احنف کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ ارشاد فرمایا: «مَنْ كَثُرَ ضِحْكُهُ قَلَّتْ هَيْبَتُهُ وَمَنْ مَزَحَ اسْتُخِفَّ بِهِ وَمَنْ أَكْثَرَ مِنْ شَيْءٍ عُرِفَ بِهِ وَمَنْ كَثُرَ كَلَامُهُ كَثُرَ سَقَطُهُ وَمَنْ كَثُرَ سَقَطُهُ قَلَّ حَيَاؤُهُ وَمَنْ قَلَّ حَيَاؤُهُ قَلَّ وَرَعُهُ وَمَنْ قَلَّ وَرَعُهُ مَاتَ قَلْبُهُ» ”اے احنف! جو زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب ختم ہو جاتا ہے اور جو لوگوں سے خوش طبعی کرتا ہے لوگ اسے حقیر سمجھ لیتے ہیں۔ جو آدمی کوئی کام کثرت سے کرتا ہے وہ اسی کام کے حوالے سے مشہور ہو جاتا ہے اور جو زیادہ گفتگو کرتا

[1] الولاية على البلدان: 128/1. [2] الولاية على البلدان: 142/1، ومناقب أمير المؤمنين، ص: 117.

ہے اس کی لغزشیں بھی زیادہ ہوتی ہیں، جس کی لغزشیں زیادہ ہوں اس کی حیا کم ہو جاتی ہے، جس کی حیا کم ہو جائے اس کی پرہیزگاری میں کمی آجاتی ہے اور ایسے آدمی کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔''[1]

مقامی باشندے کو حاکم مقرر کرنا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک معمول یہ تھا کہ جہاں کسی حاکم کا تقرر کرنا ہوتا وہ اسی علاقے اور وہیں کی کسی قوم کے قابل فرد کا تقرر کرتے تھے۔ انھوں نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو اپنی قوم بجیلہ کا اس وقت حاکم بنایا جب انھیں عراق روانہ فرمایا۔[2]

انھوں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدائن، نافع بن عبدالحارث کو مکہ اور عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف کا حاکم بنایا۔ ممکن ہے اس طریقے سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مطلوبہ اہداف بہتر طریقے سے حاصل ہو جاتے ہوں۔[3]

سرکاری آرڈیننس

مشہور تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو عامل مقرر کرنے کا ارادہ کرتے اور اس کے بارے میں مکمل مشورہ فرما لیتے تو ایک نوشتہ تحریر فرماتے جسے ''عهد التعيين'' یا بعض مؤرخین کے مطابق ''الاستعمال'' کے نام سے معنون کیا جاتا تھا۔ ہم اسے سہولت کے پیشِ نظر مجازی طور پر حاکم کا پروانۂ تقرر کہہ سکتے ہیں۔[4]

مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی کو کسی عہدے پر مقرر فرماتے تو ایک تحریر لکھتے تھے۔ اس پر مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو گواہ بناتے تھے اور مقرر کیے جانے والے حاکم پر مختلف نوعیت کی متعدد پابندیاں عائد کر دیتے تھے۔[5]

---

① صفة الصفوة : 287/1. ② الولاية على البلدان: 142/1. ③ الولاية على البلدان : 142/1.
④ الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة، ص: 407. ⑤ الولاية على البلدان: 144/1.

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب کسی ایسے شخص کو کوئی عہدہ سونپتے جو اس وقت ان کی خدمت میں موجود نہ ہوتا تو اس سلسلے میں وہ اسے اس کے تقرر کا حکم نامہ بھیج دیتے تھے اور وضاحت کرتے تھے کہ تمھیں فلاں علاقے کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ تم فوراً وہاں پہنچ کر اپنے عہدے کا چارج لے لو۔ اس کی مثال ان کا وہ حکم نامہ ہے جو انھوں نے بحرین کے گورنر علاء بن حضرمی کو بھیجا۔ اس میں لکھا تھا کہ تم عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کے بعد بصرہ کی گورنری سنبھال لو۔

عمر رضی اللہ عنہ کسی عامل کو معزول کرنے اور اس کی جگہ نیا عامل تعینات کرنے کے لیے بھی تحریری حکم نامہ ارسال فرماتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ نیا مقرر ہونے والا عامل امیر المومنین کا تحریری حکم نامہ خود ساتھ لے جاتا تھا اور مطلوبہ علاقے میں پہنچ کر اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیتا تھا۔ اس کی مثال وہ حکم نامہ ہے جو انھوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے لیے لکھا اور ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یہ تحریری حکم نامہ خود لے کر بصرہ پہنچے۔[1]

غیر مسلموں سے سرکاری کام لینے سے گریز

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شام کے علاقے سے فتح کی خوش خبری آئی۔ انھوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: اپنے کاتب کو حکم دو کہ وہ اس (خوشی کے) پیغام کو مسجد میں سب کے سامنے پڑھ کر سنائے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کاتب مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں؟ کیا وہ جنبی ہے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: نہیں، وہ نصرانی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ کو ڈانٹا اور فرمایا: نصرانیوں کو قریب نہ کرو، جبکہ اللہ نے انھیں دور کر دیا ہے۔ انھیں عزت نہ بخشو، جبکہ اللہ نے انھیں ذلیل کر دیا ہے اور انھیں امانت دار مت سمجھو، جبکہ اللہ نے انھیں خائن قرار دے دیا ہے۔ میں نے تمھیں اہل کتاب

[1] الولایة علی البلدان:2/49.

کو کوئی ذمہ داری سونپنے کی اس لیے ممانعت کر رکھی ہے کہ یہ لوگ رشوت کو حلال سمجھتے ہیں۔[1]

أُسِّقْ بیان کرتا ہے کہ میں عیسائی غلام تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم مسلمان ہو جاؤ، ہم تم سے مسلمانوں کے معاملات کے لیے کام لینا چاہتے ہیں کیونکہ ہمارے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ ہم مسلمانوں کے امور میں کسی غیر مسلم سے مدد لیں۔ اسق نے بتایا کہ جب جناب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وقتِ وفات قریب آیا تو انھوں نے مجھے آزاد کر دیا اور فرمایا: جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔[2]

① بدائع السالك: 27/2. ② محض الصواب: 514/2، والطبقات الكبرٰى لابن سعد: 158/6.

گورنروں کے اوصاف وحقوق

گورنروں کے اوصاف

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جو عمال و حکام مقرر فرمائے ان کی عمومی صفات یہ تھیں: قوت ایمان، اللہ پر کامل یقین، شرعی علم، مثالی زندگی، سچائی، قابلیت، دلیری، جواں مردی، زہد، جذبۂ قربانی، عاجزی، نصیحت کو قبول کرنا، بردباری، صبر، بلند ہمتی، دور اندیشی، ارادے کی مضبوطی، انصاف، پیش آمدہ مشکلات حل کرنے کی قدرت وغیرہ......

ان میں سے چند اہم ترین صفات کی تفصیل یہ ہے:

زہد

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ مشہور ترین گورنروں میں سعید بن عامر بن حذیم، عمیر بن سعد، سلمان فارسی، ابوعبیدہ بن جراح اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ بعض گورنروں کی بیویاں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے خاوند کی زاہدانہ زندگی کا شکوہ کرتی تھیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے خاوند معاذ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ ہوا یوں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بعض قبائل کا محصل بنا کر بھیجا۔

انھوں نے سارا مال انھی لوگوں میں تقسیم کر دیا اور جس طرح خالی ہاتھ گئے تھے اسی طرح خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ ان کی بیوی نے پوچھا: وہ تحائف کہاں ہیں جو اپنے گھر والوں کے لیے لائے جاتے ہیں؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں تو کوئی تحفہ نہیں لایا۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھ پر ایک نگران مقرر تھا۔ بیوی نے کہا: تمھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی امانت دار سمجھتے تھے کیا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تم پر نگرانی کے لیے کوئی آدمی مقرر کر دیا ہے؟ پھر یہ خاتون اپنے قبیلے کی چند عورتوں کے پاس آئی اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناراضی کا اظہار کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور دریافت فرمایا: کیا میں نے تمھارے ساتھ کوئی نگران بھیجا تھا؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: امیر المومنین! اپنی بیوی کے روبرو پیش کرنے کے لیے میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی بہانہ نہیں تھا۔ یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہنس پڑے۔ انھیں کچھ مال مرحمت فرمایا اور کہا: جاؤ اپنی بیوی کو خوش کر دو۔ [1]

عجز و انکسار

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے عمال انتہائی متواضع تھے۔ آنے والے لوگ ان کے اور عام لوگوں کے درمیان کوئی فرق ہی محسوس نہ کر پاتے۔ وہ عام لوگوں جیسا لباس، گھر اور سواریاں استعمال کرتے تھے۔ اپنے لیے کوئی امتیاز گوارا نہیں کرتے تھے۔

تواضع کی مشہور مثال وہ واقعہ ہے جو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ شاہِ روم نے ایک آدمی مذاکرات کے لیے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ جب وہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انھیں نہ پہچان سکا، جس قیام گاہ میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے وہ بھی معمولی سی تھی جو اس کے دل میں کوئی رعب نہیں ڈال سکی۔ اس نے کہا: اے عرب والو! تمھارا امیر کہاں ہے؟ انھوں نے اشارہ کرتے ہوئے بتایا: وہ بیٹھا ہے......

[1] الولاية على البلدان: 53/2.

اس نے دیکھا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زمین پر بیٹھے کندھے پر کمان ڈالے ہاتھوں سے تیروں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہیں۔ ایلچی نے ان سے پوچھا: کیا آپ ہی ان لوگوں کے امیر ہیں؟ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، اس نے پوچھا: آپ اِدھر زمین پر کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ کو اونچی مسند پر بیٹھنا چاہیے۔ کیا اللہ کے ہاں آپ کی یہی حیثیت ہے یا آپ کے ہاں بلند معیارِ زندگی اختیار کرنے میں کوئی رکاوٹ ہے؟ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق گوئی سے حیا نہیں فرماتے۔ میں تمھیں تمھارے سوالوں کا بالکل سچ جواب دیتا ہوں۔ دراصل میں غریب آدمی ہوں، درہم و دینار کا مالک نہیں ہوں۔ میں اس وقت صرف اپنے گھوڑے اور اسلحے کا مالک ہوں۔ مجھے کچھ اخراجات کی ضرورت پیش آئی تو مجھے اپنے اس بھائی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے قرضہ لینا پڑا۔ اس نے مجھے قرضہ دے دیا۔ اگر میرے پاس کوئی بچھونا اور تکیہ ہوتا تو میں اپنے بھائیوں اور دوستوں سے جدا ہو کر اس پر نہ بیٹھتا۔ میں تو اپنے اسلامی بھائیوں کے ساتھ اسی طرح زمین پر بیٹھ جاتا ہوں۔ ہوسکتا ہے میرے یہ بھائی اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھ سے افضل ہوں۔

ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، زمین پر چلتے اور اسی زمین پر بیٹھتے ہیں۔ اسی پر کھاتے ہیں اور اسی پر لیٹ جاتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری قدر کم نہیں ہوتی بلکہ اس عاجزی کی وجہ سے ہمارے ثواب میں اضافہ اور درجات میں بلندی ہوتی ہے۔ پس ہم اسی طرح اپنے رب کے لیے تواضع اختیار کرتے ہیں۔[1]

ورع

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بہت سے ایسے حکّام تھے جنھوں نے جہاد کرنے اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے کے لیے اپنے منصب سے استعفا دے دیا تھا۔ ان میں عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ

[1] فتوح الشام للأزدي، ص:123,122.

بھی تھے۔ انھوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی گورنری سے استعفا بھیج دیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منظور نہیں فرمایا۔ ①

نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کسکر کے والی تھے۔ انھوں نے اپنے عہدے سے مستعفی ہونے اور شہادت کی تمنا میں جہاد میں شریک ہونے کی درخواست کی تھی۔ ②

اسی طرح کئی دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تقرر کے وقت سرکاری منصب قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مصر کی گورنری کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تھا: اے ابوعبداللہ! کیا تم مصر کے گورنر بننا پسند کرو گے؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مجھے اس منصب کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں تو جہاد کرنا اور مسلمانوں کا معاون بن کر زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ ③

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حمص کے گورنر کی وفات کے بعد وہاں کا گورنر مقرر کرنا چاہا لیکن انھوں نے یکسر انکار فرما دیا۔ ④

سابقہ حکام کا احترام

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سابقہ عمال و حکام کا بہت احترام فرماتے تھے۔ خلافت راشدہ کے پورے دور میں ہمیں یہی چھاپ نظر آتی ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جب شام کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تو انھوں نے امامتِ نماز میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے مقدم ہونے سے انکار کر دیا۔ اور جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شامی افواج کی کمان سے معزولی کا حکم ارسال فرمایا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس خبر کو مخفی رکھا یہاں تک کہ انھیں دوسرا حکم نامہ موصول ہوا۔ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس معاملے کی اطلاع ملی تو وہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے اس بات پر ناراض ہوئے کہ آپ نے یہ معاملہ مخفی کیوں رکھا؟ ⑤

① الولاية على البلدان:2/54. ② الولاية على البلدان:2/54. ③ فتوح البلدان للبلاذري، ص: 214. ④ الخراج لأبي يوسف، ص:23,22. ⑤ تاريخ اليعقوبي:2/140,139.

ڈاکٹر عبدالعزیز عمری فرماتے ہیں: میں نے اپنے پورے مطالعے کے دوران میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کسی والی کو اپنے سے پہلے کسی والی کی تذلیل یا اس کی چغلی کرتے نہیں پایا بلکہ وہ اپنے پہلے ہی خطبے میں ان کی تعریف اور خوبیاں بیان کرتے تھے۔ [1]

گورنروں کے حقوق

بلاشبہ اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں میں متعین عمال و حکام کو متعدد حقوق حاصل تھے۔ ان میں سے بعض کا تعلق رعایا، بعض کا خلیفۂ وقت اور بعض کا بیت المال سے تھا۔ ان تمام حقوق کا، چاہے وہ مادی ہوں یا اخلاقی، اولین مقصد حکام کی اعانت تھا تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکیں اور اسلام کی کماحقہ خدمت کر سکیں۔ ان میں چند حقوق مندرجہ ذیل تھے:

اطاعت شعاری

رعایا کی طرف سے حکام کی مکمل اطاعت شعاری اسلامی شریعت کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔" [2]

[1] الولاية على البلدان: 2/55. [2] النسآء 4:59.

یہ آیت خلیفۂ وقت کی اطاعت شعاری پر نص ہے اور وہ حکّام جو اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کراتے ہیں وہ بھی اس آیت کے مصداق ہیں۔[1]

بلاشبہ خلیفۂ وقت اور دیگر حکّام کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مشروط ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم جاری کریں تو وہ حکم واجب الاطاعت نہ ہوگا۔[2]

حکام کی خیر خواہی

ایک آدمی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے امیر المومنین! میں اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی پروانہیں کرتا۔ کیا یہ طرزِ عمل میرے لیے درست ہے یا میں اپنے اس عمل پر نظر ثانی کروں؟ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو آدمی مومنوں کے کسی امر کا ذمہ دار بنایا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی پروا نہ کرے اور جو کسی طرح کا ذمہ دار نہ ہو اسے خود پر نظر ثانی اور اپنے خلیفہ کی خیر خواہی کرنی چاہیے۔[3]

حکام تک صحیح خبریں پہنچانا

عوام پر لازم ہے کہ وہ اپنے حکّام تک سچی خبریں پہنچائیں، چاہے ان خبروں کا تعلق عمومی احوال سے ہو، دشمنوں سے ہو، یا علاقے کے والی اور اس کے کارکنوں سے ہو، حسب استطاعت جلد از جلد ان خبروں کو، خصوصاً ان خبروں کو جن کا تعلق جنگی امور یا دشمنوں سے ہو یا عمال کی خیانت وغیرہ سے ہو، خلیفۂ وقت تک پہنچانا چاہیے کیونکہ یہ عمل عامۃ الناس کے امور میں خلیفۂ وقت کے ساتھ اعانت کے مترادف ہے۔[4]

حاکم کے موقف کی تائید

جب والی کا کوئی اقدام افادۂ عام کے لیے ہو تو سب سے پہلے خلیفۂ وقت کو اس کی

---

[1] الولاية على البلدان: 56/2. [2] الولاية على البلدان: 56/2. [3] الخراج لأبي يوسف، ص: 15، والولاية على البلدان: 57/2. [4] الولاية على البلدان: 57/2.

حمایت کرنی چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے کردار کے حد درجہ حامل اور حامی تھے۔ وہ اپنے مقرر کردہ عمال کی عزت اور احترام کا پوری طرح خیال رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں مختلف اسباب اختیار فرماتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنے عمال پر انتہائی سختی بھی کرتے تھے لیکن اگر پبلک کے کسی فرد کی طرف سے صریحاً زیادتی یا کوئی قابل اعتراض حرکت ان کے نوٹس میں آتی تو وہ سختی سے ایکشن لیتے تھے تاکہ لوگوں کے سینوں میں عمال کی ایسی ہیبت اور رعب بیٹھ جائے جو ہر خاص و عام کو لگام دیے رکھے۔ [1]

حاکم کے لیے اجتہاد کی اجازت

اجتہادی امور میں امیر علاقہ کو اپنی رائے قائم کرنے کی پوری آزادی ہوتی ہے، خصوصاً ایسے معاملات میں جن میں نہ تو شریعت کی طرف سے کوئی معین نص ہو نہ خلیفۂ وقت کی طرف سے کسی مقررہ حد میں رہنے کی کوئی پابندی ہو۔

شام کے علاقے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ امیر نے پیدل اور سوار کے لیے مالِ غنیمت کی تقسیم میں اجتہاد سے کام لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے اجتہاد کو قائم رکھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سو (100) سے زیادہ اجتہادی مسائل میں صریحاً اختلاف کیا، حالانکہ وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے مقرر کردہ گورنر تھے۔ [2]

معزولی کے بعد احترام

عمال اور حکام کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کے معزول ہونے کے بعد انھیں احترام کی نظر سے دیکھا جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اردن کی ولایت

[1] الولاية على البلدان: 152/1. [2] إعلام الموقعين: 218/2.

سے سبکدوش فرمایا تو لوگوں کو ان کی معزولی کا سبب بیان فرمایا اور خود شرحبیل نے عرض کیا: کیا آپ نے مجھے کسی ناراضی کے سبب معزول فرمایا ہے؟ اس پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم مجھے بدستور محبوب ہو، میں تو صرف خوب سے خوب تر کی تلاش میں لگا رہتا ہوں۔ [1]

عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول فرمایا۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ انھیں لوگوں سے دور رکھ کر ان کی عزت و احترام کو بحال رکھا جائے کیونکہ کوفہ کے لوگ ان کی نماز میں بلا وجہ عیب نکالتے تھے، حالانکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل مشابہت رکھتی تھی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ [2]

مادی حقوق

مادی نقطۂ نظر سے حکّام کے متعدد حقوق مسلمہ تھے۔ ان میں سرفہرست حفظِ مراتب کا لحاظ تھا۔

بلاشبہ خلفائے راشدین اور کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عمال کے روزینوں کی اہمیت کا احساس فرمایا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کا یہ مادی حق ثابت شدہ ہے تاکہ وہ لوگوں کے دست نگر نہ رہیں، ورنہ معاشی مجبوریاں ان کی ذمہ داریوں پر اثر انداز ہو سکتی تھیں یا وہ رشوت لینے پر مجبور ہو سکتے تھے۔ [3]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو رعایا کی املاک اور مال و زر سے مکمل طور پر دور رکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے عمال و حکّام لوگوں کے اموال سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے ذاتی اموال سے ضروریات زندگی پوری کریں۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس اہم ترین معاملے کو فوراً محسوس فرمایا کہ اسلامی مملکت کے اطراف

[1] تاريخ الطبري: 39/5. [2] الولاية على البلدان: 59/2. [3] الولاية على البلدان: 60/2.

میں مقرر کردہ سرکاری حکّام کی زندگی صاف شفاف رکھنے کے لیے یہ بات شرطِ لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کے اموال سے وابستہ نہ کریں۔

ایک موقع پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے درمیان گفتگو ہوئی۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: آپ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مناصب عطا فرما کر میلا کر دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ! اگر میں اپنے دین کی سلامتی کے سلسلے میں متدین افراد سے کام نہ لوں تو پھر کس سے لوں؟ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر آپ انھیں سرکاری مناصب لازماً سونپنا چاہتے ہیں تو پھر انھیں ان کی اجرت عطا کیجیے تاکہ یہ کسی قسم کی خیانت میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔[1] یعنی اگر آپ ان سے کوئی کام لیں تو پھر ان کی مزدوری بھی دیں تاکہ یہ لوگ خیانت کے مرتکب یا کسی کے دست نگر نہ بننے پائیں، چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فوجی اور سول حکّام اور جملہ کارکنوں کو اُن کی محنت کے مطابق انصاف کے ساتھ اتنا معاوضہ عطا فرما دیتے تھے جس سے ان کے معاشی مسائل بخوبی حل ہو جاتے تھے۔[2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو ہر ممکن طور پر پاکیزہ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے عمال سے فرماتے: اس مال سے فائدہ اٹھانے میں، میں نے اپنے آپ کو اور تمھیں یتیم کے سرپرست کے مرتبے پر رکھا ہے، یعنی اگر وہ مال دار ہو تو مال لینے سے اجتناب کرے اور اگر محتاج ہے تو دستور کے مطابق لے لے۔[3]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تقریباً تمام عمال کے لیے یومیہ، ماہانہ یا سالانہ وظائف مقرر کر رکھے تھے بعض تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وظائف کرنسی یا کھانے پینے کی اشیاء کی شکل میں ہوتے تھے۔[4]

روایات میں ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عدلیہ اور (کوفے کے)

---

[1] الخراج لأبي يوسف، ص:122. [2] الولاية على البلدان:149/1. [3] تاريخ المدينة:694/2، والولاية على البلدان:149/1. [4] الولاية على البلدان:150/1.

بیت المال کی نگرانی سونپی اور دریائے فرات سے سینچی جانے والی زمین کی نگرانی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو عطا کی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو نماز کی امامت اور اسلامی افواج کی کمان سونپی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کا روزینہ ایک بکری کے بقدر مقرر فرمایا ہوا تھا۔ بکری کے اگلے نصف حصے اور پائے کے بقدر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو عطا فرماتے کیونکہ وہ نماز اور اسلامی افواج کے سربراہ تھے۔ بکری کے چوتھائی حصے کے بقدر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور آخری چوتھائی حصے کے برابر عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو عطا فرماتے تھے۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کی مصر کی گورنری کے دوران میں دو سو (200) دینار عطا فرماتے رہے۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو، جو اس وقت تیس ہزار (30,000) نفوس پر مشتمل شہر مدائن کے گورنر تھے، پانچ ہزار (5000) درہم عطا فرماتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ زاہد آدمی تھے۔ وہ اپنا وظیفہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ فرما دیتے تھے، جبکہ خود کھجور اور ناریل کے پتوں کی مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔[2]

دیگر کئی روایات میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقرر کردہ وظائف میں اختلاف کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ان روایات کے اختلاف کی بنیادی وجہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حالات کی تبدیلی تھی۔ یہ بات قرین قیاس نہ تھی کہ حالات کی تبدیلی، بھاؤ کے اتار چڑھاؤ، ضرورتوں کے بڑھ جانے اور متنوع ہو جانے کے باوجود تنخواہوں اور مقرر شدہ وظائف کی شرح شروع سے لے کر آخر تک یکساں ایک ہی مقدار میں رکھی جاتی۔ مزید برآں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تنخواہوں اور وظائف میں جو اضافے ہوئے وہ فتوحات کی کثرت اور بیت المال کی آمدنی بڑھ جانے کے باعث ہوئے۔[3]

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 261/4. [2] سیر أعلام النبلاء: 547/1. [3] الولایة علی البلدان: 63/2.

ایک روایت میں ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنرِ شام کی حیثیت سے ان کی خدمات کا صلہ سالانہ دس ہزار (10,000) دینار دیا کرتے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مختلف علاقوں کے عمّال اور سپہ سالاروں کو ان کے کھانے پینے کے اخراجات اور ذمہ داریوں کے مطابق سالانہ سات، آٹھ اور نو ہزار دینار تک کی رقم مرحمت فرماتے تھے۔ [1]

بعض عمّال سرکاری ذمہ داریاں نبھانے کے عوض وظائف قبول کرنا چنداں پسند نہ کرتے تھے۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ وظائف حکماً وصول کرنے کی تاکید فرمائی۔ ایک دفعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل سے فرمایا: ہم نے تمھیں اپنا عامل مقرر کیا ہے۔ اس کے عوض تمھیں وظیفہ دیا جاتا ہے تو تم اسے قبول نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: اس انکار سے تمھارا کیا مقصد ہے؟ انھوں نے عرض کیا: میرے پاس غلام اور گھوڑوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ میں خوش حال ہوں، اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس گورنری کے عوض میرا جو وظیفہ مقرر ہے اسے مسلمانوں پر صدقہ کر دیا جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس طرح نہ کرو۔ بلاشبہ تمھاری طرح میں نے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی جواب دیا تھا مگر میرے انکار کے باوجود وہ مجھے عطا فرما دیتے تھے۔ میں نے عرض کیا تھا: آپ یہ مال کسی دوسرے کو جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو، عطا فرما دیجیے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: «خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَ أَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا، فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ» ”تم یہ لے لو۔ اس میں سے صدقہ و خیرات بھی کر دو اور کچھ بچا کر بھی رکھ لو۔ جب تمھارے پاس بن مانگے اور جان جوکھم میں ڈالے بغیر کوئی مال آئے تو اسے لے لو اور جو اس طرح کا مال نہ

[1] الخراج لأبي يوسف، ص:50، والولاية على البلدان:63/2.

ہواس کے پیچھے نہ جاؤ۔"①

بہر حال عمّال کو وظائف کی تقسیم اور انھیں خود کفیل بنانا ایسا اسلامی اصول تھا جس پر خود نبی ﷺ نے عمل فرمایا اور ان کے بعد خلفائے راشدین نے بھی یہی طرز عمل اپنایا۔ یہاں تک کہ انھوں نے عمّال کو عوام الناس سے مستغنی کر دیا اور انھیں اسلامی مملکت کی خدمت اور خیر خواہی کے لیے بھرپور موقع فراہم کیا۔②

حکام کا علاج معالجہ

ایک دفعہ معیقیب بیمار ہو گئے۔ انھیں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا خزانچی مقرر کیا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جس کے بارے میں بھی سنا کہ وہ طب جانتا ہے اسے معیقیب کے علاج معالجے کے لیے مقرر فرمایا۔ یہاں تک کہ یمن سے بھی دو آدمی آئے، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: کیا تم ہمارے خزانچی کا علاج کر سکتے ہو؟ اس کی بیماری بڑھتی جا رہی ہے۔ ان دونوں نے کہا: اس بیماری کے خاتمے کا تو ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ ہاں، ہم اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ یہ بیماری جہاں ہے وہیں رُک جائے اور مزید نہ بڑھنے پائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ایسا بھی ہو جائے تو یہ بھی عافیت کی بات ہے۔ انھوں نے کہا: کیا آپ کی سرزمین میں اندرائن پائی جاتی ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، دونوں نے عرض کیا: آپ ہمیں اندرائن کی بڑی مقدار مہیا فرما دیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دو بڑے بورے بھروا کر مہیا فرما دیے۔ دونوں نے ہر دانے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، پھر معیقیب کو لٹا کر اس کے پاؤں پر اسے رگڑنے لگے۔ جب ایک دانہ خشک ہو جاتا تو وہ دوسرا لے لیتے اور ملنے لگتے تا آنکہ انھوں نے اپنا یہ عمل پورا کر کے معیقیب کو رخصت کر

① صحيح البخاري، حديث: 7163، و الولاية على البلدان: 64/2، والإدارة الإسلامية لمحمد كرد، ص: 48. ② الولاية على البلدان: 64/2.

دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب اس کی یہ بیماری کبھی زیادہ نہیں ہوگی۔ راوی فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! بعدازاں معیقیب کی بیماری وہیں رک گئی، پھر وہ زندگی بھر اسی طرح رہے۔ [1]

[1] أخبار عمر، طنطاویات، ص:341.

حکام کے فرائض

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عمال و حکّام کو جہاں اللہ تعالیٰ نے عظیم مرتبے سے نوازا تھا، وہاں ان کے کندھوں پر بہت سی بوجھل ذمہ داریاں اور بڑے بڑے فرائض و واجبات بھی ڈال دیے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمال کو جو ذمہ داریاں سونپی جاتی تھیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

اسلامی احکام کا نفاذ

اسلامی احکام کے نفاذ میں نماز کا قیام، دین اور اصول دین کی حفاظت، مساجد کی تعمیر، امور حج میں آسانیاں پیدا کرنا، اسلامی روایات کو فروغ دینا اور شرعی حدود کا نفاذ سرفہرست تھے۔

اسلامی تعلیمات کا فروغ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت عظیم فتوحات کا دور تھا۔ ان فتوحات کی بدولت بہت سے وسیع علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے۔ وہاں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو گورنر مقرر فرمایا۔

مفتوحہ علاقوں کے حکّام اور وہاں موجود دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے شدت سے یہ

ضرورت محسوس فرمائی کہ ان مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا بے حد ضروری ہے۔ [1]

شام کے والی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا: شام کے علاقوں میں لوگ بکثرت مسلمان ہو رہے ہیں۔ آبادیاں گنجان ہو رہی ہیں۔ ان لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم اور دینی مسائل سے آگاہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ آپ ایسے افراد روانہ فرما کر میری مدد کیجیے جو ان لوگوں کو قرآن کریم پڑھائیں اور دینی مسائل کی تعلیم دیں۔ یہ مکتوب پڑھ کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پانچ فقہاء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شام روانہ کر دیا۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات بکثرت منقول ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے: «أَلَا إِنِّي وَاللّٰهِ مَا أُرْسِلُ عُمَّالِي إِلَيْكُمْ لِيَضْرِبُوا أَبْشَارَكُمْ وَلَا لِيَأْخُذُوا أَمْوَالَكُمْ وَلٰكِنْ أُرْسِلُهُمْ إِلَيْكُمْ لِيُعَلِّمُوكُمْ دِينَكُمْ وَسُنَنَكُمْ» ”اے لوگو! بلاشبہ اللہ کی قسم! میں تمھارے پاس عمّال اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمھیں ماریں اور تمھارے اموال چھین لیں۔ میں تو ان کو تمھیں تمھارا دین اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سکھانے کے لیے بھیجتا ہوں۔“ [3]

عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماتحت عمّال و حکّام سے فرمایا کرتے تھے: ہم تمھیں لوگوں کے سر اور اجسام کا حاکم بنا کر نہیں بھیجتے بلکہ ہم تو تمھیں لوگوں کو نماز سکھلانے اور دین کی تعلیم دینے کے لیے روانہ کرتے ہیں۔ [4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے معلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں میں بھیجے اور انھوں نے ان علاقوں میں مشہور علمی مدارس قائم کیے۔

---

① إعلام الموقعين:2/247. ② سير أعلام النبلاء:2/247. ③ السنن الكبرٰى للبيهقي:8/48، و السياسة الشرعية، ص:150. ④ نصيحة الملوك للماوردي، ص:72، والولاية على البلدان:2/65.

نماز کا قیام

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال کو یہ ہدایت التزاماً لکھا کرتے تھے: «إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِينَهُ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَشَدُّ إِضَاعَةً» ''میرے نزدیک تمھارا سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس پر کاربند رہا اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا وہ دین کے بقیہ اُمور کو بالاولیٰ ضائع کرنے والا ہوگا۔''[1]

ایک موقع پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال سے فرمایا: ہم تمھیں صرف اس لیے عامل مقرر کرتے ہیں کہ تم اقامت نماز، شرعی علم اور قرآن کی تعلیم کا اہتمام کرو۔[2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ عمال کے تقرر کے وقت امامتِ نماز اور جہادی امور کی خاص طور پر تاکید فرماتے تھے۔ انھوں نے سیّدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو امام اور مجاہدین اسلام کا کمانڈر بنایا تھا اور سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو امورِ عدل اور بیت المال کا منصب عطا فرمایا تھا۔[3]

سیاست شرعیہ کے بارے میں لکھنے والوں نے کسی بھی علاقے کے مسلمان حکمران کے لیے نماز کی اہمیت اور اس میں موجود دنیاوی اور عظیم ترین اُخروی برکات اور اعلیٰ مفاہیم و مطالب کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔[4]

دین اور اصولِ دین کی حفاظت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دین اور دین کے اُن صحیح اور اٹل اصولوں کی حفاظت فرمائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ وہ ہمیشہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احیا، بدعتوں کے خاتمے اور حدود اللہ کے اہتمام و احترام میں مصروف رہے۔ انھوں نے ایک موقع پر اس

[1] الطريقة الحكمية، ص: 240، والولاية على البلدان: 67/2. [2] نصيحة الملوك، ص: 72.
[3] الأحكام السلطانية، ص: 33. [4] الولاية على البلدان: 67/2.

آدمی کو جلاوطن کر دیا جو بکثرت قرآن کریم کے متشابہات میں سرگرداں رہتا تھا۔ ①

عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں تراویح کے قیام کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا اور اسی اہتمام کا حکم اسلامی مملکت کے تمام علاقوں میں جاری فرمایا۔ ②

انھوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ کے ہاں کچھ لوگوں نے یا آل ضبة ③ کہنے کا جاہلیت والا انداز اختیار کر لیا ہے۔ جب آپ کے پاس میرا یہ مکتوب پہنچے تو فوراً ایسے لوگوں کو صحیح اصول سمجھائیں۔ اگر وہ نہ سمجھیں تو انھیں مالی اور جسمانی سزا دیں تاکہ وہ ایسی جاہلانہ پکار سے باز آجائیں۔ ④

مساجد کی تعمیر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک اندازے کے مطابق صرف عرب علاقوں ہی میں چار ہزار (4000) نئی مساجد تعمیر ہوئیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عمّال کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ مساجد کی تعمیر پر خاص توجہ دیتے تھے۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے جزیرہ کے مختلف علاقوں میں بہت سی مساجد تعمیر کرائیں۔ ⑤

حج کے لیے آسانیاں

خلافت راشدہ کے دور میں عمّال و حکّام امور حج میں آسانیاں پیدا کرنے، مطلوبہ سہولتیں فراہم کرنے اور حجاج کی سلامتی کو یقینی بنانے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ عمّال اپنی طرف سے حج کے امیر مقرر کرتے تھے۔ خود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے سفر حج کے اوقات متعین فرماتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ حجاج اپنے علاقے کے عامل کے حکم کے بغیر

① الولاية على البلدان: 68/2. ② الولاية على البلدان: 68/2. ③ یہ لفظ گالی کے طور پر استعمال ہوتا تھا یعنی اے دھوکا دینے والی عورت کی نسل! ④ موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 133. ⑤ فتوح البلدان للبلاذري، ص: 182، والولاية على البلدان: 69/2.

کوچ نہ کریں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ حجاج کے لیے آسانیاں پیدا کرنا مسلمان حکّام کے اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں: حجاج کے لیے ادائے حج میں آسانیاں پیدا کرنا ہر عامل کی ذمہ داری تھی کیونکہ یہ آسانیاں اس تعاون کا ایک حصہ ہے جو حجاجِ کرام کے ساتھ کیا جاتا تھا۔[1]

شرعی حدود کا نفاذ

سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے پر مصر میں حد نافذ کی۔ بعدازاں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بذات خود اس پر کوڑوں کی حد جاری فرمائی۔ ایک روایت کے مطابق ان کا یہ بیٹا ان کوڑوں کی تاب نہ لا کر وفات پا گیا۔[2]

مختلف علاقوں کے عمّال و حکّام ابتدا میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت حاصل کیے بغیر ہی قتل کا قصاص نافذ فرما دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا کہ میری اجازت کے بغیر کسی پر قتل کا قصاص جاری نہ کیا جائے۔[3]

بعدازاں حکّام قتل کا قصاص نافذ کرنے سے پہلے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت حاصل کرنے لگے۔ حدود کے نفاذ کا تعلق دین اور دنیاوی امور دونوں سے تھا، لہٰذا خلفاء اور عمّال مسائلِ حدود کا بہت باریک بینی سے جائزہ لیتے تھے اور مختلف دینی شعائر کی طرح ان کا اہتمام فرماتے تھے۔[4]

امن و امان کا استحکام

اسلامی ریاست میں امن و امان کا قیام خلیفۂ وقت کی سب سے بڑی پہلی اور فوری

[1] الأحكام السلطانية، ص: 33. [2] مناقب عمر بن الخطاب لابن الجوزي، ص:242,240.
[3] الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة، ص:521. [4] الولاية على البلدان: 70/2.

ذمہ داری باور کی جاتی تھی۔ خلیفۂ وقت اس سلسلے میں بہت سے اقدامات کرتا تھا جن میں سرفہرست کارروائی یہ ہوتی تھی کہ شریروں، نافرمانوں اور فساق پر حدود جاری کی جاتی تھیں۔ اس طرح ان جرائم پر قابو پایا جاتا تھا جن کے سبب لوگوں کی جان، مال اور آبرو کو خطرات لاحق ہوتے تھے۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: فساق کو ڈرا کر رکھو اور انھیں تتر بتر کر دو۔ [2]

اسلامی علاقوں میں امن کا ایک سبب دشمنوں کے خلاف فریضۂ جہاد کا قیام ہے جو قیامِ امن میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ [3]

جہاد فی سبیل اللہ

اگر ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے لے کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر تک مختلف علاقوں کے حکّام کا جائزہ لیں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ان کا فتوحات میں بہت بڑا حصہ تھا۔ بلکہ ان افراد کو ایسے علاقوں کے لیے امیر نامزد کیا جاتا جنھیں فتح کرنا مقصود ہوتا تھا۔ وہ ان علاقوں کو فتح کرتے تھے، پھر انتظامی امور کی تدابیر عمل میں لاتے تھے۔ شام کے امراء ابوعبیدہ، عمرو بن عاص، یزید بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم اور عراق کے امراء مثنیٰ بن حارثہ، خالد بن ولید اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہم اسی طرح نامزد کیے گئے تھے۔ [4]

خلفائے راشدین کے عہد زریں میں تمام عمّال اپنے علاقوں کے سیاسی اور دینی امور کو منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف اطراف و جوانب میں دشمنوں کے خلاف بھی برسرِ پیکار رہتے تھے۔ ان جہادی سرگرمیوں سے ان کی علاقائی ذمہ داریوں میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

---

[1] الولایة علی البلدان: 71/2. [2] عیون الأخبار: 11/1. [3] الولایة علی البلدان: 71/2. [4] الولایة علی البلدان: 72/2.

مختلف مصادر میں جہادی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے حکام کی طرف سے کیے گئے متعدد اقدامات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں سے دو اہم اور بنیادی اقدامات یہ تھے:

① خواہش مند حضرات کو جہاد کے لیے بھیجنا۔

② دشمنوں کی جارحیت سے اسلامی ریاست کا دفاع کرنا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں تمھاری سرحدوں کی حفاظت کروں۔

قلعوں کی تعمیر

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دشمن کے اچانک حملوں سے بچاؤ کے سلسلے میں مصر کے علاقے جیزۃ میں پہنچنے والے فاتحین کو قلعے تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ [1]

دشمن کی جاسوسی

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دشمن کی چالوں پر متواتر نظر رکھتے تھے۔ وہ یہ ٹوہ لیتے رہتے تھے کہ رومی شام کے علاقوں میں کہاں اکٹھے ہو رہے ہیں؟ وہ بعض اوقات موصول ہونے والی خبروں کی روشنی میں بطور جنگی چال پسپائی بھی اختیار کرتے تھے۔ [2]

گھوڑوں کی فراہمی

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کے تمام علاقوں میں جہادی ضرورتوں کے پیش نظر گھوڑوں کی بروقت فراہمی کا انتظام کر رکھا تھا۔ انھوں نے بصرہ کی ایک بہت بڑی اراضی کو گھوڑوں کی افزائش کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہاں جہاد کے لیے بڑی تعداد میں

① الولاية على البلدان: 1/77. ② الفتوح لابن أعثم، ص: 215.

گھوڑے تیار کیے جاتے تھے۔[1]

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو دمشق میں گھوڑوں کی افزائش کے لیے ایک قطعۂ اراضی مرحمت فرمایا لیکن ان لوگوں نے وہاں کھیتی باڑی شروع کر دی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ زمین واپس لے لی اور ان لوگوں کو جرمانہ کر دیا کیونکہ انھوں نے اس زمین کا اصل مقصد ضائع کر دیا اور وہاں گھوڑوں کی افزائش کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زیرِ نگرانی کوفہ میں چار ہزار (4000) گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان کی دیکھ بھال کے انچارج سلمان بن ربیعہ باہلی تھے۔ اہلِ کوفہ کی ایک جماعت ان کی معاونت کے لیے مقرر تھی۔ وہ ان گھوڑوں میں سے انتہائی تربیت یافتہ گھوڑوں کو ہر سال پوری طرح تیار کرنے کے بعد دوڑانے کی مشق کراتے تھے۔

کوفہ کی طرح بصرہ اور دیگر آٹھ صوبوں میں بھی اسی طرح ہر وقت ہزاروں گھوڑے مستعد رکھے جاتے تھے اور ان کے ذریعے سے اسلامی ریاست کے فوری دفاع کا کام لیا جاتا تھا۔[2]

بچوں کی تعلیم اور جہادی تربیت

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ تمام شہروں کے باشندوں کے نام یہ پیغام ارسال فرماتے تھے کہ وہ اپنے بچوں کو گھڑ سواری، تیراکی اور تیراندازی جیسے فنون کی تربیت دلائیں اور ان فنون میں انھیں درجۂ مہارت تک پہنچائیں۔ ایک دفعہ شام کے علاقے میں ایک لڑکا جہادی فنون کی تربیت حاصل کرتا ہوا زخمی ہو گیا اور چل بسا۔ لوگوں نے یہ قصہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا لیکن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بدستور بچوں کو جہادی فنون و تعلیمات کے حصول کا حکم دیتے رہے۔[3]

---

[1] الولاية على البلدان: 74/2. [2] الولاية على البلدان: 74/2. [3] الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة، ص: 486.

افواج کی مسلسل رجسٹریشن

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلامی افواج میں شمولیت کے لیے رجسٹریشن کا خاص اہتمام کر رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ سب لوگوں کی بالعموم اور دشمنوں کے علاقوں کے قریب بسنے والے افراد کی رجسٹریشن بالخصوص لازمی ہے۔ یہ وہ علاقے تھے جہاں مسلسل اسلامی افواج کا قیام رہتا تھا۔[1]

باوجودیکہ لوگوں کے کوائف کے اندراج کا کام علیحدہ مقرر شدہ افراد کرتے تھے لیکن افواج کی رجسٹریشن کے بارے میں خلیفۂ وقت کے سامنے علاقے کے عمال مسئول ہوتے تھے۔ یہ لوگ ہر چند بظاہر امیر جنگ ہوتے تھے لیکن اپنے علاقوں میں خلیفہ کے نائب ہونے کی حیثیت سے رجسٹریشن کے پورے عمل کے ذمہ دار بھی تھے۔[2]

معاہدوں کی پاسداری

شام کے علاقوں میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، عراق کے علاقوں میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ بہت سے معاہدے طے پائے۔ یہ ذمہ دار افراد معاہدوں کی پاسداری کے ساتھ ساتھ ذمیوں کے حقوق، شخصی اور عمومی معاہدوں کے بھی پاسدار ہوتے تھے۔ وہ شرعی احکام کو ہر آن پیشِ نظر رکھتے تھے اور ان احکام کی تعمیل کا حد درجے اہتمام فرماتے تھے۔[3]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کے بارے میں وصیت فرمائی تھی: اے لوگو! میں تمھیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ یاد دلاتا ہوں کہ تم ان سے اچھا سلوک کرو، ان کا دفاع کرو اور ان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔[4]

---

① النظم الإسلامية للدكتور صبحي صالح، ص: 488، 491. ② الولاية على البلدان: 77/2.
③ الولاية على البلدان: 77/2. ④ موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 133.

بروقت وظائف کی فراہمی

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اگر اللہ مجھے سلامت رکھے تو ان شاء اللہ میں عراق کی سرزمین میں بسنے والی بیواؤں کو اتنا خود کفیل بنا دوں گا کہ میرے بعد وہ کسی کی محتاج نہیں رہیں گی۔

عام الرمادہ کے سال میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار ہمیشہ ناقابلِ فراموش رہے گا۔ ان دنوں لوگ ایسی فاقہ کشی کی حالت میں مبتلا تھے جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس ہولناک حالت میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کے تمام وسائل اس آفت کو ختم کرنے اور لوگوں کو خوراک مہیا کرنے میں صرف کر دیے۔

علامہ بیہقی اپنی سنن میں بیان فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ میں لوگوں پر بے دریغ مال خرچ کیا یہاں تک کہ بارانِ رحمت نازل ہوئی۔ خشک سالی ختم ہو گئی اور لوگ اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے باہر نکلے اور لوگوں کو اپنی پالکیوں کے ساتھ کوچ کرتے دیکھ کر رونے لگے۔ بنو محارب بن خصفہ کے ایک شخص نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یوں روتے دیکھا تو کہنے لگا: اے امیر المومنین! میں گواہ ہوں کہ آپ پر سے خشک سالی کی آفت ٹل گئی۔ آپ لونڈی کے نہیں ایک آزاد خاتون کے بیٹے ہیں۔ دراصل ان الفاظ سے وہ آپ رضی اللہ عنہ کی فیاضی کی تحسین کر رہا تھا۔ یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَيْلَكَ! ذٰلِكَ لَوْ أَنْفَقْتُ مِنْ مَّالِي أَوْمِنْ مَّالِ الْخَطَّابِ إِنَّمَا أَنْفَقْتُ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ» ”افسوس تجھ پر! یہ تعریف تو اس وقت جچتی جب میں لوگوں پر اپنا یا اپنے باپ خطاب کا مال صرف کرتا۔ جو کچھ میں نے خرچ کیا وہ تو سب اللہ تعالیٰ کا مال تھا۔“[1]

ایک موقع پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: تم پر میرا یہی حق ہے کہ میں تمھارے خراج

---

[1] السنن الکبریٰ للبیهقي: 6/357، وموسوعة فقه عمر، ص: 135.

اور مالِ فے سے سوائے اپنے حصے کے لیے کچھ نہ لوں اور تمھیں یہ حق حاصل ہے کہ تم نگرانی رکھو کہ یہ مال ناحق تو خرچ نہیں ہو رہا۔ تمھارا یہ بھی حق ہے کہ میں تمھاری تنخواہوں، وظائف اور عطیات میں اضافہ کرتا رہوں۔ ان شاء اللہ! میں ایسا ہی کرتا رہوں گا۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں عطیات کی تقسیم کا کام نہایت منظّم خطوط پر جاری کر دیا تھا۔ عطیات صرف شہری لوگوں ہی کے لیے خاص نہ تھے بلکہ قبائلی لوگوں کو بھی باقاعدگی سے عطیات دیے جاتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بذات خود مدینے کے نواحی قبیلوں میں تشریف لے جاتے تھے اور بادیہ نشینوں کو عطیات مرحمت فرماتے تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماتحت حکّام و عمّال کے نام تاکیدی احکام بھیجتے کہ لوگوں کو عطیات دو اور ان کے روزینے ادا کرو۔ مالِ فے اللہ نے سب مسلمانوں کے لیے عطا فرمایا ہے۔ یہ عمر یا آلِ عمر کی جاگیر نہیں ہے۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف لوگوں کو مال مرحمت فرماتے بلکہ انھیں غذائی اجناس بھی بھیجتے تھے۔ ان کے شام کے ایک سفر کے دوران میں بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! شام کے علاقے میں آپ کی افواج کے لوگ پرندوں کا گوشت اور میدے کی روٹی کھاتے ہیں جبکہ عام مسلمانوں کو ایسا لذیذ کھانا میسر نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو سنو! یہ بلال کیا کہہ رہے ہیں۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: اے امیر المومنین! ہمارے شہر میں چیزوں کا بھاؤ انتہائی سستا ہے۔ یہاں ہم یہ چیزیں اتنے پیسوں سے خرید سکتے ہیں جتنے پیسوں سے ہم حجاز میں بمشکل اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ اس جواب سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مطمئن نہ ہوئے اور فرمایا: میں اپنے اطمینان کے لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ تم مجھے مسلمانوں کی ماہانہ تنخواہوں کی رپورٹ پیش کرو، پھر فرمایا: مجھے بتاؤ کہ ایک عام آدمی کی ضروریات کیا کیا ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا:

---

[1] موسوعة فقه عمر، ص: 137. [2] الولاية على البلدان: 77/2.

ماہانہ دو بورے غلہ اور اسی نسبت سے ضرورت کے مطابق خوردنی تیل اور سرکہ۔ بعدازاں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اشیاء لوگوں تک پہنچانے کی ضمانت دی گئی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسلمانو! یہ تمام چیزیں تمھارے مقرر شدہ عطیات کے علاوہ ہوں گی۔ اگر تمھارے امراء یہ سب اشیاء تمھیں ماہ بماہ پہنچائیں تو ٹھیک ورنہ مجھے بتاؤ۔ میں انھیں معزول کر کے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو مقرر کر دوں گا۔ ①

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ شہروں میں غذائی اجناس کی وافر بہم رسانی کا بڑا مؤثر انتظام کرتے تھے۔ وہ بازاروں کا چکر لگاتے تھے۔ خرید و فروخت کے معاملات کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ تاجروں کو ذخیرہ اندوزی سے منع فرماتے تھے۔ ان کے ماتحت حکّام و عمّال بھی اسی طرح بازاروں کی نگرانی کرتے تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ تاجروں کو مختلف ملکوں کی طرف سفر کرنے کی ترغیب دیتے تھے کہ وہ وہاں سے غلہ لائیں اور مسلمانوں کی منڈیوں میں لا کر بیچیں۔ ②

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے عمّال عوام الناس کو غلے کی فراہمی ہی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کی سکونت کے لیے مکان بھی مہیا کرتے تھے۔ انھوں نے کوفہ، فسطاط اور بصرہ میں لوگوں کی رہائش کے لیے اراضی کے قطعات بھی دیے۔ ③

اسی طرح اسلامی افواج کے افسر مفتوحہ علاقوں حمص، دمشق اور اسکندریہ وغیرہ میں لوگوں کے لیے گھروں کی تقسیم کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ ④

عمال اور سرکاری ملازمین کا تقرر

سرکاری ملازمین اور کارکنوں کا تقرر ہر علاقے کے حاکم اور گورنر کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔ عام طور پر ایک صوبہ ایک بڑے شہر اور اپنے ساتھ متصل بہت سے دیگر چھوٹے

① فتوح الشام للأزدي، ص: 257، والولاية على البلدان: 78/2. ② تاريخ المدينة: 749/2.
③ الولاية على البلدان: 79/2. ④ فتوح البلدان للبلاذري، ص: 143و224.

چھوٹے قصبوں کا مجموعہ ہوتا تھا۔ ان کی تنظیم ایک قدرتی تقاضے کی حیثیت رکھتی تھی، چنانچہ علاقائی گورنر ان علاقوں میں سرکاری سطح پر عملے کا تقرر کرتا تھا۔ ان میں سے بعض کو امیر اور بعض کو خراج کے عامل کا منصب دیا جاتا تھا۔ اس قسم کے تقرر اکثر اوقات علاقے کے گورنر اور خلیفہ کے باہمی مشورے سے طے پاتے تھے۔[1]

اقلیتوں کے حقوق کی مکمل پاسداری

ذمیوں کے حقوق کی پاسداری، ان کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کا احترام، شرعی نقطۂ نظر سے ان کے حقوق کا تحفظ، ان سے مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ، ان کی نگہداشت اور ان پر ظلم کرنے والوں کا شرعی احکام کے مطابق محاسبہ، یہ سب باتیں علاقائی گورنروں اور حکّام کی منصبی ذمہ داریوں میں شامل تھیں۔

خلیفۂ وقت حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ذمیوں سے مصالحت کرنے سے پہلے ان پر کچھ شرائط عائد کرتا تھا، بعدازاں طے شدہ شرائط کے مطابق ذمی اپنے واجبات ادا کرتے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے تھے۔[2]

ذی شعور افراد سے مشورہ اور قوم کے نمائندہ افراد کی دادرسی

عمر رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ مقامی اہل رائے سے مشورہ ضرور لیا جائے، لہٰذا تمام صوبوں کے حکّام اس حکم پر عمل کرتے ہوئے مشورہ طلب کرنے کے لیے خصوصی مجالس کا اہتمام کرتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اہل رائے سے مسلسل مشورہ طلب کیا کرتے تھے۔[3]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مقرر کردہ عمّال و حکّام کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ ہر فرد کی اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق عزت افزائی کریں۔ انھوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سب لوگوں کو یکبارگی اپنے پاس آنے کی اجازت دے

[1] الولاية على البلدان: 79/2. [2] الولاية على البلدان: 80/2. [3] الولاية على البلدان: 80/2.

دیتے ہیں۔ ایسا مت کیجیے۔ جونہی میرا یہ مکتوب آپ کے پاس پہنچے اپنا موجودہ طریقہ بدل دیجیے۔ سب سے پہلے علوم قرآن، تقویٰ اور دین کی بنیاد پر معزز افراد کو آنے کی اجازت دیجیے۔ جب وہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں تو پھر عام لوگوں کو داخلے کی اجازت دیجیے۔

انھوں نے مزید لکھا: درخواست گزار ہمیشہ مختلف مراتب کے لوگ ہوتے ہیں۔ آپ ان کے مراتب کا خیال رکھیں۔ آپ کا فرض ہے کہ ایک کمزور ترین مسلمان کو بھی اس کے کسی بھی معاملے میں انصاف مہیا کریں اور مال کی تقسیم میں اس تک اس کے حصے کی رسائی یقینی بنائیں۔ [1]

علاقائی آبادکاری کی ضرورت پر نظر

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے علاقے کے کسانوں کی بھلائی کے لیے بعض اہلِ فارس کے مطالبے پر ایک نہر کھدوائی۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ اہلِ بصرہ کے لیے ایک نہر کھدوائیں۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی اور تقریباً چار فرسخ لمبی نہر کھدوائی اور اہلِ بصرہ کے لیے پانی کی فراوانی کا بندوبست کر دیا۔ [3]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عمّال نے کوفہ، بصرہ اور فسطاط شہر کی آبادکاری کے وقت سڑکیں بچھانے، زمینوں کی تقسیم، مساجد کی تعمیر اور آب رسانی کے علاوہ عوامی ضروریات کے کئی معاملات کی جامع منصوبہ بندی کی۔

عمال نے دشمن کے علاقوں کے قریبی شہروں یا کئی دیگر اسباب کے پیش نظر کم آبادی والے علاقوں میں مسلمانوں کی آبادکاری کو یقینی بنایا۔ انھوں نے نقل مکانی کے لیے لوگوں کو بہت سی سہولتیں دیں اور زمینیں عطا کیں تاکہ وہ وہاں آرام سے مستقل طور پر آباد ہو جائیں۔

[1] نصيحة الملوك للماوردي، ص: 207، وموسوعة فقه عمر، ص: 134. [2] فتوح البلدان للبلاذري، ص: 273، والولاية على البلدان: 87/2. [3] فتوح البلدان للبلاذري، ص: 352,351.

اس قسم کے اقدامات سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی ہوتے رہے۔ انطاکیہ اور الجزیرہ کے بعض علاقوں میں ایسے اقدامات خاص طور پر کیے گئے۔

معاشرتی احوال وظروف کی رعایت

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب بھی کسی صوبے سے کوئی وفد آتا تو وہ وہاں کے حاکم کے بارے میں مفصل معلومات حاصل کرتے تھے۔ لوگ عام طور پر ان کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ دریافت فرماتے تھے: کیا وہ تمھارے مریضوں کی عیادت کرتے ہیں؟ لوگ جواب دیتے: جی ہاں، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے: کیا وہ غلاموں کی عیادت کرتے ہیں؟ لوگ جواب دیتے: جی ہاں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ پوچھتے: اُن کا تمھارے کمزور طبقے سے کیسا سلوک ہے؟ کیا وہ ان کے دروازے پر بیٹھتے ہیں؟ ان سوالوں میں سے کسی بھی سوال کا جواب نفی میں ہوتا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسے حاکم یا عامل کو جو کسی مریض کی مزاج پُرسی نہ کرتا یا کسی کمزور شخص کو اہمیت نہ دیتا اسے فوراً سبکدوش کر دیتے تھے۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ ان کے مقرر کردہ عمّال انتہائی متواضع ہوں تاکہ عام لوگ انھیں اپنا ہی ایک فرد سمجھیں اور انھیں کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہ ہو۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمّال پر شرط عائد کرتے تھے کہ عام لوگوں جیسی سواری رکھیں، سادہ لباس پہنیں اور اپنے دروازے پر کوئی دربان نہ رکھیں۔ [2]

مساوات

حکّام پر لازم تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان مساوات قائم کریں اور مسلمانوں کے درمیان کسی عربی یا غیر عربی میں کوئی فرق روانہ رکھیں۔ ایک دفعہ کچھ لوگ ایک عامل کے پاس

---

[1] الولاية على البلدان: 82/2. [2] الولاية على البلدان: 82/2

آئے اس نے عرب افراد کو مال دیا اور غلاموں کو محروم کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا: «فَبِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ» ''آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔'' ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے جواب طلب کیا اور لکھا: تم نے سب کے ساتھ مساوات کا سلوک کیوں نہیں کیا؟[1]

مذکورہ بالا اُمور کے علاوہ دیگر بہت سے واجبات بھی تھے جن کا التزام تمام عمال کے لیے ضروری تھا۔ ان میں ایفائے عہد، اخلاص، ہر کام میں مراقبہ، نیکی اور تقویٰ کے سلسلے میں تمام امور میں تعاون، اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، مسلمانوں کے خلفاء اور عامۃ الناس سب کے لیے خیر خواہی اور بھلائی کے جذبات سرفہرست تھے۔ بلاشبہ ایسے فرائض و واجبات انجام دینے کی وجہ سے معاشرے کی اصلاح یقینی ہو جاتی ہے۔[2]

یہ تمام مذکورہ فرائض اور واجبات ادا کرنے کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کو اچھی عادات سے مزین کرنا بھی تمام حکّام اور عمال کا فرض تھا۔ وہ اپنے خطبات، مکتوبات، مواعظ اور جملہ امور میں اس کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کے عہد زرّیں میں تمام عمال ایسے اعلیٰ اخلاق اور صفات سے متصف ہوتے تھے جن سے نیکی کا نور پھیلتا تھا اور رعایا مستفید ہوتی تھی۔[3]

اسلامی ممالک میں ترجمانوں کی ضرورت اور گورنروں کے اوقاتِ کار

ترجمانوں کی ضرورت

خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں علاقائی حکام کے لیے ترجمانوں ک ضرورت پیش آئی۔ یہ ضرورت بعض اوقات بخوبی پوری ہوئی اور مسلمان حکّام کو بڑی سہولت نصیب

[1] الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة، ص: 523. [2] النظريات السياسية الإسلامية لمحمد ضياء الريس، ص:308,307. [3] الولاية على البلدان:2/85.

ہوئی۔ ایک دفعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عراقی حکّام سے چند ایرانی کسان طلب فرمائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے خراجی مسائل کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ عراقی حکّام نے مطلوبہ کسانوں کے ساتھ ایک ترجمان بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ [1]

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فارسی زبان جانتے تھے۔ وہی تھے جنھوں نے مدینہ میں عمر رضی اللہ عنہ اور ہرمزان کے درمیان ترجمان کے فرائض سرانجام دیے۔ [2]

ترجمے کا فن اسلامی ریاست میں بالعموم اور خلفائے راشدین کے عہد میں بالخصوص بڑی اہمیت کا حامل رہا۔ خراجی معاملات کا اندراج عربی زبان میں نہیں تھا، اس لیے مختلف علاقوں میں مترجمین کی اہمیت اور ضرورت محسوس کی گئی۔ خراج کی وصولی اور دیگر معاملات کے لیے مفتوحہ علاقوں میں عجمی کارکن ہی کام کرتے تھے۔ غلاموں کی کثرت اور مختلف اسلامی علاقوں میں نومسلموں کی بہتات اور عدالتی معاملات کی وجہ سے مترجمین کی ضرورت اُجاگر ہوئی۔ فاتح اسلامی سپہ سالاروں اور مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کے درمیان مذاکرات کے لیے بھی ترجمانوں کی ضرورت پیش آئی۔ [3]

گورنروں کے اوقات کار

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عمّال کے لیے کوئی طے شدہ اوقات کار نہیں تھے۔ خلیفۂ وقت ہو یا دیگر حکّام سب 24 گھنٹے کام میں مصروف رہتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی پس پردہ نہ رہتا۔ اس سلسلے میں خود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی بطور مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ وہ رات کو گشت کرنے اور اہلِ مدینہ کے احوال کی نگہداشت میں پیش پیش رہتے۔ لوگ مختلف اوقات میں حکّام کے پاس آتے تھے، وہاں ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ ان کی ضروریات فوراً پوری کی جاتی تھیں اور کوئی انھیں یہ نہیں کہتا تھا کہ یہ حاکم

[1] الخراج لأبي يوسف، ص:41,40، والولاية على البلدان:2/105. [2] الخراج لأبي يوسف، ص:41,40، والولاية على البلدان:2/105. [3] الولاية على البلدان:2/104

کی ڈیوٹی کا وقت نہیں ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکام اپنے تمام فرائض اپنے وقت پر انجام دینے کے قائل تھے۔
سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: آج کا کام کل تک مؤخر نہ کرو وگرنہ کام زیادہ ہو جائیں گے۔ ممکن ہے تم کوئی کوتاہی کر بیٹھو۔ لوگوں کے دلوں میں حکّام سے ایک قسم کی نفرت کا عنصر ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے خود کو اور تمھیں اپنی پناہ میں لینے کا خواستگار ہوں اور اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں لوگوں کے کینوں، دنیاوی رغبت اور خواہشات کی پیروی سے محفوظ فرمائے۔[1]

[1] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص:129.

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ حکام کے تقرر کے وقت نہ صرف ان کی پوری طرح چھان پھٹک کرتے تھے بلکہ انھیں عامل مقرر کرنے کے بعد ان کی مسلسل نگرانی بھی فرماتے رہتے تھے تاکہ وہ ان کے کردار سے باخبر رہیں اور ان کے قدم کج روی کی راہ پر نہ پڑنے دیں۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے: «خَيْرٌ لِّي أَنْ أَعْزِلَ كُلَّ يَوْمٍ وَّالِيًا مِّنْ أَنْ أُبْقِيَ ظَالِمًا سَاعَةَ نَهَارٍ» ''میرے لیے روزانہ ایک ظالم عامل کو برطرف کرنا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ ایک لحظے کے لیے اسے برقرار رکھوں۔''[1]

وہ فرماتے تھے: اگر میرا کوئی عامل کسی شخص پر ظلم کرے اور مجھے اس کے ظلم کی اطلاع مل جائے۔ اس کے باوجود میں اسے تبدیل نہ کروں تو میرا یہ عمل ظلم قرار پائے گا۔[2]

ایک دن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چند حضرات بیٹھے تھے، آپ نے ان سے فرمایا: بتاؤ، تمھارا کیا خیال ہے، اگر میں ایک آدمی کو اپنے علم کے مطابق تمھارے لیے بہتر خیال کروں، اسے تمھارا عامل مقرر کر دوں اور اسے انصاف کرنے کا حکم دوں تو کیا میں نے اپنا حق ادا کر دیا؟ سب نے کہا: جی ہاں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ میں خود دیکھ نہ لوں اس نے میرے حکم کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں اس وقت تک میرا فرض پورا

[1] النظم الإسلامية لصبحي الصالح، ص: 89، والإدارة الإسلامية، ص: 215. [2] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 56، والإدارة الإسلامية: 215.

نہیں ہوگا۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے مقرر کردہ حکّام اور ان کے کارکنوں کی انتظامی کارگزاریوں کی نگرانی نہایت باریک بینی سے کرتے تھے۔ انتظامی امور کے بارے میں ان کا طریقۂ کار یہ تھا کہ وہ اپنے عامل کو علاقائی امور میں پوری خود مختاری عطا فرماتے تھے۔ تاہم امت مسلمہ کے اہم مسائل اور عمومی مصالح میں انھیں بعض امور کا پابند کر دیتے، پھر اس عامل کے کردار اور تصرفات کی نگرانی فرماتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکّام کی کارگزاریوں اور رعایا کے حالات جاننے کے لیے ایک مربوط خفیہ نظام قائم کر رکھا تھا۔ وہ اس نظام سے ہر وقت منسلک رہتے تھے۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جاسوسی کا اس قدر زبردست منظّم نظام قائم کر رکھا تھا کہ وہ مملکت اسلامیہ کے بعید ترین علاقوں کے گورنروں اور ان کے کارندوں کے احوال سے بھی پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ انھیں یہاں تک آگاہی حاصل ہوتی تھی کہ ان لوگوں نے اپنے بستر پر کس طرح رات بسر کی۔ وہ دور افتادہ علاقوں کی بستیوں تک سے باخبر تھے۔ کسی بھی علاقے کا حاکم، کسی بستی کا عامل اور فوج کا کوئی بھی کمانڈر ان کی نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔ حکّام کو معلوم ہی نہیں تھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ کون کون سے نگران ان کی ہر آن نگرانی کر رہے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہر بڑے سرکاری افسر پر ایک جاسوس مقرر کر رکھا تھا جو اس کے طرز عمل کی پوری رپورٹ بھیجتا رہتا تھا۔ اس طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مشرق و مغرب سے ہر شام و سحر تمام ماتحت حکّام و عمّال کی رپورٹیں پہنچتی رہتی تھیں۔ ان رپورٹوں کی بنیاد پر وہ اپنے ماتحتوں کو جو مکاتیب ارسال فرماتے تھے ان سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کا دستِ احتساب ہر وقت اپنے عاملوں کی گردن کے قریب ہی رہتا تھا۔[2]

[1] الإدارة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب، ص: 215. [2] التاج في أخلاق الملوك، ص: 168.

حکام کی کڑی نگرانی کے اقدامات

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمّال کی نگرانی کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

مدینہ میں دن کے وقت داخلے کا حکم

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے حکّام وعمّال کو حکم تھا کہ جب وہ مدینہ آئیں تو دن کے وقت آئیں رات کو نہ آئیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ اپنے ساتھ کس قدر مال ومتاع اور غنائم لے کر آئے ہیں۔ اس طرح وہ ان کا آسانی سے محاسبہ کر لیتے تھے۔ [1]

علاقائی وفود کی طلبی

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مختلف شہروں کے حالات کی تفتیش کے لیے عمّال کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے باشندوں کے وفود ارسال کریں۔ یہ وفود آتے تھے تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سے خراج، مختلف مالی امور اور انتظامی معاملات کے بارے میں حقیقت حال دریافت کرتے تھے۔ وہ پوچھتے تھے کہ آپ کے حکّام آپ پر ظلم تو نہیں کرتے؟ وہ بہت سے امور کی تحقیق کے لیے لوگوں سے گواہیاں بھی طلب فرماتے تھے۔ کوفہ اور بصرہ کا خراج لے کر وہاں سے دس دس افراد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جب وہ حاضر ہو جاتے تو گواہی دیتے تھے کہ یہ سارا مال پاکیزہ اور حلال ہے۔ اس کے حصول میں کسی مسلمان یا ذمی پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا۔ [2]

یہ قانون عمّال کو ہر طرح کے ظلم سے باز رکھتا تھا۔ اگر کہیں ظلم ہوتا تو مدینہ آنے والے لوگ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تفصیل سے سب کچھ بتا دیتے تھے۔ خود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ آنے والے لوگوں سے ان کے علاقوں کے احوال اور حکّام کی کارکردگی کے طور طریقوں اور رعایا

---

[1] فن الحکم، ص: 174. [2] الخراج لأبي یوسف، ص: 124، والولایة علی البلدان: 157/1.

سے ان کے برتاؤ کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کرتے تھے۔[1]

محکمۂ ڈاک

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مختلف شہروں کے عمال کی طرف ڈاکیے بھیجتے تھے۔ ڈاکیوں کو حکم تھا کہ جب تم میرے پاس واپس آنے لگو تو ہرکاروں کے ذریعے سے عوام الناس میں بابانگ دہل اعلان کراؤ کہ جو شخص امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا پیغام بھیجنا چاہے تو اپنا مکتوب ہمارے حوالے کرے۔ ڈاکیے اس طریقے سے بہت سے مکاتیب جمع کر لیتے تھے۔ ان میں کوئی مقامی حاکم دخل اندازی نہیں کرتا تھا۔ اس طرح یہ ڈاکیے مدینہ منورہ پہنچ کر لوگوں کے مکاتیب براہ راست سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔ ان عوامی مکاتیب کے مندرجات سے خود ڈاکیے بھی بے خبر رہتے تھے کیونکہ یہ مہر بلب ہوتے تھے۔ اس طرح ہر شخص اپنی شکایات براہِ راست امیر المومنین تک پہنچا دیتا تھا۔ جب ڈاکیا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچتا تو تمام خطوط ان کے سامنے رکھ دیتا تھا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ تمام مکاتیب خود پڑھتے تھے اور مناسب احکام جاری فرماتے تھے۔[2]

انسپکٹر جنرل کا تقرر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکّام کے محاسبے کے لیے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو انسپکٹر جنرل مقرر فرمایا تھا۔ وہ ان سے حکّام کی نگرانی کا کام لینے کے ساتھ ساتھ ان شکایات کی تحقیق بھی فرماتے جو حکّام کے خلاف ان تک پہنچتی تھیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی حیثیت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں محتسب اعلیٰ کی سی تھی۔ وہ مکمل دیانتداری سے حکّام کے طور طریقوں کا جائزہ لیتے تھے اور کوتاہی کرنے والوں کا محاسبہ کرتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کئی بار بڑے بڑے امراء اور گورنروں کی نگرانی اور محاسبے کے لیے روانہ فرمایا۔[3]

---

[1] الولاية على البلدان: 157/1. [2] تاريخ المدينة: 761/2. [3] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 123-126.

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حکّام کے خلاف کی گئی شکایات کی تحقیق اس طرح فرماتے کہ لوگوں سے جا کر بلاواسطہ ملاقات کرتے تھے اور ان کے خیالات معلوم کر کے خلیفۂ وقت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیتے تھے۔ اس ذمہ داری کے تقاضے پورے کرنے کے لیے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے بہت سے ماتحت افراد بھی ہوتے تھے۔

موسمِ حج میں گورنروں کا احتساب

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ حکّام اور رعایا کے حالات کی خبر گیری کے لیے موسم حج کو نہایت اہم موقع سمجھتے تھے۔ انھوں نے اس موسم کو ریاستی امور اور احکام پر نظر ثانی، محاسبے اور مختلف اطراف سے خبریں وصول کرنے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ موسم حج میں مظلوم اور شاکی افراد کے ساتھ ساتھ عمّال و حکّام اور ان کے وہ نگران، جنھیں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ان پر نگاہ رکھنے کے لیے بھیجتے، جمع ہو جاتے تھے۔ دوسری طرف عمّال بھی احتساب کے لیے مستعد رہتے تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں موسم حج میں قائم ہونے والی اس احتسابی روایت اور زبردست تنظیم کا کسی بھی ترقی یافتہ تنظیم سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا احساس ذمہ داری تھا کہ انھوں نے موسمِ حج کے ایام فرصت کو عمّالِ مملکت کی کارگزاریوں کے جائزے اور شکایات عامہ کے ازالے کے لیے برسرِ پیکار رکھا۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے مختصر طور پر اپنے عمّال کے فرائض و واجبات کا تذکرہ فرماتے تھے، پھر اعلان فرماتے تھے: اگر کسی کے ساتھ ان امور کے علاوہ کوئی اور معاملہ کیا گیا ہے تو کھڑا ہو جائے اور اپنی شکایت پیش کرے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ کوئی بھی کھڑا نہ ہوتا۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکّام و عمّال انصاف پسند تھے اور رعایا ان سے راضی تھی۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور اس نے عرض کیا: آپ کے عامل نے

[1] عبقرية عمر للعقاد، ص: 82، والدولة الإسلامية للدكتور حمدي شاهين، ص: 138.

مجھے بلاوجہ سو (100) کوڑے مارے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً متعلقہ عامل سے باز پرس کی۔ اس سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے شکایت کرنے والے آدمی سے فرمایا: کھڑا ہو جا اور اس عامل سے قصاص لے لے۔ اس موقع پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! اگر آپ یہ طریقۂ کار اختیار فرمائیں گے تو پھر یہی طریقہ آگے چل نکلے گا اور آپ کے بعد بھی جاری رہے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قصاص کا حکم میری طرف سے نہیں ہے۔ میں نے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ بھی قصاص دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہمیں موقع دیجیے۔ ہم اس شاکی آدمی کو راضی کر لیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ تم اسے راضی کر لو، لہٰذا اس عامل نے اس شخص کو دو سو (200) دینار پر، یعنی ہر کوڑے پر دو (2) دینار ہرجانے کے عوض راضی کر لیا۔[1]

صوبوں کا تفتیشی دورہ

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی شہادت سے چند دن پہلے یہ ارادہ ظاہر فرما رہے تھے کہ وہ پوری مملکت اسلامیہ کے ہر علاقے کا ذاتی طور پر تفتیشی دورہ کریں گے اور ہر علاقے کے حکّام اور عوام کے احوال اور معاملات ومسائل کا خود جائزہ لیں گے، خاص طور پر انتظامی اور سرکاری امور کے طریق کار کے بارے میں خود اطمینان حاصل کریں گے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا تھا: اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ ایک سال میں اسلامی مملکت کے علاقوں کا چکر لگاؤں گا۔ مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کی حاجات و شکایات مجھ تک نہیں پہنچ پاتیں۔ وہ لوگ خود میرے پاس آ سکتے ہیں نہ ان کے حکّام ان کی درخواستیں مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ میں شام میں دو مہینے، جزیرہ میں دو مہینے، کوفہ میں دو مہینے اور آخر میں بصرہ میں دو مہینے قیام کروں گا۔ اللہ کی قسم! پھر یہ سال میرے لیے کتنا

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 222/3.

خوشگوار ثابت ہوگا![1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس پروگرام کو کسی حد تک عملی جامہ پہنا دیا۔ وہ کئی مرتبہ شامی علاقوں میں گئے۔ وہاں کے احوال کا جائزہ لیا اور متعلقہ عمّال و حکّام کے گھروں کا دورہ فرمایا۔[2] تاکہ وہ ان عمّال کا قریب سے گہرا جائزہ لے سکیں۔ وہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ ان کی زاہدانہ زندگی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اسی دوران میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی بیوی اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مابین تھوڑی سی سخت گفتگو بھی ہوگئی۔ اس میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے اپنی زبوں حالی بیان کی اور اس سلسلے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گلہ مندی کا اظہار کیا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اچانک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے گھر جا پہنچے۔ انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو جنگی اسلحہ صاف کرتے ہوئے پایا۔ ان کے گھر میں اسلحہ کے علاوہ اور کوئی قابل توجہ سامان نہ تھا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہنگامی دورہ کرتے تھے۔ وہ اچانک مطلوبہ لوگوں تک پہنچ جاتے تھے۔ ان کے ساتھ ہمیشہ ایک آدمی رہتا تھا۔ وہ مطلوبہ گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا تھا اور گھر کے مالک سے کہتا تھا کہ مجھے اور میرے ہمراہی کو اپنے گھر آنے کی اجازت دیجیے۔ وہ یہ نہیں بتاتا تھا کہ میرے ساتھ امیر المومنین آئے ہیں۔ اجازت ملنے پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہو جاتے اور ناقدانہ نگاہوں سے پورے گھر اور اس میں موجود سامان کا جائزہ لیتے تھے۔[3]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تھا کہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما انواع و اقسام کے کھانے تناول فرماتے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رات کے کھانے کا انتظار کیا۔ جب وقت ہوگیا تو وہ یزید رضی اللہ عنہ کے گھر جا پہنچے اور اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ اجازت کے بعد آپ نے ان کے گھر میں مختلف انواع کے کھانے دیکھے تو یزید رضی اللہ عنہ کو ایسے کھانوں کی ممانعت فرما دی۔[4]

---

(1) تاریخ الطبري: 18/5، والولایة علی البلدان: 161/1. (2) الولایة علی البلدان: 161/1. (3) تاریخ المدینة: 837/3. (4) تاریخ المدینة: 837/3.

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ذاتی نگرانی کے علاوہ حکّام و عمّال کو پرکھنے کے کئی اور طریقے بھی استعمال فرماتے تھے۔ بسا اوقات وہ اموال کی ایک مقدار کسی علاقے کے عامل کے نام ارسال فرماتے اور کچھ افراد کو خفیہ نگرانی کے لیے پیچھے بھیج دیتے تاکہ وہ دیکھیں یہ مال کہاں کہاں صرف کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ انھوں نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پانچ سو (500) دینار ارسال فرمائے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس بھاری رقم کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ دیکھ کر ان کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! دیناروں کی وجہ سے بجائے فائدے کے ہم تنگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، پھر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک پرانا کپڑا لیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور تقسیم شدہ دیناروں کو ان ٹکڑوں میں بند کرتے رہے، پھر ان تھیلیوں کو مسکینوں کے گھروں میں بھجواتے رہے حتی کہ سارا مال اسی طرح ختم ہو گیا۔[1]

اس طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے شام کے سفر کے دوران میں دوسرے عمّال سے بھی ایسا ہی سلوک کیا اور ان کا امتحان لیتے رہے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جانچ پرکھ کا یہ کام صرف کسی علاقے کے سفر ہی کے موقع پر نہیں کرتے تھے بلکہ یہ تو ان کا ایک مسلسل عمل تھا جو طرح طرح سے انجام دیا جاتا تھا۔ بسا اوقات وہ عمّال کو مدینہ طیبہ بلا بھیجتے تھے، پھر ان کے کھانے، پینے اور پہننے کی تحقیق کراتے اور خود بھی اس نگرانی میں حصہ لیتے۔[2]

سرکاری امور کا ریکارڈ

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ عمومی طور پر پوری ریاستِ اسلامیہ کا ضروری سرکاری ریکارڈ محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ وہ ان معاہدوں کے مسودے خاص طور پر محفوظ رکھنا چاہتے تھے جو متعلقہ علاقوں کے عمّال اور مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے مابین طے پاتے تھے تاکہ کسی پر کوئی ظلم نہ ہو۔

تاریخ بتاتی ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں بڑا صندوق رکھا ہوا تھا۔ اس میں

[1] تاریخ المدینۃ :837/3. [2] الولایۃ علی البلدان:162/1.

طے پانے والے تمام معاہدوں کے مسودے محفوظ کیے جاتے تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح صوبائی حکّام و عمّال مختلف دستاویزات اور معاہدوں کو محفوظ رکھتے تھے تاکہ بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جاسکے اور سرکاری امور میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ [1]

گورنروں کے بارے میں رعایا کی شکایات

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمّال کے خلاف کی گئی شکایتوں کی بنفسِ نفیس تحقیق فرماتے تھے۔ وہ مکمل طور پر معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے خوگر تھے۔ اس سلسلے میں وہ اصحاب رائے اور اپنے اردگرد موجود افراد سے مشورہ کرتے تھے، معاملے کا باریک بینی سے جائزہ لیتے تھے، پھر کسی نتیجے پر پہنچتے تھے اور قصور وار کو چاہے وہ عامل ہو یا عام آدمی سزا سنا دیتے تھے۔ [2]

اب عمّال کے بارے میں کی گئی شکایات اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے حل اور ازالے کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہلِ کوفہ کی شکایت

کوفہ کے کچھ لوگ جَرّاح بن سنان اسدی کی قیادت میں ایک جگہ جمع ہوئے۔ انھوں نے امیر المومنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکایت کی۔ یہ وہ وقت تھا جب نہاوند کے مجوسی مسلمانوں کے خلاف اپنے لشکر جمع کر رہے تھے۔ وہ لوگ ایسی پریشان کن صورت حال کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ انصاف پسند، رعایا کے ساتھ بڑے مشفق و مہربان، نہایت طاقتور اور دُور اندیش انسان تھے۔ وہ اہلِ باطل اور بدبختوں سے سختی اور سمجھداری سے پیش آتے تھے، جبکہ اہلِ حق اور فرماں بردار لوگوں سے نرمی کا سلوک فرماتے تھے۔ ان لوگوں نے ان کے خلاف محاذ آرائی

---

① الولاية على البلدان: 163/1. ② الإدارة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب، ص: 223.

کی۔ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں کی تسکین کرنا چاہتے تھے۔ انھیں حقیقت اور وقت کی نزاکت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ انھوں نے شکایت کے لیے ایسا وقت چنا کہ امیر المومنین ان کی بات کی طرف توجہ دینے پر مجبور ہو گئے کیونکہ اس وقت اہل اسلام ایک بہت بڑے معرکے کے لیے دشمن کے خلاف صف آرا ہو رہے تھے اور مسلمانوں میں باہمی ہم آہنگی اور تعاون وقت کا اہم تقاضا تھا۔ شکایت کرنے والوں کو یہ بھی علم تھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے مابین نازک حالات میں خاص طور پر اتحاد و اتفاق کے داعی ہیں۔

اہلِ کوفہ کے اس گروہ نے اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کرنی چاہی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ یہ شریر لوگ ہیں۔ اس بات کا انھوں نے اظہار بھی فرما دیا تھا۔ اس کے باوجود انھوں نے اس شکایت پر سعد رضی اللہ عنہ سے جواب طلبی کی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ اپنے عمّال پر ظلم کرنے والے اور حقائق کو مسخ کرنے والے لوگ ہیں۔ انھوں نے ان لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! تمھارے شریر ہونے کے ثبوت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ ایسے نازک حالات میں کہ تمھارے خلاف فوجیں جمع ہو رہی ہیں اور تم شکایات کے پلندے لے آئے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر مخالفین تم پر حملہ آور بھی ہو جائیں تب بھی میں اس معاملے کی تحقیق ضرور کروں گا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ایسے حالات میں کوفہ روانہ کیا کہ لوگ عجمیوں سے مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے اور عجمی بھی مسلمانوں کے خلاف پوری طرح تیار تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے انسپکٹر جنرل کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور اس حالت میں پورے کوفہ کا چکر لگایا کہ مختلف شہروں سے اسلامی افواج کے قافلے نہاوند پہنچ رہے تھے۔ انھوں نے سعد رضی اللہ عنہ کو ساتھ رکھ کر اعلانیہ طور پر کوفہ کی تمام مساجد کا دورہ کیا کیونکہ مسئلہ کی

[1] تاريخ الطبري: 5/103.

نوعیت خفیہ تحقیق والی نہیں تھی۔ [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس طریقۂ کار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی ذمہ دار یا صاحبِ منصب کی شکایت کا ازالہ کس طرح کرتے تھے۔ اعلانیہ تحقیق ہوتی تھی۔ عامل اور شکایت کرنے والے آمنے سامنے ہوتے تھے اور معاملے کی پوری چھان پھٹک کی جاتی تھی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ہر مسجد میں جا کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کرتے۔ لوگ جواب دیتے تھے: ہم تو سعد رضی اللہ عنہ کو بہت اچھا سمجھتے ہیں۔ ہم انھیں تبدیل کرانا نہیں چاہتے۔ نہ ہم ان میں کوئی نقص نکالتے ہیں، نہ کسی شریر کی مدد کرتے ہیں۔ صرف چند لوگ جو جراح بن سنان کے حامی تھے، انھوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کی اور اعلانیہ کسی شر کا اظہار نہیں کیا کیونکہ ان کے پاس ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں تھا جس کی بنا پر سعد رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی کا موقع میسر آتا۔ وہ جان بوجھ کر سعد کی اچھائی کے بارے میں خاموش تھے۔ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ بنوعبس کے پاس پہنچے تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی سعد رضی اللہ عنہ کے خلاف حق گوئی سے کام لینا چاہے تو پوری آزادی سے اپنی شکایت پیش کرے۔ یہ سن کر اسامہ بن قتادہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر آپ نے ہمیں قسم دی ہے تو سنیے: سعد (رضی اللہ عنہ) منصفانہ تقسیم نہیں کرتا، رعایا میں عدل نہیں کرتا، جنگ میں حصہ نہیں لیتا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر فرمایا: اے اللہ! اگر اس شخص نے یہ باتیں افترا پردازی، ریاکاری اور شہرت کی خاطر کہی ہیں تو اسے اندھا کر دے، اس کے عیال کو زیادہ کر دے اور اسے گمراہ کن فتنوں میں مبتلا کر دے۔ ایسا ہی ہوا۔ وہ شخص اندھا ہو گیا۔ اس کے ہاں دس (10) بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ وہ جہاں کسی عورت کے بارے میں سنتا وہاں جا پہنچتا اور چھیڑ خوانی کرتا۔ جب لوگ اس کی گوشمالی کرتے تو وہ کہتا: دَعْوَةُ سَعْدٍ

---

[1] تاریخ الطبري:5/103.

الرَّجُلِ الْمُبَارَكِ ''مجھے بابرکت آدمی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی ہے۔''

مذکورہ شخص کو بددعا دینے کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ شکایت کرنے والے دیگر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اللہ! اگر یہ لوگ جھوٹ اور غرور کے سبب شاکی ہوئے ہیں تو انھیں سخت آزمائش میں ڈال دے۔ ایسا ہی ہوا۔ یہ سب لوگ انتہائی سخت مصائب میں گرفتار ہو گئے۔ ساباط میں حسن بن علی پر اچانک حملہ ہوا۔ حملے کے وقت جراح تلواروں کا نشانہ بنا۔ قبیصہ کا سر پتھر سے کچل دیا گیا، اربد ایڑی والے جوتوں کی ضرب سے ہلاک ہوا۔

اس پورے قصے میں اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے مخلص اولیاء کی مثالی زندگی کا نمونہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ظالموں کے خلاف بددعا کی جو قبول ہوئی اور سب ظالم ہلاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ان جیسے متقی پرہیزگار اولیاء اللہ کی دعائیں قبول ہونا ان لوگوں کے اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق کا ثبوت ہے۔

بہت سے باطل پرست ہیں جو اولیاء اللہ کے پاس موجود ایسے روحانی ہتھیاروں سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں۔ وہ تمام مادی وسائل کی فراوانی کے باوجود نہ ان سے بچ سکتے ہیں، نہ ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا: لوگو! میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے ایک مشرک کا خون بہایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اپنے ماں باپ فدا کرنے کا اظہار فرمایا تھا اور یہ الفاظ مبارک مجھ سے پہلے کسی کے لیے نہیں فرمائے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس سے مراد یہ تھی کہ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: «اِرْمِ يَا سَعْدُ! فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي» ''اے سعد! تیر پھینک تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔'' اور میں اس وقت مسلمان ہوا جب مجھ سے پہلے چار آدمی مسلمان ہوئے تھے اور اِدھر بنو اسد یہ خیال کرتے ہیں کہ میں نماز صحیح ادا نہیں کرتا اور شکار

سے دلچسپی رکھتا ہوں۔

اپنی تحقیق مکمل کرنے کے بعد حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ان لوگوں کو ساتھ لے کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور ان کے سامنے مکمل رپورٹ پیش کر دی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے سعد! تعجب ہے، تم کس طرح نماز پڑھتے ہو؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں پہلی دو رکعت لمبی اور بعد والی دو رکعت چھوٹی پڑھتا ہوں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا بھی تیرے متعلق یہی خیال تھا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر احتیاطی تدابیر کا مسئلہ نہ ہوتا تو ان کوفی لوگوں کا انجام واضح تھا، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: کوفہ میں اس وقت تمھارا نائب کون ہے؟ انھوں نے عرض کیا: عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اسی وقت وہاں کا مستقل گورنر مقرر کر دیا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ اگر احتیاطی تدابیر کا مسئلہ نہ ہوتا تو ان کوفی لوگوں کا انجام واضح تھا، اس بات کی دلیل تھی کہ ان کوفی لوگوں کی حقیقت عیاں ہوگئی تھی کہ یہ ظالم اور عاقبت نااندیش لوگ تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے لگائے گئے اتہام سے بری ہو چکے تھے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ امت کو کسی بھی ممکنہ فتنے سے بچایا جائے کیونکہ مملکتِ اسلامیہ اپنی وسعت کے ابتدائی دور میں تھی، لہٰذا کوئی بھی معاملہ لوگوں کے درمیان انتشار و افتراق کا سبب بن سکتا تھا اور نوبت باہمی جنگ و جدل تک پہنچ سکتی تھی۔

جب مدعٰی علیہ لگائی گئی تہمت سے بری ہو جائے تو یہ اتہام اسے معیوب نہیں کر سکتا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر لگائی گئی تہمت سے بری قرار پائے تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مناصبِ حکمرانی کو غنیمت سمجھنے کی بجائے ایک بوجھ اور ذمہ داری خیال کرتے تھے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کے اُمیدوار ہوتے تھے۔

[1] تاريخ الطبري: 5/104.

کوئی بھی متقی آدمی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اور آخرت کے ثواب کا متمنی ہو وہ مسلمانوں کے کسی بھی معاملے کی ذمہ داری کو عمل صالح کا درجہ دیتا ہے۔ جب کسی ذمہ داری کا معاملہ کسی فتنے کا سبب بن رہا ہو تو حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا تسلسل ختم کر دیا جائے جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ اس جیسے اور بھی واقعات پیش آئے۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس مدینہ ہی میں روکا، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خصوصی مشیروں میں شامل ہو گئے۔ [2]

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں میں شمار فرمایا تھا جنھیں انھوں نے اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا تھا: میں نے سعد رضی اللہ عنہ کو کسی عیب کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا بلکہ مجھے صرف یہ خوف تھا کہ مبادا سعد رضی اللہ عنہ کسی سازش کا شکار ہو جائیں۔ [3]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خلاف اہلِ مصر کی شکایات

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی انتہائی دور اندیشی سے نہایت کڑی نگرانی کرتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مصر کے بہت سے معاملات میں دخل اندازی کرتے تھے۔ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک منبر بنوایا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے ایک منبر بنوایا ہے۔ اس پر چڑھ کر تم لوگوں کی گردنوں سے بلند ہونا چاہتے ہو۔ کیا تمھارے لیے اتنا کافی نہیں کہ تم کھڑے ہو کر خطاب کرو اور لوگ تمھاری ایڑھی کے پاس ہوں؟ میں حکم دیتا ہوں کہ منبر فوراً توڑ ڈالو۔ [4]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کڑی نگرانی کی وجہ سے ہمیشہ محتاط رہتے تھے۔ وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت سے خوب واقف تھے۔ لوگوں کے درمیان

---

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 222/11. [2] دور الحجاز في الحياة السياسية، ص: 257.
[3] تاريخ الطبري 225/5. [4] فتوح مصر و أخبارها، ص: 92.

انصاف قائم کرنے اور شرعی حدود کے نفاذ کے بارے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مزاج اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے پہنچنے والی خبریں خوشگوار ہوں۔

ایک دفعہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن اور ان کے علاوہ ایک اور شخص نے لاعلمی کے سبب شراب پی لی، پھر وہ دونوں ازخود عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اپنے آپ پر حد نافذ کرنے کی درخواست کی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹ کر واپس بھیج دیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: اگر آپ حد جاری نہیں کریں گے تو میں اپنے باپ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر کر دوں گا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر میں نے ان پر حد جاری نہ کی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہوں گے اور مجھے معزول کر دیں گے، چنانچہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو لوگوں کے سامنے کوڑے لگوائے، پھر انھیں گھر کے اندر جا کر ان کا سر مونڈھنے کا اہتمام کیا، حالانکہ اصل سزا یہ تھی کہ سر مونڈھنا اور کوڑے مارنا، یہ دونوں عمل سرعام ہونے چاہییں تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع مل گئی۔ انھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فوراً خط لکھا۔ اس میں انھیں مجرموں کا سرعام سر نہ مونڈھنے پر سخت سرزنش کی گئی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا: تم نے عبدالرحمٰن کو اپنے گھر کے اندر لے جا کر سزا دی۔ تم خوب جانتے ہو، یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ عبدالرحمٰن بھی تمھاری رعایا کا ایک فرد ہے۔ تمھیں اس سے عام لوگوں جیسا سلوک کرنا چاہیے تھا لیکن تم نے اسے امیر المومنین کا بیٹا خیال کیا۔ تمھیں علم ہے کہ میرے نزدیک اللہ کے لیے واجب حقوق میں سے کسی بھی حق میں کسی فرد کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے۔[1]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی گورنری کے زمانے میں ان کے خلاف بہت سی شکایات کی گئیں۔ ان میں سے بعض شکایات فوجیوں اور بعض مصری قبطیوں کی طرف سے تھیں۔ ان

[1] تاریخ المدینة: 3/841.

شکایات کے باعث سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کئی مرتبہ انھیں مدینہ طلب فرمایا اور انھیں سرزنش فرمائی بلکہ بعض اوقات انھیں سزا بھی دی۔ اس کی مشہور مثال وہ قصہ ہے جس میں ایک مصری نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے خلاف شکایت کی کہ اس نے مجھے ناجائز طور پر کوڑے مارے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے دونوں کو طلب کر لیا اور مصری کو عمرو کے بیٹے سے قصاص لینے کا حکم دیا اور فرمایا: اگر تو اس کے باپ کو مارتا تو میں تیرے اور اس کے درمیان حائل نہ ہوتا، پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنا وہ ابدی اور شہرہ آفاق مقولہ ارشاد فرمایا: «مَتَى اسْتَعْبَدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا؟» ''تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا رکھا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد جنا ہے؟''[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایت ہی کے سلسلے میں ایک قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک مجاہد کو منافق کہہ دیا۔ یہ بات سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ انھوں نے فوراً لکھا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر لازم ہے کہ وہ کھلی کچہری لگائیں اور اس دعوے کا جواب پیش کریں، ورنہ انھیں کوڑے لگائے جائیں۔ گواہی سے ثابت ہو گیا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسے نفاق سے متہم کیا تھا۔ بعض لوگوں نے کوشش کی کہ متہم مجاہد انھیں کوڑوں کی سزا معاف کر دے اور دیت قبول کر لے لیکن اس نے انکار کر دیا، چنانچہ جب وہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوڑے مارنے کے لیے مستعد ہوا تو اس نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آج کوئی تمھیں میرے کوڑوں کی ضرب سے بچا سکتا ہے؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ تم حکم کے مطابق مجھے کوڑے مارو۔ تو اس نے کہا: نہیں، میں آپ کو نہیں ماروں گا۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کرتا ہوں۔[2]

---

[1] الولاية على البلدان: 81/1. [2] تاريخ المدينة: 808,807/3، اس کی سند منقطع ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے خلاف اہلِ بصرہ کی شکایات

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا۔ وہ نہایت بلند آہنگ، بڑا بہادر اور دشمن پر ٹوٹ پڑنے والا مرد مجاہد تھا۔ جب غنیمت کا مال آیا تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے مکمل حصہ دینے کی بجائے تھوڑا حصہ دیا۔ اس آدمی نے کہا کہ میں تو پورا حصہ لوں گا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسے بیس کوڑے لگوائے اور اس کا سرمنڈھوا دیا۔ اس شخص نے اپنے منڈھے ہوئے بال اکٹھے کیے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑا۔ جب وہاں پہنچا تو جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے اپنے بال نکالے اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سینے پر دے مارے اور کہا: اللہ کی قسم! اگر آگ نہ ہوتی (تو میں کیا کچھ کر گزرتا)۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اس نے سچ کہا۔ اگر آگ نہ ہوتی۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں بلند آواز اور دشمن پر ٹوٹ کر حملہ کرنے والا سپاہی ہوں۔ ابوموسیٰ نے مجھے مال غنیمت کا مکمل حصہ دینے سے انکار کیا۔ مجھے بیس (20) کوڑے مارے اور میرا سر مونڈھ دیا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے کوئی قصاص لینے والا نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر سب لوگ اس جیسے دلیر ہو جائیں تو وہ مجھے آنے والے تمام مالِ فے سے زیادہ عزیز ہیں۔ اسی وقت انھوں نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا: السلام علیک، اما بعد: مجھے فلاں شخص نے خبر دی ہے کہ تم نے اس کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا ہے۔ اگر یہ کام تم نے سرعام کیا ہے تو میرا حکم ہے کہ تم سرعام بیٹھو اور اسے قصاص دو۔ اور اگر علیحدگی میں کیا ہے تو علیحدگی میں قصاص دو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل کی اور اس شخص کو قصاص دینے پر راضی ہو گئے۔ وہ شخص حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کوڑے مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ لوگوں نے کہا: ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دو۔ اس نے کہا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! میں انھیں کسی کی سفارش پر

نہیں چھوڑوں گا۔ جب ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ قصاص دینے کے لیے فرش پر آ بیٹھے تو اس شخص نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا: اے اللہ! میں اسے معاف کرتا ہوں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو تیزی سے آتے دیکھا تو فرمایا: یہ شخص ہماری طرف ہی آرہا ہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ بٹھایا اور قضائے حاجت کے لیے چلے گئے، پھر واپس آکر اس سے ملے وہ آدمی رونے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: تیرا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں نے شراب پی لی تھی۔ مجھے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے مارا، چہرہ کالا کر دیا اور لوگوں میں گھمایا۔ اور لوگوں کو میرے ساتھ کھانے پینے اور پاس بیٹھنے سے منع کر دیا۔ میرا ارادہ تھا کہ یا تو میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو تلوار سے مار ڈالوں یا آپ کے پاس آؤں۔ آپ مجھے شام کی طرف بھیج دیں جہاں مجھے کوئی جاننے والا نہیں یا پھر میں دارالحرب، یعنی شرک کی سرزمین میں چلا جاؤں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ باتیں سن کر رو دیے۔ فرمایا: مجھے یہ کسی صورت پسند نہیں کہ تو شرک کی سرزمین میں چلا جائے۔ اگر تو نے شراب پی ہے تو جاہلیت میں بہت سے لوگوں نے شراب پی ہے، پھر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ فلاں شخص میرے پاس آیا اور اس نے اپنا ماجرا بیان کیا۔ جب تمھارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو فوراً لوگوں کو حکم دو کہ وہ اس کے ساتھ بیٹھیں، اس سے علیحدگی اختیار نہ کریں۔ اگر یہ توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کر، پھر اسے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جوڑا اور دو سو (200) درہم عطا فرمائے۔[2]

یہی بات ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا: مجھے فلاں بن فلاں تمیمی نے تمھارے سلوک کی خبر دی ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے دوبارہ ایسا کیا تو میں

---

[1] محض الصواب: 467/2، اس روایت کی سند حسن درجہ کی ہے۔ [2] السنن الکبریٰ للبیهقي: 214/10، و محض الصواب: 552/2، اس روایت کی سند حسن درجہ کی ہے۔

تمھارا چہرہ کالا کروں گا اور تمھیں لوگوں میں گھماؤں گا۔ اگر تم میری بات کی تصدیق کرنا چاہو تو ذرا دوبارہ اس طرح کر کے دیکھو۔ لوگوں کو فوراً حکم دو کہ وہ اس کے ساتھ مل بیٹھ کر کھائیں پئیں اور اس کی ہم نشینی اختیار کریں۔ اگر یہ شخص توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کرو، پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ایک جوڑا، سواری اور دو سو (200) درہم مرحمت فرمائے۔[1]

اس قصے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار و اعلان کیا گیا ہے کہ ان کا کوئی عامل نافرمانوں کو شرعی سزاؤں سے بڑھ کر کوئی سزا نہ دے۔[2]

سیدنا سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے خلاف اہلِ حمص کی شکایت

حضرت خالد بن معدان فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حمص میں سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ کو ہمارا گورنر مقرر فرمایا۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ حمص تشریف لائے تو دریافت فرمایا: اے حمص والو! تمھارے گورنر کا کیا حال ہے؟ یہ سنتے ہی حمص والوں نے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایات شروع کر دیں۔ شکایات کے معاملے میں حمص کو چھوٹا کوفہ کہا جاتا تھا۔ اہلِ حمص نے کہا: ہمیں ان سے چار شکایات ہیں: سعید ہمارے پاس دن چڑھے پہنچتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تو بہت بڑی کوتاہی ہے۔ دوسری کون سی شکایت ہے؟ انھوں نے کہا: یہ رات کو کسی کی بات نہیں سنتے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بھی بڑی کوتاہی کی بات ہے۔ تیسری کون سی شکایت ہے؟ انھوں نے کہا: یہ مہینے میں ایک دن ہمارے پاس بالکل نہیں آتے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بھی بڑی کوتاہی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: علاوہ ازیں چوتھی کونسی شکایت ہے؟ انھوں نے کہا: ان پر غشی کا دورہ پڑ جاتا ہے اور یہ اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ اور شکایت کرنے والوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور فرمایا: اے اللہ! آج کے دن سعید رضی اللہ عنہ کے بارے میں میری رائے غلط ثابت نہ ہونے دے، پھر مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔

---

[1] صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 134، اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ [2] صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 133.

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شکایت کرنے والوں سے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے روبرو فرمایا: تمھاری سعید رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا شکایت تھی؟ انھوں نے کہا: یہ دن چڑھے ہمارے پاس پہنچتے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سعید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمھارا کیا جواب ہے؟ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں اس کا سبب بتانا پسند نہیں کرتا تھا۔ درحقیقت میری اہلیہ کا کوئی خادم نہیں ہے۔ میں خود آٹا گوندھتا ہوں جب اس میں خمیر آجاتا ہے تو روٹی پکاتا ہوں، پھر وضو کرتا ہوں اوران کے پاس آجاتا ہوں۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شکایت کرنے والوں سے دوبارہ فرمایا: بتاؤ اور کیا شکایت تھی؟ انھوں نے کہا: یہ رات کو ہماری بات نہیں سنتے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بتاؤ، کیا جواب ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں اس کا سبب بتانا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ درحقیقت میں نے اپنا دن ان لوگوں کے لیے اور رات اپنے اللہ کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ پھر لوگوں سے مخاطب ہوئے، فرمایا: تمھیں مزید کیا شکایت تھی؟ انھوں نے کہا: یہ مہینے میں ایک دن ہمارے پاس نہیں آتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے جواب طلب فرمایا تو انھوں نے عرض کیا: میرا کوئی خادم نہیں جو میرے کپڑے دھوئے، نہ میرے پاس موجودہ کپڑوں کے علاوہ اور کپڑے ہیں۔ میں خود ہی کپڑے دھوتا ہوں، سوکھنے کا انتظار کرتا ہوں، پھر شام کے وقت ان کے پاس آتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے مزید شکایت دریافت فرمائی۔ انھوں نے کہا: یہ اچانک بے ہوش ہو جاتے ہیں اور حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے اس بات کی بھی جواب طلبی کی۔ انھوں نے کہا: دراصل میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مکہ میں سولی دیتے وقت وہاں موجود تھا۔ مشرکین نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جسم کے ٹکڑے کر دیے تھے اور جب ان کو سولی پر بلند کیا تھا تو کہا تھا: اے خبیب! کیا تجھے پسند ہے کہ اس وقت تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا تھا: اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ اپنے گھر میں اپنے بال بچوں کے ساتھ خوش رہوں جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مقدس میں ایک کانٹا

بھی چبھے، پھر اس نے بلند آہنگ نعرہ لگایا: اے محمد ﷺ! مجھے جب بھی وہ دن یاد آتا ہے میں کانپ اٹھتا ہوں، حالانکہ ان دنوں میں مشرک تھا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا تھا لیکن بحیثیت انسان میں نے خبیب رضی اللہ عنہ کی کوئی مدد نہیں کی۔ اس بے حسی پر مجھے یہ گمان گزرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ کو کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔ اس کے نتیجے میں مجھ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس معبود برحق کے لیے ہیں جس نے سعید رضی اللہ عنہ کے بارے میں میری رائے کو غلط ثابت نہیں کیا، پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ہزار (1000) دینار ارسال فرمائے اور تاکید کی کہ اپنے حالات کو بہتر بنانے میں اس رقم سے مدد لو۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے وہ تمام دینار فی سبیل اللہ خرچ کر دیے۔ [1]

رعایا کا مذاق اڑانے پر معزولی

قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری آدمی کو حیرہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ وہ وہاں اہل حیرہ کے سردار عمرو بن حیان بن بقیلہ کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ عمرو بن حیان نے اس کی چاہت کے مطابق کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ وہ انصاری گورنر اس سے مذاق کرنے لگا۔ اسے بلایا اور اپنے ہاتھ اس کی ڈاڑھی سے صاف کیے۔ عمرو بن حیان کو بڑا غصہ آیا۔ وہ سیدھا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔ عرض کیا: اے امیر المومنین! میں نے کسریٰ و قیصر کی خدمت کی ہے لیکن جتنا برا سلوک آپ کی خلافت میں میرے ساتھ ہوا اتنا وہاں بھی نہیں ہوا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیسا سلوک؟ اس نے عرض کیا: آپ کا فلاں گورنر میرے پاس آیا۔ ہم نے کھانے اور مشروبات سے اس کی خوب تواضع کی مگر اس نے مجھ سے مخول کیا اور میری ڈاڑھی سے ہاتھ صاف کیے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بلا بھیجا۔ وہ پہنچا تو دریافت فرمایا: ماجرا اسی طرح ہے کہ اس نے تیری خواہش

[1] حلية الأولياء:1/245، وأخبار عمر، ص:152.

کے مطابق تجھے کھانا اور مشروبات پیش کیے، پھر تو نے اس کی ڈاڑھی سے ہاتھ صاف کیے؟ اللہ کی قسم! اگر یہ ڈاڑھی سنت نہ ہوتی تو میں تیری ڈاڑھی کا ایک بال بھی نہ چھوڑتا، اسے اکھاڑ پھینکتا۔ لیکن اب تو چلا جا، اللہ کی قسم! تو اب کبھی بھی میرا عامل نہیں بن سکے گا۔ [1]

عہد عمر رضی اللہ عنہ میں حکام کو دی جانے والی سزائیں

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اپنے عمّال کی کڑی نگرانی کے نتیجے میں عمّال کی بہت سی کوتاہیاں سامنے آئیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خطاؤں کی وجہ سے انھیں سزا دینے اور تادیبی کارروائی کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ موقع محل کی مناسبت سے ہر خطا کار عامل کو مناسب سزا سنائی۔ ان سزاؤں میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

قصاص اور دیت

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے: خبردار! میں نے اپنے عمّال کو لوگوں کی جان اور مال کا دشمن بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ یہ لوگوں کو دین اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکھلائیں۔ اگر کوئی عامل اس فرض سے ہٹ کر کوئی غلط اقدام یا ناروا سلوک کرے تو متاثرہ آدمی میرے پاس آجائے، میں اسے اس عامل سے قصاص لے کر دوں گا۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ رسمی بیانات کے قائل نہیں تھے۔ انھیں کسی حالت میں کسی پر ظلم گوارا نہیں تھا۔ انھوں نے تحقیقات کے بعد خطا ثابت ہونے پر عمّال کو سزائیں دیں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے واقعات اس حقیقت کی واضح مثال ہیں۔ [3]

برطرفیاں

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد حکّام کو اس لیے معزول کر دیا کہ وہ غیر پسندیدہ سرگرمیوں میں

---

[1] تاریخ المدینة: 813/3، یہ روایت صحیح ہے، والفاروق الحاکم العادل، ص: 11. [2] السنن الکبریٰ للبیہقي: 48/8، و الولایة علی البلدان: 127/2، والأموال لأبي عبید قاسم بن سلام: 64,63.
[3] الولایة علی البلدان: 127,126/2.

ملوث پائے گئے تھے۔ انھوں نے ایک سپہ سالار کو اس لیے برطرف کر دیا کہ جب اسے امیر بنا کر بھیجا گیا تو وہ بے مقصد باتوں میں مصروف ہو گیا۔ اس نے عوام میں اعلان کیا کہ میں حکم دیتا ہوں کہ تم میں سے ہر گنہگار میرے رُوبرُو اپنے گناہ کا اعتراف کرے اور اسے آشکارہ کرے۔ لوگ اسی طرح کرنے لگے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تو فرمایا: اسے کیا ہو گیا؟ اس کی ماں نہ رہے۔ یہ شخص لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے ڈالے ہوئے پردے چاک کرنا چاہتا ہے؟ اللہ کی قسم! یہ شخص کبھی میرا عامل نہیں بن سکتا۔ ①

ایک دفعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسے عامل سے ناراض ہو گئے جس نے شراب کے اوصاف میں شعر کہے تھے، آپ نے اسے معزول کر دیا۔ ②

گورنروں کے گھروں کے بعض حصوں کی مسماری

اس سے مراد گھر کا وہ حصہ ہے جو امیر المومنین کے حکم کے برعکس تعمیر ہوا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کی تاکید تھی کہ عمّال کے گھر بغیر دروازے اور دربان کے ہوں۔ انھیں خبر ملی کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا دروازہ بنا رکھا ہے تو انھوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اس دروازے کو جلا دو۔ ③

اس دروازے کا سبب یہ تھا کہ حضرت سعد کا گھر بازار کے قریب تھا۔ بازار میں عموماً شور ہوتا تھا جو سعد رضی اللہ عنہ کے لیے اذیت ناک تھا۔ انھوں نے شور سے بچنے کے لیے گھر پر دروازہ لگا لیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہو گئی کہ سعد رضی اللہ عنہ نے گھر کے لیے دروازے کا اہتمام کیا ہے اور لوگ اس کے گھر کو محل کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ انھوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو فوراً کوفہ روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ جا کر سعد رضی اللہ عنہ کے محل کا دروازہ جلا دو اور فوراً واپس آ جاؤ۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کوفہ گئے۔ ایندھن خریدا، پھر وہ محل کے پاس پہنچے اور دروازہ جلا ڈالا۔ ④

① تاريخ المدينة: 3/818. ② السياسة الشرعية لابن تيمية، ص: 105. ③ فتوح البلدان، ص: 277، ونهاية الأرب: 8/19. ④ الإدارة الإسلامية لمجد لاوي، ص: 216.

امام ابن شبہ روایت فرماتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجاشع بن مسعود کو کسی علاقے کا منصب عطا فرمایا۔ انھیں خبر ملی کہ مجاشع کی بیوی اپنا گھر بہت سجا سنوار کر رکھتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے مجاشع کو لکھا: اللہ کے بندے امیر المومنین کی طرف سے مجاشع بن مسعود کی طرف، تجھ پر سلامتی ہو، اما بعد: مجھے خبر ملی ہے کہ خضیراء اپنے گھر کو بہت سنوار کر رکھتی ہے۔ جب تمھارے پاس میرا یہ مکتوب پہنچے تو میرا حکم ہے کہ تم اسے اس وقت تک ہاتھ سے نہ چھوڑو جب تک کہ وہ گھر کے تمام پردے چاک نہ کر ڈالے۔ جب یہ خط مجاشع کے پاس پہنچا، اس وقت ان کے پاس لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مجاشع نے خط پڑھا، لوگوں نے اندازہ لگایا کہ خط میں ان کے لیے کوئی ناپسندیدہ بات لکھی ہے۔ مجاشع نے خط ہاتھ ہی میں تھامے رکھا اور لوگوں کو ساتھ آنے کا حکم دیا۔ اللہ کی قسم! انھیں معلوم نہ تھا کہ مجاشع انھیں کس کام کے لیے لے جا رہے ہیں۔ وہ انھیں ساتھ لیے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ ان کی بیوی نے دیکھا تو چہرے ہی سے ناگواری کے اثرات محسوس کر لیے۔ انھوں نے پوچھا: تمھیں کیا ہوا ہے؟ مجاشع نے کہا: دور ہو جاؤ۔ تمھی نے مجھے اس حالت کو پہنچایا ہے۔ ان کی بیوی چلی گئی تو مجاشع نے لوگوں سے کہا: آؤ گھر میں داخل ہو جاؤ۔ سب داخل ہو گئے تو انھوں نے کہا: تم میں سے ہر آدمی اپنے قریب جو پردہ بھی لٹکا ہوا دیکھے اسے فوراً پھاڑ ڈالے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، سب پردے پھاڑ ڈالے اور زمین پر پھینک دیے۔ اس دوران میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط مجاشع کے ہاتھ ہی میں رہا۔ [1]

شام کے علاقے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے کھانے پر بلایا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے گھر میں پردے لٹکے ہوئے دیکھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ان پردوں کو چاک کرنے لگے اور ساتھ ہی فرمانے لگے: تو ہلاک ہو۔ تو دیواروں کو ایسے کپڑے پہناتا ہے! جو لوگوں کو پہناتا تو یہ کپڑے لوگوں کو گرمی اور سردی سے بچانے کے کام آتے۔ [2]

---

(1) تاریخ المدینۃ: 3/819. (2) تاریخ المدینۃ: 3/832، والولایۃ علی البلدان: 2/128.

کوڑے مارنا

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کوڑا ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ وہ اس سے لوگوں کو ادب سکھانے کے لیے مشہور تھے۔ انھوں نے اس کوڑے سے بعض خطاوار عمال کو بھی مارا۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ شام گئے تو ایک عامل کے گھر پہنچے۔ وہاں انھوں نے بڑی مقدار میں ساز و سامان پایا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے اور اس عامل کی کوڑے سے پٹائی کر دی۔ [1]

شام کے سفر کے دوران میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے عمال و حکام سے ملاقات کی۔ وہ سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ملے۔ ان تینوں حضرات کی حالت یہ تھی کہ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ انھوں نے ایسے کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے جو مجاہدین کے شایانِ شان نہ تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چند پتھر پکڑے اور انھیں مارے، پھر فرمایا: تمھاری سوچ اتنی جلدی بدل گئی۔ تم ان عمدہ کپڑوں میں ملبوس ہو کر میرے استقبال کے لیے آئے ہو۔ تم تو دو برس میں خوب پھل پھول گئے۔ انھوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! یہ صرف ظاہری سفید پوشی ہے، بلاشبہ ہمارے لباس کے اندر ہمارے ہتھیار موجود ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ [2]

عامل کے عہدے سے ہٹا کر چرواہا بنا دینا

ابن شبہ بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو شام کے علاقے کا عامل بنا کر روانہ فرمایا۔ کچھ عرصے بعد انھیں خبر ملی کہ عیاض نے وہاں ایک حمام بنوایا ہے اور کچھ لوگوں کے ساتھ ایک خاص مجلس بھی قائم کی ہوئی ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بلا بھیجا۔ وہ آیا اور اجازت طلب کی۔ اس نے 3 مرتبہ اجازت مانگی مگر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے اجازت نہ دی، پھر ایک لمبا جبا منگوایا جو صوف کا بنا ہوا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے

[1] تاریخ المدینۃ: 834/3. [2] الولایۃ علی البلدان: 129/2.

پہن لو، پھر اسے چرواہوں والا ڈنڈا پکڑایا، تین سو (300) بکریاں چرانے کے لیے دیں اور کہا: انھیں ہانکو وہ بکریاں ہانک کر دور لے گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی: واپس آؤ۔ عیاض بھاگتا ہوا واپس آیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوئی کام کرنے کا حکم دیا، پھر فرمایا: اب جاؤ۔ وہ چل دیا۔ تھوڑی دور گیا تو آواز دی: عیاض! ادھر آؤ۔ عیاض پھر آیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح اتنے چکر لگوائے کہ وہ پسینے سے شرابور ہو گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان بکریوں کو فلاں دن واپس لے کر آنا۔ عیاض مقررہ دن بکریاں لے کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کے لیے کنویں سے پانی نکالو۔ عیاض نے پانی نکالا تا آنکہ حوض بھر گیا اور بکریوں نے پانی پیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ انھیں دوبارہ ہانک کر لے جاؤ اور فلاں دن ان بکریوں کو واپس میرے پاس لے آنا۔ اس طرح عیاض نے دو یا تین مہینے مسلسل بکریاں چرائیں، پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عیاض کو طلب فرمایا اور پوچھا: اب بتاؤ تم نے حمام بنوایا اور اپنی خاص مجلس قائم کی۔ کیا آئندہ بھی اسی طرح کرو گے؟ عیاض نے عرض کیا: ہرگز نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تم اپنی ڈیوٹی پر واپس چلے جاؤ۔[1]

عیاض کو سزا دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی طبیعت کا رخ ہمیشہ کے لیے بدل گیا اور وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بہترین عمّال میں شمار ہونے لگے۔[2]

مالی احتساب

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مالی احتساب احتیاطی تدابیر کے طور پر کیا جاتا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے چند عمّال کے پاس مال میں اضافہ ہوتے دیکھا تو وہ بہت گھبرائے۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ مبادا یہ مال عمّال نے اپنے منصب کی وجہ سے حاصل کیا ہو۔[3]

[1] تاریخ المدینة: 3/818,817، والولایة علی البلدان: 2/130. [2] الولایة علی البلدان: 2/130.
[3] الولایة علی البلدان: 2/130.

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر یہ حاشیہ تحریر فرمایا ہے کہ عمال کو تجارت، مضاربت، مساقات، مزارعہ اور دوسری چیزوں میں لوگ ان سے رعایت ہی کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح کا ہدیہ ہی ہے، اسی وجہ سے عمال کا اضافہ شدہ مال میں سے نصف لیتے تھے، یہ اقدام عمال کی کسی خیانت کی سزا نہیں تھا بلکہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ علاقے کے حکّام کو اپنے معاملات میں سہولتیں میسر آجاتی ہیں۔ جبکہ وقت کا تقاضا یہی تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بڑے عادل خلیفہ تھے اور انصاف سے تقسیم کرتے تھے۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جن افراد کے اموال کا احتساب فرمایا اور ان سے مال کا ایک حصہ واپس لیا، ان میں سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ اپنے عمال کے اموال کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتے تھے۔ وہ جب انھیں کسی علاقے کا والی مقرر کرتے تو ان کے اموال کی ایک فہرست تیار کراتے تھے، پھر جو اضافہ ہوتا اس کا حساب لگاتے تھے اور بسا اوقات اس میں سے کچھ مال بحق سرکار ضبط کر لیتے تھے۔[2]

زیرِ ضرورت انھوں نے بہت سے عمال کے قریبی رشتہ داروں کا بھی مالی احتساب کیا۔ انھوں نے ابوبکرہ سے اس کا آدھا مال قبضے میں لے لیا۔ ابوبکرہ نے عرض کیا: میں تو آپ کا عامل نہیں تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرا بھائی بیت المال اور اُبلہ شہر سے حصول عشر پر مقرر تھا، تو اس سے قرضہ لے کر تجارت کرتا تھا۔[3]

زبانی اور تحریری سرزنش

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے متعدد بار اپنے عمال کو ان کے بعض تصرفات پر سرزنش فرمائی۔ انھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تو متعدد بار سرزنش کی۔ عیاض بن غنم، خالد بن ولید اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم جیسے دوسرے کئی عمال و حکّام کو زبانی طور پر سرزنش کی۔[4]

[1] مجموع الفتاوٰی: 281/28. [2] فتوح البلدان، ص: 221,220، والولایة علی البلدان: 131/2.
[3] شهيد المحراب، ص: 250. [4] الولایة علی البلدان: 131/2.

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے تحریری سرزنش کے بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ ایک دفعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک عامل کے پاس کچھ لوگ آئے۔ اس نے ان میں سے عربی النسل لوگوں کو مال دیا اور غلاموں کو محروم کر دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عامل کو لکھا: کسی کے برے ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ [1]

ان تمام تادیبی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مختلف طور طریقوں سے عمال کا ایسا زبردست محاسبہ کیا جاتا تھا کہ آج تک کی معلوم انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس دور میں دلیری اور انصاف کے اصولوں کے ساتھ عمال کا محاسبہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت امت اسلامیہ کے لیے مثالی حیثیت اختیار کر گیا۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے عمال کے درمیان پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں اظہار رائے کے مکمل مواقع فراہم کیے جاتے تھے۔ کسی بھی عامل کو خلیفۂ وقت سے کوئی خوف نہ تھا۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک جلوس کی شکل میں ان کا استقبال کیا۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فوراً اپنے گھوڑے سے نیچے اُتر گئے۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے اور کہا: امیر المومنین پر سلامتی ہو! سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب نہ دیا۔ وہ آگے چل دیے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کے پیچھے پیچھے تیز تیز چلنے لگے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ بھاری بھرکم آدمی تھے۔ چلتے چلتے ہانپنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ نے اس آدمی کو تھکا دیا۔ اس کی بات سن لیجیے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور دریافت فرمایا: اے معاویہ! کیا جلوس کے جھرمٹ میں آنے والا تو ہی تھا؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہاں، اے امیر المومنین! سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تو نے دربان بھی مقرر کر رکھا ہے کہ حاجت مند

[1] فتوح البلدان، ص: 443. [2] الولایة علی البلدان: 133/2.

لوگ تیرے دروازے پر رُک کے رہیں؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں، اے امیر المومنین! سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو ہلاک ہو، ایسا کیوں ہے؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیونکہ ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں دشمن کے جاسوسوں کی بہتات ہے۔ اگر ہم ہر وقت اسلحہ اور نفری تیار نہ رکھیں تو دشمن ہمیں کمزور سمجھے گا اور حملہ کر دے گا۔ اور ہم دربان اس لیے مقرر کرتے ہیں کہ کہیں ہماری رعایا ہمیں حقیر سمجھ کر ہمارے خلاف کوئی جرأت نہ کر بیٹھے۔ بہر حال میں آپ کا عامل ہوں۔ آپ روکیں گے تو ہم رک جائیں گے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے تجھ سے جو بھی سوال کیا تو نے اس کی وجہِ جواز بیان کر دی۔ اگر تو سچا ہے تو سمجھداری کی علامت ہے اور اگر جھوٹا ہے تو یہ ہوشیار آدمی کا فریب ہے۔ میں تجھے ان امور کا حکم دیتا ہوں نہ ممانعت کرتا ہوں، پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے حکّام پر سختی کرتے، ان کا کڑا محاسبہ کرتے اور کسی شبہ یا عامل کے بارے میں مدلل اور صحیح شکایت وصول ہونے پر اسے معزول بھی کر دیتے تھے مگر اس کے باوجود اس سے حد درجہ محبت فرماتے اور دوستی کا رشتہ قائم رکھتے تھے۔ اس رشتے کے سبب ان کے عمّال و حکّام اپنے محترم خلیفہ کے لیے اخلاص رکھتے تھے، ان کے نظریات کے نفاذ کے لیے کوشاں رہتے تھے، ان کی فیض رساں سیاست کے لیے خود کو وقف رکھتے تھے۔ تمام حکّام و عمّال کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دیانت اور عدل پر کامل اعتماد تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کسی سپہ سالار کی خبر نہ پہنچتی تو وہ بے چین ہو جاتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اضطراب انھیں ہلاک کر دے گا۔ ان پر خوف طاری ہو جاتا تھا اور وہ اپنے سپہ سالار کے لیے محبت و شفقت کی تصویر نظر آنے لگتے تھے۔

بعض بڑے معرکوں میں اپنے سپہ سالاروں اور افواج کی خبریں حاصل کرنے کے لیے وہ خود نکلتے تھے تاکہ ان کا دل سب کے بارے میں مطمئن ہو جائے۔

[1] الفاروق عمر بن الخطاب للشرقاوي، ص: 287.

بعض اوقات بڑے پرلطف واقعات پیش آتے تھے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب عمال کی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوتی تھی تو ان کی باہمی محبت کا نظارہ قابل دید ہوتا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کی فتح کے لیے چلے اور جابیہ میں پہنچے تو ان کی ملاقات دو کمانڈروں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ وہ دونوں پیدل تھے۔ وہ دونوں آگے بڑھے اور انھوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گھٹنوں کو بوسے دیے اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ ①

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی

اسلام کے دشمن نہایت کینہ پرور تھے۔ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ اُنھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آمدہ وقائع کو بیان کرنے والی روایات کا غلط مطلب نکالا اور انھیں داغدار کرنے کی کوشش کی۔ جب وہ اپنے اس مذموم مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو انھوں نے کئی روایات خود گھڑ لیں تاکہ ایسی من گھڑت روایات کو بنیاد بنا کر پڑھنے والوں کے ذہنوں میں غلط فکر داخل کی جائے اور راویوں کی منقولات اور مؤلفین کی کتب سے پیدا ہونے والے اشکالات کو ایک بنیاد فراہم کر دی جائے۔

اسلام دشمنوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ تاریخ کو داغدار کرنے کے لیے خود ساختہ روایات پھیلائیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے اسباب کا غلط مطلب نکالا، ان دونوں ہستیوں پر بے بنیاد الزامات لگائے اور اس سلسلے میں ایسی روایات کا سہارا لیا جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔ ایسی روایات ان دونوں عظیم ہستیوں کے بارے میں پاکیزہ علمی تحقیق کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ ②

① الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 151. ② أباطيل يجب أن تُمحى من التاريخ لابراهيم شعوط، ص: 123.

اب ہم آپ کے سامنے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا پورا واقعہ بے کم و کاست پیش کرتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی دو دفعہ ہوئی اور اس معزولی کے بڑے معقول اسباب تھے۔

پہلی دفعہ معزولی: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ خالد رضی اللہ عنہ کو 13 ہجری میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت کا منصب سنبھالتے ہی معزول کر دیا۔ اس معزولی کا اطلاق فوج کی قیادت اور شام کی گورنری دونوں عہدوں پر کیا گیا۔ اس معزولی کا اصل سبب یہ تھا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا عمّال و حکّام کے ساتھ جو سلوک تھا، وہ سلوک سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نہیں تھا۔ ان کی سوچ اس سلسلے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سوچ سے مختلف تھی۔ امراء اور دیگر عمّال کے ساتھ تعامل میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سوچ جداگانہ تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے عمّال اور امراء کو ریاست کے عمومی نظام کی حدود میں رہتے ہوئے تصرفات میں آزادی دینے کے قائل تھے۔ وہ ان پر صرف یہ شرط عائد فرماتے تھے کہ کوئی فرد ہو یا جماعت انھیں بہر حال کامل انصاف قائم کرنا ہوگا۔ بعدازاں وہ اس بات کی پروا نہ کرتے تھے کہ عدل کا قیام خود ان کے ہاتھ سے ہو یا اُن کے کسی والی اور امیر کے ہاتھ سے انجام پائے۔ کسی بھی علاقے کا حاکم کسی بھی اہم علاقائی مسئلے میں خلیفۂ وقت سے مشورہ کر لیتا تھا۔ وہ جزوی مسائل میں خلیفۂ وقت سے رجوع کرنے کا پابند نہ تھا، یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ جب تک رعایا میں عدل و انصاف کو قائم دیکھتے تو کسی بھی والی یا حاکم سے کوئی تعرض نہ فرماتے۔ نہ کسی مالی اور انتظامی شعبے میں کسی کا کوئی اختیار ختم کرتے۔[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ خالد رضی اللہ عنہ کو پابند کریں کہ وہ آپ کی مرضی اور مشورے کے بغیر کسی کو کوئی بکری، اونٹ یا کوئی بھی چیز عطا کرنے کے مجاز نہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم نامہ لکھ کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ارسال کر دیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے

---

[1] خالد بن الولید لصادق عرجون، ص:321-331.

جواب دیا: یا تو آپ مجھے بااختیار رہنے دیجیے ورنہ میری جگہ کسی اور کو اپنا والی مقرر فرما لیجیے۔ اس جواب پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مشورہ دیا۔[1] لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کو ان کے منصب پر برقرار رکھا۔[2]

جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو ان کی یہ سوچ تھی کہ وہ اپنے تمام امراء اور حکّام کے لیے فرائض کی ادائیگی کا ایک طریق کار خود وضع کریں اور ان پر لازم ٹھہرائیں کہ جو بھی نیا واقعہ پیش آئے اس کی خبر خلیفۂ وقت کو دی جائے۔ خلیفۂ وقت ہی اس کا حتمی فیصلہ کرے اور ہر علاقے کا والی خلیفۂ وقت کی طرف سے جاری ہونے والے احکام نافذ کرنے کا پابند ہو۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ خلیفۂ وقت کی ذمہ داری محض یہ نہیں ہے کہ وہ راست قدم اٹھائے اور اپنے حکّام کے تقرر میں انتہائی احتیاط سے کام لے کر انھیں ذمہ داریاں سونپ دے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ضروری خیال کرتے تھے کہ حکّام وعمال کی کارگزاریوں پر کڑی نظر بھی رکھی جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو لوگوں کو خطبہ دیا:

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں میرے ساتھ اور مجھے تمھارے ساتھ آزمائش میں ڈالا ہے اور میرے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد مجھے خلیفہ بنایا ہے۔ آج کے بعد میرے بغیر میرا کوئی والی ازخود کوئی فیصلہ نہیں کرے گا، نہ وہ کبھی غیر حاضر رہے گا۔ میں اس کے بارے میں امانت اور کفایت سے کام لوں گا۔ اگر میرے عمّال اچھے کام کریں گے تو میں بھی ان سے حسن سلوک سے پیش آؤں گا اور اگر وہ لوگوں سے بدسلوکی کریں گے تو میں اُنھیں سزا دوں گا۔"[3]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: تمھارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے علم کے مطابق تم پر بہترین

---

[1] البداية والنهاية: 115/7. [2] التاريخ الإسلامي: 146/11. [3] خالد بن الوليد لصادق عرجون، ص: 331.

عامل مقرر کر دوں، اسے عدل و انصاف کا حکم بھی دے دوں تو کیا میں نے اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری پوری کر دی؟ لوگ عرض کرتے: جی ہاں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے: نہیں بلکہ میں ان کی نگرانی کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ میرے حکم کے مطابق چلتے ہیں یا نہیں؟[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عمال کو اپنے طریقۂ کار کے مطابق چلانے کی کوشش کی۔ ان میں سے بعض تو راضی ہو گئے لیکن بعض حضرات نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس طریقِ کار سے اختلاف کیا۔ اختلاف کرنے والوں میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔[2]

امام مالک بن انس رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو لکھا: آپ میرے حکم کے بغیر کسی کو ایک بکری یا اونٹ دینے کے بھی مجاز نہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی وہی جواب دیا جو انھوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا تھا کہ یا تو آپ مجھے بااختیار رہنے دیں، ورنہ میری جگہ کسی اور کو عامل مقرر فرمائیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک مشورہ دیا تھا۔ اگر میں خود اس پر عمل نہ کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اللہ کے حضور جھوٹ بولا، پھر انھوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔[3]

بعد ازاں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو دوبارہ گورنری کی پیش کش کی لیکن انھوں نے پھر بااختیار ہونے کا مطالبہ کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات پر راضی نہ ہوئے۔[4]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو سیاسی نقطۂ نظر سے معزول کیا تھا۔ خلیفۂ وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ ریاست کے امور میں اپنی صوابدید کے مطابق تصرف کرے اور اس کا خود ذمہ دار بھی ہو۔ زندگی میں ایسے اُمور کا وقوع پذیر ہونا ایک قدرتی عمل تھا۔ اس میں کوئی

---

[1] خالد بن الولید لصادق عرجون، ص: 332. [2] خالد بن الولید لصادق عرجون، ص: 332.
[3] البدایة والنهایة: 115/7. [4] خالد بن الولید لصادق عرجون، ص: 332.

ایسی انوکھی بات نہیں تھی جس کے دفاع کے لیے بہت سے اسباب کا تذکرہ کیا جائے اور یہ اسباب بہت سی روایات، آراء، میلانات، خواہشات اور رجحانات سے مستنبط کیے جائیں۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسے زمانے میں خلیفہ بنے تھے جس میں ایسی شخصیات بکثرت موجود تھیں جنھوں نے مشکاۃ نبوت کی کرنوں سے براہ راست فیض پایا تھا۔ خلیفۂ وقت کو یہ حق حاصل تھا کہ فوج اور صوبائی سربراہ ایسے افراد کو منتخب کرے جو سرکاری ذمہ داری میں ان کی سیاست، نظریات اور طریقۂ کار سے متفق ہوں۔ وہ اس سلسلے میں بہتر سے بہتر فرد سے کام لینا چاہتے تھے۔ امت میں ایسے جوہر قابل کی بہتات تھی۔ کسی عامل اور حاکم کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے گورنر بنا بیٹھا رہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس عامل اور خلیفۂ وقت کے درمیان سیاسی ہم آہنگی بھی مفقود ہو۔ ایسی صورت میں ایسے فرد کی معزولی کوئی معیوب بات نہیں تھی۔

تاریخی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق یافتہ انسان تھے۔ انھوں نے اپنی سیاست اور حسن تدبیر سے بے مثال کامیابیاں حاصل کیں۔ انھوں نے عمال کو معزول کیا اور ان کی جگہ نئے عمال متعین فرمائے۔ نیا مقرر کیا جانے والا شخص معزول کیے جانے والے سے کسی صورت کم حیثیت کا حامل نہیں ہوتا تھا۔ اس کی وجہ وہ اسلامی تربیت تھی جس کی بنا پر امتِ اسلامیہ میں نہایت اعلیٰ سیاسی افراد اور قابل ترین بہادر جرنیل موجود تھے۔[1]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے معزولی کے حکم کو بسر وچشم قبول فرمایا اور بلاحیل و حجت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے زیر کمان ایک عام فوجی کی حیثیت سے جہاد میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے قنسرین کا علاقہ فتح کرا دیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے اس علاقے کا حاکم مقرر کر دیا۔ بعدازاں انھوں نے امیر المومنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ

[1] خالد بن الولید لصادق عرجون، ص:333,332.

کو اس فتح کی تفصیلات لکھیں اور اس میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کردار کی بھی پوری تفصیل لکھ بھیجی۔ اس موقع پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا وہ مشہور جملہ ارشاد فرمایا: «أَمَّرَ خَالِدٌ نَفْسَهُ رَحِمَ اللّٰهُ أَبَابَكْرٍ هُوَ كَانَ أَعْلَمَ مِنِّي بِالرِّجَالِ» ''خالد رضی اللہ عنہ نے خود کو امیر منوا لیا۔ اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ وہ لوگوں کو مجھ سے زیادہ جانتے تھے۔''[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشہور مقولے کا مطلب یہ تھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شجاعت اور جوانمردی کی داستان رقم کی اور اپنی جان کو ان خطرناک معرکوں میں جھونک دیا جن کی انھیں عادت تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے مشورہ دینے اور اس پر اصرار کرنے کے باوجود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے منصب پر برقرار رکھا کیونکہ وہ خالد رضی اللہ عنہ کی خوبیوں اور جنگی لیاقت سے خوب واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسے افراد قوموں میں خال خال ہی پیدا ہوتے ہیں۔[2]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیر امارت تقریباً 4 سال تک جہاد کیا۔ ایک دفعہ بھی ثابت نہیں کہ انھوں نے کبھی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں کوئی اختلاف کیا ہو۔ نہ خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی شکایت یا ان کے خلاف کوئی اقدام منقول ہے۔ یہ بات ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے فضل، عالی ظرفی اور ان کے اخلاق کی بلندی کا ثبوت ہے۔ وہ حسب سابق خالد رضی اللہ عنہ کا خیر مقدم کرتے تھے، ان کی قدر شناسی کا ثبوت دیتے تھے، انھیں قریب رکھتے تھے، ان سے مشورہ لیتے تھے، ان کی رائے کا احترام کرتے تھے اور اپنی امارت میں پیش آمدہ نت نئے واقعات میں خالد رضی اللہ عنہ ہی کو مقدم رکھتے تھے۔ اس حُسن سلوک کی وجہ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا دل اتنا صاف تھا کہ انھوں نے اپنے اس طرزِ عمل سے اسلامی فوج کے نامور ہیرو ہونے کا اعزاز حاصل کر لیا۔ معزولی کے باوجود دمشق، قنسرین اور فحل میں ان کا کردار ان کی بلند ترین

---

[1] خالد بن الولید لصادق عرجون، ص:321. [2] خالد بن الولید لصادق عرجون، ص:321.

رُوحانیت کا آئینہ دار تھا۔ وہ ایک حاکم ہوں یا ایک عام سپاہی، دونوں حالتوں میں وہ اللہ کی تلوار ثابت ہوئے۔ (1)

تاریخ نے ہمارے لیے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ محفوظ کر دیے ہیں جو انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو ان کی معزولی کے وقت کہے تھے: میں دنیا کی بادشاہت کا طلبگار نہیں ہوں، نہ دنیا کے حصول کے لیے محنت کرتا ہوں، بلاشبہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ عنقریب ختم ہونے والا ہے۔ ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اللہ کے احکام بجالانے والے ہیں، کسی آدمی کو اس امر سے نقصان نہیں پہنچنا چاہیے کہ اس کا دینی بھائی اس کے دین اور دنیا میں اس کا والی ہے۔ والی کو تو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت فتنے میں مبتلا ہو سکتا ہے اور غلطی کرسکتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے، سوائے اس والی کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ (2)

جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کے زیر امارت جہادی خدمات انجام دیں تو خالد رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا: ان شاء اللہ میں ضرور یہ خدمات انجام دوں گا۔ میں تو انتظار میں تھا کہ کب آپ مجھے حکم دیں اور میں تعمیل کروں۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو سلیمان! دراصل مجھے آپ سے حیا دامن گیر تھی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھ پر ایک چھوٹا سا بچہ بھی امیر بنا دیا جائے تو میں اس کا بھی اطاعت گزار رہوں گا۔ آپ تو مجھ سے پہلے ایمان لانے والے اور اسلام قبول کرنے والے ہیں، پھر فرمایا: آپ کی عظمت مسلّم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ''أمين هذه الأمة'' کا لقب عطا فرمایا تھا۔ میں آپ کی مخالفت کس طرح کرسکتا ہوں۔ میں آپ کا درجہ پاسکتا ہوں نہ آپ کی شان کے برابر ہوسکتا ہوں۔ میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے آپ کو اللہ کے راستے میں وقف کردیا ہے۔ میں آپ کی کبھی مخالفت نہیں کروں گا، نہ آئندہ

---

(1) خالد بن الوليد لصادق عرجون، ص:346. (2) خالد بن الوليد لصادق عرجون، ص:323.

زندگی میں کوئی منصب قبول کروں گا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خالی الفاظ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ اپنی بات پر عمل کرتے ہوئے فوراً اپنے ذمے لگائی گئی مہم کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔[1]

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے قول وفعل سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خالد اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے معاملات پر ہمیشہ دینی اور اخلاقی سوچ حاوی رہتی تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسلامی افواج کی سربراہی سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ وہ حاکم سے محکوم بن چکے تھے لیکن وہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کے اصول پر مضبوطی سے کاربند رہے۔[2]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اس پہلی معزولی میں ان کے اور خلیفۂ وقت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی شک یا جاہلی کینے کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کوئی شرعی حرمت پامال نہیں کی تھی۔ ان کے عدل، انصاف اور تقوے میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ ان دونوں عظیم شخصیتوں کا اپنا اپنا خاص مزاج اور اپنا اپنا جداگانہ اندازِ فکر تھا اور دونوں اپنے اپنے اصول پر چلنا چاہتے تھے۔ جب یہ صورت حال پیش آ گئی تو یہ بات بھی ناگزیر ہو گئی کہ حکمرانِ وقت کی بجائے فوج کا کمانڈر ہنسی خوشی فوج کی سپہ سالاری سے سبکدوش ہو جائے، چنانچہ وہ سبکدوش ہو گیا۔[3]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خاص توفیق حاصل تھی۔ انھوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بروقت شامی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ معرکۂ یرموک کے بعد اب حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ مصالحت، کینوں کے خاتمے، زخموں کی مرہم پٹی کرنے اور دلوں کو قریب لانے کا اصول اپنایا جائے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جب بھی مصالحت کا دروازہ کھلتا نظر آتا، وہ مصالحت ہی کی طرف مائل ہو جاتے تھے اور اگر لڑائی کے اسباب مسلط کر دیے جاتے تو وہ لڑائی سے ہرگز نہ گھبراتے۔ وہ اسی وقت مصالحت کا راستہ اختیار کرتے

[1] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 84. [2] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 84. [3] أباطيل يجب أن تمحى من التاريخ، ص: 132.

تھے جب یہ دیکھتے تھے کہ اس میں فائدہ ہے، ورنہ جنگ کی تیاری فرماتے تھے۔ شامی علاقوں کے باشندوں کو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بردبار ہونے کی وجہ سے بہت عزیز تھے۔ لوگ ان کی بات سنتے اور فوراً تسلیم کرتے تھے۔ اس لحاظ سے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو شام کا والی مقرر کرنا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ شام کے علاقے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے زیر حکومت اہم ترین حیثیت کے حامل رہے۔[1]

خالد رضی اللہ عنہ کی قنسرین سے بھی معزولی: قنسرین کے علاقے میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے معزولی کا دوسرا حکمنامہ موصول ہوا۔ یہ 17 ہجری کا واقعہ ہے۔[2]

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ خالد رضی اللہ عنہ اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے رومی شہروں پر چڑھائی کر دی ہے اور ان علاقوں کے گلی کوچوں میں داخل ہوگئے ہیں۔ انھیں وہاں سے بہت سے غنائم حاصل ہوئے۔ مختلف علاقوں سے لوگ خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ خالد رضی اللہ عنہ اشعث بن قیس کندی کو خوب جانتے تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی طرف سے دس ہزار (10,000) درہم عطا فرما دیے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے عمّال کی کوئی بات چھپی نہیں رہتی تھی۔[3]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ اس مال کے بارے میں تحقیق کریں جو خالد رضی اللہ عنہ نے اشعث رضی اللہ عنہ کو دیا ہے۔ یہ مال خالد رضی اللہ عنہ کے پاس کہاں سے آیا؟ انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو جواب طلبی کے لیے مدینہ طلب فرما لیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی خالد رضی اللہ عنہ سے جواب طلبی کی۔ سرکاری پیغام رساں کو معاملے کی تحقیق کا کام سونپا گیا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام کو اس مقدمہ میں فیصلے کی تنفیذ کا اختیار دیا گیا۔ آخر کار نتیجہ یہ سامنے آیا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے مال غنیمت سے دس ہزار (10,000) کا عطیہ دینے سے بری ہیں۔[4]

---

[1] عبقرية خالد للعقاد، ص: 154-156. [2] تاريخ الطبري: 41/5. [3] تاريخ الطبري: 42/5.
[4] خالد بن الوليد لصادق عرجون، ص: 324.

جب خالد رضی اللہ عنہ کو اپنی معزولی کا علم ہوا تو انھوں نے شام کو الوداع کہا۔ انھوں نے اپنی اس معزولی پر اظہار افسوس کیا اور فرمایا: بلاشبہ امیر المومنین نے مجھے شام کا عامل مقرر کیا۔ جب وہاں سے عمدہ گندم اور شہد وصول ہونے لگا تو مجھے معزول کر دیا۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے امیر محترم! صبر کیجیے یہ واقعہ ایک فتنہ بن جائے گا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «أَمَّا وَابْنُ الْخَطَّابِ حَيٌّ فَلَا» ''ایسا نہیں ہو سکتا کہ خطاب کا بیٹا زندہ ہو اور فتنے سر اٹھائیں۔''[1]

یہ ایک ایمانی رنگ تھا جو ان پر ہمیشہ غالب رہتا۔ ایسا رنگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسے عظیم افراد ہی کا حصہ تھا۔ مقام غور ہے کہ وہ کون سی روحانی طاقت تھی جو اس اہم ترین موڑ پر ان کے اعصاب پر حکمران تھی اور وہ کون سا الہام تھا جس نے اس قدر دانائی سے لبریز اور پرسکون جواب خالد رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری کر دیا؟ یہ صرف رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا فیضان تھا۔

جب لوگوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی زبان سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اصولوں کی مضبوطی اور نفاذ کا تذکرہ سنا تو سب مطمئن ہو گئے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ ان کا معزول شدہ لیڈر ان لوگوں سے نہیں ہے جو اپنی عظمت کے محلات فتنوں اور تخریبی بغاوتوں پر قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ایسے لوگ تو تعمیری انداز فکر کے حامل ہوتے ہیں اور اسلامی ریاست کے لیے مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اگر کبھی دنیاوی زندگانی ان کے تعمیراتی کام کو منہدم کرنا چاہے تو اپنے آپ کو اتنا عظیم بنا لیتے ہیں کہ کوئی فتنہ پرداز اور دھوکے باز انھیں اپنے دام فریب میں نہیں لا سکتا۔[2]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور امیر المومنین سے ملاقات

---

[1] خالد بن الوليد لصادق عرجون، ص:347، والكامل في التاريخ:2/156. [2] خالد بن الوليد لصادق عرجون، ص:347.

ہوئی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس طرح تصویر کشی فرمائی:

"تو نے ایسے کارنامے انجام دیے کہ کوئی دوسرا ایسا نہ کر سکا، درحقیقت لوگ نہیں بلکہ اللہ ہی سب کارنامے انجام دیتا ہے۔" [1]

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا: میں نے لوگوں کے روبرو آپ کا شکوہ کیا اور اللہ کی قسم! میرے معاملے سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟ خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ مجھے مال غنیمت سے ملنے والے حصوں کا نتیجہ ہے جو ساٹھ ہزار (60,000) درہم سے اوپر ہے، وہ آپ کو لینے کا حق ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کے سارے سامان کا تخمینہ لگایا۔ اس میں بیس ہزار (20,000) درہم ان کی طرف نکلے۔ وہ انھوں نے بیت المال میں جمع کر لیے، پھر فرمایا: اے خالد! اللہ کی قسم! بلاشبہ تو میرے لیے انتہائی معزز اور محبوب ہے اور آج کے بعد تو مجھ سے کبھی خفا نہیں ہوگا۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں کی طرف لکھا: «إِنِّي لَمْ أَعْزِلْ خَالِدًا عَنْ سُخْطَةٍ وَّلَا خِيَانَةٍ وَّلٰكِنَّ النَّاسَ فُتِنُوا بِهٖ فَخِفْتُ أَنْ يُّوَكَّلُوا إِلَيْهِ وَيُبْتَلُوا بِهٖ فَأَحْبَبْتُ أَنْ يَّعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ هُوَالصَّانِعُ وَأَلَّا يَكُونُوا بِعَرَضِ فِتْنَةٍ» "بلاشبہ میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضی یا خیانت کے سبب معزول نہیں کیا، دراصل لوگ اس کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو رہے تھے۔ میں ڈرا کہ لوگ خالد رضی اللہ عنہ ہی پر توکل کر بیٹھیں گے اور آزمائش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ میری خواہش تھی کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ہر کام انجام دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تاکہ لوگ کسی بھی فتنے سے محفوظ رہ سکیں۔" [3]

معزولی کے مختصر اسباب اور بعض علمی فوائد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت طیبہ کے مطالعے کے دوران میں ہم حضرت خالد بن

[1] تاريخ الطبري: 43/5. [2] تاريخ الطبري: 43/5. [3] تاريخ الطبري: 43/5.

ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کے مندرجہ ذیل اسباب متعین کر سکتے ہیں:

عقیدۂ توحید کی حفاظت: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد: ''لوگ خالد کے بارے میں فتنے کا شکار ہو سکتے تھے، میں ڈرا کہ مبادا لوگ صرف خالد پر توکل کر لیں اور آزمائش کا شکار ہو جائیں'' سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات سے خائف تھے کہ لوگ خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے بڑے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ وہ گمان کر بیٹھیں کہ جہاں خالد رضی اللہ عنہ ہوں وہاں فتح یقینی ہوتی ہے۔ اس طرح لوگوں کا اللہ تعالیٰ پر یقین کمزور ہو سکتا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو بتانا چاہتے تھے کہ خالد رضی اللہ عنہ لشکر میں ہوں یا نہ ہوں، مدد اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس سوچ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالص اسلامی عقیدے کی بنیاد پر اسلامی ریاست کی قیادت کر رہے تھے۔ انھوں نے اسلام دشمنوں کے خلاف تباہ کن جنگیں اسی عقیدے کی طاقت کے بل بوتے پر لڑیں اور منصور ومظفر رہے۔

اس بات کا امکان تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ جیسا عظیم سپہ سالار اپنی رعایا کے بارے میں کسی فتنے کا شکار ہو جاتا۔ وہ اپنے آپ کو قوت کے ایسے مرتبے پر فائز سمجھتا جیسے کوئی اور اس کا ہمسر ہی نہیں ہے۔ خاص طور پر اس لحاظ سے بھی کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بڑے فیاض تھے۔ مال خوب خرچ کرتے تھے اور جنگی مہارت میں لاجواب تھے۔ اس حوالے سے ان کی سوچ ان کی اپنی ذات بلکہ پوری اسلامی ریاست کے لیے باعث نقصان ثابت ہو سکتی تھی۔

بلاشبہ یہ مذکورہ بالا خیال ایک بعید احتمال تھا کیونکہ اس زمانے کے لوگوں کا امیر المومنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑا مضبوط اور مخلصانہ تعلق تھا جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگی قواعد و ضوابط میں مہارت کے ساتھ ساتھ انتہائی متقی انسان تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کے بعد اگر کسی فوجی قائد کے ساتھ ایسا ہی معاملہ پیش آجاتا تو اس صورت میں کیا طریق کار اختیار کیا جاتا، اس لیے اس قسم کے معاملے کا حل سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں ڈھونڈ لیا گیا اور قانون سازی کر دی گئی کیونکہ اس دور میں سر تسلیم خم کرنے والے عظیم سپہ سالار

موجود تھے۔[1]

کسی ایسے چھوٹے عہدیدار کی معزولی میں جو نہ تو زیادہ آزمائش میں مبتلا ہوا ہو نہ اسے شہرت ملی ہو، کسی فتنے کا اس قدر اندیشہ نہیں ہوتا جس قدر ایک عظیم قابل اور تجربہ کار سپہ سالار کے بارے میں ہوتا ہے۔[2]

شاعرِ نیل حافظ ابراہیم رحمہ اللہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے دیوان میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس احتیاط پسندی کا تذکرہ فرمایا ہے:

''کہا گیا اے فاروق! آپ نے ہمارے ساتھی کی مخالفت کی، حالانکہ زمامِ کار اہلیت کے حامل کے ہاتھ میں تھی۔''

''عمر نے کہا: میں اس کی وجہ سے مسلمانوں کے مبتلائے فتنہ ہونے سے ڈر گیا، فتنۂ نفس نے معالجین کو علاج کرنے سے عاجز کر دیا ہے۔''[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ کے مابین تالیفِ قلبی کے بارے میں اختلاف

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ تالیف قلب کا دور گزر چکا ہے، کمزور عقیدے والے کو مال اور عطیات سے سہارا دینے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب اسلام کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ضرورت ہے کہ لوگوں کو ان کے ایمان اور ضمیر کے سپرد کر دیا جائے تاکہ اسلامی تربیت مثالی اسلامی تربیت یافتہ لوگ پیدا کر سکے کیونکہ اب لوگوں کے دلوں میں ایمان مضبوط ہو چکا ہے۔ اس کے برعکس حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ ضرورت مند افراد اور وہ مجاہدین جن کی ابھی نیت خالص نہیں ان سب کی ضرورتیں پوری کرنے اور ایمان کو راسخ کرنے کے لیے اس مال سے خرچ کرنے کا تقاضا ابھی باقی ہے۔[4]

---

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين لحمدي شاهين، ص: 149. [2] عبقرية عمر، ص: 158. [3] حروب الإسلام في الشام، باشميل، ص: 566. [4] أباطيل يجب أن تمحٰى من التاريخ، ص: 134.

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ کمزور مہاجرین دوسروں سے زیادہ مال کے حق دار ہیں۔ جب جابیہ میں انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب بیان کیا تو فرمایا: میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ مال کمزور مہاجرین کو دیا جائے لیکن اس نے طاقتور لوگوں کو دے دیا۔[1]

بلاشبہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ دونوں اپنی اپنی رائے قائم کرنے میں مجتہد تھے لیکن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے باریک امور کا ادراک فرمایا جن کا خالد رضی اللہ عنہ ادراک نہ کر سکے۔[2]

بعض سیاسی امور میں خلیفہ سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اختلاف: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال کو ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اجازت حاصل کرنے کا پابند کر دیتے تھے جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ عامل کو معرکہ کے میدان میں بغیر کسی مداخلت کے کامل آزادی حاصل ہونی چاہیے اور اس پر یقین ہونا چاہیے کہ جس جگہ موجود ایک عامل جن معاملات کا مشاہدہ کر رہا ہے ان کا ادراک اس فرد کو نہیں ہو سکتا جو وہاں موجود نہیں۔[3]

دوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نئی قیادتوں، مثلاً: مثنیٰ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وغیرہ کے لیے میدان وسیع کرنا چاہتے تھے تاکہ ان نئی قیادتوں کی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکے۔ بہت سی قیادتیں اُبھر کر سامنے آئیں اور یہ یقین راسخ ہو جائے کہ قیادت چاہے کسی کے ہاتھ میں بھی ہو، مدد بہر حال اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔[4]

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی پر اسلامی معاشرے کا ردعمل: حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی پر اسلامی معاشرے نے خلیفہ کی بھرپور تائید کی اور ان کا یہ حق بسروچشم قبول کر لیا کہ خلیفہ کو کسی بھی شخص کے تقرر اور معزولی کا اختیار حاصل ہے۔

---

[1] البداية والنهاية: 115/7. [2] التاريخ الإسلامي: 147/11. [3] الخلافة و الخلفاء الراشدون لسالم البهنساوي، ص: 196. [4] أباطيل يجب أن تمحىٰ من التاريخ، ص: 134.

مروی ہے کہ ایک رات سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے، راستے میں علقمہ بن علاثہ کلابی سے ملاقات ہوئی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے علقمہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ سمجھا اور کہا: اے خالد! اس آدمی نے تجھے معزول کیا جس کے پیچھے بخل کارفرما ہے۔ میں اور میرا چچا زاد اس کے پاس اس لیے آئے تھے تاکہ اس سے کچھ طلب کریں لیکن اب اس نے تمھیں معزول کیا ہے تو ہم اس سے ہرگز کچھ نہیں مانگیں گے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ علقمہ کے دل کی بات جاننے کے لیے اسے ڈھیل دے رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ اب تیرے دل میں جو بات ہے وہ کیا ہے؟ تو علقمہ نے کہا: یہ لوگ ہم پر حکمران ہیں۔ ان کے ہم پر حقوق ہیں جو ہم ادا کرتے ہیں اور اپنے اللہ سے اجر کے طلبگار ہیں۔ صبح ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے علقمہ کی موجودگی میں خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رات کو علقمہ نے تم سے کیا کہا تھا؟ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم قسم اٹھاتے ہو؟ یہ سن کر علقمہ بھڑک اٹھا، اسے یقین تھا کہ اس نے گزشتہ رات خالد رضی اللہ عنہ ہی سے بات کی ہے۔ علقمہ نے کہا: ٹھہرو خالد! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے علقمہ کو عطیہ دیا اس کی حاجت پوری کی اور فرمایا: میری عدم موجودگی کے وقت تیرے جیسی رائے سب کی ہونی چاہیے، یعنی خلیفۂ وقت کی اطاعت۔ اور اگر کوئی میری مخالفت کرے تو مجھے بہت عزیز ہوگا۔[1]

ایک اعتراض ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ کی طرف سے بھی ہوا۔ وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا چچا زاد تھا۔ مقام جابیہ میں جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: میں تمھارے سامنے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کی وجہِ جواز بیان کرتا ہوں۔ میں نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ یہ مال کمزور مہاجرین میں تقسیم کر دے لیکن اس نے یہ مال طاقتور، زبان دراز اور بڑے مرتبے والے لوگوں کو دے دیا، چنانچہ میں نے اسے معزول کر دیا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص:151.

ان کی جگہ امیر مقرر کر دیا۔ ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ نے کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! آپ اپنی صفائی نہیں پیش کر سکے۔ آپ نے اس عامل کو معزول کیا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے مقرر فرمایا تھا، ایسی تلوار کو نیام میں ڈال دیا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے بے نیام کیا تھا اور ایسے جھنڈے کو سرنگوں کیا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے بلند کیا تھا۔ آپ نے قطع رحمی کی اور اپنے چچازاد سے حسد کا مظاہرہ کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں صبر وسکون سے سنیں اور فرمایا: تم خالد کے انتہائی قریبی عزیز ہو اور نوجوان ہو، اسی لیے اپنے چچازاد کے بارے میں ناراض ہو رہے ہو۔[1]

اس قصے سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کس قدر حلیم تھے۔ انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ کے چچازاد کو بات کرنے کا پورا موقع دیا اور کامل توجہ سے اس کی سخت باتیں سنیں۔ اس نے خالد رضی اللہ عنہ کے دفاع میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر حسد جیسے برے جذبے کی تہمت لگائی۔ اس کے باوجود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت عالی ظرفی اور بردباری سے اس کی بات سنتے رہے۔[2]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات اور بستر مرگ پر ان کی گفتگو

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ اس وقت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لبِ مرگ تھے۔ ان سے خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ لَئِنْ مَّاتَ عُمَرُ لَتَرَيَنَّ أُمُورًا تُنْكِرُهَا» ''اے ابودرداء (رضی اللہ عنہ!) اگر عمر فوت ہو گئے تو ایسے ایسے فتنے دیکھو گے جنھیں تم شدت سے ناپسند کرو گے۔'' ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میرا بھی یہی خیال ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے دل میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑے اشکال تھے۔ اب جبکہ میں مرض الموت میں مبتلا ہوں اور اللہ کا حکم آنے والا ہے، میں نے بہت سے امور پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ہر معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ

[1] السنن الكبرٰى للنسائي، حديث:8283، یہ روایت صحیح ہے، و محض الصواب:2/496، اس کی سند صحیح ہے۔ [2] صحيح التوثيق في سيرة و حياة الفاروق، ص:219.

کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ جب انھوں نے میرا مالی احتساب کیا تھا تو مجھے بڑا رنج ہوا تھا حتیٰ کہ یہ نوبت آ گئی کہ شاید ہم ایک دوسرے سے لڑ پڑتے لیکن انھوں نے یہ سلوک صرف مجھی سے نہیں کیا۔ میرے علاوہ بھی اسلام میں سبقت رکھنے والے کئی افراد کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا حتیٰ کہ ان کے محاسبے سے بدری صحابہ رضی اللہ عنہم بھی نہ بچ سکے۔ وہ مجھ پر سختی فرماتے تھے مگر وہ میرے علاوہ میرے جیسے دوسرے افراد پر بھی سختی کرتے تھے۔ میں ان کا قریبی رشتہ دار تھا لیکن میں نے دیکھا کہ وہ کسی قریبی رشتے ناتے کی پروا کرتے ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کو کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب باتیں سوچ کر عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں میرے سب شکوے ختم ہو گئے۔ وہ مجھے مسلسل طلب فرمایا کرتے تھے۔ وہ میری نگرانی کرنا چاہتے تھے۔ میں ہر دم جنگوں میں مبتلا رہتا تھا۔ حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہیں ہوتے تھے۔ بس میں اپنے مشاہدے کے مطابق مال تقسیم کر دیتا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے خلاف تھے۔[1]

وفات کا وقت قریب آ پہنچا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رو دیے۔ فرمایا: لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد میرا سب سے زیادہ محبوب عمل وہ تھا کہ سخت سردی کی رات تھی۔ میں مہاجرین کے ساتھ ایک معرکے میں شریک تھا۔ موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ میں نے ساری رات بارش میں سر پر ڈھال رکھ کر گزاری۔ ارادہ یہ تھا کہ صبح ہوتے ہی کفار پر یلغار کر دوں گا۔ اے لوگو! جہاد کو لازم پکڑو۔ میں بہت سی جنگوں میں شریک ہوا۔ میرے جسم میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جو تیر، تلوار یا نیزے کے زخم سے خالی ہو۔ اب میں اپنے بستر پر ایک اونٹ کی طرح مر رہا ہوں، بزدل لوگوں کی آنکھوں کو نیند نصیب نہ ہو۔ میں بڑے بڑے معرکوں میں شہادت کا متمنی رہا لیکن آج یہاں اپنے بستر پر مر رہا ہوں۔[2]

---

[1] خالد بن الوليد لصادق عرجون، ص: 349، والخلافة والخلفاء، ص: 198. [2] سير أعلام النبلاء: 382/1، والطريق إلى المدائن، ص: 367.

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد میری وصیت کا نفاذ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کریں۔ انھوں نے وصیت نامہ لکھا: «قَدْ جَعَلْتُ وَصِيَّتِي وَتِرْكَتِي وَإِنْفَاذَ عَهْدِي إِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ» ”میں نے اپنی وصیت، ترکہ اور اپنے کیے ہوئے وعدے کی پاسداری کی ذمہ داری سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سونپی ہے۔“ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ پڑھ کر رو پڑے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! آپ کی اور خالد رضی اللہ عنہ کی مثال اس وقت ایسی ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

لَا أُلْفِيَنَّكَ بَعْدَ الْمَوْتِ تَنْدُبُنِي وَفِي حَيَاتِي مَا زَوَّدْتَنِي زَادِي

”مرنے کے بعد میں تجھے مجھ پر آہ و بُکا کرتا ہوا نہ پاؤں، جبکہ میری زندگی میں تو نے مجھے میرا زادِ راہ عطا نہ کیا۔“[1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ کی موت کا بڑا رنج ہوا۔ خالد رضی اللہ عنہ کی چچازاد بہنیں بھی رونے لگیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: انھیں منع کیا جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انھیں مت روکو جب تک نوحہ و بین نہ کریں۔ انھیں ابوسلیمان کی موت پر رو لینے دو۔ ایسے عظیم افراد پر رونے والیاں روتی ہی ہیں۔[2]

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب اسلام میں ایسا سوراخ ہوا ہے جو بند نہ ہو سکے گا۔ مزید فرمایا: جب تک وہ زندہ رہا۔ میں نے اسے حجر کے علاقوں کا نگران مقرر کیا۔ اللہ کی قسم! وہ دشمن کے سینوں سے ٹکرانے والا اور مثالی قیادت کرنے والا آدمی تھا۔[3]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہشام بن بختری آئے۔ ان کے ساتھ بنومخزوم کے چند افراد بھی تھے۔ ہشام شاعر تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: میں نے ابوسلیمان کی ثنا خوانی کا حق ادا نہیں کیا۔ وہ مشرک اور مشرکین کو ہر دم ذلیل و رسوا کرنا چاہتا

---

① الفاروق عمر، ص: 287. ② الطريق إلى المدائن، ص: 366. ③ خالد بن الوليد لصادق عرجون، ص: 348.

تھا۔ اس کی موت پر خوشیاں منانے والا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

"جو اس گزرے ہوئے شخص کی مخالفت کرتا ہے، اس سے کہہ: وہ تو فوت ہو گیا اب تو اس جیسا کوئی اور تلاش کر۔"

"میرے بعد زندہ رہنے والے کی زندگی کا مجھے کوئی فائدہ نہیں، نہ میرے بعد مرنے والا مجھے ہمیشہ زندہ رکھ سکتا ہے۔"

پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو سلیمان پر رحمت فرمائے اس کے لیے جو انعامات اللہ کے ہاں ہیں وہ دنیاوی انعامات سے بہتر ہیں۔ اس نے فقید المثال موت اور قابل تعریف زندگی پائی۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ زمانے نے اس جیسے افراد سے کوئی رعایت نہیں کی۔ سب دنیا سے چلے گئے۔ [2]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے 21 ہجری میں شام کے علاقے حمص میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ [3]

اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کا شمار صالحین میں فرمائے۔

[1] تهذيب تاريخ دمشق: 116/5. [2] خالد بن الوليد لصادق عرجون، ص: 348. [3] تاريخ الطبري: 130/5، والقيادة العسكري، ص: 589.

باب

7
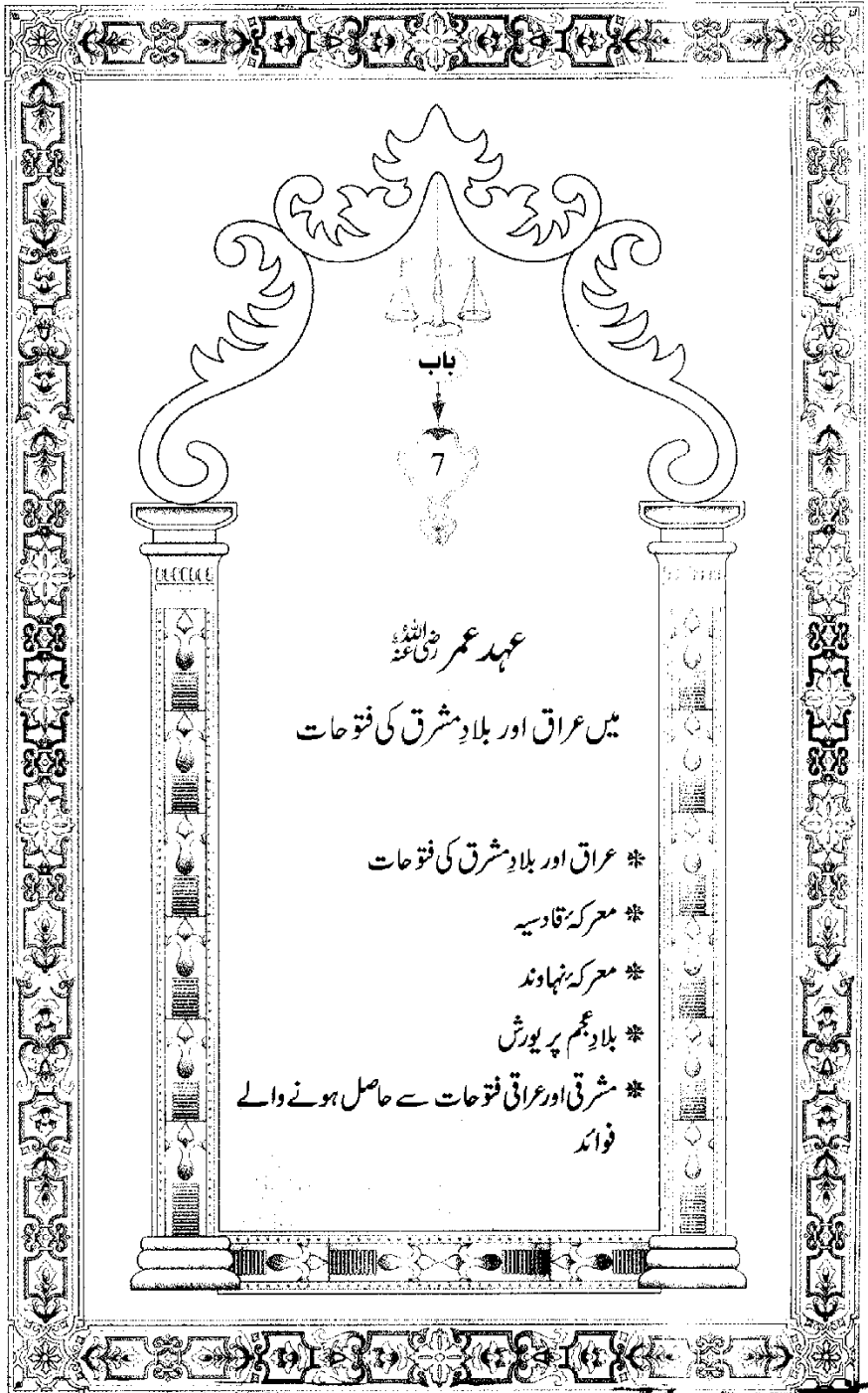
عہد عمر رضی اللہ عنہ میں عراق اور بلادِ مشرق کی فتوحات

* عراق اور بلادِ مشرق کی فتوحات
* معرکۂ قادسیہ
* معرکۂ نہاوند
* بلادِ عجم پر یورش
* مشرقی اور عراقی فتوحات سے حاصل ہونے والے فوائد

عراق اور بلادِ مشرق کی فتوحات

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دورِ خلافت میں حضرت خالد بن ولید ؓ کی زیرِ قیادت مشرقی علاقوں کی فتوحات کا پہلا دور مکمل ہو گیا تھا جس کی تفصیلات میری کتاب ''أبوبکر الصدیق ؓ شخصیته و عصره'' میں بیان کی جا چکی ہیں۔

سیدنا عمر ؓ کے دور خلافت میں ان علاقوں کی فتوحات کا دوسرا دور مختلف مراحل میں مکمل ہوا، ان کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

ابوعبید ثقفی کا بطور سپہ سالار تقرر اور مختلف معرکے

جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ وفات پا گئے اور انھیں 13 ہجری 22 جمادی الآخرہ بروز منگل دفن کر دیا گیا تو سیدنا عمر ؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ انھوں نے لوگوں کو اہلِ عراق کے خلاف جہاد میں شرکت کرنے کی ترغیب دی لیکن اہلِ عراق کے خلاف جہاد کے لیے کوئی آمادہ نہ ہوا۔ لوگ اہلِ فارس کے اثر و رسوخ اور ان کی جنگی قوت سے خائف تھے۔ سیدنا عمر ؓ نے دوسرے دن، پھر تیسرے دن بھی لوگوں کو جہاد کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا عمر ؓ کی تائید میں مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے بھی گفتگو کی اور بہت اچھی باتیں کہیں۔ انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کے ذریعے

سے بہت سے عراقی علاقے فتح کرا دیے ہیں۔ وہاں غنیمت میں بہت سا مال، جائیدادیں، سازو سامان اور کھانے پینے کی اشیاء میسر ہیں لیکن پھر بھی کوئی تیار نہ ہوا۔ چوتھے دن سب سے پہلے ابو عبید بن مسعود ثقفی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز پر لبیک کہا۔ بعدازاں لوگ پے درپے جہاد میں شرکت کے لیے تیار ہونے لگے۔[1]

ابو عبید کے بعد پہلے شخص جنھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز پر لبیک کہا سلیط بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! اہل فارس آج تک شیطانی انداز سے بلبلاتے رہے ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو اور ان تمام افراد کو جو میرے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کر دیا ہے۔[2]

حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کا لوگوں پر بڑا اثر پڑا اور وہ اہلِ فارس کے خلاف جہاد میں شرکت کے لیے تیار ہو گئے۔ لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ کسی مہاجر یا انصاری صحابی کو ان کا سپہ سالار مقرر کر دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس منصب کا اس شخص کو اہل سمجھتا ہوں جس نے میری آواز پر سب سے پہلے لبیک کہا اور اگر سلیط جنگی معاملات میں جلد باز نہ ہوتے تو میں انھیں تمھارا امیر مقرر کر دیتا لیکن اب ابو عبید امیر اور سلیط وزیر ہوں گے۔ لوگوں نے کہا: ہم ان کی سمع و طاعت کے لیے تیار ہیں۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبید کو سپہ سالار مقرر کر دیا۔ وہ صحابی نہیں تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ نے کسی صحابی کو سپہ سالار کیوں نہیں بنایا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس آدمی کو امیر مقرر کیا جس نے سب سے پہلے جہاد کی حامی بھری۔ بلاشبہ تم اس دین کی نصرت میں متقدم ہو لیکن ابو عبید نے پہل کی ہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبید کو بلایا، انھیں تقویٰ اختیار کرنے اور مسلمانوں کے لیے بھلائی اور خیر خواہی کی

---

[1] البداية والنهاية: 26/7. [2] الفتوح لابن أعثم: 164/1، والأنصار في العصر الراشدي، ص: 216. [3] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 216.

وصیت فرمائی اور حکم دیا کہ وہ ہر دم اصحابِ رسول ﷺ اور سلیط سے مشورہ جاری رکھیں۔ سلیط بن قیس کو جنگی امور کا تجربہ ہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبید ثقفی رضی اللہ عنہ کو جو نصیحتیں کی تھیں ان میں یہ باتیں بھی شامل تھیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی باتیں غور سے سننا انھیں ہر موڑ پر ساتھ رکھنا۔ جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کرنا۔ ہر معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنا۔ جنگ کے لیے بڑے متحمل مزاج آدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا آدمی موقع کے انتظار میں رہتا ہے۔ مجھے سلیط کے امیر مقرر کرنے میں صرف اس لیے تامل ہوا کہ وہ جنگی معاملات میں جلد باز ہے۔ جنگ میں کسی پیشگی منصوبہ بندی کے بغیر کوئی اقدام کرنا باعثِ نقصان ہوتا ہے۔ اگر سلیط جلد باز نہ ہوتا تو میں اسے سپہ سالار مقرر کرتا۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ایسی سرزمین کی طرف جا رہے ہو جہاں مکروفریب، دھوکا، خیانت اور تکبر پایا جاتا ہے۔ تم ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جو برائیاں کرنے پر دلیر ہے۔ انھیں صرف بُرائیاں کرنا آتی ہیں۔ وہ لوگ خیر اور بھلائی سے ناواقف ہیں۔ تم غوروفکر کرلو کہ وہاں کیا رُخ اختیار کرو گے؟ اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ راز افشا نہ کرو۔ رازدان وہ ہوتا ہے جو ہر حالت میں راز کو راز ہی رکھے، بصورتِ دیگر وہ راز دان نہیں ہوسکتا۔[3]

ابو عبید ثقفی کو وصیت کرنے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ابو عبید سے پہلے ہی عراق کی طرف کوچ کر جائے تا آنکہ ابو عبید ان کے پیچھے ان سے آن ملے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں ان افراد کو بھیجا جنھوں نے ارتداد سے توبہ کرلی تھی۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ برق رفتاری سے چلتے ہوئے حیرہ پہنچ گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عراق، فارس اور شام کے محاذِ جنگ کی مسلسل نگرانی فرماتے تھے اور بوقت

---

[1] البداية والنهاية: 26/7. [2] إتمام الوفاء في سيرة الخلفاء، ص: 65. [3] إتمام الوفاء في سيرة الخلفاء، ص: 65.

ضرورت کمک روانہ فرماتے رہتے تھے اور وہ جدید احکامات بھی جاری فرماتے تھے۔ وہ معرکوں کے لیے خود منصوبہ بندی کرتے تھے اور پھر اپنے منصوبے کے نفاذ کی نگرانی بھی کرتے تھے۔

سات ہزار (7000) کا اسلامی لشکر عراق کی طرف روانہ ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبید کو لکھا کہ وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنے والے لشکر کو بھی عراق روانہ کر دے۔ ابوعبید نے ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی زیر کمان دس ہزار (10,000) کا لشکر تیار کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت چار ہزار (4000) کا لشکر عراق کی طرف روانہ فرمایا جو کوفہ میں خیمہ زن ہوا۔

پورا اسلامی لشکر عراقی سرحدوں تک پہنچ گیا۔ اس وقت اہلِ فارس کے حالات دگر گوں تھے۔ انھوں نے بوران بنت کسریٰ کو ازرمیدخت کے بعد امیر چُن لیا تھا۔ ازرمیدخت کو انھوں نے قتل کر دیا تھا۔ بوران نے تخت پر بیٹھتے ہی بادشاہت کے جنگی امور دس سال کے لیے رستم بن فرخ زاد کو سونپ دیے تھے۔ طے پایا کہ بعدازاں بادشاہت آلِ کسریٰ کو لوٹا دی جائے گی۔ اس نے اس پیشکش کو قبول کر لیا تھا۔

رستم علم نجوم کا ماہر تھا۔ اس سے پوچھا گیا: تم نے یہ پیش کش کیوں قبول کی؟ سوال کرنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ تم نجومی ہو، تمھیں علم ہے کہ تمھیں کامیابی حاصل نہیں ہوگی تو اس نے جواب دیا: اس کا سبب لالچ اور سرداری کی محبت ہے۔[1]

معرکۂ نمارق (13ھ)

یہ معرکہ ابوعبید بن مسعود ثقفی کے محاذ جنگ پر پہنچنے اور اسلامی لشکروں کی قیادت سنبھالنے کے بعد پیش آیا۔ اہل فارس دراصل ابوعبید کو، جنھوں نے سب سے پہلے اہلِ

[1] البدایة والنهایة: 27/7.

فارس کے خلاف نبرد آزما ہونے کی ہمت کی تھی، خوفزدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ اہلِ فارس کے خلاف کامیابی اور مدد حاصل کرنے کا خواب ادھورا رہ جائے۔ انھوں نے پوری سلطنت سے ان کے خلاف طاقت جمع کی، لشکروں کو منظم کیا اور مسلمانوں کو آگے پیچھے، دائیں اور بائیں تمام اطراف سے گھیرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے سوڈان کے کسانوں کو بھی مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی اور اپنی تمام آبادیوں میں اپنے کارندے ارسال کر دیے تاکہ وہ بھی حملے کے لیے تیاری کریں۔

اہلِ فارس نے جابان کو فرات کے نشیبی علاقہ ''بہقباذ'' کی طرف اور نرسی کو کسکر کی طرف روانہ کیا اور ایک لشکر مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے بالمقابل بھیج دیا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو فوراً ہتھیار سنبھال لیے اور محتاط ہو گئے۔ کسان بھی پے در پے میدان میں آئے۔ چھوٹی چھوٹی مختلف آبادیوں کے لوگ بھی آگے بڑھے۔ ابو عبید اور مثنیٰ رضی اللہ عنہ خفان نامی جگہ میں خیمہ زن ہوئے اور اسلامی لشکر کی ترتیب کا اہتمام کیا اور نمارق میں معرکہ کارزار پیش آیا۔ اس معرکے میں زبردست خونریزی ہوئی۔ اہلِ فارس کو شکست ہوئی۔ ایرانی لشکر کے سپہ سالار جابان اور مردان شاہ گرفتار کر لیے گئے۔ یہ دونوں اہلِ فارس کے لشکر کے کمانڈر تھے، انھی کی قیادت میں یہ معرکہ پیش آیا۔[1]

وہ مسلمان فوجی جس نے جابان کو قید کیا تھا، مطر بن فضہ تمیمی تھا۔ یہ سادہ لوح شخص تھا۔ اسے جابان کے بارے میں کچھ علم ہی نہ تھا۔ جابان نے اسے دھوکا دیا۔ اسے کچھ فدیہ دیا اور خود کو چھڑا لیا اور امان حاصل کر لی، پھر اسے دوسرے مسلمانوں نے پہچان کر قید کر لیا اور اسے ابو عبید کے پاس لے آئے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابو عبید نے فرمایا: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ ایسے آدمی کو قتل کروں جسے ایک مسلمان پناہ دے چکا ہے۔ ہم سب مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر کسی ایک پر کوئی

[1] حركة الفتح الإسلامي لشكري فيصل، ص:72.

ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو وہ یکساں طور پر سب کی ذمہ داری ہے۔ لوگوں نے کہا: یہ ان کا بادشاہ ہے، یعنی لیڈر ہے؟ حضرت ابوعبید نے فرمایا: اگرچہ یہ لیڈر ہے لیکن میں غداری نہیں کرتا، لہٰذا اسے چھوڑ دیا۔[1]

حضرت ابوعبید کا یہ کردار مسلمانوں کی دریا دلی اور اپنے کیے گئے عہد کی پاسداری کا بین ثبوت ہے، یعنی ایک مسلمان فرد نے بھی کسی کو پناہ دے دی تو سب پر پناہ دینا لازم آئے گا۔ بلاشک وشبہ یہ اخلاق عالیہ ہیں جو لوگوں کے قلوب کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ دراصل جابان کو چھوڑ دینے میں بڑی حکمت پنہاں تھی، یعنی اہل فارس جب ایک دوسرے سے سنیں گے کہ مسلمانوں نے اہلِ فارس کے ایک لیڈر کو صرف اس لیے آزاد کر دیا کہ وہ ایک مسلمان فوجی سے کچھ سامان کے عوض پناہ حاصل کر چکا تھا تو وہ لوگ بلاتردد اسلام کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔

ہم مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بلند پایہ کردار بھی فراموش نہیں کر سکتے جنھوں نے بلاتردد امارت ابوعبید کے سپرد کر دی، حالانکہ وہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے بغرض جہاد سرزمینِ عراق پر قدم رکھا تھا۔ اس کی وجہ امیر المؤمنین کا حکم تھا کہ انھوں نے ابوعبید کو سپہ سالار اعلیٰ منتخب فرمایا تھا۔ وہ ایک عظیم قائد اور وفادار فوجی تھے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اسی طرح ہو چکا تھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی بحیثیت قائد یا بحیثیت عام فوجی دونوں صورتوں میں اپنی ذمہ داریاں خوب نبھائیں۔ عظیم لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔[2]

کسکر کا معرکہ سقاطیہ

معرکۂ نمارق کے بعد ابوعبید نے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا۔ یہ بھاگنے والے کسکر پہنچے۔ یہ شہر کسریٰ کی خالہ کے بیٹے نرسی کا تھا۔ نرسی نے ان آنے والے بھگوڑوں کی ابوعبید

[1] الكامل في التاريخ: 87/2. [2] التاريخ الإسلامي: 334/10.

کے خلاف مدد کی۔ ابو عبید کا ان سب کے ساتھ سقاطیہ میں ٹکراؤ ہوا۔ ابو عبید نے انھیں شکست دی اور بہت سا مال غنیمت اور کھانے پینے کا وافر سامان ہاتھ لگا۔[1]

نرسی وہاں سے بھاگ گیا۔ مسلمانوں کا اس کے لشکر اور علاقے پر قبضہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے اس کے خزانوں کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ مسلمانوں کو سب سے زیادہ خوشی ایک خاص درخت نرسیان کے حاصل ہونے کی تھی۔ نرسی ان کی نگہداشت کرتا تھا اور اس کا پھل بادشاہوں کو کھلاتا تھا۔

مسلمانوں نے اس درخت کا پھل تقسیم کر دیا۔ عام کسانوں کو بھی اس کا پھل کھلایا اور اس کا خمس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیا، اور لکھا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ کھانے کھلائے جو کسریٰ اپنے لیے خاص رکھتے تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی انھیں چکھیں اور اللہ تعالیٰ کے انعام و فضل پر اس کا شکریہ ادا کریں۔[2]

اس واقعے سے مسلمانوں کے بلند ترین کریمانہ اخلاق کا ثبوت ملتا ہے کہ انھوں نے عام کسانوں کی شان کو بلند کر دیا۔ انھیں وہ کھانے کھلائے جو کسریٰ کے بادشاہ صرف اپنے لیے مخصوص رکھتے تھے اور کسانوں کے لیے حرام سمجھتے تھے۔ اس طرح گویا مسلمانوں نے کسانوں کو پیغام دیا کہ تم اس سچے دین کو قبول کر لو جو تمھیں تمھارا صحیح مقام دے گا اور تمھارا انسانی اکرام بحال کرے گا۔[3]

ابو عبید ثقفی نے خود کسکر میں قیام کیا اور اہل فارس کی افواج کے تعاقب اور بعض بستیوں کے ان باشندوں کی سرکوبی کے لیے مسلح دستے متعین فرمائے جنھوں نے عہد توڑا تھا اور اہلِ فارس کی فوج کا ساتھ دیا تھا۔ اس فتح کے بعد مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اور بعض حکام صلح کی پیشکش لے کر حاضر ہوئے، ان میں دو سرداروں نے ابو عبید کے لیے خصوصی کھانا تیار کرایا تھا جو ان کا عمدہ ترین کھانا سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے کہا: یہ کھانا آپ

---

[1] تاريخ الطبري: 4/272. [2] تاريخ الطبري: 4/272. [3] التاريخ الإسلامي: 10/335.

کے اکرام اور مہمان نوازی کے طور پر تیار کیا گیا ہے۔ ابو عبید نے دریافت فرمایا: کیا تم نے ایسا ہی کھانا سارے اسلامی لشکر کو کھلایا ہے اور ان کی مہمان نوازی کی ہے؟ انھوں نے کہا: اتنا کھانا تو ہمیں میسر نہیں لیکن ہم تیار کر لیں گے۔ ابو عبید نے فرمایا: ہمیں اس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں جو سارے لشکر کے لیے تیار نہ کیا جائے۔ یہ جواب سن کر اہلِ فارس کے سردار خوفزدہ ہو گئے۔ بعدازاں دوبارہ کھانا لے کر حاضر ہوئے۔ ابو عبید نے فرمایا کہ کیا میں نے تمھیں خبردار نہیں کیا کہ میں وہ کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا جو میرے ساتھ موجود ان تمام سپاہیوں کو نہیں ملے گا جو تمھارے خلاف میرے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ انھوں نے کہا: جناب والا! ہر سپاہی کو اس سے بھی بہتر کھانا وافر مقدار میں اس کے گھر پہنچا دیا گیا ہے۔ جب ابو عبید کو یقین ہو گیا تو انھوں نے یہ کھانا قبول فرما لیا، خود بھی کھایا اور اس میں سے کچھ کھانا ان لوگوں کو بھی بھیجا جن کے وہ مہمان بنے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اہلِ فارس کی مہمان نوازی کے کھانے سے اپنا حصہ پہلے ہی وصول کر لیا تھا۔ انھیں یہ علم نہ تھا کہ فارس والوں نے ابو عبید کو بھی یہ لذیذ کھانا فراہم کیا ہے۔ وہ سمجھے کہ ابو عبید نے انھیں حسب معمول اپنے گھر سے کھانا بھیجا ہے، اس لیے انھوں نے یہ کھانا واپس بھیج دیا۔ ابو عبید نے وہ کھانا پھر ان کی طرف بھیجا اور فرمایا: یہ عجمیوں کا کھانا ہے اور وافر مقدار میں ہے۔ اسے کھا لو تاکہ تمھیں معلوم ہو سکے کہ تم آج تک کیا کھاتے رہے ہو اور یہ کھانا کتنا عمدہ ہے۔[1]

یہ تھا وہ طریقہ جو ایک متواضع اسلامی امیر نے اختیار کیا۔ انھوں نے پہلے دو مرتبہ عجمیوں کے کھانے کی دعوت مسترد کر دی لیکن جب تیسری مرتبہ انھیں یقین ہو گیا کہ سب کو ایسا ہی کھانا ملا ہے بلکہ اس سے بھی اچھا ملا ہے تو قبول فرما لیا اور پھر اکیلے ہی کھانے پر راضی نہیں ہوئے۔ انھوں نے اپنے میزبانوں کو بلایا اور اصرار کے ساتھ انھیں بھی شریکِ طعام کیا۔

[1] تاریخ الطبري: 4/ 273,272.

یہ لوگوں کی عزت افزائی کا مثالی مظاہرہ تھا۔ عوامی لیڈروں کو ایسا ہی بلند اخلاق ہونا چاہیے۔ اس قسم کے اعلیٰ کردار سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کس قدر جلیل القدر لوگ تھے۔ [1]

معرکۂ باروسما (13ھ)

معرکۂ سقاطیہ کے بعد کسکر اور سقاطیہ کے درمیان واقع مقام باروسما میں ایک مرتبہ پھر اہل فارس کی فوج اور اسلامی افواج مد مقابل ہوئیں۔ اہلِ فارس کے میمنہ پر نرسی، میسرہ پر اس کے دو ماموں زاد بندویہ اور بیرویہ سپہ سالار مقرر تھے۔ رستم نے ان کے لیے جالینوس کی زیر کمان مزید کمک کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ ابو عبید کو یہ خبر ملی تو انھوں نے جالینوس کی آمد سے پہلے ہی نرسی سے جنگ شروع کر دی۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اہلِ فارس شکست کھا کر بھاگے اور نرسی بھی فرار ہو گیا۔ ابو عبید نے بعدازاں مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زیرکمان اور کئی دیگر دستے نہر جور اور اس کے اطراف میں ارسال کیے جنھیں بذریعۂ صلح یا بزورِ شمشیر فتح کر لیا گیا۔ مسلمانوں نے ان پر جزیہ اور خراج لاگو کیا اور بہت سے اموالِ غنیمت ان کے ہاتھ لگے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

مسلمانوں نے جابان کی مدد کے لیے آنے والے جالینوس کو بھی شکست دی اور اس کے لشکر اور اموال پر قبضہ کر لیا۔ جالینوس بڑی ذلت اور کسمپرسی کی حالت میں واپس مدائن پہنچا۔ [2]

اہلِ فارس کے تین عظیم لشکروں کا ایک مختصر مدت میں جو عبرتناک حشر ہوا اس کے پیش نظر ممکن تھا کہ وہ ان لشکروں کو یکجا کرتے اور یکبارگی چاروں طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی عقل پر پردے ڈال دیے۔ وہ مسلمانوں سے بہت خوف زدہ ہو گئے تھے۔ ان کا ہر سپہ سالار چاہتا تھا کہ اس کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا کمانڈر مسلمانوں

---

[1] التاريخ الإسلامي: 336/10. [2] ترتيب و تهذيب البداية والنهاية للدكتور محمد صامل السُّلمي، ص: 89.

کا مقابلہ کرے اور جب مسلمان کمزور ہو جائیں تو بعد میں وہ ان پر قابو پا لے اور کامیابی کا سہرا اپنے سر سجا لے۔ ان جنگوں میں اسلامی لشکروں کی تیزی سے حرکت اور دشمنوں کی سست روی نے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچایا۔[1]

معرکۂ جسر (13ھ)

جالینوس جب مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگا تو اہلِ فارس نے ایک دوسرے کو ملامت کی۔ سب رستم کے گرد جمع ہو گئے۔ انھوں نے ایک لشکر جرار ''ذوالحاجب بہمن جادویہ'' کی زیر کمان تشکیل دیا۔ اسے کسریٰ کا عظیم جھنڈا ''درفش کاویانی'' عطا کیا گیا، اس کی چوڑائی آٹھ گز اور لمبائی بارہ گز تھی۔ اہلِ فارس اس جھنڈے کو باعث برکت خیال کرتے تھے۔ یہ جھنڈا چیتے کے چمڑے سے تیار کیا گیا تھا۔

یہ لشکر مسلمانوں کے مد مقابل خیمہ زن ہوا۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک نہر تھی۔ اس پر ایک پل تھا۔ اہلِ فارس نے پیغام بھیجا کہ یا تو تم نہر عبور کر کے ہماری طرف آ جاؤ ورنہ ہم آپ کی طرف آتے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے امیر کو مشورہ دیا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ نہر عبور کر کے ہماری طرف آ جائیں لیکن ابو عبید نے فرمایا: وہ ہم سے زیادہ موت کے شائق نہیں ہو سکتے، پھر اسلامی لشکر پل عبور کر کے اہل فارس کی فوج کے پاس جا پہنچا۔ وہاں دونوں لشکروں کے یکجا ہونے کی وجہ سے جگہ تنگ پڑ گئی بڑا خونریز معرکہ ہوا۔ اس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی تھی۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی فوج کی تعداد دس ہزار (10,000) تھی۔ سپاہِ فارس کے پاس بہت سے ہاتھی بھی تھے۔ ان ہاتھیوں کے گلے میں انھوں نے گھنٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ اس طرح یہ ہاتھی مسلمانوں کے گھوڑوں کو ڈرا رہے تھے۔ سپاہِ فارس کے جتھے جب بھی مسلمانوں پر حملہ کرتے تو ان کے ہاتھیوں

---

[1] التاريخ الإسلامي: 337/10.

جنگِ جسر
(ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا حملہ)
الجزیرہ
انبار
دریائے فرات
بغداد
گلواذی
مدائن
(طیسفون)
ساسانی سلطنت
ساباط
نہر ملک
نہر کوثی
دریائے دجلہ
باروسما
باقسیاثا
بابل
کربلا
نہر نیل
برس
نخیلہ
دریائے فرات
عیون الرہبان
نمارق
بویب
حیرہ
قادسیہ
صحرائے سماوہ
سواد عراق
سقاطیہ
دریائے فرات کی شرقی شاخ
دریائے فرات
اُلیس (سماوہ)
باروسما
باقسیاثا
جسر (پل)
اسلامی لشکر
نہر النیل
لشکر فارس
عراق

نقشہ: 1
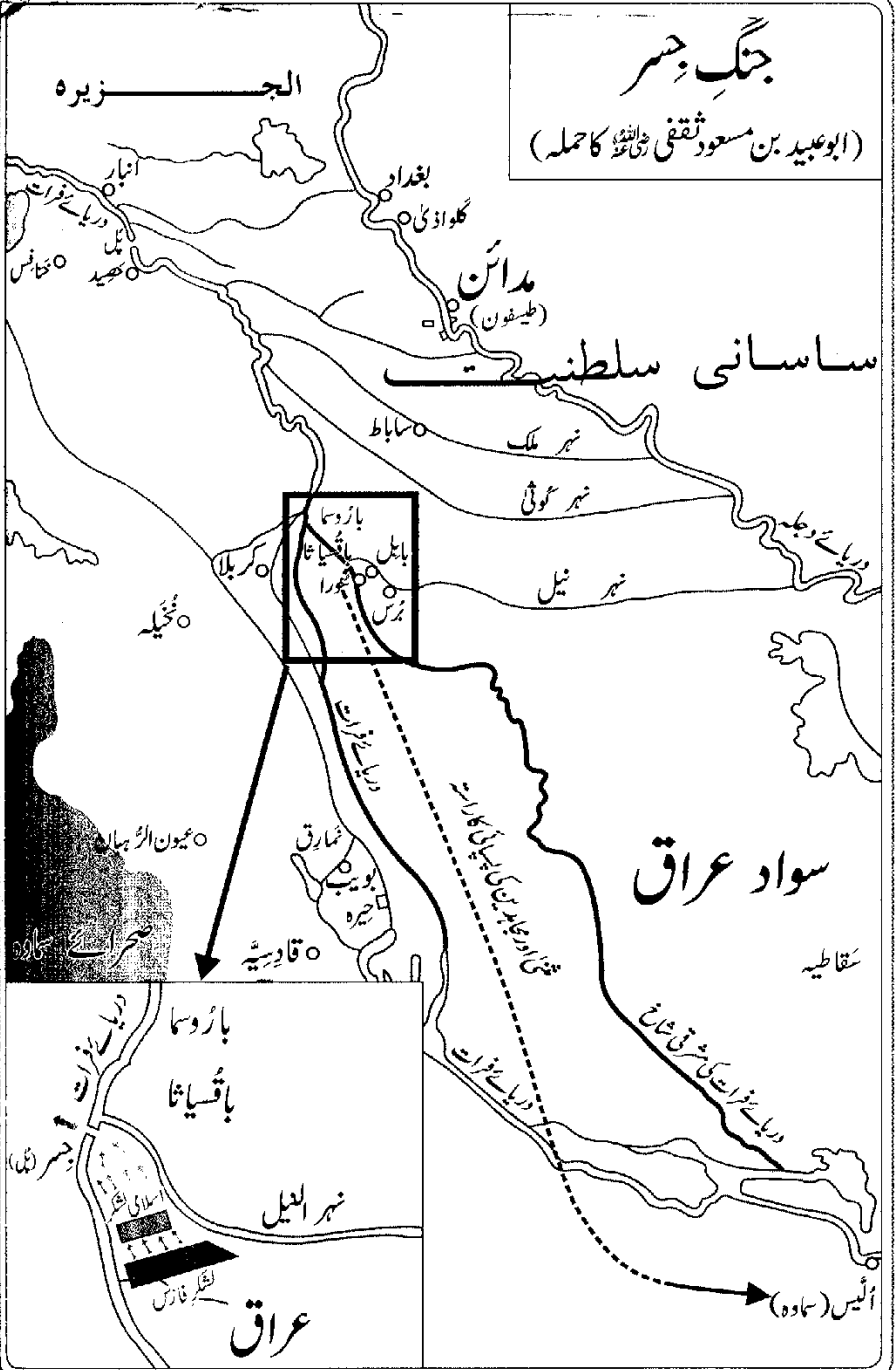
کی گھنٹیوں کی آواز سے مسلمانوں کے گھوڑے بھاگ کھڑے ہوتے۔ بس مسلمانوں کے پاس چند گھوڑے ہی باقی بچے تھے اور انھیں بڑی مشکل سے روکا گیا تھا۔ جب مسلمان افواج سپاہِ فارس پر حملہ آور ہوتیں تو اس وقت بھی مسلمانوں کے گھوڑے ہاتھیوں سے ڈر کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگتے اور سپاہِ فارس تیروں کی بوچھاڑ کر دیتی تھی۔ اس طرح بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے۔ اس کے باوجود اس معرکے میں سپاہ فارس کے چھ ہزار (6000) کے قریب فوجی مارے گئے۔[1]

مسلمانوں کے گھوڑے ہاتھیوں سے بدک کر اپنے شہسواروں کو میدان سے دور لے بھاگے۔ دشمن کے ہاتھی مسلمانوں کے درمیان گشت کر رہے تھے اور مسلمان دشمنوں پر حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ اس صورت حال میں ابو عبید اپنے گھوڑے سے اُتر پڑے اور پاپیادہ حملہ آور ہوئے۔ اپنے قائد کی اقتدا میں بہت سے مسلمان مجاہد بھی پاپیادہ حملہ آور ہوگئے اور تلواروں سے جنگ شروع ہوگئی۔ مسلمان اپنے گھوڑوں کو چھوڑ چکے تھے اور پیدل ہی فارس سپاہ کے ہاتھی اور گھڑسواروں اور پیادہ فوج کا مقابلہ کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے تیر انداز اپنے گھوڑوں کے بدکنے کی وجہ سے مجبوراً ایک طرف ہٹ گئے تھے اس خطرناک صورتحال میں اسلامی افواج نے بہادری کی فقید المثال داستان رقم کی۔ وہ دشمن کی ہر لحاظ سے برتری کے باوجود میدانِ کارزار میں ڈٹ گئے۔

اہلِ فارس کا سب سے زیادہ مہلک ہتھیار ان کے وہ ہاتھی ہی تھے جو مسلمانوں کی صفوں میں کھلبلی مچا رہے تھے۔ ابو عبید نے اپنے مجاہدوں کو حکم دیا کہ تم ہاتھیوں کے گرد جمع ہو جاؤ اور ان کے زیر بند کاٹ ڈالو اور ان پر سوار فوجیوں کو نیچے گراؤ، پھر وہ خود آگے بڑھے اور ایک سفید ہاتھی پر حملہ کر دیا۔ انھوں نے اس کا زیر بند کاٹ ڈالا۔ جس کے نتیجے میں فیلبان نیچے گر گیا۔ اب تمام مسلمان مجاہدوں نے بھی اسی طرح حملہ کرنا شروع کر دیا۔

---

[1] ترتیب و تهذیب البدایة والنهایة، ص:90۔

انھوں نے تمام ہاتھی سواروں کو نیچے گرا کر انھیں قتل کر ڈالا لیکن بذات خود یہ ہاتھی اسلامی لشکر کے لیے ایک مصیبت بنے ہوئے تھے کیونکہ سب ہاتھی تربیت یافتہ تھے۔

ابوعبید نے ان سے جان چھڑانے کی تدبیر کی۔ انھوں نے اپنے کمانڈروں سے مشورہ کیا۔ انھیں مشورہ دیا گیا اگر ہاتھیوں کی سونڈ کاٹ دی جائے تو یہ مرجاتے ہیں۔ ابوعبید نے فوراً سفید ہاتھی پر حملہ کیا اور اس کی سونڈ پر تلوار کی ضرب لگائی۔ ہاتھی نے ابوعبید کو زمین پر پٹخ دیا، پھر اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔ ابوعبید شہید ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی حکم بن مسعود نے اسلامی علم تھاما اور آگے بڑھے انھوں نے ہاتھی کو اپنے بھائی ابوعبید سے دور ہٹانے کی کوشش کی لیکن ہاتھی نے انھیں بھی روند ڈالا، پھر یکے بعد دیگرے ان افراد کے پاس کمان پہنچی جنھیں ابوعبید نے مقرر کر رکھا تھا۔ ان میں ان کے تین بیٹے وہب، مالک اور جبر بھی شامل تھے۔ مگر یہ سب شہید ہو گئے اور اسلامی لشکر کی قیادت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آ گئی۔ دن ڈھلنے کا آخری وقت آن پہنچا تھا۔ کچھ مسلمان فوجی واپس پل عبور کر کے پیچھے ہٹ گئے تھے اور میدان جنگ سے آہستہ آہستہ پسپائی بڑھتی جا رہی تھی۔ عبداللہ بن مرثد ثقفی نے یہ صورت حال دیکھی تو جلدی سے پل توڑ دیا اور اعلان کیا کہ جہاں تمھارے سپہ سالار شہید ہوئے وہاں تم بھی شہید ہو جاؤ یا کامیابی حاصل کرو۔ اس نے لوگوں کو نہر عبور کرنے سے روک دیا۔ لوگ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے انتہائی ناراض ہو کر عبداللہ بن مرثد کی پٹائی کی۔ اور پوچھا: تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا تاکہ لوگ دشمن کے خلاف ڈٹ کر لڑیں۔

عبداللہ بن مرثد کا یہ اجتہاد صحیح نہیں تھا کیونکہ پل ٹوٹ جانے کی وجہ سے بہت سے مسلمان نہر میں گر پڑے اور سپاہِ فارس کے دباؤ کی وجہ سے وہ غرق ہو گئے۔ صحیح طریقہ یہ تھا کہ باقی مسلمانوں کو بچانے کے لیے وقتی طور پر پسپائی اختیار کی جاتی۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ انھوں نے وہ پل دوبارہ جوڑنے کا حکم دیا جبکہ وہ خود اور کئی دیگر مجاہدین

دشمن کے مقابلے میں جمے رہے۔ اس طرح انھوں نے مسلمانوں کو تحفظ فراہم کیا حتی کہ سب پُل کے ذریعے نہر پار کر گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اے لوگو! ہم تمھارے پیچھے موجود ہیں، تم اطمینان سے نہر عبور کر جاؤ۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم اس وقت تک دشمن کے سامنے ڈٹے رہیں گے جب تک کہ تم پار نہ چلے جاؤ۔ پس اپنے آپ کو نہر میں ڈبو کر جان نہ گنواؤ۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ، عاصم بن عمرو اور کلج ضبی جیسے کمانڈروں نے سب سے آخر میں نہر عبور کی۔

بہمن جادویہ نے بچے کھچے مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کی کوشش کی لیکن اسے اس ارادے میں اس لیے کامیابی حاصل نہیں ہوئی کہ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے قیادت سنبھالتے ہی بڑے منظّم طریقے سے اسلامی افواج کو بچا لیا تھا۔

بلاشبہ ان مجاہدوں نے جنھوں نے اسلامی فوج کو دشمن سے تحفظ دیا، دشمن کے مقابل ڈٹے رہنے میں بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا۔ اس وقت اسلامی فوج کے پانچ ہزار (5000) افراد پیچھے ہٹتے ہوئے پل کے ذریعے سے نہر پار کر گئے جبکہ تقریباً چار ہزار (4000) مجاہدین شہید ہوئے۔ ان میں وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے جو مدینہ سے ابو عبید کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ ان پسپا ہونے والوں میں تقریباً دو ہزار (2000) فوجی واپس مدینہ چلے گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس 3 ہزار کے لگ بھگ فوجی رہ گئے۔ دوسری طرف اس کے باوجود کہ مسلمان بڑی نازک صورت حال میں گرفتار ہو چکے تھے سپاہِ فارس کے چھ ہزار (6000) آدمی مارے گئے۔ دشمن کے مقتولوں کی یہ تعداد مسلمانوں کی جرأت، دلیری اور استقامت کا بڑا واضح ثبوت ہے۔[1]

معرکۂ جسر سے حاصل ہونے والے فوائد اور نصائح

سچا خواب: دومہ ابو عبید کی بیوی تھی۔ اس نے خواب دیکھا کہ ایک آدمی آسمان سے اترا۔

[1] تاریخ الطبري: 4/279، والتاریخ الإسلامي: 10/341.

اس کے ہاتھ میں ایک برتن تھا۔ اس میں پانی تھا۔ ابو عبید اس کے بیٹے اور چند دوسرے اہلِ خاندان نے اس برتن سے پانی پیا۔ دومہ نے ابو عبید کو اس خواب سے آگاہ کیا۔ ابو عبید نے فرمایا: یہ ہماری شہادت کی خبر ہے۔ ابو عبید نے لوگوں کو بتایا: اگر میں شہید ہو جاؤں تو اسلامی افواج کا فلاں آدمی قائد ہو گا، پھر بنو ثقیف کے ان سات افراد کے ترتیب وار نام لیے جن کا ان کی بیوی نے تذکرہ کیا تھا۔ انھوں نے وصیت فرمائی کہ اگر میرے بعد یہ سب شہید ہو جائیں تو مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ مجاہدین اسلام کی قیادت کریں گے۔[1]

دو غلطیاں شکست کا سبب بن گئیں: پہلی غلطی یہ تھی کہ ابو عبید نے اسلامی لشکر کے باصلاحیت اور صاحب بصیرت افراد کا مشورہ قبول نہیں کیا۔ انھوں نے ابو عبید کو نہر عبور کرنے سے منع کیا لیکن ابو عبید اپنی رائے پر قائم رہے۔ ابو عبید نے دلیری اور شہادت کے شوق میں پل پار کر لیا لیکن وہ اس معرکے کی نزاکتوں کا بھرپور اندازہ نہیں لگا سکے اور جس جگہ یہ معرکہ پیش آیا تھا وہاں کے زمینی حقائق پر بھی ان کی توجہ نہیں گئی۔[2]

میدان کی تنگی کے باعث ابو عبید جنگ کے شروع ہی میں غلطی کر بیٹھے۔ انھیں آغاز جنگ سے پہلے ہی امن اور بچاؤ کی تدابیر سوچ لینی چاہییں تھیں مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ اس طرح انھوں نے لشکر کو شکاری کے جال میں پھینک دیا، پھر اس معرکے سے گھوڑوں کے بھاگ جانے کی وجہ سے وہ مختلف نوعیّتوں کے ہتھیاروں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر پیادہ ہو چکا تھا اور وہ اسی حالت میں دشمن کے گھڑسوار اور ہاتھیوں پر بیٹھے فوجیوں کا مقابلہ کرنے پر مجبور تھے۔ اس معرکے میں بہت سے قابل اور تجربہ کار سپہ سالار شہید ہو گئے۔ آخر کار سات قائدین کی شہادت کے بعد قیادت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی۔

میدانِ کارزار کی زمین تنگ ہونے کی وجہ سے اسلامی لشکر ایک جگہ جمع بھی نہ ہو سکا۔

---

[1] تاريخ الطبري: 4/277. [2] عوامل النصر والهزيمة، ص: 55.

لشکر چاہے کتنا ہی دلیر اور بھاری ہو مگر جغرافیائی طور پر زمینی حقائق ساتھ نہ دیں تو افواج کی کثرت بھی کام نہیں آتی۔

علاوہ ازیں دوران جنگ برمحل صائب فیصلے کرنا، جنگ کے لیے مناسب جگہ کا تعین کرنا اور وہاں پہنچنے کے صحیح راستوں کا تعین کرنا وہ عوامل تھے جن کا ابو عبید صحیح ادراک نہ کر سکے بلکہ انھوں نے بے تدبیری سے دشمن کو اپنے آپ پر حاوی ہونے کا موقع خود فراہم کر دیا۔ ①

دوسری بڑی غلطی جو پہلی غلطی سے زیادہ بڑی اور انتہائی خطرناک تھی وہ عبداللہ بن مرثد ثقفی نے کی۔ اس نے پل توڑ دیا تاکہ کوئی مسلمان نہر عبور کر کے واپس نہ جا سکے۔ اگر اللہ کی مہربانی اور مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی بصیرت کام نہ آتی تو سارا اسلامی لشکر تہہ تیغ ہو جاتا۔ ②

میدانِ کارزار میں قیادت کی اہمیت: معرکۂ جسر میں مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی حاضر دماغی سے دوران معرکہ قیادت کی ضرورت واہمیت کا احساس اُجاگر ہوتا ہے۔ جب افواج کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو صاحبِ بصیرت کمانڈر ہی انھیں مشکلات سے نکالتے ہیں۔ ③

مثنیٰ بن حارثہ اپنے نابغۂ روزگار دلیر ساتھیوں کی مدد سے اسلامی لشکر کو بچانے میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے سب سے آخر میں پل عبور کیا۔ ان کا یہ عمل ان کے ایثار اور قربانی کی زندہ مثال ہے۔ ④

مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا اسلامی لشکر کے اعتماد کو بحال کرنے میں کردار: مثنیٰ دس ہزار (10,000) مجاہدوں کے لشکر سے چار ہزار (4000) ہزار مجاہدین پر مشتمل اسلامی لشکر کو لے کر پسپا ہوئے۔ ان کے تعاقب میں سپاہِ فارس کے دو سپہ سالار جابان اور مردان شاہ نکلے اور انھوں نے سماواۃ کا رخ کیا۔

① الطريق إلى المدائن، ص: 414. ② عوامل النصر والهزيمة، ص: 55. ③ الطريق إلى المدائن، ص: 414. ④ التاريخ الإسلامي: 343/10.

مثنیٰ رضی اللہ عنہ جنگی چال کے طور پر پسپائی کی حالت میں پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔ انھوں نے دشمن کو اپنے تعاقب میں آتے دیکھا تو وہ تیزی سے پیچھے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ جب وہ کافی دُور علاقۂ سماواۃ جا پہنچے تو انھوں نے پلٹ کر تعاقب کرنے والوں پر زبردست حملہ کیا۔ یہاں انھوں نے سپاہِ فارس کو زبردست شکست دی۔

معلوم ہوتا ہے سپاہ فارس کو اس کی غلط فہمی لے ڈوبی۔ اہل فارس کا خیال تھا کہ ایک ایسا کمانڈر جس کی اکثر فوج کٹ چکی ہے وہ پلٹ کر کیسے حملہ کر سکتا ہے مگر مسلمانوں نے اپنے آہنی عزم کے ساتھ پلٹ کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ سپاہِ فارس بدحواس ہو کر تتر بتر ہوگئی۔ اور دشمن کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ جابان اور مردان شاہ کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعدازاں انھیں قتل کر دیا گیا۔

مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی اس کامیابی سے اسلامی لشکر کے باقی افراد کی خود اعتمادی بحال ہوگئی۔ اس واقعے سے وہاں کے باشندوں کا اعتماد بھی بحال ہوا اور فوج اور اردگرد کے قبائل کی نظر میں مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو گیا۔[1]

اللہ تعالیٰ مخلص مسلمان کے لیے ہر تنگی میں آسانی پیدا کر دیتا ہے: حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ بچی کھچی فوج کے ساتھ عراق میں مقیم رہے۔ حالت یہ تھی کہ یہ مختصر فوج ان علاقوں کی حفاظت کے قابل نہیں تھی جنھیں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ کسی بھی وقت ممکن تھا کہ اہلِ فارس کی فوجیں حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو عراق سے بے دخل کر دیتیں اور پھر مسلمانوں کا تعاقب کر کے عربوں پر حملے کرنا اور انھیں صحراؤں میں منتشر کرنا ان کے لیے بہت آسان ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے مخلص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب بھی مخلص مسلمان کسی تنگی یا مشکل کا شکار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسانی کے راستے کھول دیے۔

---

[1] الحرب النفسية للدكتور أحمد نوفل: 2/167.

اللہ تعالیٰ نے اہل فارس کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ وہ مسلمانوں کا تعاقب ہی نہ کرنے پائے۔ وہ خود دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ رستم کے ساتھ دوسرا فیرزان کے ساتھ ہو گیا۔ یہ خبر جب سپہ سالار بہمن جادویہ تک پہنچی تو وہ فوراً پایۂ تخت مدائن لوٹ آیا۔ اس کا بھی ملک کی سیاست میں اہم حصہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس نازک موڑ پر مسلمانوں کو لڑائی سے بچایا اور انھیں خطرے سے محفوظ رکھا۔ بعدازاں مسلمانوں کو موقع مل گیا کہ مدینہ منورہ سے تازہ دم فوج ان کے پاس پہنچ جائے اور وہ طاقتور ہو سکیں۔ ایسا ہی ہوا اور اسلامی لشکر دوبارہ ایک عظیم قوت بن گیا۔[1]

شکست کی خبر پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جذبات: مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو معرکہ کی تفصیلات سے آگاہ کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ پہنچے تو اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبداللہ بن زید! کیا خبر لائے ہو؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! معرکے کی خبر لایا ہوں، پھر علیحدگی میں مکمل تفصیل سنا دی۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہر اس شخص کے بارے میں تفصیلات دریافت فرمائیں جو معرکے میں موجود تھا تاکہ خبر کی مکمل تصدیق ہو سکے۔[3]

عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے پاس موجود تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلامی لشکر کی اس شکست پر آزردہ ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہر مسلمان کا میری طرف پلٹنا درست تھا۔ میں ہر مسلمان کا مرکز ہوں۔ جو بھی دشمن سے برسرِ پیکار ہو اور اسے کوئی پریشانی لاحق ہو جائے تو میں اس کا مرکز ہوں۔ اللہ تعالیٰ ابو عبید پر رحمت فرمائے۔ اگر وہ میری طرف آتا تو میں اس کے لیے مرکز تھا۔[4]

---

[1] التاریخ الإسلامي:346,345/10. [2] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 217. [3] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 218. [4] تاریخ الطبري:279/4.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے یہ جذبات اس بات کا ثبوت ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسے طاقتور انسان تھے جن کا دل بے حد نرم تھا۔ وہ موقع محل کی مناسبت سے بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے اور بڑی دور اندیشی کی شفقت بھری باتیں کرتے تھے۔ ①

معرکۂ بویب (13ھ)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لشکروں کو از سرنو مرتب کیا اور مختلف قبائل کے لوگوں کو اسلامی لشکر میں شمولیت کے لیے جمع فرمایا، پھر ان دستوں کو مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے عراق روانہ کر دیا۔ انھوں نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کے علاوہ حنظلہ بن ربیع کو بھی عراق روانہ فرمایا، پھر انھوں نے ہلال بن علقمہ کو ایک گروہ کے ساتھ اور خثعمی قبائل کو عبداللہ بن ذی السہمین کی قیادت میں عراق بھیجا۔

عمر بن ربعی بن حنظلہ اور ربعی بن عامر بن خالد بھی اپنے قبائل کے لوگوں کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے انھیں بھی عراق روانہ کیا۔ اس طرح امداد بھیجنے کا ایک تسلسل قائم ہو گیا۔

اسی دوران میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ نے عراق میں موجود مسلمان امراء پر زور دیا کہ وہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیں۔ انھوں نے وافر کمک جمع کی اور مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے روانہ کی۔ اس طرح مثنیٰ کا لشکر وسعت اختیار کر گیا۔ ②

جب اہلِ فارس نے مثنیٰ کے پاس ایک لشکر عظیم جمع ہونے کی خبر سنی تو انھوں نے مہران ہمدانی کی زیر قیادت اپنے شہسواروں کا لشکر مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کی روانگی کا علم ہوا تو انھوں نے مدینہ سے اپنی طرف روانہ ہونے والے امدادی دستوں کو لکھا کہ تم سیدھے بویب پہنچ جاؤ۔ ان دستوں کے قائد جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے لکھا: ہمارے پاس ایسی خبریں آئی ہیں کہ ہم یہاں زیادہ

---

① التاريخ الإسلامي: 347/10. ② العمليات التعريضية الدفاعية، لنهاد عباس، ص: 115.

دیر نہیں رک سکتے۔ تم جلد از جلد ہمارے پاس پہنچو، تم سے بویب میں ملاقات ہوگی۔

دونوں لشکر بویب میں مد مقابل ہوئے۔ دونوں لشکروں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے پڑاؤ ڈالا تو مہران نے لکھا کہ تم پل عبور کر کے ہماری طرف آؤ یا ہمیں اپنی طرف آنے دو۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ہی دریا عبور کر کے ادھر آجاؤ۔ مہران اپنے لشکر سمیت پل عبور کر کے اسلامی لشکر کی طرف بڑھا۔

یہ واقعہ 13 ہجری رمضان المبارک میں پیش آیا۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم روزے سے ہو اور روزے نرمی اور کمزوری کا موجب ہے۔ میری رائے ہے کہ تم روزہ افطار کر لو، پھر سیر ہو جاؤ تا کہ دشمن کے خلاف بھرپور طاقت حاصل کر سکو۔ لوگوں نے رضا مندی ظاہر کی اور روزے افطار کر لیے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو پوری طرح تیار کیا اور سارے لشکر کا چکر لگایا۔ وہ اپنے لشکر کو جنگ کی ترغیب دے رہے تھے اور ہر صاحب عَلَم کو فرماتے تھے: مجھے یقین ہے کہ عرب تمھاری طرف سے مغلوب نہ ہوں گے۔ اللہ کی قسم! آج کے دن جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں وہی میں تمھارے لیے پسند کرتا ہوں۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اس دن اسلامی لشکر کو اپنا قول اور فعل یکجا کر دکھایا اور وہ برے اور اچھے حالات میں لشکر کے ساتھ یکجا ہو گئے۔ کوئی بھی ان کے کسی قول یا کردار پر انگلی نہ اٹھا سکتا تھا۔

مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام ان کی قائدانہ صلاحیت اور بصیرت کا ثبوت تھا۔ سارا لشکر باہمی محبت اور قناعت کے جذبات سے یکجان ہو چکا تھا۔[1]

مثنیٰ رضی اللہ عنہ جب لشکر کی تیاری سے مطمئن ہو گئے تو فرمایا: بلاشبہ میں تین دفعہ تکبیر بلند کروں گا۔ تم نے ان تکبیرات کے دوران میں مکمل طور پر تیار ہو جانا ہے اور چوتھی تکبیر کے

---

[1] تاریخ الطبري: 4/287.

ساتھ ہی حملہ کر دینا ہے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے جب پہلی تکبیر کہی تو اہلِ فارس نے حملہ کرنے میں جلدی کی نتیجتاً مسلمانوں کو بھی جلدی کرنا پڑی۔ یوں دونوں فوجیں پہلی تکبیر کے وقت ہی گتھم گتھا ہو گئیں۔ ہر چند اہلِ فارس کا یہ طریقۂ کار نہ تھا لیکن شاید وہ معرکۂ جسر میں مسلمانوں کو زیر کرنے کے بعد حوصلہ مند ہو گئے تھے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت اور رعب قدرے کم ہو چکا تھا، اس لیے انھوں نے حملہ کرنے میں دلیری اور جلد بازی سے کام لیا۔

سپاہِ فارس کے اس حملے کا مسلمانوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بڑے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں بڑی گہرائی سے لڑائی کا جائزہ لے رہے تھے۔ انھوں نے بعض مجاہدین کی صفوں میں کمزوری کے آثار دیکھے تو فوراً پیغام ارسال فرمایا: تمھارا امیر تمھیں سلام کہتا ہے اور اس کا حکم ہے کہ کہیں آج تم مسلمانوں کو رُسوا نہ کر دینا۔ انھوں نے کہا: بہت اچھا۔ اور پھر لڑائی میں مصروف ہو گئے۔[1]

لڑائی نے طول کھینچا۔ معرکہ انتہائی شدت اختیار کر گیا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے انس بن ہلال سے فرمایا: اے انس! جونہی تم دیکھو کہ میں نے مہران پر حملہ کر دیا ہے تو تم اور ابن مردی الفہر فوراً میرے ساتھ حملے میں شریک ہو جانا۔ ان دونوں نے ایسا ہی کیا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے مہران پر حملہ کر دیا اور اسے اس قدر پیچھے دھکیل دیا کہ وہ میمنہ میں جا گھسا۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اسے مسلسل دھکیلتے ہوئے دشمن پر دباؤ بڑھاتے جا رہے تھے۔ لڑائی ایسی صورت اختیار کر گئی کہ دونوں لشکروں کے قلب باہم مل گئے۔ ہر طرف غبار اڑنے لگا۔ میمنہ اور میسرہ اس طرح برسر پیکار ہوئے کہ کسی لشکر کو اپنے امیر کی مدد کرنے کا بھی ہوش نہ رہا۔ مسلمان پیادہ لشکر کے کمانڈر مسعود بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اگر تم دیکھو کہ ہم نقصان اٹھا رہے ہیں، تب بھی تم بد دل نہ ہونا، مسلسل برسر پیکار رہنا۔ اس طرح لشکر کی

[1] تاریخ الطبري: 4/288.

سواد عراق
عراق
پل
دیرزارہ
دیر اعور
ایرانی فوج
اسلامی فوج
دیر ہند
سواد عراق
جوف
نجف
قصر عدسیین
قصر ابیض
بویب
حیرہ
قصر بنی بقیلہ
قصر بنی مازن
صنین
مشخاب
خندق شاپور
عراق
قادسیہ
خندق شاپور
مرج سباخ
معرکہ بویب

نقشہ: 2
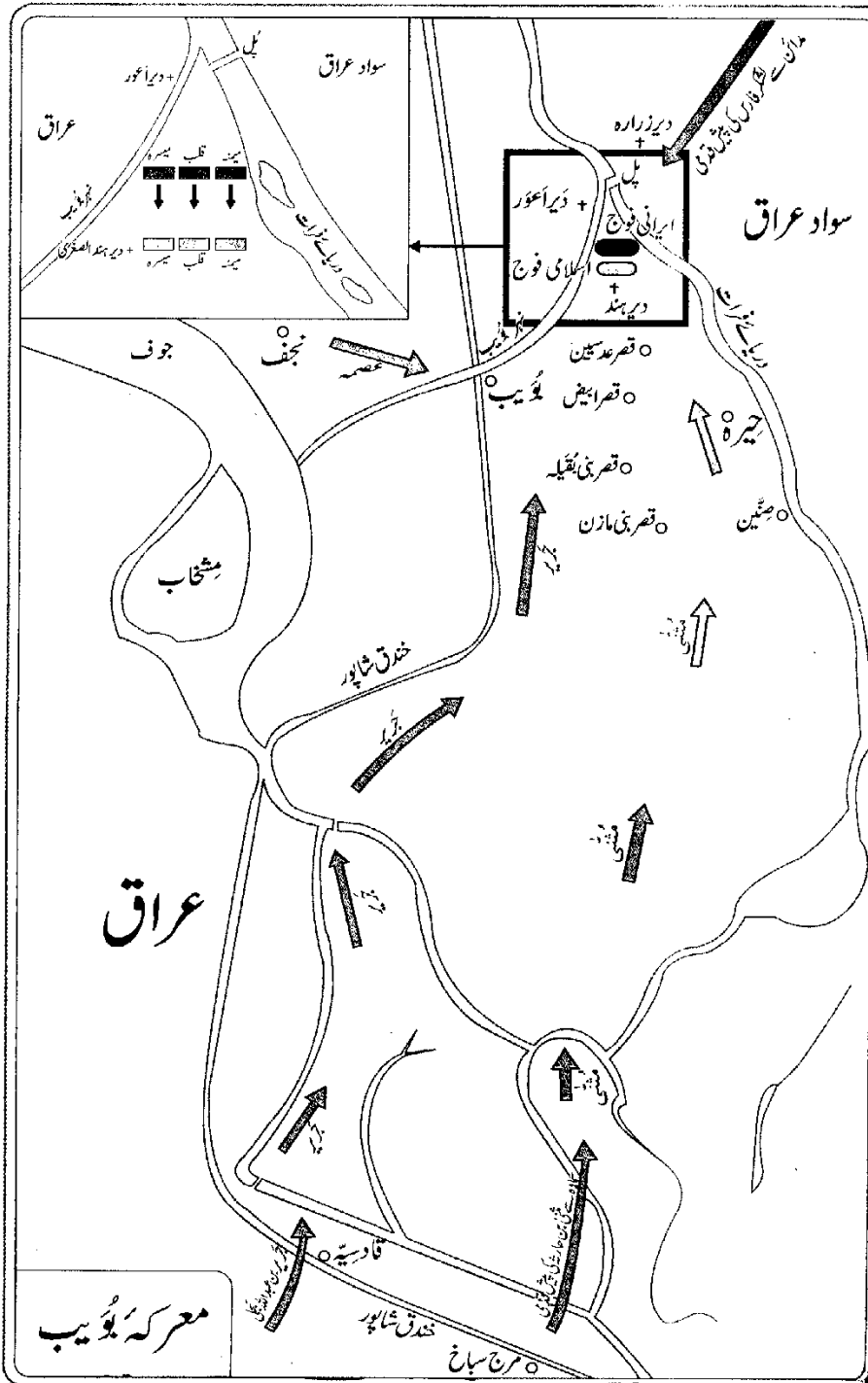
صورتحال واضح ہو جائے گی۔ تم اپنی صفوں کو مضبوط رکھو اور اپنے اردگرد موجود افراد کے ساتھ اعتماد سے آگے بڑھو۔ ①

مسعود بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور کچھ قائدین زخمی ہوئے۔ اس وقت مسعود نے دیکھا کہ ان کے بعض ساتھیوں پر کچھ کمزوری کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا: اے بکر بن وائل کے لوگو! اپنے جھنڈوں کو بلند رکھو اللہ تمھیں بلند رکھے گا۔ تمھیں میری شہادت سے کوئی گھبراہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کی شہادت کے وقت وہاں موجود تھے۔ انھوں نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! تمھیں میرے بھائی کی شہادت بددل نہ کرنے پائے۔ تمھارے بہترین افراد اسی طرح دلیری سے جام شہادت نوش کرتے ہیں۔ انس بن ہلال نمیری بھی زخمی ہوئے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے انس اور اپنے بھائی دونوں کو میدان سے اس حال میں اٹھایا کہ لڑائی بڑے زوروں پر تھی۔ لیکن اب میدان سپاہ فارس کے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کا قلب مجوسیوں کے قلب میں داخل ہو چکا تھا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے قلب میں اپنے آلات گاڑ دیے۔ دشمن کے قلب پر حملہ کرنے میں ان کے ساتھ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، بجیر، ابن ہوبر، منذر بن حسان اور ان کے ساتھ بنو ضبہ کے افراد شامل تھے۔

معرکۂ بویب کے دن قرط بن جماح العبدی کے ہاتھوں بہت سے نیزے اور تلواریں ٹوٹیں۔ اہل فارس کے کسانوں کا لیڈر شہر براز اسی معرکے میں کام آیا۔ معرکہ اسی طرح گرم رہا تا آنکہ مسلمانوں کے قلب نے مجوسیوں کے قلب کو نیست و نابود کر دیا اور آگے بڑھتے چلے گئے۔ ②

گرد و غبار اُڑتا رہا۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کچھ دیر توقف کیا۔ جب غبار چھٹا تو دیکھا کہ مشرکین کا قلب تباہ ہو چکا ہے۔ ان کا قائد مہران مارا جا چکا ہے اور دشمن کے میمنہ اور

① تاريخ الطبري: 288/4. ② الطريق إلى المدائن، ص: 434,433، وتاريخ الطبري: 289/4.

میسرہ خود آپس ہی میں ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہیں۔ اس طرح صورتحال میں اسلامی میمنہ اور میسرہ نے مشرکین پر پوری قوت سے حملہ کیا اور سپاہِ فارس کو پشت کے بل پھیر دیا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمان لشکر کے قلب میں کھڑے اللہ سے مدد کی دعا کر رہے تھے۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو بھیجا۔ وہ ان کا یہ پیغام لوگوں تک پہنچا رہا تھا: «عَادَاتُكُمْ فِي أَمْثَالِكُمْ انْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ» ''تمھارے جیسے افراد کی خوبیوں کی بنیاد پر مثالیں قائم ہوتی ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو اللہ تمھاری مدد کرے گا۔'' بالآخر اسلامی لشکر نے سپاہِ فارس کو شکست فاش دی۔

مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے دشمن سے پہلے پہنچ کر پُل توڑ دیا، پھر عجمیوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ فرات کے کناروں پر پھیل گئے۔ مسلمانوں کے دستے انھیں چن چن کر قتل کرنے لگے، یہاں تک کہ عجمی مقتولین کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ بعض مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ اس معرکے میں اہلِ فارس کے ایک لاکھ افراد مارے گئے۔[1]

معرکے کے بعد میٹنگ: معرکۂ بویب کی گونج ختم ہو گئی۔ مسلمانوں اور مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے ہزاروں افراد کی لاشیں دیکھیں۔ زمین ان کے خون سے رنگین ہو گئی اور میدان ان کے کٹے اعضاء سے اٹ گیا۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ بیٹھے معرکے کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ لوگ ان سے اور وہ لوگوں سے معرکے کی تفصیلات بیان کر رہے تھے۔ جو بھی فوجی وہاں پہنچتا، وہ اس سے معرکے میں پیش آمدہ احوال کی تفصیل پوچھتے۔ لوگ ایسی ایسی تفصیلات سناتے جن سے معرکے کے مناظر اور خدوخال اُجاگر ہو رہے تھے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں عرب اور عجم کی آپس میں جنگ ہوتی رہی۔ اللہ کی قسم! جاہلیت کے زمانے میں یہ حالت تھی کہ عجمیوں کے ایک سو (100) افراد عرب کے ہزار افراد پر بھاری ہوتے تھے۔

[1] التاريخ الإسلامي: 10/349، وتاريخ الطبري: 4/289.

اب حالت بدل گئی ہے۔ آج عرب مسلمانوں کے ایک سو (100) افراد عجمیوں کے ایک ہزار پر بھاری ثابت ہوئے۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کا گھمنڈ توڑ دیا۔ ان کی تدبیر ناکام بنا دی۔ خبردار! تمھیں ان کی ظاہری شان و شوکت اور کثرت مرعوب نہ کر دے۔ ان کے اسلحے سے تمھیں ہرگز پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اس اسلحے اور ان تیر کمانوں کا کیا فائدہ جب ان کے مالک ہی انھیں چھوڑ کر بھاگ جائیں یا یہ اسلحہ ان سے چھین لیا جائے اور وہ جانوروں کی طرح جدھر منہ اُٹھے اُدھر بھاگ کھڑے ہوں۔ [1]

مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ موقع کی مناسبت سے نہایت اہم اور موزوں تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے وقت میں جبکہ مسلمان عراق کی سرزمین میں اہل فارس کے بہت بڑے لشکر کے خلاف پہلی مرتبہ برسرپیکار تھے اپنا جنگی تجربہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بنا دیا۔ انھوں نے اس معرکے اور اس سے پہلے ہونے والے ان معرکوں کا تقابل کیا جن میں انھوں نے شرکت فرمائی۔ اس دوران میں انھوں نے اپنے تجربات سے سب کو آگاہ فرمایا۔ [2]

سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا سپاہِ فارس کی واپسی کا راستہ کاٹنے پر اظہار افسوس: مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے فارسیوں کی واپسی کا راستہ کاٹنے پر افسوس کا اظہار کیا۔ انھوں نے پل توڑنے پر ندامت ظاہر کی۔ فرمایا: میں نے ایک ایسی ناتجربہ کاری کی چال چلی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ میں نے ان سے پہلے پہنچ کر پل توڑ دیا، اس طرح ان کی واپسی کا راستہ کاٹ دیا۔ یوں یہ لوگ پوری قوت سے لڑنے پر مجبور ہو گئے۔ میں اپنی اس غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ خبردار! آئندہ تم لوگ اس قسم کی غلطی مت کرنا۔ یہ تو میری ایک بھاری لغزش تھی۔ کسی کو اس طرح اس وقت تک مجبور نہیں کرنا چاہیے جب تک

---

[1] تاريخ الطبري:4/290. [2] التاريخ الإسلامي:10/352.

کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ مد مقابل اپنے دفاع پر قادر نہیں۔ [1]

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی ان باتوں میں پل توڑنے کی غلطی کا اعتراف کیا اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی۔ ان کے جنگی تجربے اور بصیرت نے ان پر یہ بات منکشف کی کہ دشمن کے بھاگنے کی راہ مسدود کر کے ہم نے خطرہ مول لے لیا۔ انھیں اپنے دفاع کا راستہ نظر نہ آیا، چنانچہ انھوں نے جم کر لڑنے مرنے کا راستہ اختیار کیا کیونکہ جب انسان یہ یقین کر لیتا ہے کہ وہ مار دیا جائے گا تو پھر وہ اپنے دفاع میں پوری قوت کا ذخیرہ صرف کر دیتا ہے۔ اس طرح ایسے افراد کے مقابلے میں لوگوں کو کڑی محنت اور جانفشانی سے اپنا دفاع کرنا پڑتا ہے لیکن یہ تو اللہ کی مہربانی تھی کہ مسلمانوں کو دشمن کے شر سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ثابت قدمی عطا فرمائی۔ دشمنوں کے حملوں اور طاقت کے مقابلے میں مسلمانوں کی قوت بڑھ گئی، اللہ تعالیٰ نے دشمن پر مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور وہ اپنا دفاع کرنے سے عاجز آ گئے۔ [2]

مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس غلطی کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باوجود کہ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو اس معرکے میں بے مثال کامیابی اور شہرت نصیب ہوئی لیکن انھوں نے اپنی غلطی کا علی الاعلان اعتراف فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان انتہائی مضبوط اور ناقابلِ شکست تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ بشری لغزشوں سے مبرا نہ تھے۔ وہ اجتماعی مصلحت کو انفرادی مصلحت پر ترجیح دیتے تھے۔ عظیم لوگوں کی سوچ ایسی ہی ہوتی ہے۔ [3]

میدانِ جنگ میں جنگی نفسیات کی اہمیت: مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی جو خوبیاں نکھر کر سامنے آئیں ان میں ایک جنگی نفسیات کی مہارت تھی۔ اپنے مجاہد بھائیوں کے ساتھ ان کا سلوک بھی بے مثال تھا۔ ہم اس معرکے میں مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ روحانی طور پر محبت و الفت کے رشتے میں بندھا ہوا دیکھتے ہیں۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی اپنے فوجی

---

[1] تاريخ الطبري: 291/4. [2] التاريخ الإسلامي: 350/10. [3] التاريخ الإسلامي: 355/10.

بھائیوں سے محبت ان کے حکیمانہ سلوک کی آئینہ دار تھی۔ اس کا اظہار ان کی باتوں سے ہوتا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاتے تھے اور ہر علمبردار کے پاس جاتے تھے، اسے ہدایات دیتے تھے اور اس میں دلیری کے ولولے بیدار کر دیتے تھے۔ وہ فرماتے تھے: اللہ کی قسم! آج کے دن جو چیز میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں وہی تم سب کے لیے پسند کرتا ہوں۔ [1]

اس کے جواب میں علم بردار مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے بہت اچھے جذبات کا اظہار کرتے تھے۔ [2]

مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے عجمی لشکر کو چلاتے اور حملہ کرتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ ان کے اس چیخنے چلّانے کا جنگ پر کیا اثر مرتب ہو سکتا ہے۔ خصوصًا ابو عبید کی قیادت میں لڑا جانے والا معرکۂ جسر ابھی تک ذہنوں میں تازہ تھا۔ انھوں نے اس وقت ایسی بات کہی جس سے مجاہدین کو ثابت قدمی نصیب ہوئی اور ان خوفناک آوازوں کا اثر نابود ہو گیا۔

انھوں نے بڑے پرسکون انداز میں ارشاد فرمایا: اے میرے بھائیو! یہ آوازیں جو تم سن رہے ہو یہ دشمن کی ناکامی اور گھبراہٹ کی نشانی ہے۔ تم خاموشی کو لازم پکڑو اور آپس میں بڑی دھیمی آواز سے باہمی خیر خواہی کی بات چیت کرو۔ [3]

جب مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے بھائی مسعود کاری ضرب سے شدید زخمی ہو گئے تو انھوں نے ایک ایسا جملہ فرمایا جو سونے کے پانی سے نورانی حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ انھوں نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! دیکھو، میرے بھائی کی شہادت تمھیں بد دل نہ کر دے تمھارے بہترین لوگوں کی موت اسی طرح واقع ہوتی ہے۔ [4]

خود ان کے بھائی کا کہا ہوا اپنا جملہ بھی نہایت اہم تھا۔ اس وقت جب اس کی روح پرواز کرنے والی تھی اور وہ شہادت نصیب ہونے کی وجہ سے بے حد خوش تھا کہا: اے میری

---

[1] تاريخ الطبري: 287/4، والطريق إلى المدائن، ص: 446. [2] تاريخ الطبري: 287/4. [3] الطريق إلى المدائن، ص: 446. [4] الطريق إلى المدائن، ص: 446.

قوم کے سپوتو! اپنے جھنڈوں کو بلند رکھو۔ اللہ تمھیں بلند فرمائے گا۔ خبردار! تمھیں میری موت گھبراہٹ میں نہ ڈال دے۔

مثنیٰ رضی اللہ عنہ جب اپنے بھائی اور دیگر شہداء کا جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا: ان شہداء کی شہادت مجھ پر زیادہ گراں نہیں ہے۔ یہ لوگ معرکۂ بویب میں شریک ہوئے۔ پیش قدمی کی، پھر صبر کیا۔ آہ و بکا نہ کی، نہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ بلاشبہ شہادت گناہ معاف کروانے کا ذریعہ ہے۔[1]

حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی افواج سے بے حد محبت کرتے تھے، وہ ان پر نہایت مہربان تھے۔ تمام مجاہدین کے جملہ اموال کی خبر گیری کرتے تھے۔ وہ بڑے ہی دور اندیش اور فیصلہ کن پالیسی اختیار کرنے والے بطلِ جلیل تھے۔ ایسی صلاحیتوں کے افراد کو آج کل جدید جنگی اصطلاح کے مطابق افسر رابطہ کے منصب پر مامور کیا جاتا ہے۔[2]

انھوں نے لشکر میں ایک آدمی کو صف سے آگے نکلا ہوا دیکھا جو معرکہ شروع ہونے اور دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑا بے تاب تھا۔ انھوں نے اس شخص کے بارے میں دریافت فرمایا: یہ آدمی کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ شخص معرکۂ جسر سے بھاگ گیا تھا اور اب شہید ہونے کے لیے بے قرار ہے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے نیزے سے چوک لگائی اور فرمایا: تیرا باپ نہ رہے۔ صف کے اندر اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ جب معرکہ میں تمھارا مقابلہ کسی ہم پلہ سے ہو تو اسے قتل کر کے اپنے دوسرے ساتھی کو راحت پہنچانے کی کوشش کرو، خود قتل ہونے کی تیاری نہ کرو۔ اس نے جواب دیا: بہت اچھا میں ایسا ہی کروں گا، پھر وہ صف میں اپنی جگہ سکون سے کھڑا ہو گیا۔[3]

مثنیٰ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ جس نرمی اور نوازش سے پیش آتے تھے اس طرح وہ سب کے ساتھ صلاح مشورہ اور بھرپور تبادلۂ خیال کرنے کے عادی بھی تھے۔ اس کا ثبوت ان

[1] تاریخ الطبري: 291/4. [2] الطریق إلی المدائن، ص: 447. [3] تاریخ الطبري: 283/5.

اشعار سے ملتا ہے جو اسلامی افواج کی زبان پر جاری و ساری رہتے تھے۔اعورالشنی ان کے بارے میں کہتا ہے:

''اعور کے لیے اس کے قبیلے والوں نے غموں کے انبار لگا دیے ، قبیلۂ عبدالقیس خوشحالی کا طلب گار ہوا۔''

''وہ خوشحالی ہمیں مثنیٰ نے دلائی اور ہمارا شیرازہ یکجا ہوگیا، اس وقت جب نخیلہ نامی جگہ پر مہران کا لشکر تہ تیغ ہوگیا۔''

''مثنیٰ اپنے لشکروں کے ساتھ بارہا آگے بڑھے۔ انھوں نے اہلِ فارس میں سے جیلان والوں کو قتل کیا۔''

''مثنیٰ مہران اور اس کے لشکر کے مدمقابل آئے اور ایک ایک دو دو کر کے سب کو ختم کر دیا۔''

''ہم نے عراقی سرزمین میں مثنیٰ جیسا بلند ہمت انسان نہیں دیکھا جو آلِ شیبان سے تھے۔''

''بلاشبہ مثنیٰ رضی اللہ عنہ عظیم سردار اور مثالی امیر ہیں، دوران جنگ وہ شیر سے بھی زیادہ دلیر اور بے باک ہوتے۔''[1]

ان اشعار میں شاعر واضح طور پر مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ابو عبید ثقفی پر فضیلت دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ اعور کا تعلق عبدقیس سے تھا۔ نہ وہ بنوشیبان سے تھا، نہ بکر بن وائل سے، اس لیے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے تعصب سے کام لیا ہے۔[2]

حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ صدیوں پہلے ہی علم جنگ کے سلسلے میں نفسیات کے اس قدر ماہر تھے جبکہ اس وقت اس اہم ترین فن کے بارے میں کسی بھی ماہر فن نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا۔[3]

---

[1] الطريق إلى المدائن، ص:440، وتاريخ الطبري:4/293. [2] الطريق إلى المدائن، ص:447.
[3] الطريق إلى المدائن، ص:448.

مجاہدین کی عورتوں کا کردار: دوران جنگ پیش آمدہ واقعات میں یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسلامی فوج کے افسروں نے ایک آدمی کے ہاتھ مجاہدین کے گھروں میں کھانا بھیجا۔ یہ کھانا دراصل عرب کے ایک عیسائی سردار عمرو بن عبدالمسیح بن بقیلہ کے ذریعے سے بھیجا گیا تھا۔ اس کے ساتھ چند اور افراد بھی کھانا اٹھائے روانہ ہوئے۔ جونہی مسلمان خواتین نے ان لوگوں کو دیکھا تو انھوں نے یہ سمجھ کر شور مچا دیا کہ شاید ان پر حملہ ہو گیا ہے۔ وہ فوراً اپنے بچوں کے سامنے ہاتھ میں پتھر اور ڈنڈے لے کر کھڑی ہو گئیں۔ عمرو بن عبدالمسیح نے یہ منظر دیکھ کر کہا: ایسے بہادر لشکر والوں کی عورتیں ایسی ہی ہونی چاہئیں، پھر اس نے عورتوں کو فتح کی نوید سنائی۔[1]

عورتوں کا یہ کردار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلامی تربیت کا عورتوں پر بھی زبردست اثر تھا۔ اسلامی تشخص ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس دور کی خواتین کو اس بات کی پوری تربیت ملتی تھی کہ کبھی مردوں کی عدم موجودگی میں اپنے دفاع کی ضرورت پیش آجائے تو کون کون سے اقدامات کس طرح کرنے چاہئیں۔

معرکۂ بویب کی اس عظیم اور فیصلہ کن فتح کے باعث دجلہ اور فرات کے درمیان واقع سرزمین پر مسلمانوں کا قبضہ نہایت مستحکم ہو گیا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے فوجی کمانڈروں کو مختلف شہروں کی طرف بھیج دیا تاکہ ان شہروں کو امیر المؤمنین کی عملداری میں لایا جاسکے۔ مزید برآں مالِ فے اور غنائم کے ذریعے سے اپنے دشمنوں کے خلاف تقویت بھی حاصل کی جاسکے۔[2]

دشمن کا تعاقب: حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ اس معرکے کی فتح کے بعد اصل مقصد سے غافل نہیں ہوئے۔ انھوں نے معرکے کے فوراً بعد لوگوں کو شکست خوردہ لشکر کا تعاقب کرنے اور اموال غنیمت حاصل کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ مسلمان بکھرے ہوئے شکست خوردہ

---

[1] التاريخ الإسلامي: 352/10، وتاريخ الطبري: 292/4. [2] التاريخ الإسلامي: 352/10.

افراد کے تعاقب میں گئے۔ ان میں وہ افراد بھی شامل تھے جو ابوعبید کے ساتھ معرکۂ جسر میں شریک ہوئے تھے۔ انھوں نے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔ وہ پیش قدمی کرتے ہوئے ساباط تک جا پہنچے، پھر وہاں سے واپس مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے۔

معرکۂ بویب کی افادیت صرف معرکۂ جسر کا بدلہ چکانے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ مسلمان سواد عراق کے تمام علاقے پر قابض ہو چکے تھے۔ اس سے پہلے تو وہ دریائے فرات بھی عبور نہ کر پائے تھے، حالانکہ انھوں نے دجلہ اور فرات کے درمیان میدانوں کی کئی لڑائیاں لڑیں لیکن معرکۂ بویب کے بعد وہ دجلہ اور فرات کے مابین واقع تمام علاقوں پر قابض ہو چکے تھے۔ وہ ان علاقوں میں آزادی سے گھومتے تھے۔ انھیں کسی کے مکرو فریب کا ڈر تھا نہ انھیں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیش آتی تھی۔ [1]

معرکۂ بویب کی اہمیت بعینہٖ وہی تھی جو شام میں معرکۂ یرموک کی تھی۔ [2]

دشمن کی منڈیوں کے خلاف کارروائی: معرکۂ بویب کے بعد حالات مسلمانوں کے قابو میں آ چکے تھے۔ سواد عراق کا سارا علاقہ زیرنگیں ہو چکا تھا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ بڑی آزادی سے ہر طرف حرکت کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنے فوجی کمانڈروں کو ازسرنو منظّم کیا۔ اسلحے کو بہتر بنایا۔ دفاعی چوکیوں کو مضبوط کیا۔ اور جہاں جہاں فارسی اور عرب لوگ جمع ہوتے یہ ان پر حملہ کرتے۔ انھوں نے خنافس پر حملہ کیا۔ خنافس ایک بازار تھا۔ وہاں لوگ بکثرت آتے تھے۔ ربیعہ اور مضر قبیلے کے لوگ بھی وہاں آتے اور ایک دوسرے کی مدد اور بچاؤ کرتے تھے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اس بازار پر حملہ کیا اور وہاں موجود ہر چیز کو تباہ کر دیا۔ اور اسباب وسامان اپنے قبضے میں کر لیا۔ [3]

اس حملے سے فارغ ہو کر وہ تیزی سے اسی دن بالکل شروع دن میں انبار کے کسانوں کے پاس پہنچ گئے۔ اس موقع پر یہ الفاظ ان کی زبان پر تھے:

---

[1] تاریخ الطبري: 293/4. [2] ترتیب و تهذیب البدایة والنهایة، خلافة عمر، ص: 93. [3] تاریخ الطبري: 296/4.

''ہم نے صبح کے وقت خنافس نامی جگہ میں بنو بکر اور بنو قضاعہ پر حملہ کیا۔ وہ ایک میل سے زیادہ مسافت پر نہ تھے۔''

''ہمارے ساتھ ہر قبیلے کے نوجوان تھے۔ یہ نوجوان ہر قسم کے حالات و حوادث میں ہر قوم سے ٹکرا جانے والے تھے۔''

''ہم ان کے گھروں میں اس حال میں داخل ہو گئے کہ بڑے فیاض اور لمبی گردن والے لشکر انھیں ہلاک کر رہے تھے۔''

''ہم نے ان کا بازار جڑ سے اکھاڑ دیا، گھوڑے وقفے وقفے سے چکر کاٹ رہے تھے، برے نتیجے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔''

انھوں نے ان کسانوں سے بعض امور میں مدد حاصل کی۔ ان سے راستہ بتانے والے رہبر ساتھ لیے اور بغداد کی منڈی پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ دجلہ کو عبور کیا اور صبح سویرے ہی بغداد اور اس کے بازاروں پر حملہ شروع کر دیا، وہاں کے باشندوں کو قتل کیا۔ اسلامی افواج نے جو جی چاہا وہاں سے حاصل کر لیا۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ تم صرف سونا، چاندی قبضے میں لے لو۔ ایسا سامان مت اٹھاؤ جسے اپنے ساتھ جانور پر سنبھالنا مشکل ہو جائے۔[1]

بازار کے لوگ بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے سونا، چاندی اور دیگر قیمتی چیزیں سمیٹ لیں، پھر فوراً اپلٹے۔ بغداد سے تقریباً 35 کلومیٹر دور نہر سیلحین کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے لوگو! کچھ دیر کے لیے یہاں قیام کر لو۔ ضروری حاجات پوری کر لو اور دوبارہ کوچ کے لیے تازہ دم ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو اور اس سے عافیت مانگو۔ یہ اعلان سن کر سب تیزی سے پھیل گئے۔ اپنی اپنی ضروریات سے فارغ ہو گئے۔ انھوں نے تقریباً 60 میل کا سفر گھوڑوں پر طے کیا۔ اس دوران میں متعدد حملے بھی کیے۔
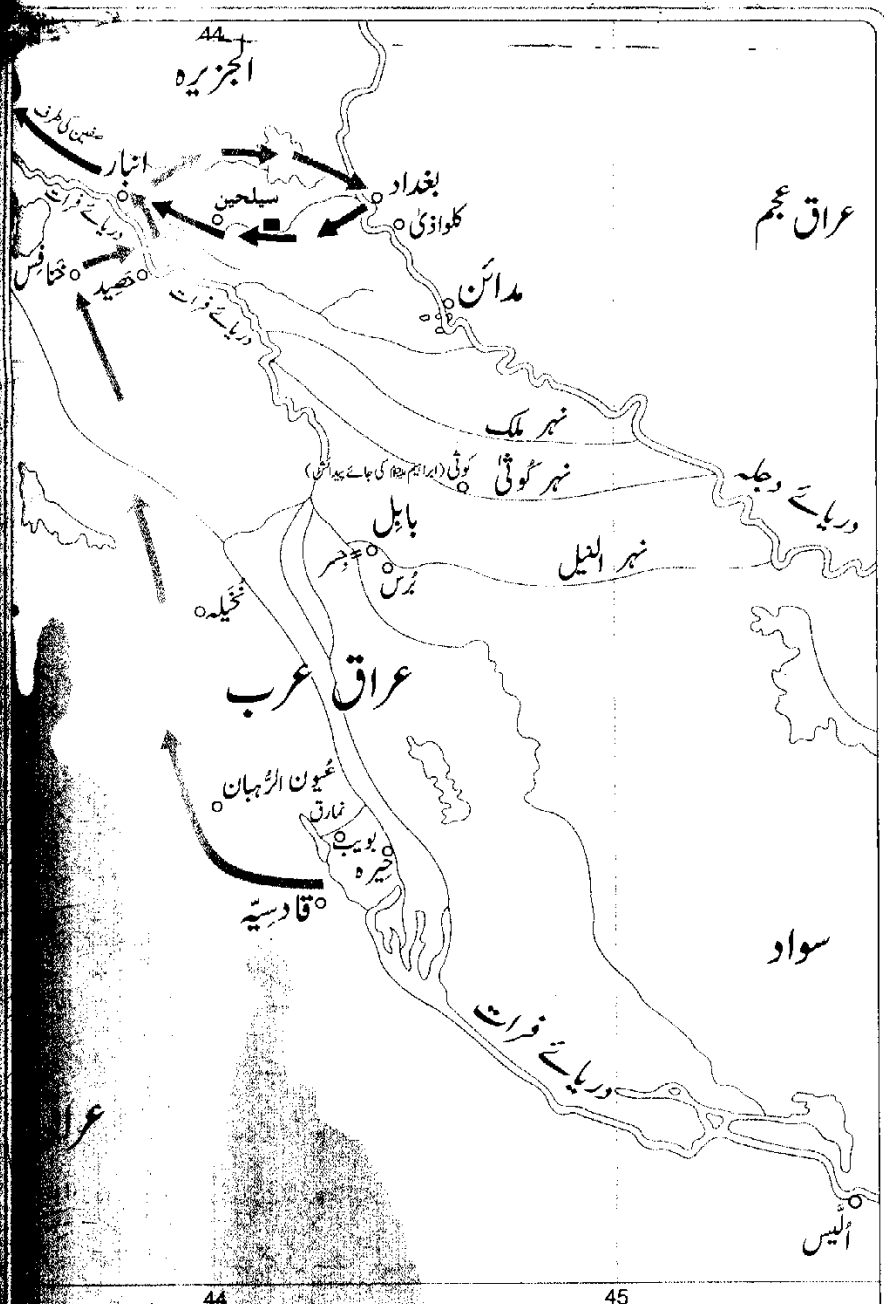
[1] تاریخ الطبري: 296/4.

یہ سب پیش قدمیاں یک بارگی انجام پا گئیں۔

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اسلامی لشکر اور ان کے گھوڑوں کو آرام کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو بھی اپنی پیش قدمیوں کی گہرائی اور شدت کا احساس تھا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ لشکر کے درمیان چکر لگا رہے تھے کہ اچانک کچھ لوگوں کو سرگوشی کرتے سنا۔ ایک آدمی کہہ رہا تھا: دشمن ہمارے تعاقب میں کتنی تیزی دکھاتا ہے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نیکی اور تقویٰ کے موضوع پر گفتگو کرو۔ گناہ اور زیادتی کے بارے میں کبھی کوئی بات نہ کرو۔ پہلے معاملات پر غور کیا کرو۔ ان کا صحیح اندازہ لگایا کرو، پھر گفتگو کیا کرو۔ دشمن کو ابھی تک تو خود ان کے اپنے ملک ہی میں ہوش نہیں آیا ہوگا۔ بالفرض اگر وہ خبردار بھی ہیں تب بھی تمھارے تعاقب کے راستے میں تمھارا رعب حائل ہے۔ بلاشبہ پیش قدمیوں کے کچھ خوف اور رعب ہوتے ہیں۔ وہ ان پر صبح سے شام تک چھایا رہے گا۔ ان کے محافظ اگر مکمل جاسوسی کے ساتھ بھی تمھارا تعاقب کریں تو وہ تم کو نہیں پا سکتے۔ تمھیں عمدہ نسل کے گھوڑے میسر ہیں جبکہ حملہ آور اس طرح کے گھوڑوں پر سوار نہ ہوں گے۔ وہ تو سست رفتار اور نکمے گھوڑوں پر ہوں گے۔ یوں تم بآسانی اپنے لشکر اور چھاؤنی میں پہنچ سکتے ہو۔ بالفرض اگر وہ یہاں پہنچ بھی جائیں تو میں فتح کی امید اور اللہ سے اجر کا طلبگار بن کر ان سے جنگ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد بحال رکھو۔ بدگمانی سے بچو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھاری کئی مواقع اور مقامات پر مدد فرمائی، حالانکہ تمھارا دشمن تم سے زیادہ مسلح و مستعد تھا۔ میں تمھیں جلد ہی اپنی جدید پیش قدمی اور ارادوں سے آگاہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں وصیت فرمائی تھی کہ ہم پڑاؤ کم ڈالا کریں۔ پیش قدمی اور واپسی میں پھرتی دکھائیں۔[1]

مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے ان کے جنگی تجربات کا علم ہوتا ہے۔ وہ مکمل اعداد و شمار، پورے حساب کتاب، کامل منصوبہ بندی اور نہایت مضبوط ایمان سے آگے بڑھتے تھے۔ ہر

[1] الطريق إلى المدائن، ص: 457.

معرکہ ان کی حیران کن جنگی معلومات میں اضافہ کر دیتا تھا۔ ہر جنگ ان کے تجربے اور علم کی عکاسی کرتی تھی۔ ان کی گفتگو ہمیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ جنگی مہارت کا پتہ بھی دیتی ہے۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں عرصہ تو تھوڑا ہی گزارا تھا لیکن عظیم فوائد اور حسنات حاصل کیے تھے۔[1]

پھر مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے وہاں سے کوچ کا حکم دیا۔ مجاہدین نے اپنے ساتھ موجود کسان رہنماؤں کی رہنمائی میں صحراؤں اور نہروں کو عبور کیا اور انبار پہنچ گئے۔ کسانوں نے نہایت عزت و احترام سے ان کا استقبال کیا اور بسلامت واپس آنے پر خوشی کا اظہار کیا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کامیابی کے بعد اچھے سلوک کا وعدہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا:

''مثنیٰ نے بلند مقام پر معرکہ آرائی کی، اسے قبیلے کے اکثر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

''وہ ایسا لشکر تھا جس نے پیش قدمی کر کے دشمن کو خوفزدہ کر دیا، قریب تھا کہ پورا ایوان ہی گر پڑے۔''

''جب مسلمان کچھ محتاط ہوئے تو ان کو حوصلہ دیا گیا، دراصل تجربات ہی میں سامان عبرت و نجات پوشیدہ ہوتا ہے۔''

''مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے سیلاب کے لیے راستہ آسان کر دیا، سب اسی مقررہ راستے پر چلے، ایسے معاملے میں رہنمائی ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔''[2]

بنو تغلب اور بنو نمر کے خلاف کارروائی: حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے شمالی عراق کی طرف پیش قدمی جاری رکھی اور اپنی تگ و تاز کو شمالی عراق کے آخری کنارے سے جنوبی عراق تک وسعت دے دی۔ انھوں نے ایک حملہ کباث کی طرف کیا۔ کباث کے تمام باشندے

---

[1] حركة الفتح الإسلامي لشكري فيصل، ص: 78، وتاريخ الطبري: 299/4. [2] الطريق إلى المدائن، ص: 457.

بنوتغلب سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے فوراً علاقہ خالی کر دیا اور مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کے کچھ افراد کو جالیا۔ ان میں سے بہت سے افراد مارے گئے، اسی طرح دوسرا حملہ صفین میں بنوتغلب اور بنونمر پر کیا۔[1]

حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ معرکۂ بویب کے بعد تمام پیش قدمیوں کی قیادت خود کر رہے تھے۔ ان کے مقدمہ پر حذیفہ بن محصن غلفانی، میمنہ اور میسرہ پر نعمان بن عوف بن نعمان اور مطر شیبانی تھے۔ پیش قدمی کے دوران میں ان کے لشکر نے تکریت میں بہت سے دشمنوں کو فرار ہوتے اور ایک دریا عبور کرتے دیکھا تو مجاہدین نے ان پر حملہ کر دیا۔ وہاں بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ بہت سے جانور قبضے میں آ گئے۔ ان معرکوں میں فرداً فرداً ہر مجاہد کو جانوروں، قیدیوں اور نقد مال میں سے بھی خمس ملا جسے لے کر وہ اپنے مرکز انبار پہنچ گئے۔

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ بھی انبار پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے فرات بن حیان اور عتیبہ بن نہاس کو صفین روانہ کیا اور حکم دیا کہ وہ عرب قبائل بنوتغلب اور بنونمر پر حملہ کر دیں۔ بعد میں انھوں نے اپنے مرکز انبار میں عمرو بن ابوسلمی ہجیمی کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود ان دونوں کے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب سب صفین کے قریب پہنچے تو مثنیٰ رضی اللہ عنہ فرات بن حیان اور عتیبہ سے جدا ہو گئے۔ اہلِ صفین نے بھاگ کر دریائے فرات عبور کیا اور جزیرہ میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ نمر اور تغلب کے قبائل متحد ہو کر باہمی تعاون سے رہتے تھے۔ فرات بن حیان اور عتیبہ نے ان لوگوں کا تعاقب کیا اور ان میں سے ایک گروپ کو دریا بُرد کر دیا۔ وہ لوگ پانی میں ڈبکیاں کھا رہے تھے اور چیخ پکار کر رہے تھے: اَلْغَرَقُ اَلْغَرَقُ ''ہم ڈوب رہے ہیں، ہم ڈوب رہے ہیں۔'' عتیبہ اور فرات بن حیان ان لوگوں کو ان کے مظالم یاد دلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: تَغْرِيقٌ بِتَحْرِيقٍ ''تمھارا یہ غرق ہونا آگ

[1] حركة الفتح الإسلامي لشكري فيصل، ص: 78، وتاريخ الطبري: 299/4.

لگانے کا نتیجہ ہے۔'' وہ انھیں جاہلیت کا وہ دن یاد دلا رہے تھے جب انھوں نے درختوں کے ایک جھنڈ میں بکر بن وائل کو گھیر کر آگ لگائی اور اسے زندہ جلا دیا تھا۔ وہ انھیں فرات میں غرق کرنے کے بعد واپس مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔

یہ خبر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی۔ ہر لشکر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جاسوس ضرور موجود ہوتے تھے جو انھیں ہر بات لکھ بھیجتے تھے۔ انھوں نے فوراً عتیبہ اور فرات بن حیان کو مدینہ طلب فرمایا اور ان کے اقدامات کی تحقیق کا حکم دے دیا۔ انھوں نے اپنا دفاع کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم نے انھیں جو الفاظ کہے بطور ضرب المثل کہے تھے۔ جاہلی دور کا بدلہ لینا ہماری خواہش نہیں تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے حلف لیا۔ انھوں نے حلف دیا کہ ان کا سوائے ایک مثال بیان کرنے اور اسلام کی شان و شوکت نمایاں کرنے کے اور کوئی ارادہ نہیں تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بری کر دیا اور واپس عراق بھیج دیا جہاں وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ [1]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنی رعایا کے اخلاق کی بڑی حفاظت کرتے تھے اور اپنے عوام اور عمال کو کسی بھی فسادی معاملے میں مبتلا ہونے سے بچاتے تھے۔ [2]

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے بویب کی فتح کے بعد اس فتح کے ثمرات حاصل کیے۔ انھوں نے بڑے منظّم طریقے سے شمالی عراق کی منڈیوں اور آبادیوں کی طرف پیش قدمی کی اور دشمن کے تعاقب کا اصول اپنایا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ عسکری مہارت کی وجہ سے انتہائی قوت اور کامیابی سے اپنے اہداف حاصل فرمائے اور شمالی عراق میں تقریباً چار سو (400) کلومیٹر تک آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہ پیمائش اس کے علاوہ ہے جو فتوحات مشرق، مغرب اور جنوب کی طرف حاصل ہوئیں۔ [3]

[1] الطريق إلى المدائن، ص: 458، وتاريخ الطبري: 4/300. [2] الخلفاء الراشدون للنجار، ص: 132. [3] الطريق إلى المدائن، ص: 461.

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ اپنی عسکری پیش قدمیوں میں اپنے عہد کی جدید ترین جنگی مہارت اور نت نئے طور طریقے بروئے کار لائے۔ بلاشبہ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ پیش قدمیاں اور کامیابیاں اپنے نتائج کے اعتبار سے اس قدر مؤثر اور دور رس ثابت ہوئیں کہ اہلِ فارس کے حکام کے حوصلوں کی کمان ٹوٹ گئی۔ حکومتِ فارس کا مرکز مدائن تھا۔ وہاں کے ظالم حکّام خود اپنی ہی رعایا کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو گئے۔ اہلِ فارس عرب قوم کے مقابلے میں اپنے دفاع کی ہمت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے جبکہ کچھ ہی عرصہ پہلے وہ عربوں کو بڑی حقارت سے دیکھتے تھے۔[1]

اہلِ فارس کا ردعمل: اہلِ فارس کے خلاف اہل عرب کو حاصل ہونے والی فتوحات ردعمل سے خالی نہیں رہ سکتی تھیں، لہٰذا اہلِ فارس کے سردار سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے رستم اور فیرزان سے کہا: تمھارے باہمی اختلافات نے اہلِ فارس کو انتہائی کمزور کر دیا ہے اور دشمنوں کو اہلِ فارس پر غالب آنے کا طمع اور امید دلائی۔ اے سپہ سالارو! اللہ کی قسم! یہ سب کچھ تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم نے اہلِ فارس کو تقسیم کر رکھا ہے۔ انھیں دشمن کے مقابلے میں کمزور کر دیا ہے۔ اب تمھیں اہلِ فارس تمھاری موجودہ سوچ پر کاربند نہیں رہنے دیں گے۔ وہ ہلاکت کو گلے نہیں لگائیں گے۔ اللہ کی قسم! تم صرف یہ چاہتے ہو کہ ہم پر مصیبت نازل ہو اور ہم سب ختم ہو جائیں۔

اب بغداد، ساباط اور تکریت کے بعد پایۂ تخت مدائن ہی رہ گیا ہے۔ اللہ کی قسم! یا تو تم اپنے اختلافات ختم کر کے ایک ہو جاؤ، ورنہ پھر دشمن کے خوش ہونے سے پہلے ہی ہم تمھیں ختم کر دیں گے۔ اللہ کی قسم! اگر تمھیں قتل کرنے سے ہمارے بچاؤ کا کوئی امکان ہوتا تو ہم تمھیں قتل کرنے میں ذرا بھی دیر نہ کرتے لیکن اگر تم اپنے اختلافات سے باز نہ آئے تو پہلے ہم تمھیں قتل کریں گے اور بعد میں خود بھی ختم ہو جائیں گے، اس طرح کم

---

[1] الطریق إلی المدائن، ص: 467.

سے کم ہمیں یہ تسلی تو ہوگی کہ ہم نے تم سے نجات حاصل کر لی ہے۔[1]

اس اجلاس کے بعد رستم اور فیرزان بوران کے پاس پہنچے اور کہا: ہمیں کسریٰ کی عورتوں، کنیزوں اور اسی طرح تمام آلِ کسریٰ کی عورتوں اور کنیزوں کا ریکارڈ فراہم کرو۔ اس نے یہ سب کچھ ایک کتاب کی شکل میں اُن کے سامنے رکھ دیا۔ انھوں نے ان تمام عورتوں کو تلاش کرنے کے لیے اپنے کارندے بھیجے۔ وہ سب عورتوں کو پکڑ لائے، پھر ان عورتوں کو مردوں کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ مرد ان عورتوں سے کسریٰ کی مذکر اولاد کا پتہ پوچھتے تھے، کسی بھی عورت کے پاس کسی کا پتہ نہیں تھا۔ صرف ایک عورت نے بتایا کہ شہریار بن کسریٰ کی نسل سے ایک لڑکا یزدگرد ابھی زندہ ہے۔ اس کی ماں ''اہلِ بادوریا'' میں سے تھی۔ اس کی ماں کو گرفتار کر لیا گیا اور اس سے اس یزدگرد کے بارے میں تفصیلات حاصل کی گئیں۔ دراصل یزدگرد کی ماں اسے اس وقت اصطخر میں اس کے ماموں کے پاس خفیہ طور پر لے گئی تھی، جب یزدگرد کے چچا شیرویہ نے ان عورتوں کو قصرِ ابیض میں جمع کیا تھا اور اپنے سترہ (17) بھائیوں سمیت آلِ کسریٰ کے تمام مردوں کو اس لیے تہِ تیغ کر دیا تھا کہ مبادا کوئی فارس کی بادشاہت کا دعویدار بن بیٹھے۔

شیرویہ نے جب اپنے بھائیوں کو قتل کیا تھا تو ان میں ایک بھائی شہریار بن کسریٰ پرویز بھی تھا جو اس کی مشہور بیوی شیریں کے بطن سے تھا اور یہی شہریار نامی شخص یزدگرد کا باپ تھا۔ لوگوں نے یزدگرد کی ماں پر سختی سے دباؤ ڈالا تو اس نے یزدگرد کے بارے میں انھیں سب کچھ بتا دیا۔ انھوں نے فورًا آدمی بھیجے اور وہ یزدگرد کو پکڑ لائے۔ انھوں نے بنوساسان سے بچ جانے والے اس واحد شخص کو جس کی عمر اس وقت صرف 21 سال تھی، تخت پر بٹھا دیا۔ اپنے تمام اختلافات ختم کر دیے اور اس کی امارت پر متفق ہو گئے۔ اس

[1] تاريخ الطبري:4/300.

طرح اہل فارس میں جوش وخروش کی تازہ لہر دوڑ گئی اور وہ اس کی اطاعت و مدد پر کمر بستہ ہو گئے۔ انھیں اپنے درپیش حالات سے نکلنے کی صرف یہی راہ نظر آئی۔ [1]

یزدگرد الثالث رستم اور فیرزان کی مدد سے اپنے فرائض انجام دینے لگا۔ اس نے فوجی چھاؤنیوں اور کسریٰ کی سرحدوں کو از سرنو منظّم کیا۔ مختلف محاذوں کے لیے لشکروں کی ترتیب مقرر کی۔ اس نے حیرہ، انبار اور ابُلّہ کے لیے خصوصی لشکر تیار کیے۔ [2]

مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کے ارشادات: حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس یزدگرد الثالث کی ساری تیاریوں کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے جاسوس انھیں ہر وقت اہلِ فارس کی چالوں کی تفصیلات فراہم کرتے رہتے تھے۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے یزدگرد کی ان تیاریوں اور متوقع حملے کا حال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا شک صحیح نکلا۔ ابھی مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا خط سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو موصول بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اہلِ سواد نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ انھوں نے تمام عہد توڑ ڈالے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف ہو گئے۔ جن سے عہد و پیمان تھے وہ بھی اور جن سے نہیں وہ بھی، سب یکجا ہو گئے۔ دوسری طرف اہلِ فارس نے تیزی سے اہلِ ذمیوں کے ساتھ مل کر پیش قدمی شروع کر دی۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تو انھوں نے وہاں سے اپنے محافظ دستے کے ساتھ کوچ کیا اور ذی قار میں ڈیرے ڈال دیے۔ اسلامی لشکر کو طف نامی جگہ پر ٹھہرایا۔ وہ جانتے تھے کہ انھوں نے اپنی قوت سے زیادہ معرکہ آرائی کی ہے اور دشمن کا صفایا کیا ہے۔ اب وہ اپنی قوت کو بچانے کے لیے ایک دفعہ پھر پیچھے آ گئے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتہائی محتاط شخصیت تھے۔ انھوں نے فوراً ہدایات لکھوائیں اور مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف ارسال کر دیں۔ انھوں نے لکھا: تم عجمی علاقوں سے جلد نکل جاؤ۔ خشکی کی طرف چلے جاؤ اور عرب وعجم کی سرحدوں پر جہاں جہاں پانی موجود ہو وہاں پھیل جاؤ۔ ربیعہ

---

[1] تاریخ الطبري: 301/4، والطریق إلی المدائن، ص: 367. [2] الطریق إلی المدائن، ص: 468.

اور مضر قبیلے اور ان کے حلیف مددگاروں کے ہنگامی دستوں کو یکجا کر لو، پھر ایک ایک شہسوار کو بلاؤ۔ کوئی خوشی سے آئے تو ٹھیک ہے ورنہ انھیں زبردستی اپنے ساتھ شامل کرو۔ اہلِ عرب کو عجم کے خلاف پوری طرح تیار کرو۔ ان کی تیاری کا موازنہ اپنی تیاری سے کرو۔ اسلامی لشکروں کو اپنی اور عجم کی سرحدوں پر روکے رکھو اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو۔[1]

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ خود ذی قار میں ٹھہرے رہے اور مسلمانوں کو بصرہ کی جانب موجود علاقہ غضی کے بالائی مقامات اور جل نامی پہاڑوں میں پھیلا دیا۔ جبکہ اسلامی افواج کے دستے عراق کے صحرائی علاقہ میں شروع سے آخر تک پھیلا دیے۔ یہ علاقے غضی سے قطقطانہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہاں سب نے اس انداز سے مورچے قائم کر لیے کہ سب ایک دوسرے کی نگاہ میں بھی تھے اور بروقت ایک دوسرے کو مدد بھی فراہم کر سکتے تھے اور سب ایک نئے لشکر کی ترتیب کے انتظار میں تھے۔

سپاہِ فارس اپنی چھاؤنیوں اور سرحدوں کی دوبارہ چیکنگ اور اصلاح کر چکے تھے۔ ان کے حالات ایک دفعہ پھر ٹھیک ہو گئے تھے، تاہم وہ پھر بھی دہشت زدہ تھے، جبکہ مسلمانوں کی حالت اس شیر کی طرح تھی جو پیچ و تاب کھاتا ہے، ایک دفعہ اپنے شکار پر حملہ کرتا ہے، پھر پلٹتا ہے اور دوبارہ حملے کے لیے جھپٹنے کی تیاری کرتا ہے۔ اسلامی افواج کے سپہ سالار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مکتوب اور مدد کے انتظار میں تھے اور ہر قسم کی پیش قدمی سے رُکے ہوئے تھے۔ یہ ذوالقعدہ 13 ہجری بمطابق جنوری 635ء کی بات ہے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَاللّٰهِ لَأَضْرِبَنَّ مُلُوكَ الْعَجَمِ بِمُلُوكِ الْعَرَبِ» ''اللہ کی قسم! میں عرب کے بادشاہوں کو عجم کے بادشاہوں سے ٹکرا دوں گا۔'' انھوں نے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مختلف علاقوں اور قبائل میں متعین اپنے عمال کو فوری امداد کے لیے خطوط لکھے۔ یہ کام انھوں نے ذوالحجہ کے مہینے میں حُجاج کے گھروں سے نکلنے کے وقت

[1] تاريخ الطبري: 301/4. [2] الطريق إلى المدائن، ص: 470.

کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ اور مدینہ حتی کہ جو لوگ عراق کے راستے پر تھے اور مدینہ کے قریب تھے وہ سب حج ختم ہونے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے خبر دی کہ ان کے پیچھے بہت سے افراد آرہے ہیں۔ وہ افراد عراق کی سرزمین کے قریب تھے، وہ فوراً مثنیٰ رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی سردار، صاحبِ شعور، صاحب عزت، طاقتور شخص، خطیب اور شاعر نہیں چھوڑا سب کو محاذ جنگ پر بھیج دیا۔ انھوں نے منتخب ترین، بہترین روشن دماغ افراد عراق روانہ فرما دیے۔[1]

[1] الطريق إلى المدائن، ص:471.

معرکۂ قادسیہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب علم ہوا کہ اہلِ فارس نئے سرے سے جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں اور وہ عراق میں مسلمانوں کی بچ جانے والی مختصر سی فوجی قوت کو کچلنے کے لیے بھاری لشکر تیار کر رہے ہیں تو انھوں نے ان نازک حالات میں فوری طور پر لازمی فوجی بھرتی کا حکم دے دیا۔ انھوں نے مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے اردگرد قبائل پر نظر دوڑاؤ اور جو آدمی جنگ میں حصہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے اسے لازماً بہر صورت فوج میں شامل کر لو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تاریخ کے وہ پہلے فرد ہیں جنھوں نے فوج میں لازمی بھرتی کا قانون جاری کیا (لازمی فوجی بھرتی کا یہ قانون آج امریکہ اور برطانیہ کے علاوہ متعدد ترقی یافتہ ملکوں میں رائج ہے۔) ''العسکریة الإسلامیه'' کے مصنف محمد فرج کا یہ قول قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتا کہ سب سے پہلے فوج میں لازمی بھرتی اموی دور میں شروع ہوئی کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سے پہلے ہی یہ قانون نافذ کر چکے تھے۔ ان کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ جیسے ہی ان کا پیغام مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، وہ فوری طور پر اس حکم کی تعمیل میں کوشاں ہو گئے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق بھرتی کی اور اسلامی لشکروں کو متحرک بھی کر دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمّال کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو لازمی فوجی بھرتی کے قانون کے تحت سپاہ جہاد میں شامل کریں، کسی کے پاس کوئی ہتھیار، گھوڑا یا کسی قسم کا مفید حربی سامان

ہو یا کوئی ماہرانہ جنگی سوجھ بوجھ رکھتا ہو تو اسے فوراً مدینہ روانہ کریں تاکہ انھیں فوجی دستوں میں شامل کر کے عراق بھیجا جا سکے۔ ①

اُدھر سلطنتِ فارس کے علاقوں میں یزدگرد کے برسرِ حکومت آجانے کی وجہ سے حالات سُدھر گئے تھے۔ تمام اہلِ فارس داخلی طور پر پُر امن ہو چکے تھے کیونکہ وہ سب یزدگرد پر متفق تھے اور اس پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔ تمام ایرانی سردار یزدگرد کی فرماں برداری اور اس سے ہر ممکن تعاون کرنے پر تیار تھے۔ تمام ضروری سامانِ جنگ جمع کیا جا چکا تھا۔ مسلمانوں نے جو علاقے فتح کر رکھے تھے ان علاقوں میں سپاہِ فارس کے لشکر پہنچ چکے تھے اور مقامی لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسا رہے تھے، چنانچہ انھوں نے مسلمانوں سے کیے ہوئے عہد توڑ ڈالے اور ان کے خلاف اہلِ فارس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ②

دوسری طرف مسلمانوں کے حالات بھی بدل گئے تھے۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ پسپائی اختیار کرتے ہوئے اپنے محافظ دستوں کے ساتھ فتح کیے گئے عجمی علاقوں سے واپس آگئے تھے۔ وہ عرب اور فارس کے درمیان سرحدوں پر مختلف مقامات میں منتشر ہو چکے تھے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ خود ذی قار میں تھے جبکہ باقی لشکر طف میں جاگزین تھا۔ انھوں نے عراق کی سرزمین میں مختلف جگہوں پر مورچے بنا رکھے تھے جو ایک دوسرے کی نگاہ میں بھی تھے اور بوقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد بھی کر سکتے تھے۔

اب حالات یہ تھے کہ اہلِ فارس زبردستی لوگوں کو اپنے لشکروں میں شامل کر رہے تھے۔ اُدھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی لوگوں کو دھڑا دھڑ فوج میں بھرتی کر رہے تھے۔ ③

① إتمام الوفاء، ص: 70. ② حركة الفتح الإسلامي، ص: 80. ③ حركة الفتح الإسلامي، ص: 80.

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تقرر اور معرکے کے واقعات

عراقی سرزمین میں فتوحات کا تیسرا دور اس وقت شروع ہوا جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ افواج کے سالار اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ان کا تقرر 14 ہجری میں عمل میں آیا۔ چودھویں ہجری کی ابتدا تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اہلِ فارس کے خلاف جہاد کے لیے مستعد کر رہے تھے۔ وہ یکم محرم کو لشکرِ جرار کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقامِ صرار کے چشموں کے پاس خیمہ زن ہوئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ وہ خود عراق جائیں اور اسلامی لشکر کی قیادت کریں۔ انھوں نے مدینہ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور دیگر کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لیا۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور اپنے ارادے کا اظہار فرمایا۔ اور ''الصلاۃ جامعۃ'' کی ندا دی گئی۔ بعدازاں مدینہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بلا لیا گیا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام حضرات سے مشورہ طلب کیا۔ سب نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روانگی سے اتفاق کیا لیکن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے مختلف تھی۔ انھوں نے فرمایا: مجھے خدشہ ہے کہ اگر آپ شہید ہو گئے تو مسلمان اپنے تمام علاقوں میں کمزور ہو جائیں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ کسی اور معتبر آدمی کو اس مہم کے لیے روانہ فرمائیں اور خود واپس مدینہ تشریف لے جائیں۔ دیگر کئی افراد نے بھی اس رائے کی حمایت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو قبول فرما لیا، پھر انھوں نے دریافت فرمایا کہ اس مہم کے لیے کس شخص کو روانہ کیا جائے؟ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ شخص آپ کے پاس ہی موجود ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: وہ ایک شیر ہے جو سعد بن مالک زہری المشہور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہلاتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کو پسند فرمایا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف حکم نامہ

بھیجا اور انھیں عراقی مہم کا سالارِ اعلیٰ مقرر فرما دیا۔[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت

سعد رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں عراقی جنگی مہم کا سالارِ اعلیٰ مقرر کرنے کا اعلان کیا اور فرمایا: اے سعد! تجھے اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور ان کا ماموں ہے۔ بلاشبہ اللہ عزوجل برائی کو برائی سے نہیں بلکہ برائی کو اچھائی سے ختم فرماتا ہے۔ بلاشبہ اللہ اور بندے کے درمیان اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے سوا اور کوئی قریبی رشتہ نہیں ہے۔ سب لوگ چاہے وہ بڑے مرتبے والے ہوں یا کم حیثیت والے، اللہ تعالیٰ کے ہاں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کا رب اور وہ اس کے بندے ہیں۔ وہ عافیت کی بنیاد پر ایک دوسرے پر فضیلت حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی فرماں برداری کے سبب اس کے خزانوں سے اپنے مطلوبات حاصل کرتے ہیں۔ تو انھی حالات و ایام پر نظر رکھ جو تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی بعثت سے لے کر وفات تک بسر کیے ہیں۔ ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا رہنا۔ یہی میرا حکم ہے اور یہی میری نصیحت ہے۔ اگر تو نے اس سے اعراض کیا تو خسارے میں رہے گا۔[2]

خلیفۂ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ نہایت قیمتی نصیحت برمحل کی تھی۔ مبادا حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک مسلمان کی کرامت وعزت کے اصل اسلامی اصول کو اس وجہ سے نظر انداز کر دیں کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت اور رشتہ داری کا شرف حاصل ہے اور وہ اس بنیاد پر مسلمانوں پر اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش کریں، چنانچہ انھوں نے فرمایا: اے سعد! اللہ ان کا رب اور وہ اللہ کے بندے ہیں۔ عافیت کی بنیاد پر سب کو فضیلت کے درجات حاصل ہیں اور اللہ کے خزانوں سے جو کچھ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے

[1] ترتیب و تهذیب البداية والنهاية، ص: 96. [2] تاريخ الطبري: 4/306.

وہ صرف اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ عافیت سے مراد نفسانی امراض سے شفا ہے، یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب لوگ گناہوں سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت پر جم کر ہی فضیلت پاسکتے ہیں اور یہی تقویٰ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت وکرامت کا معیار قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾

"بلاشبہ تم میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے یہ ایک ایسا میزان عدل قائم فرما دیا ہے کہ ہر مسلمان اللہ کی رضا مندی اور آخرت کی سعادت کے لیے کوشاں ہو کر درجۂ کرامت پر فائز ہوسکتا ہے۔

آخر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرمائی۔ اس کا مطلب مکمل اسلام کو اختیار کرنا اور اسے تمام لوگوں پر لاگو کرنا تھا۔[2]

دوسری وصیت

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو روانگی کے وقت ایک اور وصیت فرمائی۔ اس میں انھوں نے ارشاد فرمایا: میں نے تجھے عراقی مہم کے لیے منتخب کیا ہے۔ میری وصیت غور سے سن! بلاشبہ تو ایک انتہائی مشکل اور خطرناک مہم پر روانہ ہو رہا ہے۔ اس میں تجھے صرف حق ہی سرخرو کرسکتا ہے۔ تجھے چاہیے کہ تو اپنے آپ کو اور اپنے ہمراہیوں کو بھلائی کا خوگر بنا لے اور اسی وصف کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے فتح کی امید قائم کر۔ یقین کر لے کہ ہر مقصد کے حصول کے لیے خاص تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ خیر کا سامان صبر ہے۔ اگر تو نے آنے والے کٹھن مراحل یا پیش آنے والی کسی مشکل گھڑی میں

---

[1] الحجرات 49:13. [2] التاريخ الإسلامي: 10/362.

صبر سے کام لیا تو تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہوگا۔ خوب جان لے کہ خشیتِ الٰہی کے حصول سے تجھے دو فائدے حاصل ہوں گے، ایک تو یہ کہ تجھے اللہ کی اطاعت نصیب ہوگی اور دوسرا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے گا۔ آج تک جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اس نے صرف دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت کی بنیاد پر کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے بھی دنیا کی محبت اور آخرت سے نفرت کی بنیاد پر کی۔

یاد رکھ! دل سے وابستہ کچھ حقائق ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وابستہ ہیں۔ ان حقائق میں سے دو حقیقتیں پوشیدگی اور اظہار ہیں۔ اظہار سے مراد یہ ہے کہ کوئی مدح سرائی کرنے والا یا مذمت کرنے والا آدمی تجھے حق سے نہ پھیر دے۔ دل کی خفیہ حقیقت سے مراد دانائی کا زبان سے ظاہر ہونا اور لوگوں سے محبت کرنا ہے۔ لوگوں سے محبت میں کبھی بخل سے کام نہ لینا۔

انبیاء بھی اللہ تعالیٰ سے محبوبِ خلائق ہونے کی دعا کرتے تھے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں بھی اس کی نفرت ڈال دیتا ہے۔ تجھے لوگوں کے ہاں اپنے مقام سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگا لینا چاہیے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت میں بہت سی سبق آموز باتیں پائی جاتی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ حق سے وابستگی کا التزام ہی انسان کو مشکلات سے نکال سکتا ہے کیونکہ جس نے حق کا التزام کیا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوگا اور جو اللہ کے ساتھ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوگا اور اسے اپنی تائید ونصرت سے نوازے گا۔ یہی وہ سوچ ہے جو ایک مسلمان کو اس امر کی پُرزور رغبت دلاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اچھے عمل کرے اور کٹھن مراحل کا مقابلہ

---

(1) تاریخ الطبري: 4/306,307.

ثابت قدمی سے کرے۔ حق کا اپنی زبان اور عمل سے ساتھ دینے کی وجہ سے انسان کو اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ شخص جو حق کا راستہ چھوڑ بیٹھے وہ ہمیشہ اضطراب اور مختلف مصائب کا شکار رہتا ہے، مثلاً: وہ خود کو ملامت کرتا ہے۔ اسے لوگوں کی طرف سے محاسبے کا خوف ہوتا ہے اور حق سے انحراف پر مرتب ہونے والے نتائج کی وجہ سے لامحالہ مستقبل میں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خیر و بھلائی کا سامان صبر ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ خیر کے حصول کا راستہ آسان راستہ نہیں ہے بلکہ یہ راستہ کانٹوں بھری مشکلات سے اٹا ہوا ہے۔ اسے عبور کرنے کے لیے سخت محنت درکار ہوگی۔ اس پر چلنے والے کو انتہائی صبر کا مظاہرہ کرنا پڑے گا، ورنہ وہ راستے کے بیچ ہی میں ناکام ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس نصیحت میں یہ حقیقت خوب اچھی طرح سمجھا دی کہ اللہ کی خشیت اس کی اطاعت کرنے اور گناہوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتی ہے، پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا سب سے بڑا اور مؤثر محرک بھی بتلا دیا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دولت دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس گناہوں کا سب سے بڑا سبب دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے۔

بعد ازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دلوں کے حقائق کی بات کی جن میں سے بعض تو اعلانیہ نظر آتے ہیں جس کی مثال انھوں نے غضب اور رضا مندی دونوں حالتوں میں لوگوں کے ساتھ انصاف اور حق کا معاملہ کرنے سے دی اور بتایا کہ لوگوں کی طرف سے کسی قسم کی چاپلوسی یا تعریف و توصیف یا خاطر مدارت انسان کو نفاذِ حق سے نہ روکے۔ نہ کسی کی تنقید اسے ظلم کرنے یا حق کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینے پر آمادہ کر سکے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دلوں کی ایک حقیقت کو پوشیدگی سے موسوم فرمایا ہے۔ انھوں نے اس کی نشانی یہ بتائی ہے کہ مسلمان کے دل میں پیدا ہونے والی دانائی زبان پر آجائے۔

انھوں نے فرمایا کہ ایک مسلمان کو اپنے اسلامی بھائیوں میں مقبول اور محبوب ہونا چاہیے۔ بلاشبہ اللہ کی محبت بندوں کی محبت پر مرتب ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے محبوبِ خلائق بنا دیتا ہے۔[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایسے خوش بخت انسان تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔ اس کے باوجود وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نصیحت کے ضرورت مند تھے تو ہم جیسے گناہگاروں کو اس نصیحت کی کس قدر ضرورت ہوگی، جبکہ ہم اسلام کی سمجھ اور اس پر عمل کرنے میں انتہائی کوتاہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ چار ہزار (4000) اور ایک روایت کے مطابق چھ ہزار (6000) مجاہدین کی معیت میں عراق روانہ ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مقامِ صِرار سے ''اعوص'' تک خود جاکر انھیں رخصت کیا، پھر لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں اور بہت سی نصیحتیں کی ہیں تاکہ ان کی بدولت تمھارے دلوں کو زندگی میسر رہے۔ بلاشبہ دل سینوں میں مردہ تھے انھیں اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا۔ جو شخص جو بھی علم جانتا ہے وہ اس علم سے فائدہ اٹھائے۔ بلاشبہ عدل کے کچھ آثار اور نشانیاں ہوتی ہیں۔ ان نشانیوں میں حیا، سخاوت، آسانی اور نرمی سرفہرست ہیں۔ اس کے آثار اور نتائج رحمتِ الٰہی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ نے ہر معاملے کا دروازہ رکھا ہے اور اس دروازے کی چابی فراہم کی ہے۔ عدل کا دروازہ نصیحت حاصل کرنا اور اس کی چابی زہد ہے۔ نصیحت کا مطلب لوگوں کی اموات کو سامنے رکھ کر اپنی موت کو یاد رکھنا، اس کی ہر دم تیاری کرنا اور نیک اعمال کرنا ہے۔ زہد کا مطلب ہر اس شخص سے حق

[1] التاريخ الإسلامي: 364/10. [2] التاريخ الإسلامي: 365/10.

وصول کرنا جس کے ذمے حق ہے اور اسے حق دار تک پہنچانا ہے۔ اس سلسلے میں تمھیں کسی کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ زندگی کی ضرورت کے مطابق سامان پر قناعت کرو ورنہ تمھیں کبھی اطمینان نصیب نہیں ہو گا، بلاشبہ تمھارے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان (مسئولیت کے حوالے سے) میں ہوں جبکہ میرے درمیان اور اللہ کے درمیان (مسئولیت کے حوالے سے) اور کوئی نہیں (میں ہی براہ راست مسئول ہوں)۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرض عائد ہے کہ میں ایسے کام کروں کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کوئی بد دعا نہ کر سکے۔ اے لوگو! تم اپنی شکایات مجھ تک پہنچاؤ اگر اس کی استطاعت نہ پاؤ تو اپنی شکایت اس کارندے کے پاس جمع کراؤ جو مجھ تک پہنچا دے، ہم بغیر کسی پریشانی اور بوکھلاہٹ کے اسے اس کا حق لے کر دیں گے۔[1]

سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات اور سعد رضی اللہ عنہ کی عراق آمد

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھے اور ایک نجدی علاقے ''زرود'' نامی جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ امیر المؤمنین نے ان کے لیے مزید چار ہزار (4000) افراد کی کمک کا انتظام فرمایا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بلادِ نجد سے مزید سات ہزار (7000) مجاہدین کو اسلامی لشکر میں بھرتی کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اُدھر حضرت مثنیٰ بن حارثہ الشیبانی رضی اللہ عنہ بارہ ہزار (12000) مجاہدین کے لشکر کے ساتھ عراق میں ان کے منتظر تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اہلِ فارس کے ساتھ فیصلہ کن معرکے کی تیاری اور امیر المؤمنین کی طرف سے نئے حکم کی وصولی کے لیے رکے ہوئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس معرکہ کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے انتہائی سرکردہ ماہر اور معزز لوگوں کو عراق روانہ فرمایا۔[2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ابھی ''زرود'' ہی میں مقیم تھے کہ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں معرکۂ جسر میں آنے والا زخم کھل گیا تھا۔ انھوں نے اس

[1] تاريخ الطبري: 4/308. [2] تاريخ الطبري: 4/310.

نازک صورتحال کا ادراک کیا اور اپنا وقتِ اجل قریب آتا دیکھ کر اپنے ساتھ موجود لشکر پر بشیر بن خصاصیہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ انھوں نے اپنے بھائی ''معنّٰی'' کو بلایا۔ اپنی وصیت لکھوائی اور انھیں فوراً سعد رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اسی دوران میں وہ رحلت فرما گئے۔ وہ ایسے سورج تھے جس نے اپنی ضیاء پاشیوں سے عراقی سرزمین کو فتوحات کی روشنی اور گرمی عطا کی۔ ①

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جو آخری پیغام ارسال فرمایا اس میں لکھا تھا کہ آپ مسلمانوں کے ان دشمنوں سے اس وقت، جبکہ وہ اور ان کے سردار منظّم ہوں، ان کے علاقوں میں جنگ نہ کیجیے بلکہ ان کی سرحدوں کے پاس جو عرب علاقوں سے قریب تر ہوں یا وہ عجمی علاقے جہاں سے پلٹنا آسان ہو وہاں جنگ کیجیے۔ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائیں تو انھیں دشمنوں کے مال اسباب حاصل ہوں گے اور اگر معاملہ برعکس ہوا تو اس صورت میں وہ اپنے مرکز لوٹ سکتے ہیں اور دوبارہ اپنا راستہ متعین کر سکتے ہیں، یعنی وہ اپنی زمین پر آزادی سے نئی منصوبہ بندی کر کے دشمن پر دوبارہ حملہ کر سکتے ہیں۔ ②

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے آخری لمحات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کس قدر مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ دونوں جلیل القدر حضرات جب اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو اس وقت وہ مسلمانوں ہی کی فتوحات کے لیے متفکر نظر آتے تھے اور اسی بارے میں نصائح اور وصایا کرتے دکھائی دیتے تھے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انھوں نے اپنے بعد خلیفۂ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عراقی مہم کے لیے لشکر روانہ کرنے کی تاکید فرمائی اور جب مثنیٰ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو عراقی مہم کے نئے قائد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اہلِ فارس کے خلاف اپنے تجربات کی روشنی دے گئے۔ وہ آخری ہچکیاں لے رہے تھے اور موت کے دروازے پر کھڑے تھے مگر انھیں اپنی کوئی فکر نہیں تھی۔ انھیں بس یہ فکر دامن گیر تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تک وہ اپنے عسکری تجربوں کی روشنی پہنچا دیں تاکہ دشمن انھیں اور ان کے مجاہدین کو کوئی نقصان نہ

---

① القادسية لأحمد عادل كمال، ص: 29. ② تاريخ الطبري: 4/ 313.

پہنچانے پائے۔ (1)

اِدھر جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی وصیت ملی تو انھوں نے حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت کی دعا کی اور ان کے بھائی معنّٰی بن حارثہ کو نائب کی حیثیت سے برقرار رکھا اور دیگر اہلِ خانہ کے بارے میں اچھے الفاظ ارشاد فرمائے۔ (2)

اس واقعے کی قابل توجہ بات یہ ہے کہ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سلمٰی بنت خصفہ تیمیہ کے بارے میں وصیت فرمائی کہ اُنھیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ معنّٰی نے اسے ساتھ لے لیا۔ جب سلمٰی کی عدت مکمل ہوگئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں پیغامِ نکاح ارسال فرمایا اور شادی کر لی۔

سوچنے کی بات ہے کہ کیا مثنیٰ رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے بعد اپنی بیوی کی خیر خواہی اور اس سے اپنی وفاداری کا ثبوت دینا چاہتے تھے؟ یعنی یہ کہ ان کے بعد ان کی بیوی کسی ایسے عظیم اسلامی کمانڈر کے نکاح میں چلی جائے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی، بلاشبہ بیوی سے وفاداری اور اس کی بھلائی اور خیر خواہی کی یہ ایک نادر مثال تھی۔ یا چونکہ ان کی بیوی انتہائی ذہین اور سمجھدار خاتون تھی اور اس کے ذخیرۂ معلومات میں اپنے خاوند کا جنگی تجربہ بھی موجود تھا، مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ یہ تجربہ مسلمانوں کے کام آئے؟ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں باتیں پورے وثوق کے ساتھ ممکن اور قابلِ قبول ہیں۔

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام ان کی سیرت کا وہ گراں قدر موتی ہے جس کی آب و تاب کبھی ماند نہیں پڑے گی۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے ایسے ہی عظیم الشان فضائل و مکارم کا مجموعہ تھی۔ ان فضائل اور عظیم الشان صفات سے ان جیسے بہترین لوگ آراستہ تھے۔ (3)

---

(1) القادسية لأحمد عادل كمال، ص: 30. (2) تاريخ الطبري: 313/4. (3) التاريخ الإسلامي: 371,370/10.

یہاں ایک اور معاملے کی بھی داد دینی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ابھی مثنّی بن حارثہ اپنے بھائی کا وصیت نامہ لے کر سعد رضی اللہ عنہ کی طرف رخصت بھی نہ ہوئے تھے کہ انھیں علم ہوا کہ اہلِ فارس کے ایک امیر آزاد مرد نے قابوس بن قابوس بن منذر کو قادسیہ روانہ کیا ہے اور اسے یہ کام سونپا ہے کہ وہ اپنے بڑوں کی تقلید کرتے ہوئے عرب باشندوں کو اہلِ فارس کے حکّام کے دبدبے سے خائف رکھے۔ قابوس قادسیہ آیا۔ نعمان کی طرح اس نے بھی بنوبکر بن وائل کی طرف تحریری پیغامات ارسال کیے جن کے ذریعے سے انھیں اپنے قریب کرنے اور سپاہِ فارس سے ڈرانے کی کوشش کی۔ یہ خبر مثنّی کو موصول ہوئی تو وہ رات کے وقت ذی قار سے چلے اور دشمن پر ایسا شب خون مارا کہ اسے موت کی نیند سلا کر واپس ذی قار پہنچ گئے۔ [1]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی عراق روانگی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مقام ''زرود'' سے کوچ کرنے کا حکم ملا۔ انھیں تاکید کی گئی کہ وہ اہلِ فارس کے خلاف فیصلہ کن معرکہ آرائی کریں۔ مزید برآں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو چند اہم نصیحتیں کیں۔ انھوں نے فرمایا: امابعد! میں تمھیں اور تمھارے ساتھ موجود سارے لشکر کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں، بلاشبہ دشمن کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار تقویٰ ہے۔ میں تمھیں اور تمام لشکر کو دشمن سے کہیں زیادہ گناہوں سے بچنے اور بہت محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔ اسلامی لشکر میں گناہوں کی موجودگی دشمن سے کہیں زیادہ خطرناک اور مہلک ہوسکتی ہے۔ بلاشبہ ہمارے دشمن اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اُن کے خلاف مسلمانوں کو فتح سے نواز دیتا ہے، ورنہ ہم اپنی تعداد اور تیاری میں کمی کی وجہ سے ان کے مقابلے میں بے حد کمزور ہیں۔ اگر ہم اور ہمارا دشمن سب اللہ کی نافرمانی میں برابر ہوگئے تو زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے صاف ظاہر ہے کہ ان کے پاس زیادہ مادی قوت موجود ہے، اس

[1] تاریخ الطبري: 4/313.

لیے اگر ہم اپنی (سیرت کی) فضیلت کی وجہ سے ان پر غالب نہ آسکے تو ہماری ظاہری قوت بے سود ثابت ہوگی۔

خوب جان لو کہ تمھارے اس سفر کے دوران میں تم پر اللہ کی طرف سے نگران فرشتے مقرر ہیں۔ وہ تمھارے ہر فعل کو خوب جانتے ہیں۔ ان سے حیا کرو۔ تم اللہ کے راستے میں ہرگز کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا۔ یہ خیال نہ کرنا کہ تمھارا دشمن ہر حال میں تم سے بُرا ہے اور وہ ہماری کوتاہیوں کے باوجود ہم پر غالب نہیں آسکتا۔ کتنی ہی قومیں ایسی گزری ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان سے بھی زیادہ برے لوگوں کو مسلط کر دیا، مثلاً: جس طرح بنو اسرائیل پر کافر مجوسیوں کو مسلط کر دیا تھا۔ انھوں نے ان کی بستیوں میں داخل ہو کر تباہی و بربادی مچا دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے۔

تم اللہ تعالیٰ سے جس طرح دشمن کے خلاف نصرت کی دعا کرتے ہو ٹھیک اسی طرح خود اپنے آپ کو بھی راہِ راست پر رکھنے کے لیے اس سے مدد کی دعا کرتے رہو۔ میں بھی خود اپنے اور تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور اسی دعا کا خواستگار رہتا ہوں۔ اے سعد! مسلمانوں کے ساتھ سفر میں نرمی اختیار کرو۔ ان پر سفر کی صعوبتیں نہ ڈالو مبادا وہ تھک جائیں۔ زیادہ پڑاؤ بھی نہ ڈالو مبادا منزل پر نہ پہنچ سکو۔ مسلمانوں کو دشمن کا سامنا کرتے وقت پوری طرح تازہ دم باہمت اور طاقتور ہونا چاہیے، بلاشبہ وہ ایسے دشمن کی طرف جا رہے ہیں جو افرادی قوت اور مادی طاقت، یعنی گھوڑوں وغیرہ سے لیس ہیں۔

اے سعد! اہل لشکر کو ہر جمعہ کے بعد ایک دن اور ایک رات آرام کرنے کا موقع فراہم کرو تاکہ انھیں راحت میسر آئے اور وہ اپنے آپ کو مستعد اور اپنے اسلحے اور دیگر سامان کو ٹھیک ٹھاک کر سکیں۔ انھیں اہل صلح اور ذمیوں کے علاقوں سے دور رکھنا۔ اُن علاقوں میں تمھارا وہی آدمی جانا چاہیے جو انتہائی قابل اعتماد ہو۔ تم ان اہلِ ذمہ کے اموال وغیرہ میں

سے کوئی چیز نہ لینا کیونکہ تم نے انھیں تحفظ اور امن دیا ہے۔ یہ ذمہ داری نبھانے کے تم اتنے ہی ذمہ دار ہو جس قدر اہلِ ذمہ تمھارے ساتھ وفاداری کے پابند ہیں۔ جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم ان سے وفاداری سے پیش آؤ۔ خبردار! ذمیوں پر ظلم کر کے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

اے سعد! جب تم دشمن کی سرزمین کے قریب پہنچو تو اپنے اور ان کے مابین جاسوسوں کا جال بچھا دو۔ دشمن کے معاملات تم سے ہرگز پوشیدہ نہیں رہنے چاہئیں۔ تمھارا قریبی شخص وہ ہونا چاہیے جو عرب ہو یا پورے کرۂ ارض میں سب سے زیادہ سچا، خیر خواہ اور قابل اعتماد ہو۔ بلاشبہ جھوٹے آدمی کی خبر کبھی سچی بھی ہو سکتی ہے مگر وہ تمھیں نفع نہیں دے گی۔ دھوکے باز خائن تمھارے لیے جاسوسی کرنے کی بجائے اُلٹا تمھارے خلاف جاسوسی بھی کر سکتا ہے۔ اے سعد! جب تم دشمن کی سرزمین کے قریب پہنچ جاؤ تو دشمن کی خبریں حاصل کرنا بڑا ضروری کام ہے۔ اس مقصد کے لیے چند ہراول دستے ارسال کر دینا تاکہ وہ ان کے خفیہ حالات تم تک پہنچائیں اور ان دستوں میں بڑے سمجھدار اور طاقتور افراد شامل کرنا۔ ان کے لیے نہایت عمدہ نسل کے گھوڑے فراہم کرنا تاکہ اگر اتفاقاً ان کی دشمن سے مڈھ بھیڑ ہو جائے تو اس کا مسلمانوں کے طاقتور ترین اور مضبوط دستے سے ٹکراؤ ہو۔ اپنے دستوں کی کمان سختیاں جھیلنے والے ماہرین جہاد کے سپرد کرنا۔ اگر تم اپنی کسی خواہش کی تکمیل کے لیے نااہل افراد مقرر کرو گے تو یاد رکھو جتنا تم ان خاص افراد کا لحاظ رکھو گے، اس سے کہیں زیادہ وہ تمھاری مہم کو نقصان پہنچائیں گے۔

اے سعد! کوئی جاسوسی دستہ یا لشکر کسی ایسے علاقے کی طرف نہ بھیجنا جہاں انھیں کوئی نقصان پہنچنے یا ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔ جب تم دشمن کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لو تو دور دور سے اپنے لشکر اور ہراول دستوں کو بلا کر یکجا کر لو، پھر پوری طرح جنگی چال اور طاقت استعمال کرو۔ جب تک جنگ میں کود پڑنے پر مجبور نہ ہو جاؤ اپنے فوجیوں کو جنگ

میں نہ جھونکو۔ تمھیں جب تک دشمن کی فوجوں اور ان کی خفیہ کارستانیوں سے پوری آگاہی نہ ہو، جنگ کی طرف نہ بڑھو۔ تمھیں دشمن کے تمام احوال، خدوخال اور ان کی سرزمین کے ہر موقع محل سے ویسی ہی آگہی حاصل کرنی چاہیے جیسی کہ خود وہاں کے باشندوں کو ہے۔ کامل آگہی کے بغیر پیش قدمی نہ کرو۔ دشمن سے وہی سلوک کرو جو وہ تمھارے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے لشکر کی پوری طرح حفاظت کرو۔ ساری رات چوکنے اور خبردار رہو۔ دشمن کے شب خون سے بچاؤ کی تمام تدابیر اختیار کرو۔

اگر تمھارے پاس کوئی ایسا قیدی لایا جائے جس کے بارے میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی ضمانت نہ ملے تو اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے فوراً اس کی گردن اڑا دینا۔ اللہ تعالیٰ تمھارا اور تمھارے ساتھ موجود ہر مجاہد کا حامی و ناصر ہو اور تمھیں دشمن پر فتح عطا فرمائے۔ واللّٰه المستعان.[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب نہایت عظیم الشان اور نفع مند احکام پر مبنی ہے۔ ان کے ارشادات ان کی عظمت اور جنگی منصوبہ بندی میں ان کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کے ان تمام احکام و ارشادات میں للّٰہیت کا غلبہ نظر آتا ہے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان نصیحتوں سے ہم مندرجہ ذیل اصول وضوابط اخذ کر سکتے ہیں:

① سب سے پہلا اصول اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور ہر حال میں اس کی خشیت و اطاعت ہے، اس لیے کہ مسلمان کا سب سے پہلا اور کارگر ہتھیار یہی ہے۔ مسلمان کا سب سے پہلا اور فوری دشمن ''گناہ'' ہے۔ اس کے بعد حربی کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کی نگرانی یاد دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ تمھارے لشکر کی ہر دم نگرانی ہو رہی ہے۔ تمھیں نگران فرشتوں سے حیا کرنی چاہیے اور گناہوں سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ انتہائی غیر معقول امر ہے کہ آدمی جان ہتھیلی پر رکھے

① الفاروق عمر بن الخطاب لمحمد رشید رضا، ص: 120,119 ② التاریخ الإسلامي: 374/10.

میدانِ جنگ میں موجود ہو اور اللہ کی نافرمانی بھی کرے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تاکیدًا باور کرایا کہ اسلامی لشکر کے لیے ہرگز روا نہیں کہ وہ دشمن کو گناہوں میں مبتلا دیکھ کر خود گناہ کرنے کی وجہِ جواز تلاش کرے۔ انھیں تو ہر دم اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

② دوسرا اصول جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات سے مستنبط ہوا وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے جس علاقے میں معرکہ پیش آئے، اس علاقے کو ہر قسم کے ممکنہ خطرات سے پاک کیا جائے۔ ذمیوں سے کیے گئے عہد کی پاسداری کا لحاظ رکھا جائے۔ اسبابِ امن تلاش کیے جائیں۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان قطع تعلق کے اسباب سے پرہیز کیا جائے اور کسی بھی اقدام سے ذمیوں کے خلاف کوئی نامناسب حرکت نہ ہو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اسلامی لشکر کے حوصلے بلند رکھنے کے جملہ اسباب فراہم کریں اور انھیں دشمن کی سرزمین پر اس قدر مستعد حالت میں بھیجیں کہ ان میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی مکمل طاقت موجود ہو۔ انھوں نے فرمایا: آپ مسلمانوں سے سفر کے معاملات میں نرمی کا سلوک روا رکھیں، یہاں تک فرمایا کہ انھیں اتنی راحت دو کہ وہ اپنے آپ کو اچھی طرح تیار اور اپنے اسلحے اور دیگر سامان کو ٹھیک طرح مرتب کرسکیں تاکہ مکمل اطمینان حاصل ہو جائے کہ اسلامی لشکر کی سلامتی اور دفاع مضبوط ہے اور جنگی سامان پوری طرح تیار ہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خبردار فرمایا کہ یاد رکھو! پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ سب سے مضبوط اسلحہ مسلمان کے لیے اسلامی طور طریقوں کو اپنانا ہے اس طرح ہر مسلمان کے قول اور فعل میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے طور پر اسلامی لشکر کا پڑاؤ معاہدے والے ذمیوں کے علاقوں سے دور رکھنے کا حکم دیا۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی اقدام اس علاقے

کی فضا خراب کر دے جہاں لشکر نے پڑاؤ ڈال رکھا ہے۔ انھوں نے ان معاہدین کی سرزمین میں سوائے قابلِ اعتماد آدمی کے دیگر تمام افراد کے داخلے پر پابندی لگا دی اور انھیں ان سے کیے گئے معاہدوں کی حرمت اور پاسداری کا حکم دیا۔

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نصیحتوں سے تیسرا اصول یہ اخذ ہوا کہ ہر اقدام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جائے۔ معاہدین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ رکھا جائے اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مقرر کردہ امیر کو حکم دیا کہ وہ دشمنوں کے خلاف کامیابی کے لیے ان معاہدے والے ذمیوں پر کسی قسم کا ظلم نہ کرے۔ اور معرکے والے علاقوں کے باشندوں سے قابل اعتماد افراد سے مدد حاصل کرے۔ مطلب یہ ہے کہ مطلق طور پر اعتماد اور امن کی فضا ہو اور اتنا محتاط رویہ اپنایا جائے کہ حسن ظن کی مد میں کسی سے دھوکا نہ کھایا جائے۔

④ چوتھا اصول دشمن کے بارے میں ضروری معلومات کی فراہمی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات پر زور دیا کہ لشکر کے قابل اور سب سے زیادہ باصلاحیت افراد پر مشتمل جاسوسی ہراول دستے تشکیل دیے جائیں۔ انھیں ممکن حد تک بہترین اسلحہ مہیا کیا جائے کیونکہ عین ممکن تھا کہ معلومات حاصل کرنے کے دوران میں دشمن سے مُڈھ بھیڑ ہو جائے، مجبورًا لڑائی کرنی پڑے اور دشمن پر یہ نفسیاتی طور پر برتری حاصل کی جاسکے کہ اسلامی لشکر انتہائی قوت کا حامل اور خبردار ہے۔ یوں وہ ان کے خلاف کسی قسم کی قوت استعمال کرنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچے گا۔

⑤ پانچواں اور آخری اصول یہ تھا کہ ہر مناسب فرد کو مناسب مقام دیا جائے اور دشمن کے بارے میں معلومات جمع کرنے کا مقصد یہ نہ ہو کہ اس کے خلاف جنگی پیش قدمی کر دی جائے بلکہ جب تک دشمن کی طرف سے مسلمانوں کو لڑائی کے لیے مجبور نہ کر دیا جائے جنگ شروع نہ کی جائے، اس لیے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جنگ کی ممکنہ

تیاری تو مکمل رکھیں مگر جنگ سے ہاتھ روکے رکھیں اور بہت احتیاط سے اپنے دفاع کا پورا اہتمام کریں۔ [1]

ارتداد سے تائب ہونے والوں سے جنگوں میں مدد لینا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف جنگ یا پیش قدمی کی کسی حالت میں کسی تائب ہونے والے مرتد سے اعانت کی اجازت نہ دی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کو سچے دل سے تائب ہونے، اپنی اصلاح کرنے اور ان میں اسلامی تربیت راسخ ہونے کے بعد انھیں معرکوں میں شریک کرلیا، تاہم وہ انھیں عامل بنانے یا کوئی منصب دینے کے حامی نہ تھے۔ [2]

ایک روایت کے مطابق انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو طلیحہ بن خویلد اسدی اور عمرو بن معدیکرب الزبیدی رضی اللہ عنہما کے بارے میں لکھا تھا: ان سے جنگوں میں مدد لے لو لیکن انھیں کوئی منصب نہ سونپنا اور انھیں ایک سو (100) افراد پر بھی حاکم مقرر نہ کرنا۔ [3]

ہم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دونوں خلیفۂ راشد کے عمل سے یہ استفادہ کر سکتے ہیں [4] کہ جو شخص اسلام سے منحرف ہوکر مرتد ہو جائے، پھر سچی توبہ کر لے اس کی توبہ قبول ہوگی اور اس کا مال اور جان محفوظ ہوں گے۔ اس کے ساتھ مثبت یا منفی سلوک مسلمانوں جیسا ہی کیا جائے گا۔ صرف یہ احتیاط برتی جائے گی کہ انھیں کسی مہم کا امیر مقرر نہ کیا جائے۔ قیادت کے معاملے میں انتہائی احتیاط برتی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شاید اس کی توبہ نفاق پر مبنی ہو اور اگر ایسا ہوا تو یہ امر زمین میں فساد کا سبب بنے گا۔ زندگی کے پیمانے الٹ جائیں گے۔ منافق قریب ہو جائیں گے جبکہ سچے اہل ایمان اقتدار سے دور ہٹتے چلے جائیں گے اور اسلامی معاشرہ جاہلی معاشرے کی جھلک پیش کرنے لگے گا۔

---

[1] الدور السياسي للصفوة في صدر الإسلام، ص: 429. [2] التاريخ الإسلامي: 375/10.
[3] التاريخ الإسلامي: 375/10. [4] جامع الترمذي، حديث: 3680.

دونوں خلفائے راشدین کے اس عمل میں اسلامی معاشرے کے لیے رہنمائی موجود ہے تاکہ کسی قسم کا کوئی فساد نہ پھیلے۔ ممکن ہے ارتداد سے تائب افراد کے لیے یہ فیصلہ ان کی اس ہوسِ اقتدار کی وجہ سے کیا گیا ہو کیونکہ ان کے ارتداد کا سبب حصولِ اقتدار ہی تھا، لہٰذا فقہی اصول کے مطابق ان کی توبہ کے باوجود انھیں اقتدار سے محروم رکھا جائے۔ ایسے آدمی کے لیے اس میں ایک سبق یہ بھی تھا کہ وہ اسلامی نہج سے ہرگز نہ ہٹے اور اقتدار کا طلبگار نہ بنے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام خط

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کا پیغام اس وقت موصول ہوا جب وہ عراقی حدود کے ایک اونچے مقام پر خیمہ زن تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں وہاں سے فارس کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس پیغام میں لکھا تھا: تم اور تمھارے لشکر کو اب اس مقام سے فارس کی طرف پیش قدمی شروع کر دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرو اور اپنے جملہ معاملات میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کے خواستگار رہو اور اے سعد! جان لو بلاشبہ تم ایسی قوم سے ٹکرانے جا رہے ہو جن کی نفری اور تیاری تم سے زیادہ ہے۔ ان کے شہر محفوظ ہیں۔ لوگ جنگجو ہیں۔ راستے میں دریا، سمندروں کی طغیانی اور وادیاں حائل ہیں جبکہ تمھیں بھی ایسے احوال میں جزوی طور پر کچھ نہ کچھ حاصل ہے۔ جب اجتماعی یا انفرادی طور پر دشمن سے تمھارا سامنا ہو تو پوری تیاری اور بھرپور قوت سے ان پر حملہ کر دینا اور جنگ شروع ہونے کے بعد کسی قسم کا انتظار نہ کرنا۔ یہ خیال رکھنا کہ اہلِ فارس تمھیں دھوکا نہ دینے پائیں۔ یہ عجمی لوگ انتہائی مکّار اور دھوکے باز ہیں۔ ان کا معاملہ تم جیسا نہیں۔ ہاں اگر تمھیں یقین ہو جائے تو دوسری بات ہے۔ جب تم قادسیہ پہنچ جاؤ تو لشکر کی ترتیب اس طرح رکھو کہ فوجیوں کے اگلے مورچے قادسیہ سے متصل ہوں اور سارا لشکر صحرا اور آباد

[1] التاريخ الإسلامي: 376/10.

بستیوں کے درمیان ہو، یعنی پہاڑوں اور بستیوں کے سامنے پھیلا ہوا ہو اور سامنے کھلا میدان ہو، پھر اے سعد! تم اپنی جگہ پر جمے رہنا۔ اگر انھیں یہ محسوس ہوا کہ تم انھیں دبا رہے ہو تو وہ اپنے سارے لشکر تم پر چڑھا لائیں گے۔ وہ گھوڑوں پر سوار یا پیادہ اکیلے اور اجتماعی طور پر زور شور سے حملہ آور ہوں گے۔ اگر تم دشمن کے اس حملے میں ثابت قدم رہو تو ان کا حملہ روک دو اور امانت ادا کرنے کی نیت رکھو تو مجھے امید ہے کہ تم ان پر غالب آ جاؤ گے۔ ایک دفعہ شکست کھانے کے بعد وہ لوگ کبھی تم پر اس طرح حملہ آور نہیں ہوں گے۔ اگر وہ دوبارہ جمع ہو بھی گئے تو ان کے دلوں میں جوش اور ولولہ نہیں ہو گا۔ بالفرض تمھیں کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے تو یاد رکھو تمھاری پشت پر عرب کے پہاڑ ہیں۔ تم دشمن کے آخری گاؤں سے نکل کر فوراً اپنی سرزمین میں پہاڑوں کی پناہ میں آ سکتے ہو۔ تم اپنی زمین کو خوب جانتے ہو۔ اس سرزمین میں لڑائی اور دفاع کے ماہر ہو۔ تمھارا دشمن وہاں انتہائی بزدل نظر آئے گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ مفصل ہدایات کہ لشکر کس مقام پر کس طرح مورچہ بند ہو بعینہ اس وصیت کے مطابق تھا جو حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے فوت ہونے سے چند لمحے پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھی تھی۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ وصیت ان کے تین سالہ دور کا تجربہ تھا جو انھوں نے سپاہِ فارس کے خلاف جہاد کرتے ہوئے صرف کیے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ طیبہ میں بیٹھے بیٹھے میدان جنگ کی پوری منصوبہ بندی فرما دینا ان کی زبردست ذہانت کا ثبوت تھا، حالانکہ انھوں نے ابھی تک عراق کی سرزمین پر قدم تک نہیں رکھا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان ہدایات میں اسلامی لشکر کو دشمن کی رسائی سے دور رکھنے کی تلقین تھی، پھر یہ ہدایت تھی کہ چھوٹے چھوٹے لشکر ترتیب دیے جائیں جو دشمن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں اور اُن کے فوجیوں کو پریشان رکھیں۔ یہ عمل تسلسل سے جاری رکھا جائے تاکہ مسلمان اپنے دشمن کو وہاں گھیرنے میں کامیاب ہو جائیں جہاں وہ ان سے

فیصلہ کن مقابلہ کرنا چاہتے ہوں۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک فتح کے باطنی اسباب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب گرامی ارسال کیا جس میں انھوں نے کامیابی کے وہ داخلی اسباب اُجاگر فرمائے جنھیں ظاہری اسباب پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ انھوں نے لکھا: اے سعد! اپنے دل کا مسلسل جائزہ لیتے رہو، اپنے لشکر سے خالص نیت، اجر کے حصول اور خیر خواہی کے بارے میں مذاکرے کرتے رہو۔ جو شخص غافل ہو اسے خالص نیت اور اجر کے حصول کا سبق یاد کراؤ۔ انتہائی صبر اور ثابت قدمی کو لازم پکڑو۔ یاد رکھو! نیتوں کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور حصولِ ثواب کی نیت سے اجر ملتا ہے۔ جس مہم اور جس راستے پر تم چل رہے ہو اس کے پیش نظر تمھیں انتہائی محتاط رہنا ہوگا۔ تم سب اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کثرت سے پڑھو۔ مجھے پوری تفصیل سے آگاہ کرو کہ تمھارا لشکر کہاں پہنچا ہے؟ اور دشمن کا سپہ سالار کون ہے جو تم سے ٹکرانا چاہتا ہے؟ میں تمھیں بعض باتیں لکھنا چاہتا تھا لیکن مجھے معلوم نہیں کہ تم نے کس طرف پیش قدمی کی ہے؟ اور تمھارا دشمن کس پوزیشن میں ہے؟ مجھے مسلمانوں کی قیام گاہوں کی مکمل تفصیلات فراہم کرو اور اپنے اور مدائن کے درمیان واقع تمام شہروں کی ایسی تصویر کشی کرو جیسے میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اپنے حالات سے پوری تفصیل سے آگاہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کی بارگاہِ عالی سے اچھی اُمید رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہرگز کوئی گستاخی نہ کرو۔ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اچھا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اعتبار کرو۔ اس کی ذاتِ عالی سے وعدہ خلافی کا مطلق کوئی ڈر نہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کے وعدے سے

[1] التاريخ الإسلامي: 10/379.

صرفِ نظر مت کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ دوسرے لوگوں کو آباد فرما دے گا۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس مکتوب گرامی میں دلوں کی مسلسل نگرانی کی تاکید فرمائی ہے۔ دل تمام جسم کو حرکت دینے والا اعضو رئیس ہے۔ جب وہ درست ہوجائے گا تو سارا جسم درست ہوگا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اسلامی لشکر کو وعظ و نصیحت کرتے رہیں۔ انھیں نیت خالص کرنے اور اللہ تعالیٰ سے اجر کا اُمید وار رہنے کی تلقین کرتے رہیں۔ وہ آگاہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا یہی بنیادی سبب ہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرنے سے ڈراتے ہیں اور خبردار کرتے ہیں: اے سعد! اپنی ذمہ داری کا دھیان رکھ اور آئندہ فتوحات حاصل کرنے کی فکر کر۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجاہدین کو اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی قوت اور مہربانی پر موقوف ہے۔ وہ مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ کو خوف اور امید کو باہم جمع رکھنے کا درس دیتے ہیں خوف و رجا توحید کا اعلیٰ مقام ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید بھی کی ہے کہ وہ اپنے کسی عمل سے اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کریں اور اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کی ثنا خوانی نہ کریں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کو غالب کرنے اور ممالکِ کفر کو نیست و نابود کرنے کا وعدہ بھی یاد دلاتے ہیں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فتح کے جملہ اسباب میں سے کسی بھی سبب کو اختیار کرنے میں سستی سے روکتے ہیں۔ وہ خبردار کرتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا تو یہ وعدہ اللہ تعالیٰ ان کے علاوہ کسی اور کے ہاتھوں پورا فرمائے گا۔[2]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی طرف سے قادسیہ کے محاذ کی رپورٹ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان تمام علاقوں کی تفصیلات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجیں جو اس

[1] تاریخ الطبري: 315/4. [2] التاریخ الإسلامي: 379/10.

فیصلہ کن معرکے کا مقام ہو سکتے تھے۔ انھوں نے لکھا کہ وہ تمام لوگ جو مسلمانوں سے مصالحت کر چکے تھے اب باغی ہو کر اہلِ فارس سے مل گئے ہیں اور ہمارے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ وہ شخص جسے ہمارے خلاف سپہ سالار مقرر کیا گیا ہے اس کا نام رستم ہے۔ وہ اپنے جیسے کئی دیگر سالاروں کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے۔ دشمن ہمیں پیچھے دھکیلنا چاہتا ہے جبکہ ہم انھیں دبا کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اب بہر حال اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ حتمی اور قابل قبول ہو گا، ہم اللہ تعالیٰ سے بہترین فیصلے کے امیدوار ہیں اور عافیت کے خواستگار ہیں۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا: تمھارا مکتوب مل گیا ہے۔ میں ساری بات سمجھ گیا ہوں۔ تم اپنی موجودہ جگہ ہی پر جمے رہنا تا آنکہ دشمن ناکام ہو جائے۔ خوب جان لو! جس نے یہ میدان مار لیا اس کے بعد بھی فتح اسی کی ہوگی۔ جب دشمن پیٹھ پھیر جائے تو اسے سنبھلنے کا موقع نہ دینا تا آنکہ مدائن زیر نگیں ہو جائے اور ان شاء اللہ عنقریب مدائن کی بربادی کا وقت آ پہنچا ہے۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس پیغام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے انتہائی مناسب فیصلہ فرمایا۔ وہ یہ کہ سعد رضی اللہ عنہ قادسیہ ہی میں مقیم رہیں۔ دشمن کے پیچھے جانے میں جلدی نہ کریں۔ بلکہ دشمن کو جلدی کرنے دیں اور یہیں رک کر فتح حاصل کرنے کی کوشش کریں، پھر مدائن تک دشمن کا تعاقب کریں۔ اس طرح اللہ مدائن بھی فتح کرا دے گا۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مادی اسباب اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ مجاہدین کے حوصلوں کو بھی بلند رکھا اور دشمن پر ایک نفسیاتی جنگ اُسی کے گھر میں مسلط کر دی، اس طرح انھوں نے اہلِ فارس کی سلطنت اور غلبہ پانے والی قوت کو ہراساں کر دیا۔ انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا: اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جب

---

[1] البداية والنهاية: 38/7. [2] البداية والنهاية: 38/7. [3] الفن العسكري الإسلامي، ص: 253.

تم اپنے دشمن سے نبرد آزما ہو گے تو ان شاء اللہ فتح تمھارا مقدر ہوگی۔ جب تم عجم سے برسر پیکار ہو اور کوئی فرد زبان یا اشارے سے بھی امان طلب کرے تو اسے امان دو۔ امان دینے میں غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے بلکہ وفا کا پہلو غالب رہنا چاہیے۔ غداروں سے چوکنا رہنا چاہیے۔ غداری سے خطا کھانا باعث ہلاکت ہے۔ اس میں تمھاری کمزوری اور دشمن کی قوت مضمر ہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے وجدان اور احساسات کے ذریعے سے گویا اسلامی لشکر کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ بظاہر وہ مدینہ میں تھے لیکن ان کے خیالات کی روان کی انگلی پکڑ کر انھیں قادسیہ میں لیے پھر رہی تھی۔ قادسیہ کی صورتِ حال کی وجہ سے وہ اس قدر متفکر تھے کہ ان کی زندگی بے کیف ہوگئی۔ وہ جب تک محاذِ جنگ کی خبریں نہ سن لیتے انھیں قرار نہ آتا۔ فتح کے الہام کے بعد ان کے دکھ میں کچھ کمی آئی جو مسلمانوں کے لیے محکمی اور استقامت کا باعث بنی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو روحانی قوت کے اسباب سے آگاہ فرمایا۔ انھیں اچھی گفتگو کرنے، سچ بولنے اور عہد و پیمان میں وفاداری کا سبق سکھلایا۔ حق یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عہد و پیمان کے بارے میں بے حد حساس تھے اور پاسِ وفا کے سلسلے میں وہ بڑی سے بڑی رعایت بھی مرحمت فرما دیتے تھے۔ اگر کوئی کافر غلط فہمی سے کسی عام مسلمان کی کسی بات کا مدعٰی یہ سمجھتا کہ اس نے اسے امان دے دی ہے اور وہ مسلمان اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اسے بتاتا کہ نہیں، میں نے تمھیں امان نہیں دی، تم نے میری بات کا مطلب غلط سمجھا ہے تو ایسے معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہی ہوتا تھا کہ چاہے کافر کو مغالطہ ہوا ہے مگر اب اسے بہر حال امن کی ضمانت حاصل رہے گی۔[2]

(1) إتمام الوفاء في سيرة الخلفاء، ص: 73. (2) التاريخ الإسلامي: 381/10.

شاہِ فارس کی طرف وفد ارسال کرنے کا حکم

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پیغامات میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر دشمن ڈرائے یا خوفناک خبریں بھیجے تو تم انھیں خاطر میں نہ لانا اور اللہ رب العزت ہی سے مدد کے طلبگار رہنا اور اسی پر بھروسا کرنا۔ تم ایسے افراد منتخب کرو جو طاقتور، معاملہ فہم اور سمجھدار ہوں۔ انھیں شاہِ فارس کے پاس دعوت الی اللہ کے لیے روانہ کرو۔ بلاشبہ یہ دعوت ان کے لیے کمزوری اور تمھارے لیے غلبے کا باعث ہوگی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ بھی لکھا کہ وہ اطلاعِ احوال کے لیے انھیں روزانہ خط لکھیں۔[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سمجھدار، معاملہ فہم اور طاقتور جسم کے افراد کا انتخاب شروع کر دیا اور جن لوگوں پر نظرِ انتخاب پڑی وہ مندرجہ ذیل تھے: ① نعمان بن مقرن مزنی ② بسر بن ابی رہم جہنی ③ حملہ بن جویہ کنانی ④ حنظلہ بن ربیع تمیمی ⑤ فرات بن حیان عجلی ⑥ عدی بن سہیل ⑦ مغیرہ بن زرارہ بن نباش بن حبیب رضی اللہ عنہم۔

ان کے علاوہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے چند ایسے خاص افراد کا چناؤ بھی کیا جو سمجھدار ہونے کے ساتھ ساتھ قد آور جسامت کے مالک بھی تھے ان کے نام یہ ہیں: ① عطارد بن حاجب تمیمی ② اشعث بن قیس کندی ③ حارث بن حسان ذہلی ④ عاصم بن عمرو تمیمی ⑤ عمرو بن معدیکرب زبیدی ⑥ مغیرہ بن شعبہ ثقفی ⑦ معنّٰی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہم۔[2]

یہ کل 14 مبلغ تھے جنھیں سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق یزدگرد کو حکمت و دانائی، عمدہ پیرائے اور خوش اسلوب گفتگو کے ذریعے سے اسلامی دعوت پیش کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ اسلامی لشکر کے ممتاز افراد تھے۔ ممکن تھا کہ ان کی دعوتِ دین سے یزدگرد اور اس کے متبعین کو ایمان نصیب ہو جائے اور دونوں طرف سے خون کی ندیاں

① البداية والنهاية: 38/7. ② الكامل في التاريخ: 101/2.

بہنے کے امکانات ختم ہو جائیں۔

یہ وفد انتہائی قابل، ماہر اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے والے افراد پر مشتمل تھا، مزید یہ کہ وہ مضبوط جسامت، معاملہ فہمی اور قوت و ہیبت میں بلند مقام کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ فارس سے جنگ کا تجربہ بھی رکھتے تھے۔ ان میں سے بہت سے افراد ایسے تھے جنھوں نے سپاہِ فارس سے کئی بار معرکہ آرائی کی تھی اور فتح پائی تھی۔ بعض ایسے تجربہ کار افراد بھی تھے جنھوں نے جاہلی دور میں بھی شاہانِ فارس سے مذاکرات کیے تھے اور وہ فارسی زبان بھی جانتے تھے۔ گویا سعد رضی اللہ عنہ نے اس وفد کے لیے ہر لحاظ سے ایسے افراد کا چناؤ کیا تھا جو مذاکرات کے ماہر اور انتہائی معاملہ فہم تھے۔[1]

یہ منتخب وفد اپنی جسامت، رعب، طاقت اور سوجھ بوجھ کی وجہ سے زبردست کشش اور دبدبے، دونوں خوبیوں سے مزین تھا۔[2]

یہ وفد حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔ مدائن پہنچا۔ بادشاہ یزدگرد سے مذاکرات ہوئے۔ یزدگرد نے اپنے ترجمان کے ذریعے سے سوال کیا کہ تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟ ہم سے کیوں لڑنا چاہتے ہو؟ اور ہمارے علاقوں میں کیوں داخل ہوئے ہو؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ باہمی عداوت میں مشغول ہو گئے تھے اور تمھیں ہمارے خلاف کارروائی کا موقع مل گیا؟ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ عزوجل نے ہم پر رحمت فرمائی۔ اس نے ہماری طرف رسول بھیجا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بھلائی کا حکم دیتے تھے۔ برائی سے منع فرماتے تھے۔ اس نے اس کے عوض ہم سے دنیا اور آخرت کی بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ اُن کی دعوت سے قبائل کے کچھ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ کچھ نے انکار کیا، پھر انھوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم عرب سے اس دین کی مخالفت کرنے والوں سے جہاد کی ابتدا کریں۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ ان میں سے بعض

---

[1] ماخوذ از: القادسية لأحمد عادل كمال، ص: 70. [2] الدعوة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب.

لوگ اسلام میں داخل ہوئے، جبکہ وہ ناپسند کرنے والے اور مجبور تھے لیکن بعدازاں وہ اس عظیم نعمت کی وجہ سے قابلِ رشک ٹھہرے۔ بعض لوگ اپنی مرضی سے ہنسی خوشی اس دین میں داخل ہوئے تو ان کی عزت اور بڑھ گئی۔ ہم سب نے اس عظیم نعمت کو پہچانا اور اسے اس باہمی عداوت اور ضد بازی پر ترجیح دی جس میں ہم اس کے آنے سے پہلے مبتلا تھے۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں عرب سے باہر ملحقہ قوموں سے جہاد کا حکم دیا۔ ہم انھیں انصاف کی بات کی طرف بلاتے ہیں۔ ہم تمھیں بھی اسی دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ہمارا دین اچھے کو اچھا اور برے کو برا کہتا ہے۔ اگر تم اسے قبول نہ کرو تو پھر تمھیں وہ ہتک قبول کرنی ہوگی جو بڑی بے عزتی کے مقابلے میں کم ہے، یعنی تمھیں جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر جزیہ دینے سے بھی انکار کرو گے تو پھر جنگ اور قتال ہوگا۔

اگر تم ہمارا دین قبول کر لو تو تم پر کتاب اللہ کا نفاذ ہوگا۔ ہم تم سے اس کتاب کے احکام پر عمل کرنے کی پابندی کرائیں گے۔ تمھیں کچھ نہیں کہیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔ اگر تم جزیہ دینا چاہتے ہو تو ہم جزیہ قبول کر لیں گے۔ تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ تمھاری حفاظت بھی کریں گے، ورنہ تم سے جنگ کریں گے۔

شاہِ فارس یزدگرد نے کہا: میں نے اس پوری کائنات میں تم سے زیادہ بدبخت، تعداد کے لحاظ سے کم اور برا سلوک کرنے والے لوگ نہیں دیکھے۔ تم وہ لوگ ہو جنھیں ہم نے مضافات کی بستیاں دے رکھی تھیں۔ تم لوگ مطمئن تھے۔ تم لوگوں نے ہمارے خلاف مقابلہ کرنے کی کبھی جرأت نہیں کی تھی۔ اب اگر تمھیں کوئی غرور یا غلط فہمی لاحق ہوگئی ہے تو سن لو! خود ہی اپنی غلط فہمی دور کر لو۔ ہم چاہے کتنے ہی تنگدست ہوں مگر موسم آنے پر تمھیں تمھاری خوراک مہیا کر دی جائے گی۔ تمھاری عزت کی جائے گی۔ تمھیں پہننے کے لیے کپڑے ملیں گے اور ہم تم پر ایسا حاکم مقرر کریں گے جو تم سے نرمی سے پیش آئے گا۔

مدائن
دریائے دجلہ
نہر الملک
ساباط
نہر کوثی
کوثی
سورا
بابل
کربلا
نہر نیل
برس
سواد عراق
دیر اعور
نجف
حیرہ
قادسیہ
رستم کی پیش قدمی
مدائن سے قادسیہ کی طرف
رستم کی پیش قدمی
ایرانی پڑاؤ

نقشہ: 4

یہ سن کر حضرت مغیرہ بن زرارہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے فرمایا: تم نے ہماری بدحالی کا جو تذکرہ کیا ہے وہ درست ہے بلکہ ہم تو اس سے بھی زیادہ بدحال تھے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عربوں کی زبوں حالی کا مزید تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحمت فرمائی اور اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا، پھر انھوں نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ جیسی کئی باتیں ارشاد فرمائیں اور کہا: اب تم ذلت کے ساتھ جزیہ دینا قبول کرلو ورنہ ہمارے تمھارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی یا پھر اسلام قبول کر کے اپنی نجات کا سامان کرلو۔ یزدگرد نے کہا: اگر یہ عالمی قانون نہ ہوتا کہ سفیر قتل نہیں کیے جاسکتے تو میں تمھیں ضرور قتل کرا دیتا۔ جاؤ، چلے جاؤ۔ تمھارے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے، پھر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور اپنے خدام سے کہا: ان میں سے جو سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے، یہ ٹوکرا اس کے سر پر رکھ دو، پھر اسے ہانک دو یہاں تک کہ وہ مدائن کے دروازے سے باہر نکل جائے۔ عاصم بن عمرو خود آگے بڑھے اور فرمایا: میں ان سب سے زیادہ معزز ہوں، پھر انھوں نے مٹی کا ٹوکرا اٹھایا۔ اپنی سواری پر سوار ہوئے، سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: «أَبْشِرْ فَوَاللّٰهِ! لَقَدْ أَعْطَانَا اللّٰهُ أَقَالِيدَ مُلْكِهِمْ» ”خوش ہو جائیے، اللہ کی قسم! اللہ نے ہمیں ان کے ملک کی چابیاں دے دی ہیں۔“[1]

رستم ایک لاکھ سے زیادہ افراد پر مشتمل لشکر جرار لے کر ساباط سے روانہ ہوا۔ جب وہ بابل اور مدائن کے درمیان واقع کوش نامی بستی سے گزرا تو اسے ایک عربی شخص ملا۔ رستم نے اس سے پوچھا: تم کیوں آئے ہو؟ اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اگر تم اپنا ملک ہمارے حوالے نہ کرو تو سن لو! ہم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اسے حاصل کرنے آئے ہیں۔ رستم نے کہا: تب تو ہم تمھارے ہاتھوں رسوا ہو جائیں گے۔ اس نے کہا: تم اپنے ان اعمال کی وجہ سے رسوا ہو جو اللہ نے تمھارے مقدر میں لکھے ہیں۔ اے

[1] البداية والنهاية: 43/7.

بادشاہ! تو اپنے گرد اس لشکر کو دیکھ کر کسی غلط فہمی کا شکار مت ہو، بلاشبہ تو انسانوں سے جنگ کرنے نہیں جا رہا بلکہ اپنے مقدر سے لڑنے جا رہا ہے۔ یہ سن کر رستم ناراض ہو گیا اور اس آدمی کو قتل کرا ڈالا۔

رستم جب کوفہ اور حلہ کے درمیان واقع بستی ''برس'' پر سے گزرا تو اس کے لشکر نے ان بستی والوں کو لوٹ لیا، شراب پی اور ان کی عورتوں سے بدکاری کی۔ اہلِ برس نے رستم سے شکایت کی تو اس نے اپنی قوم سے کہا: ''اللہ کی قسم! اس عربی نے ٹھیک کہا تھا۔ اللہ کی قسم! ہمیں اپنے ایسے اعمال کی شامت سے رسوا ہونا پڑے گا۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ دورانِ جنگ عرب لوگوں کا ان لوگوں سے برتاؤ، جبکہ وہ ان سے لڑ بھی رہے ہوں، تم لوگوں سے کردار کے لحاظ سے بہتر ہے۔''[1]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب رستم کی روانگی کا حال سنا تو عمرو بن معدیکرب زبیدی رضی اللہ عنہ اور طلیحہ بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ کو دس (10) افراد کے ساتھ دشمن کے لشکر کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ انھوں نے دشمن کے جانوروں کو عرب سرزمین کے کناروں پر گھومتے دیکھا۔ طلیحہ رضی اللہ عنہ سب سے آگے نکل گئے۔ وہ دشمن کے لشکر تک جا پہنچے۔ لشکر کے مکمل حالات سے آگاہی حاصل کی اور واپس آ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تمام تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔

طلیحہ رضی اللہ عنہ مرتدین کے لیڈروں میں سے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہر تائب ہونے والے مرتد کو جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی تھی جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ایسی اجازت دینے کے حق میں نہیں تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں جہاد میں شرکت کی اجازت دے دیتے تھے لیکن یہ احتیاط ضرور برتتے تھے کہ انھیں کسی علاقے کا حاکم یا عامل مقرر نہیں فرماتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ سچے تائبین ایمان و تقویٰ کی روح سے مکمل طور پر آشنا ہو جائیں

[1] إتمام الوفاء في سيرة الخلفاء، ص: 57.

اور ایمان و تقویٰ کی صداقت کو از خود جانچ لیں۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ان تائبین کو جہاد میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

حضرت طلیحہ اور عمرو زبیدی رضی اللہ عنہما نے عراق کی جنگوں میں اہلِ فارس کے خلاف بہت سے کارنامے انجام دیے۔

رستم کو دعوت دینے کے لیے وفد کی روانگی

رستم اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ حیرہ سے چلتا ہوا مسلمانوں کے بالمقابل قادسیہ کے پُل کے قریب علاقہ عتیق میں ٹھہرا۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک نہر حائل تھی۔ سپاہِ فارس کے پاس تینتیس (33) ہاتھی بھی تھے۔ رستم نے پڑاؤ ڈالا تو سعد رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنا کوئی نمائندہ بھیجو، ہم اس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب ربعی وہاں پہنچے تو دیکھا کہ رستم ایک سونے کے تخت پر براجمان ہے۔ تکیے اور گدے سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے تھے۔ ربعی وہاں پہنچے تو وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کی تلوار ایک پُرانے کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی اور نیزا کپڑے کے ٹکڑوں سے بندھا ہوا تھا۔ انھوں نے رستم کے خیمے میں ایک شاندار قالین بچھا دیکھا وہ اس قالین کو اپنے گھوڑے کے سموں تلے روندتے ہوئے آگے بڑھے، پھر انھوں نے اپنا گھوڑا دو گاؤ تکیوں کے کناروں سے باندھ دیا اور باگیں ان دونوں تکیوں کے درمیان چھوڑ دیں، پھر اپنے اونٹ پر بچھائی جانے والی چادر اوڑھ لی۔ وہاں موجود لوگوں نے انھیں اپنے ہتھیار اتارنے کو کہا تو ربعی نے فرمایا: اگر میں اپنی مرضی سے آیا ہوتا تو ایسا ہی کرتا مگر اس وقت تو تم نے مجھے بلایا ہے، لہٰذا میں اپنے ہتھیار نہیں اُتار سکتا، پھر وہ اپنے نیزے کو قالین پر ٹیکتے ہوئے آگے بڑھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہے تھے اور قالین میں سوراخ کر رہے تھے، پھر وہ رستم کے قریب ہوئے۔ زمین پر بیٹھ گئے اور اپنا نیزا قالین

میں گاڑ دیا اور فرمایا: ہم تمھاری زینت پر نہیں بیٹھتے۔ رستم نے سوال کیا: تم کس لیے (فوجیں لے کر) آئے ہوئے ہو؟ ربعی نے فرمایا: «اَللّٰهُ جَآءَ بِنَا وَهُوَ بَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ مِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا إِلٰى سَعَتِهَا وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْيَانِ إِلٰى عَدْلِ الْإِسْلَامِ فَأَرْسَلَنَا بِدِينِهٖ إِلٰى خَلْقِهٖ فَمَنْ قَبِلَهٗ قَبِلْنَا مِنْهُ وَرَجَعْنَا عَنْهُ وَتَرَكْنَاهُ وَأَرْضَهٗ وَمَنْ أَبٰى قَاتَلْنَاهُ حَتّٰى نُفْضِيَ إِلَى الْجَنَّةِ أَوِ الظَّفَرِ» ''ہمیں اللہ تعالیٰ یہاں لایا ہے۔ اس نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ ہم اس کے بندوں میں سے جنھیں وہ چاہے دُنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی خوش حالی کا راستہ دکھائیں اور تمام ادیان باطلہ کے ظلم سے نجات دلا کر انھیں اسلام کے عدل و انصاف سے آگاہ کریں۔ انھوں نے مزید فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے دین کے ساتھ اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے جو اس دین کو قبول کر لے گا ہم اس پر اعتبار کریں گے اور واپس چلے جائیں گے اور اس کی سرزمین اسی کے ہاتھ میں رہنے دیں گے۔ جو انکار کرے گا ہم اس سے جنگ کریں گے تاآنکہ جنت یا کامیابی حاصل کرلیں۔''[1]

رستم نے کہا: ہم نے تمھاری باتیں سن لی ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم جنگ کچھ دیر کے لیے مؤخر کر دو اور ہمیں سوچنے کا موقع دو؟ ربعی نے فرمایا: ہاں! بلاشبہ ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کا یہی طریقہ کار تھا کہ وہ دشمن کو تین دن کی مہلت عطا فرماتے تھے۔ ہم تین دن تک تمھارے جواب کے منتظر رہیں گے۔ تم درپیش معاملے پر خوب غور وفکر کرلو۔ مہلت گزرنے کے بعد تین باتوں میں سے ایک اختیار کرلو۔ پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ ہم تم سے اور تمھاری سرزمین سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ دوسری بات جزیہ ادا کرنے کی ہے اگر تم اسلام کی دعوت قبول نہ کرو تو پھر تمھیں جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ ہم تمھاری حفاظت کریں گے اور بوقت ضرورت مدد بھی کریں گے۔ اگر یہ بات بھی قبول نہ ہو تو

[1] الكامل في التاريخ: 106/2.

چوتھے دن بھرپور جنگ ہوگی اور اس دن بھی ابتدا آپ ہی کی طرف سے ہوگی۔ میں اپنے تمام ساتھیوں کا ضامن ہوں۔

رستم نے کہا: کیا تم ان کے سردار ہو؟ ربعی نے فرمایا: نہیں، لیکن سب مسلمان ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کا ادنیٰ فرد بھی اعلیٰ فرد کی ضمانت دے سکتا ہے، پھر ربعی رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔

رستم نے اپنے مصاحبین سے مشورہ کیا اور کہا: کیا تم نے اس آدمی جیسی باتیں کبھی سنی ہیں؟ مصاحبین نے ربعی رضی اللہ عنہ کو بے وقعت بنانے کی کوشش کی۔ رستم نے کہا: تم ہلاک ہو جاؤ میں اس کی سوچ، کلام اور کردار کو دیکھ رہا تھا۔ یہ عرب لباس سادہ پہنتے ہیں لیکن حسب نسب کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔

دوسرے دن رستم نے سعد رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ ربعی رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بھیجو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ربعی رضی اللہ عنہ کی بجائے حذیفہ بن محصن غلفانی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ انھوں نے بھی ربعی رضی اللہ عنہ جیسی گفتگو کی اور ان کے جوابات اور جملہ گفتگو میں ربعی رضی اللہ عنہ سے مطابقت تھی۔ یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ دونوں اسی ایک گھاٹ کا پانی پینے والے تھے جسے اسلام کہا جاتا ہے۔ رستم نے پوچھا: وہ پہلا شخص کیوں نہیں آیا؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارا امیر ہر معاملے میں چاہے وہ مشکل ہو یا آسان ہمارے ساتھ انصاف کرتا ہے، اب میری باری تھی، انھوں نے مجھے بھیج دیا۔ رستم نے پوچھا: مہلت کتنے دن کی ہے؟ حذیفہ نے فرمایا: گذشتہ کل سے تین دن تک۔

تیسرے دن رستم نے پھر ایک آدمی کو بلایا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس دفعہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو سونے کے تخت پر اس کے پاس جا بیٹھے۔ محافظوں نے مغیرہ کو کھینچ کر وہاں سے اٹھانے کی کوشش کی۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں تمھارے بارے میں عقل کی کمی کی خبریں ملتی تھیں۔ مجھے تم سے بڑی بے وقوف قوم کہیں نظر

نہیں آتی۔ ہم عرب کے لوگ ایک دوسرے کو اس وقت تک غلام نہیں بناتے جب تک کہ وہ اس کے نظریے کے خلاف نہ ہو۔ میرا گمان تھا کہ تم بھی ہماری طرح ایک دوسرے کے غم خوار ہو گے۔ یہ طریقہ تمھارے لیے انتہائی بہتر تھا لیکن مجھے خبر ملی ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو رب مانتے ہو۔ اس طرح تمھاری یہ بادشاہت قائم نہ رہ سکے گی کیونکہ ایسا طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، نہ ایسی سوچ کا کوئی فائدہ ہے۔

مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سن کر وہاں موجود لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ عربی سچ کہتا ہے۔ کسانوں کے سرداروں نے کہا: اس نے ایسی باتیں کی ہیں کہ ہمارے غلام اس کی طرف کھنچے چلے جائیں گے۔ ہمارے بڑوں کا برا ہو جنھوں نے ان لوگوں کی طرف توجہ نہ کی، پھر رستم نے گفتگو کی، اس نے عربوں کو انتہائی حقیر قرار دیا۔ اہلِ فارس کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور عرب والوں کی خستہ حالی اور تنگ دستی کا تذکرہ کیا۔[1]

مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے جو ہماری بدحالی اور تنگدستی کا ذکر کیا ہے ہمیں اس کا اعتراف ہے، ہم اسے خوب جانتے ہیں۔ یہ دنیا پلٹے کھانے والی ہے۔ ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہو تو ہرگز ادا نہیں کر سکتے۔ ہر دم اس کی نعمتیں زیادہ اور شکر کم ہو گا۔ تمھاری ناشکری نے تمھیں اس حالت میں پہنچا دیا۔ بلاشک و شبہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا، پھر مغیرہ رضی اللہ عنہ نے وہی باتیں کیں جو ان سے پہلے حضرت ربعی رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کی تھیں۔ انھوں نے رستم کو قبولِ اسلام، جزیہ یا جنگ میں سے کسی ایک بات کو اختیار کرنے پر زور دیا اور اپنی بات ختم کر دی۔[2]

رستم نے علیحدگی میں اہلِ فارس سے مشورہ کیا اور کہا: ان لوگوں کا تمھارے ساتھ یہ کیسا رویہ ہے؟ پہلے دو عربی آئے۔ انھوں نے دلیری سے سر چڑھ کر گفتگو کی اور تمھیں

---

[1] الكامل في التاريخ: 108/2. [2] الكامل في التاريخ: 108/2.

چند باتوں کا اختیار دیا، پھر یہ شخص آیا تو اس نے بھی ویسی ہی گفتگو کی۔ یہ سب ایک ہی نہج پر چلتے ہیں اور ایک ہی منشور کے قائل ہیں۔ یہ لوگ سچے ہیں یا جھوٹے، اس سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں بہت دلیر۔ اللہ کی قسم! اگر ان لوگوں کی یہی سیرت رہی اور یہ لوگ اپنے آپ کو داغدار ہونے سے بچاتے رہے تو ان میں اختلاف نہ ہوگا۔ ایسے متحد لوگ اپنے ارادوں کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ نہیں پائیں گے، اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں تو ان کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ رستم کی یہ باتیں سن کر وہاں شور برپا ہو گیا۔

معرکے کی تیاری اور واقعات

اہلِ فارس کو وفود کی دعوت نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ وہ اپنی سرکشی میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے طے شدہ معاملے کو پورا فرما دے۔ سپاہِ فارس اور مسلمانوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اہل فارس نہر عتیق پار کر چکے تھے۔ رستم نے اپنے بھاری بھرکم لشکر کو اس طرح مرتب کیا:

قلب میں ذوالحاجب (بہمن جادویہ) جس میں اٹھارہ (18) ہاتھی تھے جن پر بڑے بڑے صندوق اور فوجی موجود تھے۔

قلب سے متصل میمنہ پر جالینوس جبکہ میمنہ پر ہرمزان جس میں سات یا آٹھ ہاتھی تھے۔ اس پر بڑے بڑے صندوق اور فوجی سوار تھے۔

قلب کے ساتھ متصل میسرہ پر برزان جبکہ میسرہ پر مہران کو متعین کیا جس میں سات یا آٹھ ہاتھی تھے۔ ان پر بڑے بڑے صندوق اور فوجی سوار تھے۔

رستم نے سواروں کا ایک دستہ پل کی نگرانی پر مقرر کیا تاکہ مسلمان اسے عبور کر کے پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکیں۔ اب پُل مسلمانوں اور مشرکین کے شہسواروں کے درمیان آ گیا تھا۔

قادسیہ کے میدان میں مسلمان اور ایرانی آمنے سامنے

رستم نے اپنی صفیں اس طرح ترتیب دیں: سب سے پہلے اگلی صفوں میں شہسوار تھے۔ ان میں ہاتھی موجود تھے۔ پیادہ فوج کو پچھلی صفوں میں رکھا۔ رستم کے لیے بہت بڑا چھپر تعمیر کیا گیا۔ اس کے سائے میں بیٹھ کر وہ جنگ کی نگرانی کر رہا تھا۔[1]

دوسری طرف مسلمان بھی تیاری مکمل کر چکے تھے۔ انھوں نے جنگ کے لیے اچھی طرح تیاری کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے صبح سویرے ہی اپنے لشکر کی ترتیب قائم کی۔ مختلف امراء کا تقرر کیا اور ہر 10 افراد کے دستے پر ایک افسر مقرر کر دیا۔ اسلام میں سبقت رکھنے والوں کو علم عطا کیے۔ انھوں نے اپنے لشکر کے مقدمہ، ساقہ، میمنہ، میسرہ اور ہراول دستے مرتب فرمائے۔ وہ بھرپور تیاری سے قادسیہ کے میدان میں اترے۔ ان کے لشکر کی ترتیب اس طرح تھی:

مقدمہ پر زہرہ بن حویّہ رضی اللہ عنہ، میمنہ پر عبداللہ بن مُعتم، میسرہ پر شرحبیل بن سمط کندی اور اس سے پیچھے خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ، ساقہ پر عاصم بن عمرو، ہراول دستوں پر سواد بن مالک، شہسواروں پر سلمان بن ربیعہ باہلی اور پیادوں کی کمان پر حمّال بن مالک اسدی مقرر تھے۔ مجموعی طور پر تمام سواروں پر عبداللہ بن ذی سہمین حنفی کو کمانڈر اور کسی اختلاف کی صورت میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی کو فیصل اور زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو کاتب بنایا گیا جبکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سارے لشکر کا عمومی لیڈر مقرر کیا گیا۔ یہ سب تقرر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق تھے۔[2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو خطبہ دیتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴾

''اور بلاشبہ ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ بے شک میرے نیک

---

① الفن العسكري الإسلامي، ص: 255. ② الفن العسكري الإسلامي، ص: 255.

بندے زمین کے وارث ہوں گے۔''[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تمام قاریوں کو حکم دیا کہ وہ سورۂ انفال کی تلاوت کریں۔ انھوں نے سورۂ انفال تلاوت کی۔ تلاوت ختم ہوئی تو اہل لشکر کے حوصلے اور ولولے بیدار اور روح شاداب ہو چکی تھی۔ آنکھیں اور سینے کھل چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت نازل ہو رہی تھی۔ اسلامی لشکر نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مجاہدین سے فرمایا کہ کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ذکر کرو! میں تین تکبیریں کہوں گا۔ جب میں چوتھی تکبیر کہوں گا تو تم دشمن پر ٹوٹ پڑنا۔

یہ معرکہ چار دن جاری رہا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عرق النساء کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ جسم پر پھوڑے نکلے ہوئے تھے۔ وہ بیٹھ سکتے تھے نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے۔ وہ سینے کے بل جُھکے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے ایک تکیہ رکھا گیا تھا اور وہ قادسیہ میں موجود قصر قُدَیس سے پورے میدان جنگ کا جائزہ لے رہے تھے۔ انھوں نے لشکر تک اپنے احکام و پیغامات پہنچانے کے لیے خالد بن عرفطہ کو اپنا ترجمان مقرر فرما رکھا تھا۔ خالد نے مجاہدینِ اسلام کو ان کا یہ پیغام پہنچایا: «أَلَا إِنَّ الْحَسَدَ لَا يَحِلُّ إِلَّا عَلَى الْجِهَادِ فِي أَمْرِ اللّٰهِ أَيُّهَا النَّاسُ! فَتَحَاسَدُوا وَتَغَايَرُوا عَلَى الْجِهَادِ» ''خبردار! رشک و غبطہ کرنا صرف اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے جائز ہے۔ اے لوگو! ذوق و شوق سے آگے بڑھو اور جہاد میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔''[2]

جنگ شروع ہونے سے پہلے کچھ لوگوں نے سعد رضی اللہ عنہ کے نائب خالد بن عرفطہ سے اختلاف کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اٹھاؤ اور لوگوں کے سامنے کھڑا ہونے میں سہارا دو۔ لوگوں نے انھیں سہارا دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور گفتگو فرمائی۔ اس وقت وہ قصر قدیس کے اوپر جبکہ اسلامی لشکر کی صفیں نیچے دیوار کے ساتھ

[1] الأنبياء 105:21. [2] تاريخ الطبري: 356/4.

کھڑی تھیں۔ خالد لوگوں تک ان کی آواز پہنچا رہے تھے۔ جن لوگوں نے خالد کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں تنبیہ کی اور فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اس وقت دشمن سے جنگ درپیش نہ ہوتی تو میں تمھیں سامانِ عبرت بنا دیتا، پھر اُن افراد کو قید کر دیا۔ قید کیے جانے والوں میں ابو محجن ثقفی بھی تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سب کو قصرِ قدیس میں قید رکھنے کا حکم دیا۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تائید کی۔ انھوں نے فرمایا: بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات پر بیعت کی تھی کہ وہ اگر کسی حبشی غلام کو بھی ہم پر امیر مقرر فرمائیں گے تو ہم اس کی بھی سمع و طاعت میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں گے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! آج کے بعد جو بھی ایسی جنگ کے وقت کہ دشمن سامنے موجود ہو اور کوئی کسی کو دشمن سے نبرد آزما ہونے سے روکنے کی کوشش کرے تو ایسے لوگوں کو قید کرنے والا میرے ہی طریقے پر عمل کرے گا۔[1]

اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ لَا شَرِيكَ لَهُ فِي الْمُلْكِ وَلَيْسَ لِقَوْلِهِ خُلْفٌ» ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ برحق ہے۔ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور اس کی بات میں کوئی تبدیلی نہیں۔'' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ ﴾

''اور بلاشبہ ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ بے شک میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔''[2]

اے لوگو! یہ سب تمھاری میراث ہے۔ مسلسل تمھارے رب کی طرف سے کیا گیا وعدہ

---

[1] تاريخ الطبري: 356/4. [2] الأنبياء 105:21.

ہے۔ اس نے تمھیں تین سال سے اس سرزمین پر مسلسل کامیابیوں سے ہمکنار رکھا۔ تم یہیں سے کھا پی رہے ہو۔ ان کے باشندوں کو قید یا قتل کر رہے ہو۔ یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ان تین برسوں کے معرکوں میں حصہ لینے والے تم میں موجود ہیں۔ انھی میں سے تمھارے پاس یہ لشکر جمع ہوا ہے اور تم عرب کے چیدہ چیدہ لوگ ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے بہترین اور پسندیدہ افراد ہو۔ تم اپنے اپنے قبیلے اور خاندان کے لیے عزت کا سبب ہو۔ اگر تم دنیا سے بے رغبتی اختیار کر لو اور آخرت کے طلبگار بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمھارے لیے دنیا اور آخرت کے خزانے جمع فرما دے گا اور یہ بات کسی کو اس کی موت کے قریب نہیں کرے گی۔ اگر تم پھسل گئے، تم نے کوئی کمزوری دکھائی اور بزدل بن گئے تو تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم اپنی آخرت تباہ کر بیٹھو گے۔ [1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے علمبرداروں کو یہ پیغام ارسال فرمایا: میں نے تم میں خالد بن عرفطہ کو اپنا نائب اور پیغام رساں مقرر کیا ہے۔ اس کی وجہ صرف مجھے لاحق ہونے والا مرض اور وہ چھالے ہیں جو میرے جسم پر پڑ گئے ہیں۔ میں اپنے چہرے کے بل جھکا ہوں اور میرا وجود تمھارے سامنے ہے۔ تم خالد کی بات پر فوراً عمل کرنا۔ وہ میرا ہی پیغام تمھیں پہنچائے گا اور میری ہی سوچ کے مطابق عمل کرے گا۔ یہ پیغام لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا تو وہ حسنِ ظن میں مزید بڑھ گئے۔ لوگوں نے خالد کی بات مانی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی ہدایت پر عمل کیا۔ وہ ایک دوسرے کو مزید فرماں برداری پر رغبت دلانے لگے۔ لوگوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے عذر کو سمجھا، قبول کیا اور ان کے اس عمل پر مطمئن ہو گئے۔ [2]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ محل کے بالائی حصے پر مسلسل موجود رہے۔ وہ میدان جنگ پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ یہ محل بند نہیں تھا اس میں ہر مسلمان آزادی سے آ جا سکتا تھا۔ یہ بات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شجاعت کی دلیل تھی۔ عثمان بن رجاء سعدی فرماتے

[1] تاریخ الطبري: 357/4. [2] تاریخ الطبريِ: 358/4.

ہیں: سعد بن ابی وقاص سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ وہ محل سے نیچے اسلامی لشکر کی صفوں میں آئے اور لشکر کی نگرانی فرمائی۔ اگر ان کے سامنے سے تھوڑی دیر کے لیے بھی اسلامی صفیں ہٹ جاتیں تو دشمن ان تک پہنچ جاتا۔ اللہ کی قسم! قادسیہ کے دن کسی زبردست ہولناکی اور اضطراب میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ ذرہ بھر بھی پریشان نہیں ہوئے۔[1]

اذان سن کر رستم کی بوکھلاہٹ

رستم نجف کے علاقے میں اُترا تو اس نے اپنا ایک جاسوس اسلامی لشکر میں بھیجا۔ یہ جاسوس بھیس بدل کر اسلامی لشکر میں گھس گیا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمان ہر نماز کے وقت مسواک کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، پھر اپنے اپنے مورچے پر جا پہنچتے ہیں۔ یہ جاسوس واپس آیا اور رستم کو مکمل حالات سے آگاہ کیا۔ رستم نے سوال کیا: یہ لوگ کیا کھاتے ہیں؟ جاسوس نے جواب دیا: میں نے ان لوگوں میں ایک رات گزاری ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے انھیں کوئی خاص چیز کھاتے نہیں دیکھا۔ صرف یہ دیکھا کہ ان کے پاس چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوتی ہیں، انھیں یہ صبح شام چُوستے ہیں۔

رستم وہاں سے آگے بڑھا۔ اس نے عتیق اور مقام حصن کے درمیان پڑاؤ ڈالا۔ یہ صبح کا وقت تھا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مؤذن نماز فجر کے لیے اذان دے رہا تھا۔ رستم نے دیکھا کہ سب مجاہدین جلدی جلدی اُٹھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنے لشکر میں اعلان کرا دیا کہ فوراً اپنی سواریوں پر سوار ہو جاؤ۔ اس کے فوجیوں نے سوال کیا: کیوں؟ اس نے کہا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمھارے دشمن کے لشکر میں اعلان ہو چکا ہے اور وہ حرکت میں آگئے ہیں۔ یہ سن کر رستم کے جاسوس نے کہا: ان کی یہ نقل و حرکت صرف نماز کے لیے ہے۔ رستم نے فارسی زبان میں کہا کہ میرے کان میں صبح سویرے ایک آواز آئی تھی، یہ

---

[1] التاريخ الإسلامي: 347/10.

آواز عمر کی تھی۔ وہی ان (استغفر اللہ) کتوں سے گفتگو کرتا ہے اور انھیں عقل و شعور عطا کرتا ہے۔ (معاذ اللہ)[1]

جب رستم نہر پار کر کے مد مقابل آپہنچا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مؤذن نے ظہر کی نماز کے لیے اذان دی۔ رستم پھر بولا: «أَكَلَ عُمَرُ كَبِدِي» ''عمر نے میرے جگر کو چھلنی کر دیا ہے۔''[2]

اسلامی لشکر کی حوصلہ افزائی

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے معرکہ کے پہلے دن معرکہ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کے چیدہ چیدہ افراد کو جمع کیا اور فرمایا: تم لشکر کے درمیان کھڑے ہو جاؤ اور میدانِ کارزار کا تم پر جو حق ہے اسے ادا کرو۔ تمھارا عرب میں اپنا ایک منفرد مقام ہے۔ تم عرب کے شعراء، خطباء، دانشور، بہادر اور سردار لوگ ہو۔ لشکر میں پھیل جاؤ۔ مجاہدوں کو نصیحت کرو اور جہاد کی پُر جوش ترغیب دو۔ وہ سب لوگوں میں پھیل گئے۔[3]

قیس بن ہبیرہ اسدی نے کہا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو ہدایت عطا فرمائی ہے اور جس آزمائش کے لیے چنا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں مزید نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھو۔ اپنی عادات کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور ترغیب سے سجاؤ۔ جنت یا غنیمت، تمھارے سامنے موجود ہے، بلاشبہ اس محل کے پیچھے سوائے چٹیل میدان، بنجر زمین، کھردرے ٹیلے اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انھیں بڑے بڑے ماہر راستہ شناس بھی عبور نہیں کر سکتے۔

غالب بن عبداللہ لیثی نے کہا: اے لوگو! اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو کہ اس نے تمھیں اس کام کے لیے پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو وہ مزید عطا فرمائے گا۔ اس

[1] تاريخ الطبري: 4/358. [2] تاريخ الطبري: 4/358. [3] تاريخ الطبري: 4/359.

سے التجائیں کرو، وہ تمھاری دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔ اے معد کی اولاد! آج تمھاری کیا مجبوری ہو سکتی ہے؟ تمھارے قلعے ''یعنی گھوڑے'' اور تمھارے وفادار ساتھی ''یعنی تلواریں'' تمھارے پاس ہیں۔ ان باتوں کو یاد کرو جب آئندہ نسلیں تمھارے متعلق باتیں کریں گی۔ وہ باتیں کل تمھارے بارے میں شروع ہوں گی، جبکہ تمھارے بعد آنے والے لوگوں کے بارے میں بعد میں ہوں گی۔

ابن ہذیل اسدی نے کہا: اے معد کی اولاد! تم اپنی تلواروں کو اپنے قلعے بنا لو۔ دشمن پر شیر بن کر جھپٹ پڑو۔ چیتے کی طرح غضب ناک ہو کر دشمن کو دبوچ لو۔ گرد و غبار کا لباس زیبِ تن کر لو۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو۔ تلواریں کُند ہو جائیں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ تلواریں اللہ کے حکم کی تابع ہیں۔ دشمن پر پتھروں کی بارش کرو۔ یہ پتھر لوہے کی سلاخوں سے زیادہ کارگر ہوں گے۔

بُسر بن ابی رہم جہنی نے کہا: تم اللہ کی حمد بیان کرو۔ اپنے عمل سے اپنے قول کی تصدیق کرو۔ تم نے ایمان کی دولت ملنے پر اپنے اللہ کی حمد کی۔ اسے ایک جانا، بلاشبہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا پروردگار نہیں ہے۔ تم نے اسے بڑا جانا۔ تم اس کے نبی اور رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ تمھیں جب موت آئے تو ایمان کی حالت میں آئے۔ تمھاری نظر میں سب سے حقیر چیز دنیا ہونی چاہیے۔ یہ دنیا اس شخص کو دبوچ لیتی ہے جو اس کی طرف سے غافل رہتا ہے۔ تم دنیا کے پیچھے نہ جانا۔ یہ تمھارے سامنے بھاگے گی تاکہ تمھیں اپنے پیچھے لگا لے۔ اللہ کے دین کی مدد کرو، اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا۔

عاصم بن عمرو نے کہا: اے عرب کے ممتاز لوگو! تم سیاہِ عجم کے منتخب افراد کے سامنے ڈٹے ہوئے ہو۔ تم جنت پر اور وہ لوگ دنیا پر نظر جمائے جائیں۔ آج کوئی ایسا کام نہ کرنا جو کل کو عربوں کے لیے دھبہ بن جائے۔

ربیع بن بلاد سعدی نے کہا: «يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ! قَاتِلُوا لِلدِّينِ وَالدُّنْيَا» ''اے

اہلِ عرب! تم دین و دنیا کے لیے جنگ کرو۔''

﴿ وَ سَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ ﴾

''اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''①

انھوں نے مزید فرمایا: اگر شیطان تمھارے روبرو جنگ کا نقشہ ہولناک کر کے دکھائے تو اب سے پہلے مختلف موقعوں پر پیش آنے والے واقعات ذہن میں تازہ کر لو۔②

ربعی بن عامر نے کہا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اسلام جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا اور اسلام ہی کے نام پر یکجا فرمایا اور تمھیں اپنے کرم سے بہت زیادہ بخششیں مرحمت فرمائیں۔ صبر کرنے میں دلی راحت ہے۔ اپنے آپ کو صبر کا عادی بنانے کی کوشش کرو تو تم صبر کے عادی بن جاؤ گے۔ اگر خود کو جزع فزع کا عادی بناؤ گے تو جزع فزع ہی کے عادی بن جاؤ گے۔

تمام مقررین نے ایسی ہی گفتگو فرمائی۔ اس طرح سب پُر جوش ہو گئے، باہمی اعتماد کی فضا قائم ہو گئی اور انھوں نے ایک دوسرے سے عہد و بیان بھی کر لیا اور ممکنہ تقاضوں کے مطابق مطلوبہ اوصاف سے مزین ہو گئے۔③

یوم ارماث

یوم اَرماث اس دن کا نام ہے جو معرکۂ قادسیہ کا پہلا دن تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے اسلام کے فرزندو! اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہو۔ جب تک نماز ظہر ادا نہ کر لو کسی چیز کو حرکت نہ دو۔ ظہر ادا کرنے کے بعد میں تکبیر کہوں گا۔ پہلی تکبیر کے وقت فوراً جنگ کے لیے تیار ہو جانا۔ یقین جانو! ایسی تکبیر تم سے

① آل عمران 3:133. ② تاريخ الطبري:4/359. ③ تاريخ الطبري:4/360.

پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ خوب جان لو کہ یہ نعرہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید کے لیے عطا ہوا ہے۔ جب تم میری طرف سے دوسری تکبیر سنو تو سب مل کر میرے ساتھ تکبیر کہنا اور اپنی تیاری مکمل کر لینا۔ جب میں تیسری تکبیر کہوں تو تم بھی میرے ساتھ ہی تکبیر کہنا۔ اس وقت تمھارے شہسواروں کو دشمن سے انفرادی مقابلے کے لیے پیش قدمی کرنی چاہیے، پھر جب میں چوتھی تکبیر کہوں تو اجتماعی حملے کے لیے دشمن پر جھپٹ پڑنا اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کرتے رہنا۔ ①

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز ادا کر لی تو اپنے اس قاری قرآن غلام کو، جو انھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عطا ہوا تھا، سورۂ انفال پڑھنے کا حکم دیا۔ اس نے اپنے قریب موجود فوجی دستے کے روبرو سورۂ انفال کی تلاوت کی اور پھر لشکر کے ہر حصے میں سورۂ انفال کی تلاوت شروع ہو گئی۔ پورے لشکر کے دل جذبۂ جہاد سے معمور ہو گئے۔ سب کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس سورت کی تلاوت کے ساتھ ہی مجاہدین اسلام کے دلوں پر سکینت طاری ہو گئی۔ ②

جب لوگ سورۂ انفال کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بلند آہنگی سے نعرۂ تکبیر لگایا۔ ان کے قریب موجود اسلامی فوج کے دستوں نے بھی زور سے اللہ اکبر کہا، پھر یہ نعرہ لشکر کے آخری سرے تک جا پہنچا لوگوں کے اندر زبردست حرکت کے آثار نظر آنے لگے، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دوسری مرتبہ تکبیر کہی تو مجاہدین نے اپنی تیاری مکمل کر لی۔ تیسری تکبیر بلند کی تو لشکر کے جوانمرد سرفروش جنگ میں کودنے کے لیے پر تولنے لگے اور انفرادی مقابلے کے لیے آگے بڑھے۔ دوسری طرف سے دشمن کے کچھ جوان بھی میدان میں آئے اور آپس میں نیزوں اور تلواروں سے برسر پیکار ہو گئے۔ ③

مسلمانوں کی طرف سے ان مقابلوں کے لیے غالب بن عبداللہ اسدی، عاصم بن عمرو

---

① تاريخ الطبري: 361/4. ② تاريخ الطبري: 362/4. ③ تاريخ الطبري: 362/4.
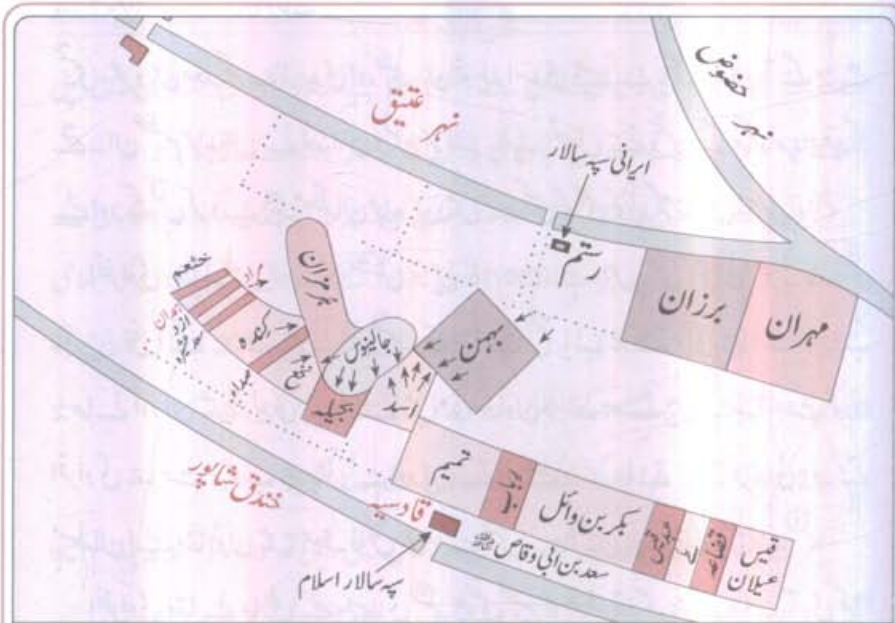
ایرانی لشکر کا اسلامی لشکر پر حملہ
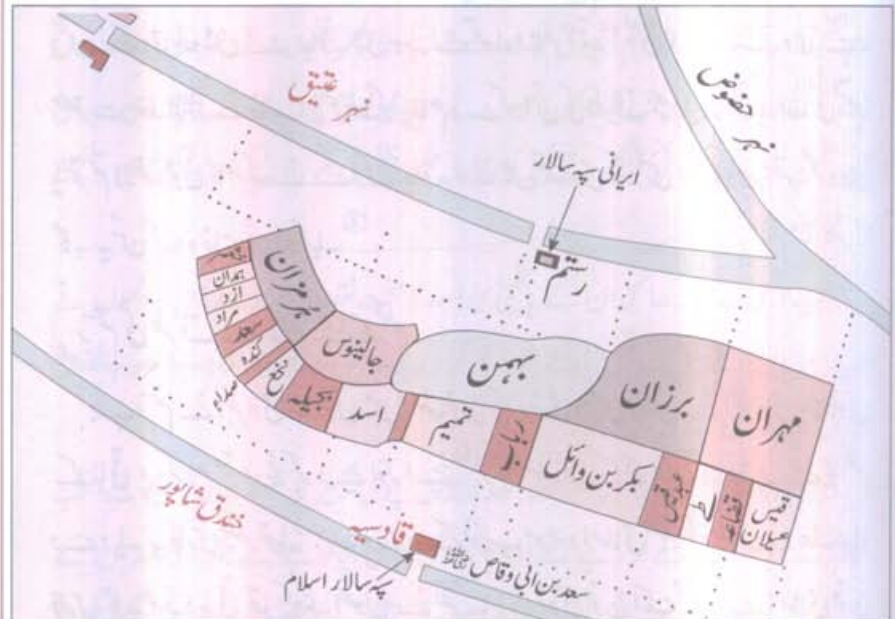
یوم ارماث...... اسلامی اور ایرانی لشکروں کا ٹکراؤ

7,8

تمیمی، عمرو بن معدیکرب زبیدی اور طلیحہ بن خویلد اسدی جیسے بے باک جوان آگے بڑھے تھے۔ ان عظیم مجاہدوں نے فوراً ہی دشمن پر غلبہ پالیا۔ انھوں نے دشمن کے کچھ سردار قید کر لیے اور کچھ قتل کر دیے جبکہ مسلمان مجاہدین میں سے کسی کو بھی کوئی گزند نہیں پہنچا۔

انفرادی مقابلہ فنِ حرب کا مشکل ترین کام ہوتا ہے، اس میں انتہائی تجربہ کار جنگی ماہرین ہی آگے بڑھتے ہیں۔ اس قسم کے مقابلے فتح یاب ہونے والی جماعت کا رعب بڑھانے اور ان میں دلیری پیدا کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔ جبکہ شکست خوردہ افراد کی جماعت مرعوب ہو جاتی ہے اور ان کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ابتدائی دور کے مسلمان ایسے مقابلوں میں ہمیشہ فائق ہی رہے جس سے انھیں بہت فائدہ پہنچا۔ [1]

انفرادی مقابلے جاری تھے، اسلامی لشکر چوتھی تکبیر کا منتظر تھا کہ بنو فہد کا ایک آدمی کھڑا ہو گیا۔ اس کا نام قیس بن حذیم بن جرثومہ تھا۔ اس نے اپنی قوم کو آواز دی: اے بنو فہد دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ۔ اسی وجہ سے تمھارا نام ''فہد'' یعنی ڈٹ جانے والا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے خالد بن عرفطہ کو پیغام دے کر اس کی طرف بھیجا اور کہلایا: اللہ کی قسم! یا تو تم ازخود کوئی کام کرنے سے رُک جاؤ۔ ورنہ میں تمھاری جگہ کسی اور کو امیر مقرر کر دوں گا۔ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گیا۔ [2]

رستم کی طرف سے عام حملے کا حکم

جب رستم نے انفرادی مقابلوں میں مسلمانوں کی برتری دیکھی تو اس نے انفرادی مقابلوں کے باقی پروگرام منسوخ کر دیے اور اپنے لشکر کو مسلمانوں کے ایک دستے پر حملے کا حکم دے دیا۔ یہ فارسی لشکر قبیلۂ بجیلہ اور ان کے قریب موجود اسلامی لشکر کی طرف بڑھا۔ سپاہِ فارس کا یہ حملہ دیدنی تھا کیونکہ انھوں نے تقریباً اپنی آدھی فوج ایک مختصر سے اسلامی فوج

---

[1] التاريخ الإسلامي:10/445. [2] تاريخ الطبري:4/363.

کے دستے کی طرف بھیج دی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انفرادی مقابلوں میں اپنی شکست کا اثر زائل کرنے کے لیے جان کی بازی لگا کر حملہ آور ہوئے تھے۔

دشمنوں نے یہ حملہ تیرہ (13) ہاتھیوں کے ساتھ کیا۔ ہر ہاتھی کے اردگرد سپاہِ فارس کے پیادہ اور شہسواروں کے چار ہزار (4000) فوجی موجود تھے۔ انھوں نے ہاتھیوں کو اسلامی لشکر پر چھوڑ دیا۔ اس حملے کا پورا زور بجیلہ قبیلے اور ان کے قریب موجود اسلامی فوج پر تھا جبکہ پیادہ دستے دشمن پر حملے کے انتظار میں اپنی اپنی جگہوں پر موجود تھے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا بنو اسد کو بجیلہ سے تعاون کے لیے بھیجنا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بنو بجیلہ کو دیکھا کہ وہ مشکل میں ہیں تو فوراً بنو اسد کو پیغام بھیجا کہ بجیلہ اور ان کے گرد موجود مجاہدین کی مدد کرو۔ یہ پیغام سن کر طلیحہ بن خویلد، حمال بن مالک، غالب بن عبداللہ اور ربّیل بن عمرو اپنے دستوں سمیت آگے بڑھے۔ معرور بن سوید اور شقیق نے کہا: اللہ کی قسم! پوری قوت سے حملہ کرو، پھر انھوں نے نیزوں اور تلواروں سے بڑا پُر زور حملہ کیا یہاں تک کہ ہاتھیوں نے اسلامی فوج کا راستہ روک لیا۔ اسی دوران میں دشمن کے ایک کڑیل جنگجو نے طلیحہ کو للکارا۔ طلیحہ بجلی کی طرح لپکے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کام تمام کر دیا۔

جب دشمن نے دیکھا کہ ان کے ہاتھی بنو اسد کا سخت نقصان کر رہے ہیں تو انھوں نے اپنے بھالوں سے مزید ہاتھی ہانکنے شروع کر دیے۔ اس وقت ذوالحاجب اور جالینوس دونوں سپاہِ فارس کے جرنیل تھے۔

دوسری طرف اسلامی لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی چوتھی تکبیر کا منتظر تھا۔ دشمن کے منتخب گھوڑے بنو اسد پر حملے کر رہے تھے اور ہاتھی بھی تباہی مچا رہے تھے جبکہ بنو اسد ان کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ اس اثنا میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے چوتھی تکبیر کہی تو اسلامی لشکر فوراً آگے بڑھا اور دشمن سے ٹکرا گیا۔ جنگ کی چکی کا محور بنو اسد بنے ہوئے

تھے۔ دشمن کے ہاتھی دائیں اور بائیں سے مسلمانوں کے شہسواروں پر حملے کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے گھوڑے ہاتھیوں سے ڈر کر دور بھاگ رہے تھے لیکن اسلامی شہسوار ان گھوڑوں کو پوری قوت سے روک کر دشمن کی پیادہ فوج پر حملہ کر رہے تھے تاکہ وہ آگے بڑھیں اور ہاتھیوں پر حملہ کریں۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا ہاتھیوں کے بارے میں بنو تمیم سے مشورہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمرو تمیمی کو پیغام بھیجا کہ اے بنو تمیم! کیا تم اونٹ اور گھوڑوں والے نہیں ہو؟ کیا تمھارے پاس ان ہاتھیوں کے خلاف کوئی مؤثر حربہ نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں اللہ کی قسم! ہم ابھی تدبیر کرتے ہیں، پھر انھوں نے کچھ تیرانداز اور ماہرین آگے بڑھائے۔ ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: اے تیراندازو! تم ہاتھیوں کے سواروں کو تیروں کا نشانہ بناؤ، پھر کہا: اے بنو تمیم کے جنگی ماہرو! تم ہاتھیوں کی پچھلی جانب سے آگے بڑھو اور ان کے زیر بند کاٹ ڈالو۔ تاکہ ان پر جو بڑے بڑے صندوق اور تابوت موجود ہیں وہ نیچے گر جائیں اور ان کے ساتھ ہی ان پر سوار دشمن کے فوجی بھی دھڑام سے نیچے گر پڑیں۔

حضرت عاصم آگے بڑھے اور بنو اسد کا دفاع کرنے لگے۔ لڑائی کا زور بنو اسد ہی کے گرد تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے میمنہ اور میسرہ بکھر گئے۔ عاصم کے ساتھی ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ انھوں نے ہاتھیوں کی دُم پکڑ کر ان کے زیر بند کاٹنے شروع کر دیے۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑ بڑھنے لگی۔ اس طرح ہر ہاتھی کی پشت ننگی کر دی گئی اور اس پر موجود ہاتھی بان کو گرا کر قتل کر دیا گیا۔ اس طرح بنو اسد پر جنگ کا دباؤ ہٹ گیا۔ اب لوگ آمنے سامنے آ کر لڑنے لگے۔ مجاہدوں نے دشمن کو جلد ہی اپنی کمین گاہوں کی طرف دھکیل دیا۔ اس دن جنگ غروبِ شمس تک ہوتی رہی۔ رات کا کچھ حصہ بھی جنگ ہی میں گزرا، پھر دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ میں آ گئے۔

اس دن بنو اسد جنگ کا مرکز بنے رہے، جبکہ عاصم رضی اللہ عنہ کی کمان میں بنو تمیم ان کے دفاع میں ڈٹے رہے۔ یہ معرکے کا پہلا دن تھا جسے یوم اَرماث کہا جاتا ہے۔[1]

طلیحہ بن خویلد اسدی کا دلیرانہ کردار

بنو اسد کے دفاع کے لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا حکم انتہائی کارگر ثابت ہوا۔ طلیحہ بن خویلد نے اپنی قوم سے کہا: اے میرے خاندان والو! بلاشبہ اچھی شہرت اسی نام سے وابستہ ہوتی ہے جو اس پر چسپاں ہو چکا ہوتا ہے۔ جان لو کہ اگر سعد رضی اللہ عنہ تمھارے علاوہ کسی اور پر اعتماد کرتے تو وہ انھی کو بجیلہ کی مدد کے لیے روانہ فرماتے، لہٰذا تم پوری قوت سے دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ لڑائی کے ماہر شیروں کی طرح جست لگاؤ۔ تمھیں بنو اسد اسی لیے کہا جاتا ہے کہ تم شیروں جیسی بہادری کے جوہر دکھاتے ہو، دشمن کو دبوچ لو۔ بزدلی نہ دکھاؤ۔ بڑے زوردار مسلسل حملے کرو۔ بھاگنے کا خیال دل سے نکال دو۔ ربیعہ قبیلے کے لوگ کیا ہی باصلاحیت ہیں۔ یہ لوگ کس طرح شاندار کارکردگی دکھاتے ہیں۔ اور کس طرح مدمقابل کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔ کیا ان کے مقام کو پہنچا جا سکتا ہے! کہ تم اپنے مقام سے مزید آگے بڑھو۔ اللہ تمھاری مدد کرے آگے بڑھو۔ اپنے لشکر کا دفاع کرو، اللہ کا نام لو اور دشمن پر یلغار کر دو۔[2]

طلیحہ کی اس تقریر کا ان کی قوم کے جوانوں پر بڑا زبردست اثر ہوا۔ وہ فوراً سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار ہوگئے اور صرف اکیلے بنو اسد ہی نے جا کر معرکے کا سارا بوجھ خود اٹھا لیا، پھر بنو تمیم ان کی مدد کے لیے آگے بڑھے۔ اس دن مسلمانوں کے پانچ سو (500) مجاہد شہید ہوئے۔[3]

اسلامی لشکر کے قبائل اس دن بنو اسد کی بہادری سے بہت متاثر ہوئے۔ اشعث بن

---

[1] تاریخ الطبري:4/365. [2] تاریخ الطبري:4/364. [3] التاریخ الإسلامي:10/449.

قیس کندی نے کہا: اے کندہ والو! بنو اسد کیا خوب بہادر نکلے! وہ فرار ہوئے نہ تلواروں کی کاٹ نے انھیں پیچھے ہٹایا، پھر کندہ والوں نے دفاعی پوزیشن سے آگے نکل کر زبردست حملہ کیا اور مجوسیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔[1]

یومِ ارماث پر کہے جانے والے اشعار

''قبیلۂ اسد کو بخوبی معلوم ہے کہ جب عقلمندی کا تذکرہ ہو تو یقیناً ہم بہت عقلمند مانے جاتے ہیں۔''

''ہم دشمن کی ہر سرحد پر پہنچ جاتے ہیں، چاہے ہمیں وہاں سوکھی گھاس ہی ملے۔''

''دیکھو! ہمارے بہادر سپاہیوں کے پاس عمدہ گھوڑے ہیں جو جنگ کے لیے تیار کھڑے ہیں۔''

''تم دیکھو گے کہ ہمارے عمدہ گھوڑے اپنے سواروں کے سامنے سے ان کے دشمنوں کو بھگا دیتے ہیں۔''

''انھوں نے ایسے لشکر جرار کو بھگا دیا جو گرد وغبار کا بادل بن کر چھائے ہوئے تھے۔''

''جب تو کسی جنگ میں کودے اور کسی مد مقابل سے ٹکرائے تو جنگوں میں تو ایسے ہی لوگوں کا سامنا ہوتا ہے۔''

''ہم نے اہلِ فارس کے سارے ارادے خاک میں ملا دیے، حالانکہ ان کے ارادے اٹل تھے۔''

جنگی ہسپتال

جنگ کے زخمیوں کے لیے مقامِ عذیب میں ایک عارضی ہسپتال قائم کیا گیا۔ ان کی نگرانی کے لیے مجاہدین کی صابر و شاکر اور اللہ سے اجر کی امیدوار عورتیں مقرر تھیں۔ وہ

[1] القادسية لأحمد عادل كمال، ص: 139، وتاريخ الطبري: 4/364.

زخمیوں کی نگہداشت، علاج اور عیادت کرتی رہیں اور جنگ کے اختتام تک اپنے فرائض انجام دیتی رہیں۔ ہسپتال کی نگرانی کے علاوہ یہ عظیم خواتین شہداء کے لیے گورکنی کا کام بھی کررہی تھیں۔ اس کام میں اُن کے بچے بھی شریک تھے۔

زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کا کام تو عورتوں کے لیے زیادہ دشوار نہ تھا لیکن سنگلاخ زمین کھودنا اور شہیدوں کے لیے قبریں تیار کرنا ان کی زبردست قوت ارادی اور عالی ہمتی کی نشانی تھی۔ دراصل اس دن تمام مرد جہادی سرگرمیوں میں انتہائی مصروف تھے، لہٰذا بوقت ضرورت عورتوں نے ان کی بعض ذمہ داریاں سنبھالیں اور بے حد مشکل فریضہ انجام دے کر انھوں نے اپنے مضبوط ایمان اور صبر جمیل کا ثبوت دیا۔ ①

تمام شہداء کو عذیب اور وادیٔ عین الشّمس کے درمیان واقع اونچے میدان میں دفن کیا گیا۔ ②

اسلامی لشکر اور سپاہِ فارس کے درمیان رات کے وقت لڑائی موقوف ہونے کی وجہ سے مجاہدین کو مقام عذیب میں موجود اپنے اہل خانہ کی خبر گیری کا موقع ملا۔ ③

جنگ کے دوران میں عظیم شاعرہ خنساء بنت عمرو رضی اللہ عنہا کا بے مثال کردار

مقامِ عذیب میں مسلمان عورتوں کے خیمے میں بنو سلیم قبیلے کی شاعرہ خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے چار بیٹوں کو نصیحت فرماتے ہوئے کہا: بلاشبہ تم اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے ہو۔ تم نے کسی جبر کے بغیر ہجرت کی۔ تمھیں خوب یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے کافروں کے خلاف قتال میں کیسا زبردست اجر تیار کر رکھا ہے، خوب جان لو! باقی رہنے والا گھر فنا ہونے والے گھر سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

① التاريخ الإسلامي: 451/10. ② التاريخ الإسلامي: 452/10. ③ التاريخ الإسلامي: 452/10.

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو اور کمر بستہ رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''[1]

جب تم صبح کے وقت اللہ کی مشیت کے ساتھ سلامتی سے بیدار ہو جاؤ تو انعامات ربانی کو سامنے رکھو۔ دشمن کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھو۔ دشمن کی طرف بڑھو۔ جب تم دیکھو کہ لڑائی زوروں پر ہے اور جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے ہیں اور مختلف اطراف سے ہمارے مجاہدوں پر گر رہے ہیں تو تم فوراً جنگ کے شعلوں میں کود پڑو۔ جب پورا لشکر دشمن سے ٹکرا چکا ہو تو تم تلواریں سونت کر گھمسان کی جنگ میں گھس جاؤ۔ اس طرح تم دنیا میں غنیمت اور عزت، جبکہ آخرت میں ہمیشہ کی زندگی اور بہت بلند درجہ پاؤ گے۔ حضرت خنساء کے بیٹے اپنی ماں کی نصیحت کے بعد عزم مصمم لے کر رُخصت ہوئے اور علی الصباح اپنے مورچوں پر جا پہنچے۔[2]

ایک اور خاتون کی اپنے بیٹوں کو جنگ کی ترغیب

نخع قبیلے کی ایک خاتون نے اس دن اپنے چار بیٹوں کو جنگ کی ترغیب دی۔ صبح روشن ہوئی تو وہ اپنے صاحبزادوں سے کہنے لگی: تم مسلمان ہوئے، پھر تم نے دین پر استقامت اختیار کی، پھر تم یثرب کی طرف ہجرت کر گئے لیکن ہجرت کی کوئی ایسی وجہ نہیں تھی کہ تمھیں اپنے علاقوں سے قحط سالی کی وجہ سے نکلنا پڑا ہو، پھر تم اپنی بوڑھی عمر رسیدہ ماں کے ساتھ اہلِ فارس کے مقابلے پر آئے۔ اللہ کی قسم! تم ایک باپ اور ایک ماں کے بیٹے ہو۔ میں نے کبھی تمھارے باپ سے خیانت کی نہ کبھی تمھارے ننھیال کو رُسوا کیا۔ جلدی کرو۔ دشمن سے ٹکرانے والے اولین دستے میں شامل ہو جاؤ۔ حریف پر کاری وار کرو۔ اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا کر جلدی سے جلدی واپس آؤ...... ماں کی یہ تاکید

[1] آل عمران3:200. [2] الإصابة في تمييز الصحابة: 111/8، والاستيعاب، رقم الترجمة: 287، نساء، و القادسية لأحمد عادل كمال، ص:147,146.

سن کر چاروں بیٹے آناً فاناً ایسے بھاگے کہ ماں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انھوں نے دشمن کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ ضعیف العمر ماں نے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا دیے اور دُعا کی: اے اللہ! میرے بیٹوں کی حفاظت کرنا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے جلد ہی واپس آ گئے۔ انھوں نے دشمن کے خوب دانت کھٹے کیے مگر خود ان میں سے کسی کو کوئی زخم تک نہیں آیا۔[1]

یومِ اَغواث

جنگ قادسیہ کے دوسرے دن کو یومِ اَغواث کہا جاتا ہے۔ اس روز رات کے وقت شام کی طرف سے آنے والے ایک لشکر کا ہراول دستہ قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کی زیر کمان وہاں پہنچا۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو قادسیہ میں مسلمانوں کی مدد کے لیے عراق کی طرف واپس بھیج دو۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر واپس روانہ کر دیا لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اپنے کسی کام کے لیے شام ہی میں روک لیا۔ انھوں نے اس لشکر کی کمان حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کو عطا فرمائی۔ جب یہ لشکر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت عراق سے شام آیا تھا تو اس کی تعداد نو ہزار (9000) تھی، جبکہ ان میں چھ ہزار (6000) مجاہدین عراق واپس چلے گئے۔ ہاشم نے مقدمۃ الجیش پر حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر کے ایک ہزار (1000) مجاہدین کے ساتھ آگے بھیجا۔[2]

قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کا کردار

قعقاع رضی اللہ عنہ اپنی زیر قیادت ایک ہزار مجاہدین کو لیے اغواث کے دن قادسیہ کے لشکر

[1] تاريخ الطبري:4/366. [2] تاريخ الطبري:4/367، والتاريخ الإسلامي:10/367.

سے آ ملے۔ قعقاع نے اپنی آمد کے بعد ایسی منصوبہ بندی کی جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ انھوں نے اپنے دستے کو سو، سو کی تعداد میں تقسیم کیا، پھر ہر دستے کو دس، دس کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ جب دس افراد پر مشتمل ایک ٹولی آگے بڑھ رہی ہو اور نظروں سے ابھی غائب نہ ہوئی ہو تو اس کے پیچھے دوسری ٹولی روانہ ہو جائے۔ وہ خود سب سے پہلے روانہ ہوئے۔ جب قعقاع رضی اللہ عنہ نے لشکر کی جانب دیکھا تو مجاہدین پروگرام کے مطابق وقفے وقفے سے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس طرح دشمن کے خلاف اُن میں بڑی چُستی پیدا ہو گئی اور جنگ میں شریک تمام افراد میں جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی۔ اگرچہ تیس ہزار (30,000) کے لشکر کے لیے ایک ہزار (1000) کی کمک زیادہ نہ تھی لیکن یہ نیا طریقہ جو اللہ تعالیٰ نے قعقاع رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ڈالا اس کی بدولت معمولی کمک سے بھی مسلمانوں کے حوصلے انتہائی بلند ہو گئے۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے آکر اپنے پیچھے آنے والے لشکر کی اطلاع دی اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے لوگو! اللہ کی قسم! میں ایسی جماعت کے ساتھ تمھارے پاس پہنچا ہوں اگر وہ تمھاری جگہ ہوتے اور تمھاری پوزیشن دیکھتے تو اکیلے ہی مراتب شہادت حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ اے لوگو! میرے گرد جمع ہو جاؤ اور تم بھی میری طرح عمل کرو، پھر وہ دشمن کی طرف بڑھے اور للکارا کہ کون میرے مقابلے کے لیے نکلے گا؟ لوگوں نے قعقاع رضی اللہ عنہ کی بات سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بات دہرائی: «لَا يُهْزَمُ جَيْشٌ فِيهِمْ مِثْلُ هٰذَا» ''جس لشکر میں قعقاع جیسے افراد ہوں وہ شکست نہیں کھا سکتا۔'' پھر سب ان کے قریب ہو گئے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے ذوالحاجب بہمن جادویہ آگے بڑھا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا: میں بہمن جادویہ ہوں۔ یہ سنتے ہی قعقاع رضی اللہ عنہ کو معرکۂ جسر اور جادویہ کے ہاتھوں مسلمانوں کو پہنچنے والا نقصان یاد آ گیا۔ ان کے احساسات پر اسلامی حمیت چھا گئی۔ انھوں نے بلند آواز سے کہا: آج ابو عبید، سلیط اور
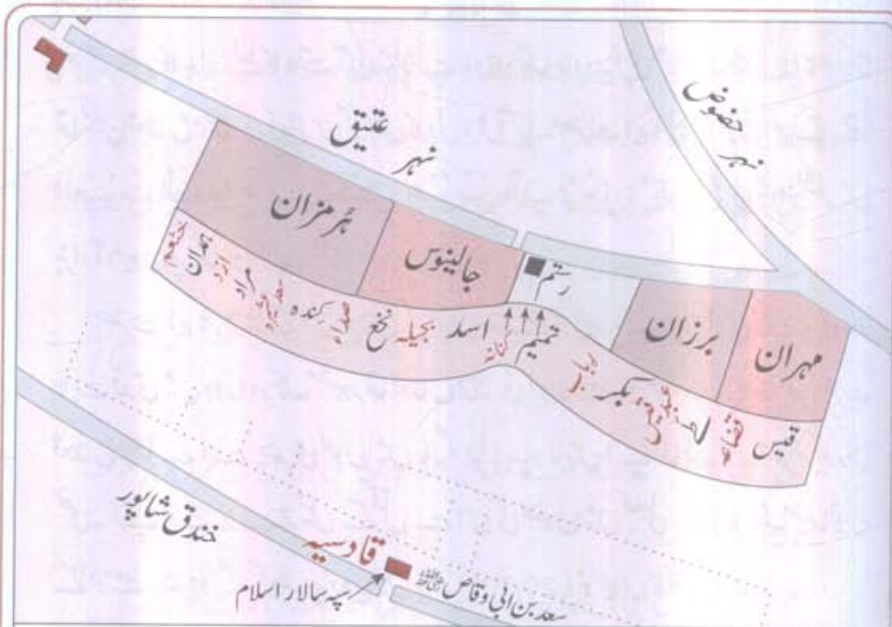
یوم اغواث...... اسلامی لشکر کا ایرانیوں پر دباؤ
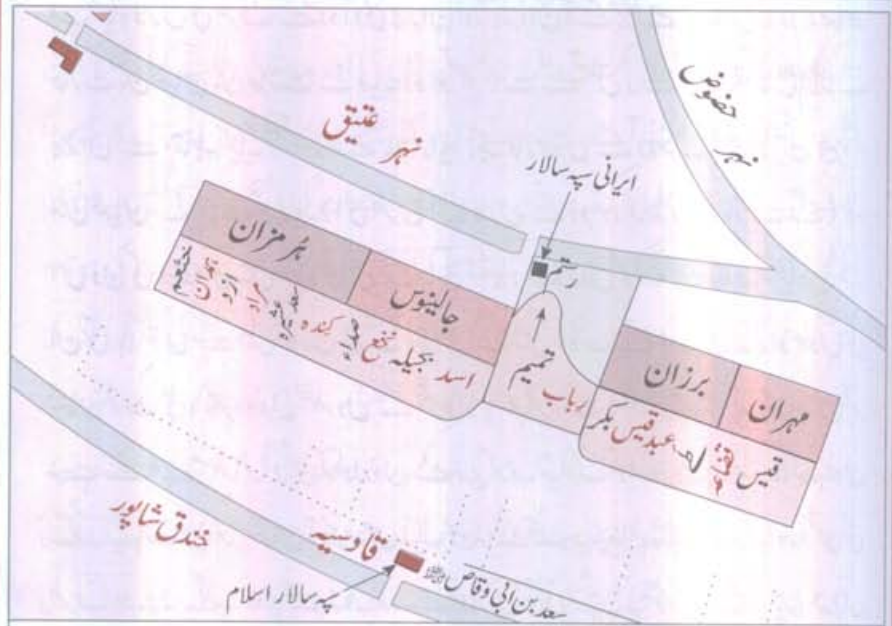
یوم عماس...... لشکر اسلام کا ایرانیوں پر جارحانہ حملہ اور ایرانی قلب پر شدید دباؤ

نقشہ: 9,10

معرکۂ جسر کا بدلہ لینے کا وقت آن پہنچا ہے باوجودیکہ جادویہ اپنی شجاعت میں بڑا نام رکھتا تھا لیکن قعقاع رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر اس کا دل دہل گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: «لَصَوْتُ الْقَعْقَاعِ فِي الْجَيْشِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ رَجُلٍ» ''قعقاع کی آواز لشکر میں ہزار آدمیوں پر بھاری ہے۔''[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی سچائی سامنے آگئی۔ ایک ایسا آدمی جو دلیری اور ثابت قدمی میں دور دور تک مشہور تھا قعقاع رضی اللہ عنہ کی آواز سنتے ہی حوصلہ ہار بیٹھا اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اسے چند ہی لمحوں میں مار گرایا۔ سپاہِ فارس اپنے کمانڈر کا یہ حشر دیکھ رہی تھی۔ اپنے اتنے بڑے جرنیل کے قتل سے اس کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی، جبکہ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے کیونکہ جادویہ بیس ہزار (20,000) فوجیوں کا کمانڈر تھا۔

دوسری مرتبہ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے پھر دشمن کو للکارا کہ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟ اب سپاہِ فارس کی طرف سے دو آدمی برزان اور بندوان آگے بڑھے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ کا ساتھ حارث بن ظبیان بن حارث نے دیا۔ وہ بنو تیمِ لات سے تعلق رکھتے تھے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے برزان سے مقابلہ کیا۔[2] اور اسے مار گرایا، جبکہ فارسیوں کے دوسرے مشہور جنگی ہیرو کو ابن ظبیان نے ہلاک کر دیا۔ (اسی طرح اہل فارس کے دو اور کمانڈر بھی مارے گئے) اور اس دن کی ابتدا ہی میں سپاہِ فارس کے پانچ مشہور کمانڈروں کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔ بلاشبہ ان کی ہلاکتوں سے اہلِ فارس حیرت و اضطراب میں ڈوب گئے اور ان کے حوصلوں کی کمان ٹوٹ گئی، پھر دونوں لشکروں کے شہسوار باہم ٹکرا گئے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ بار بار اعلان کر رہے تھے: اے مسلمانو! دشمن کو تلواروں سے زیر کرو۔ یہ لوگ تلواروں سے جلد ہلاک ہوں گے۔ یہ بات سن کر مسلمان آپس میں ایک دوسرے تک یہ پیغام پہنچانے لگے اور دشمن کی طرف بڑھنے لگے۔ شام تک زور شور سے تلواریں چلتی رہیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس

---

[1] التاريخ الإسلامي:10/455. [2] تاريخ الطبري:4/368.

دن حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے تیس حملے کیے۔ جب بھی کوئی دستہ سامنے آتا وہ اس پر بجلی کی طرح لپکتے اور کامیاب ہو کر واپس آجاتے تھے اور خود فرماتے تھے:

''میں یقین سے حملہ کر کے دشمن کو گھبراہٹ میں ڈال دیتا ہوں، میں نیزوں سے درست اور مسلسل نشانے لگاتا ہوں۔''

آخری شخص جسے قعقاع رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا وہ بزرگ مہر ہمدانی تھا۔ اس کے بارے میں قعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں نے اس پر بپھرتے ہوئے حملہ کیا اور سورج کی کرنوں کی طرح ہر طرف سے گھیر کر حملہ کیا۔''

''اغواث کے موقع پر اہلِ فارس کی رات، انتہائی گھبراہٹ کی رات ہوگئی۔''

علباء بن جحش کی آنتیں میدان جنگ میں منتشر ہوگئیں

مجوسیوں کا ایک آدمی بکر بن وائل کی صفوں میں آیا اور مد مقابل طلب کیا۔ علباء بن جحش عجلی اس کے سامنے آئے۔ علباء نے اس کے سینے پر وار کیا جس سے اس کا پھیپھڑا پھٹ گیا۔ مجوسی نے علباء کے پیٹ پر وار کیا جس سے ان کی آنتیں باہر آگئیں۔ دونوں اکٹھے زمین پر گرے، مجوسی اسی وقت ہلاک ہوگیا، جبکہ علباء نے کھڑے ہونے کی دوبارہ کوشش کی لیکن کھڑے نہ ہو سکے۔ انھوں نے اپنی آنتیں پیٹ میں رکھنے کی کوشش بھی کی لیکن یہ کوشش بھی بے سود رہی۔ ایک مجاہد گزرا تو علباء نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے پیٹ کے معاملے میں میری مدد کر۔ اس نے ان کی انتڑیاں ان کے پیٹ میں رکھ دیں۔ علباء نے اپنے پیٹ کو دونوں طرف سے دبوچا اور اس حالت میں بھی دشمن کی طرف بڑھے اور ابھی تیس گز ہی آگے بڑھے تھے کہ جام شہادت نوش کیا۔ وہ آخری لمحات میں کہہ رہے تھے:

''میں ایک ماہر شمشیرزن ہوں، اس کے عوض میں اپنے رب سے ثواب کا امیدوار ہوں۔''

اعرف بن اعلم عقیلی کا کارنامہ

سپاہِ فارس کا ایک آدمی میدان میں نکلا۔ اس نے مدمقابل طلب کیا۔ اعرف بن اعلم آگے بڑھے اور اسے آناً فاناً قتل کر ڈالا، پھر دشمن کا دوسرا فوجی آیا تو اسے بھی قتل کر ڈالا۔ یہ حال دیکھ کر دشمن کا ایک دستہ آگے بڑھا اور انھیں گھیرے میں لے لیا۔ انھوں نے اعرف کو زمین پر گرا دیا۔ اس وجہ سے ان کا ہتھیار ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دشمن فوجیوں نے ہتھیار پر قبضہ کرلیا۔ اعرف بن اعلم نے فوراً مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور ان کی آنکھوں میں جھونک دی، پھر وہ اطمینان سے اپنے لشکر تک پہنچ گئے۔ [1]

خنساء رضی اللہ عنہا کے چاروں بیٹوں کی جانبازی

اس دن حضرت خنساء کے چاروں بیٹوں نے جانبازی کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ وہ سب بڑی دلیری سے میدان کارزار میں آئے۔ ان میں سے ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر حملہ کرتے ہوئے اشعار کہے اور شہادت پائی۔ ان میں سے پہلے نوجوان نے کہا:

''اے میرے بھائیو! بلاشبہ اس خیر خواہ بوڑھی ماں نے ہمیں گزشتہ رات نصیحت کی اور دعوت دی تھی۔''

''وہ دعوت واضح تھی، لہٰذا تم تباہ کن جنگ میں کود پڑو۔''

''تم اس بھڑکتی ہوئی جنگ میں آل ساسان کے بھونکتے کتوں کو پاؤ گے۔''

''وہ تمھیں تباہ کن آفت سے دوچار کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ تم اس دنیا اور آخرت کی زندگی کے مابین ہو۔''

---

[1] تاریخ الطبري:4/370.

یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہو گیا، پھر دوسرے نوجوان نے یہ اشعار کہتے ہوئے حملہ کیا:

''بلاشبہ دور اندیش، باہمت اور درست رائے والی توفیق یافتہ بزرگ ماں نے''

''ہمیں راست بازی اور ہدایت کا رستہ دکھایا۔ یہ اس کی طرف سے اپنی اولاد کی خیر خواہی اور حسن سلوک تھا۔''

''تم جلد از جلد دین کے محافظ بن کر جنگ میں کود جاؤ۔ جگر ٹھنڈا کرنے والی کامیابی پاؤ گے۔''

''یا ایسی موت جو تمھیں ہمیشہ کی عزت کا تاج پہنا دے گی۔ تمھیں جنت الفردوس میں بڑی راحت بخش زندگی نصیب ہو گی۔''

دوسرا بھائی بھی دشمن سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا، پھر تیسرا بھائی آگے بڑھا اور یہ اشعار پڑھتا ہوا دشمن پر ٹوٹ پڑا:

''اللہ کی قسم! ہم بوڑھی ماں کی نصیحت سے سرمو انحراف نہیں کریں گے۔ اس نے ہمیں مہربانی اور شفقت''

''اور خیر خواہی، لطف و کرم اور حسن سلوک کے ساتھ (جنگ میں شریک ہونے) کا حکم فرمایا، لہٰذا تم اس تباہ کن جنگ میں پیش قدمی کے لیے کود پڑو۔''

''یہاں تک کہ تم آلِ کسریٰ کو گھیر لو کہ وہ تمھارے ممنوعہ علاقوں سے نکل بھاگیں۔''

''ہم تمھاری طرف سے کسی بھی کوتاہی کو کمزوری تصور کریں گے، جبکہ حرب و ضرب اور قتل کو بہادری اور قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھیں گے۔''

یوں وہ نوجوان بھی دادِ شجاعت دیتا ہوا رتبۂ شہادت پر فائز ہو گیا، پھر چوتھا اور آخری بھائی بھی یہ کہتا ہوا دشمن سے جا ٹکرایا:

''میرا خنساء، اخرم، اپنے جدِ امجد اور روشن پیشانی والے عمرو سے کوئی تعلق نہ ہو گا''

''اگر میں عجمی لشکر میں نہ گھس جاؤں اور اپنے بھاری بھرکم کان کٹے ہولناک گھوڑے پر پیش قدمی نہ کروں۔''

''یا تو مجھے کامیابی اور غنیمت حاصل ہوگی یا پھر اس مبارک راستے میں شہادت نصیب ہوگی۔''

اس طرح یہ نوجوان بھی رتبۂ شہادت پر سرفراز ہوا۔ ①

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو اپنے چاروں بیٹوں کے شہید ہو جانے کی خبر ملی تو وہ بول اُٹھیں:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي شَرَّفَنِي بِقَتْلِهِمْ وَأَرْجُو مِنْ رَّبِّي أَنْ يَّجْمَعَنِي بِهِمْ فِي مُسْتَقَرِّ رَحْمَتِهِ» ''اس ذات عالی کا شکر ہے جس نے مجھے ان شہید بیٹوں کے ذریعے سے عزت بخشی۔ میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتی ہوں کہ وہ مجھے ان کے ساتھ جنت میں ملا دے گا۔'' ②

دشمن کے خلاف قعقاع رضی اللہ عنہ کی زبردست چال

یوم اغواث کو قعقاع بن عمرو نے بنو تمیم میں سے اپنے چچازاد بھائیوں کو اپنے ساتھ لیا اور دشمن کے خلاف ایک بڑی مؤثر چال چلی۔ قعقاع رضی اللہ عنہ کو علم ہو چکا تھا کہ جنگ کے پہلے دن دشمن کے ہاتھیوں نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے، لہٰذا وہ اور ان کے ساتھی اللہ کی توفیق سے ان ہاتھیوں جیسا ایک زبردست حربہ اختیار کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے اپنے اونٹوں کو ایسی خوفناک شکل میں ڈھال دیا جس سے مسلمان شہسواروں کو بڑی مدد ملی۔ انھوں نے اونٹوں پر بڑے بڑے پالان ڈال دیے اور ان کے چہروں پر برقعے منڈھ دیے، پھر ان پر پیادوں کو سوار کر دیا اور بہت سے شہسواروں نے ان اونٹوں کی حفاظت کے لیے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا، پھر اونٹ سوار مجاہدوں نے انھیں اس نہایت خوفناک شکل میں دشمن کی طرف ہانک دیا۔ انھوں نے دشمن سے وہی سلوک کیا

① القادسية لأحمد عادل كمال، ص: 154. ② الخنساء أم الشهداء لعبدالمنعم الهاشمي، ص: 98.

جو دشمن نے پہلے دن اسلامی لشکر سے کیا تھا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ اونٹ جیسے ہی دشمن کے گھوڑوں کی طرف بڑھے تو ان کے گھوڑے ڈر کر بھاگنے لگے اور مسلمانوں کے شہسواروں نے انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ جب باقی اسلامی لشکر نے یہ کامیاب حربہ دیکھا تو انھوں نے بھی قعقاع رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہوئے یہی حربہ اختیار کیا۔ یوم اغواث میں سپاہِ فارس نے اتنا نقصان اٹھایا کہ اتنا نقصان مسلمانوں نے ان کے ہاتھیوں سے بھی نہیں اٹھایا تھا۔ [1]

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کی حاضر دماغی سے ثابت ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ کے پیشوا جدید جنگی چالوں میں بڑے ماہر تھے۔ دشمن نے پہلے دن مسلمانوں کو ہاتھیوں کی مدد سے بہت نقصان پہنچایا۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کے پاس ہاتھی نہیں ہیں تو انھوں نے ایسی جنگی چال چلی جس سے دشمن کے گھوڑے بدکنے اور اپنے شہسواروں کو لے کر فرار ہونے لگے۔ اس بات سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کو روحانی برتری حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مادی طور پر بھی غلبہ حاصل کرنا چاہیے۔

ابو محجن ثقفی میدانِ کارزار میں

یوم اغواث کو لڑائی آدھی رات تک جاری رہی۔ اس رات کا نام لیلۃ السواد ”کالی رات“ رکھا گیا، پھر دونوں لشکر الگ ہو گئے اور لڑائی ختم ہو گئی۔ لڑائی رک جانے کا مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوا کہ انھوں نے مقررہ جگہ وادی مشرّق میں اپنے شہداء کو دفن کیا۔ زخمیوں کو عُذیب میں منتقل کیا جہاں ان کی خبر گیری کے لیے مسلمان عورتیں موجود تھیں۔ اس معرکے میں اس رات پہلی مرتبہ أبو محجن ثقفی شریک ہوا۔ [2]

أبو محجن وہ شخص تھا جسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قید کر رکھا تھا۔ وہ قصرِ قدیس میں محبوس تھا۔ شام کا وقت تھا۔ وہ سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اپنی غلطی کی معافی مانگی لیکن

[1] التاريخ الإسلامي: 461/10. [2] التاريخ الإسلامي: 462/10.

سعد رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور واپس بھیج دیا۔ وہ قلعہ سے نیچے اترا، سلمی بنت خصفہ کے پاس آیا اور کہا: اے سلمی، اے بنت آلِ خَصَفہ! کیا تیرے پاس بھلائی ہے؟ اس نے پوچھا: کس طرح کی بھلائی؟ أبو محجن نے کہا: تو مجھے قید سے آزاد کر دے اور چتکبری گھوڑی دے دے۔ اللہ کی قسم! اگر میں زندہ بچ کر آ گیا تو اپنے پاؤں میں دوبارہ بیڑیاں ڈال لوں گا۔ اس نے کہا: میں یہ کام نہیں کر سکتی۔ یہ سن کر أبو محجن اپنی بیڑیوں میں گھسٹتا ہوا واپس آ گیا۔ اس وقت وہ کہہ رہا تھا:

''میرے لیے یہ رنج وغم کیا کم ہے کہ جب گھوڑے نیزوں کے ساتھ دوڑ رہے ہیں اس وقت میں بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں۔''

''میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو یہ بیڑیاں مجھے روک لیتی ہیں، حالانکہ میرے روبرو گرنے اور مرنے کے ایسے مناظر آ رہے ہیں جو پکارنے والے کو بہرہ کر دیتے ہیں۔''

''میں بہت مال دار تھا۔ میرے بھائی بھی بہت تھے۔ مگر اب انھوں نے مجھے ایسی حالت میں اکیلا چھوڑ دیا کہ اب میرا کوئی بھائی نہیں۔''

''میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ پختہ عہد کیا ہے جسے میں کبھی نہیں توڑوں گا کہ اگر مجھے رہا کر دیا جائے تو میں شراب فروش کی دکان کے پاس بھی نہیں پھٹکوں گا۔''

پھر سلمٰی نے کہا: میں نے اللہ سے استخارہ کیا ہے۔ اور تیرے وعدے پر راضی ہوں۔ میں تجھے بیڑیوں سے آزاد کر سکتی ہوں لیکن گھوڑے کے بارے میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتی، پھر وہ اپنے گھر چلی گئی۔ أبو محجن آزاد ہونے کے بعد چتکبری گھوڑی کے پاس آیا۔ اس پر کاٹھی ڈالی اور اسے خندق کی طرف نکلنے والے دروازے سے باہر نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا، پھر اس پر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ میمنہ کے قریب پہنچا۔ نعرۂ تکبیر بلند کیا اور دشمن کے میسرہ پر بجلی کی طرح جا گرا۔ وہ تلوار اور نیزے سے ان کی صفیں درہم برہم کرنے لگا اور پھر اسلامی لشکر کے پیچھے سے چکر کاٹ کر دشمن کے میمنہ کے پاس

جا پہنچا اور مسلمانوں کے میسرہ میں شامل ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر دشمن پر جھپٹ پڑا۔ اس نے اپنے نیزے اور تلوار کے ہنر سے دشمن کی صفیں الٹ دیں، پھر چکر کاٹ کر اسلامی لشکر کے قلب میں تمام مجاہدین سے آگے جا پہنچا اور دشمن پر ایسے زبردست حملے کیے کہ ان کی کئی صفیں تہس نہس کر دیں۔ یہ رات کا وقت تھا۔ وہ دشمن پر بڑی خوفناک آواز سے گرج رہا تھا۔ لوگ پہچان نہیں پا رہے تھے کہ یہ شیر دل جوان کون ہے، نہ انھوں نے دن بھر اسے دیکھا تھا۔ بعض لوگوں نے اسے ہاشم سمجھا اور کچھ لوگ اسے ہاشم کے دستے کا آدمی خیال کرتے رہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ قلعہ کی چھت سے مسلسل جنگ کا جائزہ لے رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر أبو محجن قید نہ ہوتا تو میں یقین سے کہہ دیتا کہ یہ أبو محجن ہے اور یہ چتکبری گھوڑی بلقاء ہے۔ أبو محجن کے بارے میں اسی طرح مختلف قیاس آرائیاں ہوتی رہیں۔

جب آدھی رات کو لڑائی کا زور تھم گیا۔ اہلِ فارس پیچھے ہٹ گئے تو مسلمان بھی اپنے پڑاؤ میں آ گئے۔ أبو محجن خاموشی سے قلعے میں واپس آیا اپنے پاؤں میں دوبارہ بیڑیاں ڈالیں اور کہنے لگا:

”قبیلہ بنو ثقیف گھمنڈ نہیں کرتے وہ خوب جانتے ہیں کہ ہم شمشیر زنی میں لاجواب ہیں۔“

”ہمارے پاس ان سب سے زیادہ مکمل زرہیں ہیں۔ جس وقت لوگ جنگ کے لیے کھڑے ہونے سے ہچکچاتے ہیں ہم اس وقت استقامت دکھاتے ہیں۔“

”ہم روزانہ ان کے پیش رو بنتے ہیں اگر وہ یہ بات نہیں جانتے تو اس بارے میں کسی واقف کار سے پوچھیں۔“

”جنگ قادسیہ کی رات وہ مجھے نہیں پہچان سکے۔ میں نے بھی اپنے نکلنے اور حملہ

کرنے کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔"

"اگر مجھے قید میں رکھا گیا تو یہ میری آزمائش ہے۔ اگر مجھے رہا کر دیا جائے تو میں دشمن کو موت کے گھاٹ اتاروں گا۔"

سلمٰی نے أبو محجن سے پوچھا: سعد رضی اللہ عنہ نے تمھیں کیوں قید کر رکھا ہے؟ أبو محجن نے جواب دیا: انھوں نے مجھے کوئی ناجائز چیز کھانے پینے کے سلسلے میں قید نہیں کیا۔ میں جاہلیت میں شراب پیتا تھا۔ شعر کہتا تھا۔ بس وہی اشعار میری زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ میری زبان سے رہ رہ کر وہ شعر پھسل پڑتے تھے۔ اس سے میری شخصیت کو نقصان پہنچا اور سعد رضی اللہ عنہ نے مجھے قید کر دیا۔ میں نے کہا تھا:

"میں مرجاؤں تو مجھے انگور کی جڑ کے قریب دفن کرنا تاکہ مرنے کے بعد اس کی رگیں میری ہڈیوں کو سیراب کرتی رہیں۔"

"مجھے ویران جنگل میں دفن نہ کرنا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کا ذائقہ حاصل نہ کرسکوں گا۔"

"آپ میری لحد کوحص (زعفران) بوٹی کی شراب سے سیراب کریں، میں ایسی بوٹی تلاش کر کے اس کی شراب بنایا کرتا تھا۔"

صبح کے وقت سلمٰی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اپنی اور أبو محجن کی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے أبو محجن کو بلا کر آزاد کر دیا اور فرمایا: جاؤ آج کے بعد میں تمھارے اشعار پر اس وقت تک مؤاخذہ نہیں کروں گا جب تک کہ تمھارا عمل ان اشعار سے دور رہے گا۔ أبو محجن نے کہا: کوئی شک نہیں میں بھی آج کے بعد اپنی زبان سے کوئی برا لفظ نہیں نکالوں گا۔ [1]

[1] تاريخ الطبري:4/374.

قعقاع رضی اللہ عنہ کی ایک اور جنگی چال

لیلۃ السواد کے دوسرے نصف میں جبکہ لڑائی رُکی ہوئی تھی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اس دوران میں ایک اور مؤثر جنگی چال اختیار کی جس کی بدولت اسلامی لشکر کے حوصلے بلند ہو گئے۔ انھوں نے لشکر میں موجود اپنے ساتھیوں کو چپکے سے کھسک جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم صبح کے وقت سو، سو (100، 100) افراد کی ٹولیوں کی شکل میں پے در پے میدان میں کود پڑنا۔

انھوں نے ہدایت کی کہ جب تم سو، سو (100، 100) نفر کی ٹولیوں میں بٹ جاؤ تو پھر ایک دوسرے کے پیچھے چل پڑنا۔ جب ایک دستہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو دوسرا اس کے پیچھے تکبیر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اگر اس دوران میں شام سے ہاشم پہنچ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ دوبارہ یہی عمل کرنا تاکہ اسلامی لشکر کے حوصلے بلند رہیں۔ جب سورج کی پہلی کرن طلوع ہوئی تو قعقاع رضی اللہ عنہ گھوڑوں پر نظر جمائے کھڑے تھے۔ جب دیکھا کہ گھوڑوں کی پیشانیاں نظر آنے لگی ہیں تو انھوں نے زبردست نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پورے لشکر نے ان کا ساتھ دیا۔ سب نے کہا: کمک پہنچ گئی۔ یہ طریقہ دیکھ کر ان کے بھائی عاصم بن عمرو نے بھی اپنی قوم کو یہی طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ خفان کی جانب سے اسی طرح آگے بڑھے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے اور جیسے ہی آخری مجاہد روانہ ہوا، ہاشم بن عتبہ بھی سات سو (700) مجاہدوں کے لشکر کے ساتھ وہاں آپہنچے۔ لوگوں نے انھیں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے طریقے سے آگاہ کیا تو انھوں نے بھی اپنے ساتھ موجود مجاہدین کو ستر، ستر (70، 70) افراد کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا۔ جیسے ہی قعقاع رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ آگے گئے۔ ان کے پیچھے ہاشم بھی ستر (70) افراد کے ایک دستے کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

---

[1] تاریخ الطبري: 4/375.

اس مقام پر ہاشم بن عتبہ کی تواضع نمایاں ہو کر سامنے آگئی کہ انھوں نے پہلے ہی سے زیرِ عمل ایک جنگی چال کی پیروی کی اور قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ طریقے کے مطابق اپنے لشکر کو تقسیم کیا اور آگے بڑھے۔ انھوں نے اپنے بلند منصب کو پیشِ نظر نہیں رکھا۔ انھوں نے اپنے ماتحت ایک جونیئر کمانڈر کے پروگرام پر چلنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔ وہ درس گاہِ نبوی کے تربیت یافتہ تھے۔ انھوں نے اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو اسلام اور فرزندانِ اسلام کے عمومی فوائد پر ترجیح دینے کا سبق سیکھ رکھا تھا۔ یہی وہ عظیم الشان سبق اور سب سے بڑا راز تھا جس کے باعث تاریخ کی سب سے زیادہ رفیع الشان اسلامی ریاست قائم ہوئی اور مسلمانوں نے تمام اقوام عالم پر غلبہ حاصل کر لیا۔[1]

یومِ عماس

یوم عماس جنگ قادسیہ کے تیسرے دن کو کہا جاتا ہے۔ سپاہِ فارس نے اس دن اپنے ہاتھیوں کو نئی منصوبہ بندی کے تحت میدان میں اتارا۔ انھوں نے پہلے دن ہاتھیوں کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کی۔ ان کے زیر بند دوبارہ درست کیے اور ہر ہاتھی کے ساتھ اس کی حفاظت کے لیے کچھ فوجی مامور کیے۔ ان فوجیوں کے گرد دشمن کے بہت سے شہسوار متعین تھے۔ وہ ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ مسلمان ایک ہی وقت میں ان ہاتھیوں کے سواروں اور ان کے گرد موجود دشمن کے سپاہیوں سے نبرد آزما تھے۔ اس طرح انھیں انتہائی مشقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اس مصیبت میں گرفتار دیکھا تو اسلامی لشکر کے ساتھ موجود فارسی مسلمانوں کو پیغام بھیج کر دریافت فرمایا کہ ان ہاتھیوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ انھوں نے بتایا کہ ان کی آنکھوں اور سونڈ پر حملے کیے جائیں تو یہ بے کار ہو جائیں گے۔

---

[1] التاريخ الإسلامي: 466/10.

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قعقاع رضی اللہ عنہ اور عاصم بن عمرو کی طرف پیغام بھیجا کہ تم میدان میں موجود سفید ہاتھی پر حملہ کرو۔ باقی تمام ہاتھی اس سفید ہاتھی سے مانوس تھے اور وہ سب سے آگے تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حمال بن مالک اور ربیل بن عمرو اسدی کو حکم دیا کہ وہ خاکستری ہاتھی پر حملہ کریں۔ یہ بھی وہاں موجود نمایاں ہاتھیوں میں سے تھا۔ باقی ان دونوں ہاتھیوں کے پیچھے تھے اور ان سے مانوس نظر آتے تھے۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے نیزے سنبھالے اور سواروں اور پیادہ مجاہدوں کے ایک دستے کو لیے آگے بڑھے تو ان دونوں کمانڈروں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم اس ہاتھی کے گرد ایک باڑ سی بنا لینا تاکہ اس سے ہاتھی پریشان دکھائی دے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ہاتھی اپنے گرد شہسواروں اور پیادہ فوج کو دیکھ کر پریشانی کی حالت میں دائیں بائیں مڑنے لگا۔ اسی دوران میں قعقاع رضی اللہ عنہ اور عاصم رضی اللہ عنہ فوراً آگے بڑھے اور اپنے نیزے یکبارگی سفید ہاتھی کی آنکھوں میں گاڑ دیے۔ ہاتھی نے زور سے اپنا سر جھٹکا۔ اس کے نتیجے میں ہاتھی بان نیچے گر پڑا۔ ہاتھی کرب کی شدت سے سونڈ باہر نکالنے لگا۔ قعقاع اسی لمحے کے منتظر تھے۔ انھوں نے ہاتھی کی سونڈ پر تلوار کا بھرپور وار کیا، ہاتھی چنگھاڑ کر پہلو کے بل گرا۔ قعقاع نے اسی لمحے ہاتھی پر موجود دشمن کے فوجی کو ہلاک کر دیا۔

حمال بن مالک نے ربیل بن عمرو سے کہا: دو باتوں سے ایک اختیار کر لو۔ یا تو ہاتھی کی سونڈ پر تم حملہ کرو اور میں اس کی آنکھ میں نیزہ گھونپ دوں۔ یا تم ہاتھی کی آنکھ میں نیزہ مارو اور میں اس کی سونڈ پر تلوار دے ماروں۔ اس نے سونڈ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حمال نے خاکستری ہاتھی پر اس وقت حملہ کر دیا جب ایک اسلامی دستہ اسے گھیرے ہوئے تھا اور ہاتھی پریشانی کے عالم میں ان کی طرف متوجہ تھا۔ ہاتھی بان کو صرف ہاتھی پر موجود پالان کی فکر تھی کیونکہ مسلمانوں نے پہلے دن زیر بند کاٹ دیے تھے۔ حمال نے ہاتھی کی آنکھ پر حملہ کیا ہاتھی پچھلی ٹانگوں پر لڑکھڑایا، پھر سیدھا ہو گیا۔

اسی اثنا میں ربیل بن عمرو نے اس کی سونڈ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کی سونڈ کٹ کر گر پڑی۔ ہاتھی بان نے یہ منظر دیکھا تو وہ ہاتھی کو آگے بڑھانے کے لیے اس کی پیشانی اور بچی ہوئی سونڈ پر لوہے کی سلاخ سے ضربیں لگانے لگا مگر حمال اور ربیل اس ہاتھی سے بچ نکلے، جبکہ دونوں ہاتھی تڑپ کر خنزیر جیسی آواز نکال رہے تھے۔ وہ غضب ناک حالت میں اپنی ہی سپاہ پر چڑھ دوڑے۔ ان دونوں ہاتھیوں کے پیچھے ان سے مانوس دوسرے ہاتھی بھی ان کے پیچھے ہو لیے۔ یہ ہاتھی اندھا دھند فارسی افواج ہی کو روندتے ہوئے پیچھے کی طرف مڑے اور نہر عتیق پار کر کے مدائن کی طرف بھاگ نکلے۔ ان پر موجود تمام سوار ہلاک ہو گئے۔ [1]

جیسے ہی میدان ہاتھیوں سے صاف ہوا، گھمسان کارن پڑا۔ لڑائی میں بڑی تیزی آگئی۔ اہلِ فارس کی ایک ریزرو فوج تھی۔ ان کے لشکر کے کسی حصے میں کوئی کھلبلی مچتی تو وہ یزدگرد کو پیغام بھیجتے، وہ اس ریزرو فوج میں سے مزید کمک بھیج دیتا تھا۔ اس دن مسلمانوں اور ان کے دشمن کا یکساں نقصان ہوا۔ [2]

عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی شجاعت

عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نے اس دن اعلان کیا کہ میں ہاتھی اور اس کے گرد موجود فارسیوں پر حملہ کرنے جا رہا ہوں۔ تم ایک اونٹنی کے ذبح کرنے جتنا وقت ٹھہر کر میرے پیچھے آجانا۔ اگر تم ذرا بھی دیر کرو گے تو ابوثور کو نہ پا سکو گے، پھر ابوثور جیسا آدمی تمھیں کہاں ملے گا؟ اگر تم بروقت میرے پاس پہنچ جاؤ گے تو مجھے اس حالت میں پاؤ گے کہ تلوار میرے ہاتھ میں ہوگی۔ عمرو بن معدیکرب نے بڑا زوردار حملہ کیا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ وہ اُڑتے ہوئے گرد و غبار میں چھپ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک دوسرے سے

---

[1] التاريخ الإسلامي: 10/468. [2] تاريخ الطبري: 4/376.

کہا: تم کیا انتظار کر رہے ہو؟ اگر عمرو مارا گیا تو مسلمان ایک عظیم سپاہی سے محروم ہو جائیں گے، لہٰذا عمرو کے پیچھے پیچھے سب نے فوراً دشمن پر حملہ کیا۔ مشرکوں نے عمرو بن معدیکرب پر حملہ کر کے اسے نیچے گرا لیا تھا اور اس سے نبرد آزما تھے۔ عمرو کی تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اپنا دفاع کر رہے تھے۔ ان کا گھوڑا مارا جا چکا تھا۔ عمرو کے ساتھیوں نے یہ منظر دیکھا تو انھوں نے فارسیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ عمرو بن معدیکرب نے ایک فارسی شہسوار کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا تو اس نے ان کا ہاتھ جھٹکنے کی کوشش کی اس سے اس کا گھوڑا مضطرب ہو گیا۔ فارسی عمرو کی طرف لپکا اور ان پر وار کیا۔ اسی وقت مسلمان آگے بڑھے اور اس فارسی کو جا لیا۔ فارسی گھوڑا چھوڑ کر بھاگ گیا اور جلدی سے اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ عمرو نے کہا: اس گھوڑے کی لگام مجھے پکڑا دو۔ انھوں نے لگام عمرو کو دے دی تو عمرو لپک کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔[1]

طلیحہ بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ کا کردار

تیسرے دن رات تک لڑائی ہوتی رہی، پھر اچانک حضرت طلیحہ کی آواز سب کے درمیان حائل ہو گئی۔ طلیحہ دشمن کے عقب سے بول رہے تھے۔ اہلِ فارس اپنے عقب سے طلیحہ کی آواز سن کر گھبرا گئے۔ ادھر مسلمانوں کو بھی انتہائی تعجب ہوا۔ وہ ایک دوسرے کو روک کر طلیحہ کے بارے میں پوچھنے لگے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے طلیحہ کو مسلمانوں کے لیے خطرناک ثابت ہونے والی جگہ کی حفاظت پر مامور فرمایا تھا۔ طلیحہ نے اپنی مہم سے تجاوز کیا۔ وہ عقب میں جا پہنچے، پھر سپاہِ فارس کے عقب سے گھوم کر نکلے اور تین دفعہ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔[2]

ان کے اس عمل سے نفسیاتی طور پر مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوا کہ لڑائی تھم گئی۔ اس طرح انھیں اپنی صفوں کی تنظیمِ نو اور رات کی جنگ کے لیے مزید تیاری کا موقع مل گیا۔

---

[1] تاريخ الطبري:4/378. [2] تاريخ الطبري:4/382.

قیس بن مکشوح کا خطاب

قیس بن مکشوح نے کہا: اے اہلِ عرب! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اسلام کی نعمت عطا فرما کر تم پر عظیم احسان کیا ہے۔ تمھیں محمد ﷺ کی وجہ سے انتہائی عزت عطا کی ہے۔ تم سب اللہ کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے۔ تمھاری دعوت ایک ہو گئی۔ تمھارا منشور ایک ہو گیا، جبکہ اس سے پہلے تم ایک دوسرے پر شیر کی طرح لپکتے تھے۔ بھیڑیوں کی طرح ایک دوسرے کو چیرتے پھاڑتے تھے۔ تم اللہ کے دین کی مدد کرو، اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا اور فارس کی فتح کا وعدہ پورا فرمائے گا۔ بلاشبہ تمھارے شامی بھائیوں سے اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا ہے۔ اللہ نے شام، اس کے سرخ محلات اور سرخ قلعے مسخر کرا کے شامی بھائیوں کی جھولی میں ڈال دیے ہیں۔[1]

یومِ عماس پر کہے جانے والے اشعار

قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:

”میری قوم کو مضرحی بن یعمر نے انگیخت کیا، میری قوم کے جوانوں کی اس وقت کیا شان تھی جب انھوں نے نیزے لہرائے۔“

”جب ہمارے لشکروں نے پیش قدمی کی تو انھوں نے اہل قدیس کو مایوس نہیں کیا جو ہم نوا برداشت نہ کرتے تھے۔“

”میں دشمن سے ٹکراتا ہوں تو دشمن کے ٹکڑے کر دیتا ہوں، میں بڑی بڑی ہولناک جنگوں میں کود پڑتا ہوں۔“

”میں نے بہت سے ہاتھیوں کو (جو کہ گھروں کی مانند بڑے بڑے تھے) حملہ کرتے دیکھا تو میں نے ان کی آنکھیں اور آنکھوں کے کنارے پھوڑ ڈالے۔“[2]

---

[1] تاریخ الطبري: 378/4. [2] تاریخ الطبري: 381/4.

ایک اور شاعر نے کہا:

"میں ایک جنگجو ہوں۔ میری تلوار میرے پاس ہے، میں دشمنوں کو تیز اور پتلی تلوار سے مارتا ہوں۔"

"اس وقت جبکہ ابو اسحاق موت سے ڈرتا ہے اور جان حلق میں پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔"

لیلۃ الہریر

چوتھے دن سے پہلے رات ہی کو جنگ شروع ہوگئی۔ اس رات کو لیلۃ الہریر کہا گیا ہے۔ اس رات سپاہِ فارس نے جنگ کا طریقہ یکسر تبدیل کر دیا۔ رستم نے محسوس کر لیا کہ اس کا لشکر مسلمانوں کے لشکر کو بھگا سکا ہے نہ کوئی کامیابی حاصل کر سکا ہے، اس لیے اس نے پورے لشکر کے ساتھ یکبارگی دھاوا بولنے کا فیصلہ کیا تاکہ لشکرِ فارس کے حوصلے پست کرنے والے سابقہ اسباب پر قابو پایا جاسکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مسلمانوں کی طرف سے انفرادی مقابلوں کی دعوت دی گئی تو دشمن کے کسی بھی سپاہی نے یہ چیلنج قبول نہ کیا۔ رستم نے اپنے لشکر کے قلب اور جانبین میں تیرہ صفیں ترتیب دیں۔ مسلمانوں کی طرف سے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف سے تکبیریں سنے بغیر ہی چند بہادروں پر مشتمل دستے کو ساتھ لے کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قعقاع کو اس اقدام کی اجازت دے دی اور ان کے لیے بخشش کی دعا کی۔ جب انھوں نے تین تکبیرات کہیں تو تین صفوں پر مشتمل پیادہ اور سواروں سمیت پورا لشکر دادِ شجاعت دینے لگا۔ مسلمانوں کی ایک صف میں تیرانداز، دوسری میں گھڑسوار اور تیسری صف میں پیدل دستے تھے۔ اس رات لڑائی انتہائی سخت تھی۔ شروع رات سے لے کر صبح تک کسی کے بولنے کی بھی آواز نہیں سنائی دی۔ اس رات سوائے تلواروں کی جھنکار کے کوئی انسانی آواز سنائی نہیں دی اسی لیے اس رات کو "لیلۃ الہریر" کہا جاتا ہے۔ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو زوردار

حملوں کی تلقین کر رہے تھے کیونکہ اب لڑائی فیصلہ کن مراحل میں داخل ہونے والی تھی۔[1]

اس رات دادِ شجاعت دینے والے چند افراد کے اقوال یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

درید بن کعب نخعی کا اپنی قوم سے خطاب

درید نے اپنی قوم سے کہا: بلاشبہ مسلمان پیش قدمی کے لیے تیار ہو چکے ہیں۔ اے میری قوم کے جوانو! تم آج رات سب مسلمانوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جہاد کے معاملے میں آگے بڑھ جاؤ۔ آج کی رات ہر فرد کا اجر اس کی سبقت کے حساب سے ہوگا۔ شہادت کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ خوشی خوشی موت کو قبول کرو۔ اگر تم زندگانی چاہتے ہو تو موت کو محبوب جانو۔ بالفرض تمھیں شہادت نصیب ہوئی تو تمھارے لیے آخرت حتمی ہے۔

اشعث بن قیس کا قولِ زریں

اے اہل عرب! یہ بات ناممکن ہے کہ دشمن تم سے زیادہ موت کو محبوب رکھتا ہے یا دنیا چھوڑنے پر زیادہ دلیر ہے۔ تم اپنی بیویوں اور اولاد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ قتل سے نہ ڈرو۔ شہادت باوقار لوگوں کی آرزو اور شہیدوں کی منزل ہوتی ہے۔[2]

حمیضہ بن نعمان بارقی کا کردار

جعفی قبیلہ کے قریب دشمنوں کا ایک فوجی دستہ موجود تھا۔ ان کے بدن پر لوہے سے بنے مکمل دفاعی ہتھیار بھی موجود تھے۔ مسلمان ان کے قریب ہوئے اور تلواروں کو آزمایا لیکن تلواروں نے لوہے پر کوئی اثر نہ کیا۔ وہ واپس آگئے۔ حمیضہ بن نعمان بارقی نے پوچھا: تمھیں کیا ہوا؟ انھوں نے کہا: ہمارے ہتھیار ان کے لوہے پر اثر نہیں کر رہے۔ حمیضہ نے کہا: تم اپنی جگہ پر رکے رہو اور میری طرف دیکھو۔ حمیضہ نے ایک فارسی فوجی پر حملہ کیا،

---

[1] التاريخ الإسلامي: 10/472. [2] تاريخ الطبري: 4/384.

پھر گھوم کر اس کی پشت پر جا پہنچے اور نیزے سے اس کی پشت پر زور کا وار کیا، پھر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس آگئے اور فرمایا: مجھے یقین ہے کہ وہ سب تمھارے سامنے شکست کھائیں گے۔ سب نے دوبارہ حملہ کیا اور انھیں اپنی صفوں سے دور دھکیل دیا۔[1]

قبیلۂ کندہ کے مقابلے میں دشمن کا کمانڈر ترک الطبری لڑ رہا تھا۔ اشعث بن قیس کندی نے کہا: اے قوم کے جوانو! ان کا مقابلہ کرو۔ سات سو (700) مسلمان سپاہی آگے بڑھے جنھوں نے اشعث کی رہنمائی میں اُن پر حملہ کیا اور ان کے قائد کو قتل کر دیا۔

اس رات کسی توقف کے بغیر لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ مختلف قبائل کے عمائدین اپنے قبائل کو ثابت قدمی اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

لیلۃ الہریر میں سپہ سالاروں کی کیفیتِ جنگ کی شدت کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے جسے علامہ طبری نے انس بن حلیس سے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: میں ''لیلۃ الہریر'' کے وقت وہاں موجود تھا۔ اس رات صبح تک ہتھیاروں کی آواز یوں آتی رہی جیسے لوہار لوہا کوٹتے ہیں۔ وہ تو اللہ کی خاص عنایت تھی جس سے انھیں صبر نصیب ہوا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انتہائی پریشانی میں رات گزاری۔ عرب و عجم نے ایک ایسا منظر دیکھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ رستم اور سعد رضی اللہ عنہ اپنے اپنے لشکروں سے بالکل بے خبر تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ رات کے سناٹے میں انتہائی عاجزی سے اپنے رب کے حضور دعا میں مصروف تھے کہ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہے تھے:

''ہم نے پوری جماعت کو قتل کیا، ہم نے صرف پانچ یا چار یا ایک کو قتل نہیں کیا۔''

''ہم گھوڑوں پر بیٹھے شیر سمجھے جاتے ہیں، جب یہ ساتھی شہید ہو جاتے ہیں تو میں دوسرے ساتھی اپنے ساتھ ملا لیتا ہوں۔''

''اللہ میرا رب ہے۔ میں نے ہر جنگجو کی حفاظت کی ہے۔''

---

[1] تاريخ الطبري: 4/386.

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات کو فتح پر محمول کیا۔[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ساری رات اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا رہے اور مدد کی التجا کرتے رہے۔ یاد رہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔[2]

یوم القادسیہ

جنگ جاری رہی۔ چوتھا دن آ پہنچا۔ اس دن کی صبح ہوتے ہی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، بلند آواز سے مسلمانوں کو مخاطب کیا۔ فرمایا: بلاشبہ شکست عنقریب اس کا مقدر ہوگی جس پر فوری حملہ ہوگا۔ تم تھوڑی دیر صبر کرو اور حملہ کر دو۔ صبر کرنے ہی سے مدد حاصل ہوتی ہے۔ تم صبر کو بے صبری پر ترجیح دو۔ یہ سن کر بہت سے مسلمان زعماء اُن کے ساتھ ہو لیے اور علی الصباح ہی رستم کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے بہادر مسلمان آگے بڑھے۔ ان میں قیس بن عبدیغوث، اشعث بن قیس، عمرو بن معدیکرب، ابن ذی السہمین خثعمی اور ابن ذی البردین ہلالی نمایاں تھے۔ انھوں نے کہا: اے لوگو! اہل فارس تم سے زیادہ موت کو ہرگز محبوب نہیں رکھتے۔ یہ دنیا کو ترک کرنے والے نہیں ہوسکتے۔ جبکہ ربیعہ کے کچھ افراد آگے بڑھے اور کہا: اے لوگو! تم آج تک اہلِ فارس کے مقابلے میں دلیری کا زبردست مظاہرہ کرتے رہے ہو اور ان سے خوب واقف ہو مگر آج تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم بزدل ہو رہے ہو؟[3]

قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس طرح اپنے کارناموں میں ایک اور کارنامے کا اضافہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے مثال شجاعت، درست سوچ اور ایمان کی قوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ انھوں نے اپنی یہ تمام خوبیاں اسلام کے فروغ اور مسلمانوں کو تقویت پہنچانے کے لیے وقف کر دیں۔ ان کا اس معرکے میں شامل ہونا مسلمانوں کے لیے فتح کی نوید

---

① تاريخ الطبري:4/386. ② التاريخ الإسلامي:9/474. ③ تاريخ الطبري:4/387.

ثابت ہوا۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے محسوس کر لیا تھا کہ دشمن ایک دن اور رات مسلسل جنگ میں مصروف رہنے کی وجہ سے بے صبرا ہو چکا ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ مسلسل دو دن لڑائی میں مصروف رہا ہے۔ صرف چند ساعتوں کے لیے اسے راحت نصیب ہوئی ہے۔ انھوں نے اپنی بیدار مغزی، اللہ کی توفیق اور اپنے تجربے سے جان لیا کہ فتح اسی کی ہوگی جو اس لمبی مشقت کے بعد صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور ان کے دلیر سپاہی دشمن کے لشکر کے قلب میں رخنہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے اور دوپہر کے وقت رستم کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد شامل حال ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی اپنے خاص لشکروں کے ذریعے سے مدد فرمائی۔ دبور نامی بڑی تیز و تند ہوا چلی۔ رستم کے تخت کے اوپر تنا ہوا چھپر اُڑ کر نہر عتیق میں جا گرا۔ اور چاروں طرف سے لشکرِ فارس پر زبردست گرد و غبار برسنے لگا۔ اس طرح انھیں اپنا دفاع کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔[1]

رستم کی ہلاکت

قعقاع رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے اور رستم کے تخت کے قریب جا پہنچے۔ رستم اپنے تخت کو چھوڑ کر بھاگا اور ایک خچر کے پیچھے چھپ گیا۔ وہ خچر رستم پر گر پڑا۔ جس کی ضرب سے اس کی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے ٹوٹ گئے۔ وہ اسی حالت میں بھاگا۔ وہ نہر عتیق میں چھلانگ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے ایک مجاہد ہلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ اس نے رستم کا پاؤں پکڑ کر اسے نہر سے گھسیٹ لیا اور قتل کر ڈالا، پھر اس کے تخت پر چڑھ کر اعلان کیا: رب کعبہ کی قسم! میں نے رستم کو ہلاک کر دیا ہے۔ میری طرف آؤ۔ لوگ فوراً اس کی طرف مُڑے۔ انھوں نے رستم کا تخت دیکھا تو اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، پھر وہ ایک

[1] التاريخ الإسلامي: 10/476.
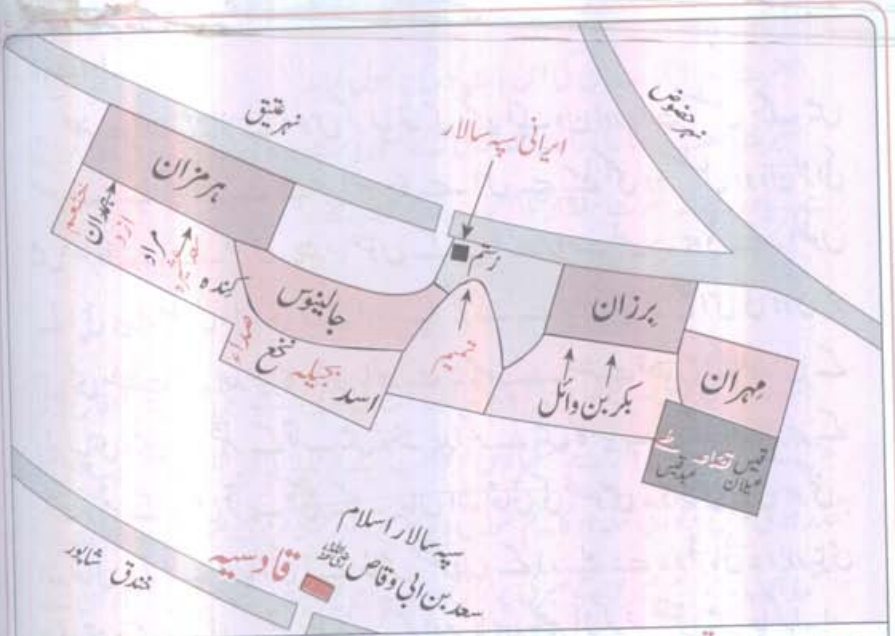
نہر عتیق
نہر حضوض
ایرانی سپہ سالار
رستم
ہرمزان
جالینوس
برزان
مہران
بکر بن وائل
کندہ
نخع
بجیلہ
اسد
تمیم
قیس
عبد قیس
سپہ سالار اسلام
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
قادسیہ
خندق شاپور
یوم قادسیہ...... بنو تمیم کا حملہ اور جالینوس کی پسپائی (ایرانیوں کو چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش)
نہر عتیق
نہر حضوض
ہرمزان
جالینوس
اسلامی لشکر کا آخری ہلا
خندق شاپور
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
قادسیہ
معرکۂ قادسیہ کا آخری مرحلہ...... رستم کا قتل اور ہُرمزان اور جالینوس کا فرار
نقشہ: 11,12
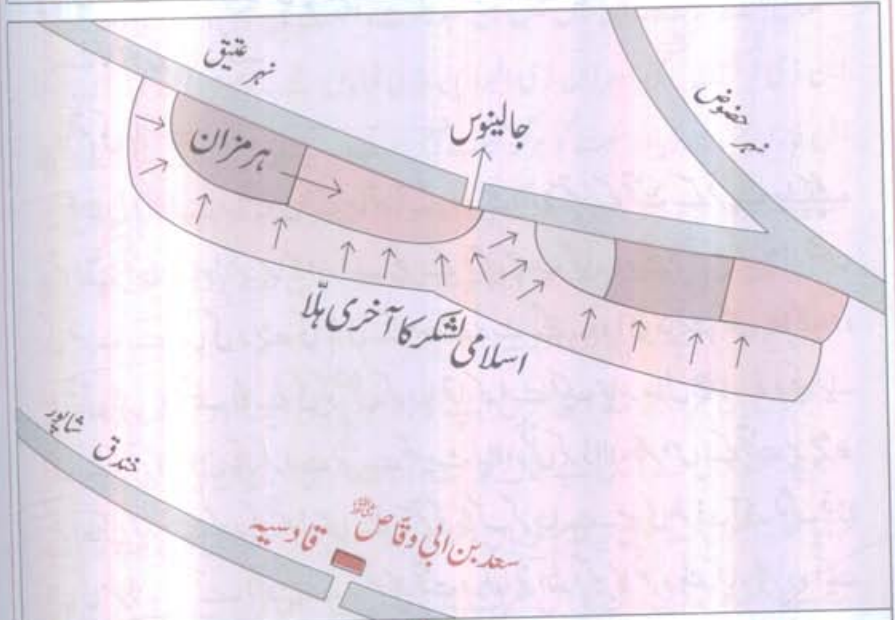
دوسرے کو آوازیں دینے لگے۔ اب اہلِ فارس کا لشکر شکست کھا چکا تھا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ کے علاوہ کئی دوسرے کمانڈر بھی آگے آگئے۔ انھوں نے اپنے مقابل دشمن کو زیر کرتے ہوئے اتنی تیزی سے پیش قدمی کی کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

اِدھر جب جالینوس نے رستم کی ہلاکت کی خبر سُنی تو وہ نہر پر قائم ایک دیوار پر چڑھ گیا اور باآواز بلند اپنے لشکر کو نہر عبور کر کے نکل بھاگنے کا حکم دیا۔ لشکرِ فارس میں بڑی بڑی زنجیروں میں ایک دوسرے سے بندھے ہوئے سارے فوجی نہر عتیق میں گر گئے۔ ان کی تعداد تقریباً تیس ہزار (30,000) تھی۔ مسلمانوں نے انھیں اپنے نیزوں سے مار ڈالا۔ ایک فوجی بھی زندہ بچ کر نہ جا سکا۔[1]

معرکے کا خاتمہ

اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بعد اسلامی سپاہ کی جاں فشانی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کی بدولت یہ معرکہ فتح مندی سے ختم ہو چکا تھا۔ یہ انتہائی ہولناک جنگ تھی۔ اس میں دشمن مسلمانوں کے سامنے تین دن تک ڈٹا رہا۔ چوتھے دن اللہ تعالیٰ نے اسے شکست سے دوچار فرمایا، جبکہ عمومی طور پر مسلمان اپنے دشمن کو ایک ہی دن میں زیر کر لیتے تھے۔ اہلِ فارس کی ثابت قدمی سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس معرکے کے نتائج کو خوب سمجھتے تھے کہ یا تو وہ فتح یاب ہوں گے اور اُن کی سلطنت باقی رہے گی یا شکست کی وجہ سے ان کی سلطنت اس طرح ختم ہو جائے گی کہ اس کا ایک ستون بھی باقی نہیں رہے گا۔ رستم اور اس کے عظیم جرنیلوں کی وہاں موجودگی نے بھی انھیں حوصلہ مند رکھا۔ رستم اتنا ماہر سپہ سالار تھا کہ اس کی زیر کمان سپاہِ فارس نے اپنے دشمنوں پر بہت سی کامیابیاں حاصل کی تھیں جن سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

---

[1] تاریخ الطبري:4/388.

متذکرہ بالا اسباب کے علاوہ سپاہِ فارس کی ثابت قدمی کی ایک وجہ ان کی بھاری تعداد اور جنگی تیاری میں فوقیت ہوسکتی ہے۔ اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (120,000) تھی۔ یہ تعداد صرف ان کے لڑاکا سپاہیوں کی تھی دیگر شعبوں کے افراد ان کے علاوہ تھے اور یزدگرد کی طرف سے روزانہ آنے والی کمک بھی اس کے علاوہ تھی، جبکہ مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار (30,000) سے کچھ اوپر تھی۔[1]

مسلمانوں کے آٹھ ہزار پانچ سو (8500) مجاہد شہید ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں تاریخی فتح سے ہمکنار فرمایا۔[2]

ابتدائی جنگوں میں شہید ہونے والے مجاہدوں کے مقابلے میں یہ مسلمانوں کی شہید ہونے والی سب سے بڑی تعداد تھی جو اس معرکے کی شدت اور مسلمانوں کی پامردی کا ثبوت ہے کہ وہ کس قدر دلیر اور شہادت کے کتنے متمنی تھے۔[3]

شکست خوردہ فوج کا تعاقب

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو دشمن کے شکست خوردہ فوجیوں کا تعاقب کرنے اور انھیں قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ اور شرحبیل بن سمط الکندی رحمہ اللہ کو نہرِ عتیق کے آس پاس سپاہِ فارس کے بھگوڑوں کا تعاقب کرنے اور انھیں قتل کرنے کی تاکید فرمائی، جبکہ زہرہ بن حویہ رضی اللہ عنہ کو نہرِ عتیق کے اس پار اہلِ فارس کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ سپاہِ فارس نے پل پار کرنے کے بعد پل گرا دیا تاکہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کرسکیں۔ زہرہ اور ان کے ساتھ موجود تین سو (300) مجاہدین نے اپنے گھوڑوں سمیت نہر عبور کرنے کی کوشش کی اور حکم دیا کہ جو مسمار شدہ پل کے ملبے سے نہر عبور کرسکتا ہو وہ وہاں سے نہر پار کرلے، پھر انھوں نے دشمن کو جالیا۔ جالینوس سپاہِ فارس

---

[1] تاريخ الطبري:4/388. [2] تاريخ الطبري:4/388. [3] التاريخ الإسلامي:10/479.

کا ایک عظیم کمانڈر سمجھا جاتا تھا۔ وہ لشکر کے پچھلے حصے میں ان کی حفاظت پر مامور ہوتا تھا۔ زہرہ نے اسے جا لیا۔ دونوں میں مقابلہ شروع ہوا دونوں طرف سے وار ہوئے۔ زہرہ نے جالینوس کو قتل کر دیا اور اس کا ساز وسامان قبضے میں کر لیا، پھر دیگر بھگوڑوں کا تعاقب کیا۔ ان میں سے بہت سے افراد کو ہلاک کر دیا اور اسلامی لشکر کے پاس واپس قادسیہ پہنچ گئے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف فتح کی نوید اور اس سے ماخوذ اسباق

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سعد بن عُمیلہ فزاری کے ہاتھ فتح کی خوش خبری کا پیغام ارسال فرمایا اور لکھا: اما بعد بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہلِ فارس پر فتح سے ہمکنار کر دیا ہے اور ان سے ایسا ہی سلوک کیا ہے جیسا ان سے پہلے ان جیسے لوگوں سے کیا تھا۔ یہ فتح ایک لمبی جنگ اور سخت ترین جدوجہد کے بعد حاصل ہوئی۔ مسلمان اتنے زبردست اسلحے سے لیس اتنی بھاری تعداد کے دشمن سے ٹکرائے کہ دشمن کی اتنی بڑی مقدار کسی آنکھ نے نہ دیکھی ہوگی، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے دشمن کو اس کثرت اور حربی استعداد کا کوئی فائدہ نہ پہنچنے دیا بلکہ یہ سب کچھ ان سے چھین کر مسلمانوں کو عطا فرما دیا۔ مسلمانوں میں سے سعد بن عبید القاری اور بہت سے ایسے افراد جنھیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، شہید ہوئے۔ وہ رات کی تنہائیوں میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے تو مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز آتی تھی۔ مجاہدین ایسے شیر تھے کہ کوئی شیر ان جیسا نہیں ہوسکتا۔ زندہ بچ جانے والوں میں سے کوئی بھی ان پر فوقیت حاصل نہیں کرسکتا سوائے اس آدمی کے جو شہادت کے رُتبے پر فائز ہو۔[2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب میں نہایت قیمتی سبق چمک رہے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ

① تاريخ الطبري: 389/4. ② تاريخ الطبري: 408/4.

نے اس مکتوب میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور یگانہ عظمت بیان کی اور لوگوں کی طاقت اور قربانی سے فتح کے حصول کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا، حالانکہ تمام مسلمانوں نے اس جہاد میں انتہائی تھکا دینے والی جدوجہد اور عظیم قربانیاں پیش کی تھیں۔

دشمن کی مضبوط قوت کو ختم کرنا کسی بشر کے بس کی بات نہیں، یہ تو اسی مالک و خالق کے ہاتھ میں تھا جس نے دشمنوں کو اپنی قوت سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرنے دیا۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائی اور انسان تو محض ایسے اسباب ہیں جن کے ذریعے سے اللہ نفع یا نقصان پہنچاتا ہے۔ تنہا وہی اکیلی ذات ہے جو نفع عطا کرنے اور نقصان سے محفوظ رکھنے کی طاقت رکھتی ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ توحید کے معانی و مطالب جس طرح سمجھتے تھے وہ مطالب انھوں نے اپنی عملی زندگی کے علاوہ اپنے ماتحت لشکر کی زندگی میں بھی لاگو کیے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ موجود تابعینِ عظام کی مبارک زندگی کی سچی تصویر نمایاں ہو کر سامنے آگئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شجاعت اور عبادت کے کتنے اعلیٰ نمونے تھے۔ رات کو یہ حضرات شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح دھیمی دھیمی آواز سے قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے تھے، یعنی جس طرح شہد کی مکھیوں کی آواز مسلسل آتی رہتی ہے اسی طرح یہ بھی مسلسل تلاوت کرتے تھکتے نہیں تھے۔ نہ اکتاہٹ محسوس کرتے تھے۔ وہ دن کے وقت دشمنانِ اسلام پر دھاوا بولنے والے شہسوار ہوتے تھے، جبکہ پیش قدمی اور ثابت قدمی میں شیر بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آنے والے ہر قافلے سے محاذِ قادسیہ کے بارے میں تازہ ترین خبریں ضرور معلوم کرتے تھے اور صبح سے نصف النہار تک مدینہ سے باہر اسی تگ و دو میں بیٹھے رہتے تھے۔ دوپہر کے وقت وہ اپنے گھر تشریف لے آتے۔ جس دن فتحِ قادسیہ کی

---

[1] التاريخ الإسلامي: 10/481.

خوشخبری دینے والا ایلچی آیا، اس کی ملاقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے براہِ راست متعارف نہیں تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت فرمایا: تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ قادسیہ سے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پورا واقعہ بیان کرو۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے اور اس سے فتح کی باتیں سن رہے تھے اور آنے والا اونٹنی پر سوار چلا آرہا تھا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوئے تو لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرنا شروع کیا۔ اس شخص نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آپ امیر المؤمنین ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «لَا عَلَيْكَ يَا أَخِي» ''میرے بھائی! اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔''[1]

اس واقعے میں بھی بہت سی سبق آموز اور قابل توجہ باتیں جھلملا رہی ہیں:

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جنگ کے حالات دریافت کرنے کے لیے مکمل اہتمام کرنا اور روزانہ مدینہ سے باہر نکل کر عراق سے آنے والے ہر سوار سے مسلمانوں اور اہلِ فارس کی خبریں دریافت کرنا۔ اُن کے تجسس اور احساس ذمہ داری کا ثبوت ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس کام کے لیے کسی اور شخص کو مقرر فرما دیتے۔ اس طرح جیسے ہی کوئی اطلاع پہنچتی وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دے دیتا۔ لیکن ان کی بے قراری اور معاملے کی زبردست اہمیت انھیں اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ ان کا یہ عمل ان کے احساس ذمہ داری کی نادر مثال ہے۔

② اس واقعے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی انتہائی عاجزی کا اظہار بھی ہو رہا ہے کہ وہ خوش خبری دینے والے کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے ہیں اور اس سے معرکے کی تفصیلات سنتے جا رہے ہیں۔ اِدھر یہ آنے والا شخص انھیں مکمل خبر دینے سے اس لیے گریز کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے امیر المؤمنین کو مکمل تفصیلات سے آگاہ کرنے کا آرزو مند تھا۔ اسے یہ علم

① تاريخ الطبري: 4/408.

ہی نہ تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے والا شخص ہی امیر المؤمنین ہے۔ مدینہ میں داخل ہوکر اسے معلوم ہوا کہ یہ امیر المؤمنین ہیں۔

یہ وہ بلند ترین اخلاق ہیں جو تمام مسلمانوں کو اپنانے چاہئیں۔ اپنے اسلاف کرام کی ایسی درخشاں سیرت پر فخر کرنا چاہیے۔ اس سیرت سے دینِ اسلام کی عظمت، دُور اندیشی اور عاجزی جیسے اوصافِ حمیدہ سے متصف ہوکر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے فقید المثال انسان پیدا ہوئے۔[1]

معرکۂ قادسیہ کی تاریخ، اثرات ونتائج اور فوائد

معرکۂ قادسیہ کی تاریخ

مؤرخین نے اس معرکے کی تاریخ کا تعین کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ استاد احمد عادل کمال نے اس سلسلے میں بڑی عمدہ تحقیق کی ہے اور اس معرکے کی تاریخ ماہ شعبان 15 ہجری متعین کی ہے۔[2] میں بھی اسی قول کی طرف مائل ہوں۔

معرکۂ قادسیہ کے اثرات ونتائج

معرکۂ قادسیہ یقیناً تاریخ عالم کے فیصلہ کن معرکوں میں سرفہرست ہے۔ یہ معرکہ سچے اہل ایمان کی ثابت قدمی کے مختلف نمونوں کا حامل ہے۔ اسی معرکے کے اثرات تھے کہ مسلمانوں کے لیے عراق کے دروازے کھل گئے۔ عراق کے بعد پورا علاقۂ فارس مسلمانوں کے زیرنگیں آگیا۔ یہی وہ فتح تھی جس کے سبب مستقبل کی کامیابیاں مسلمانوں کے قدم چومتی رہیں اور ساسانی اقوام جنگی اور سیاسی دونوں میدانوں میں ناکام ہوتی رہیں۔ دین اور عقیدے کی رُو سے ایک مجوسی قوم اسلام کے مقابلے میں نیست و نابود ہوگئی۔ یہاں

---

(1) التاريخ الإسلامي: 488/10. (2) القادسية لأحمد عادل كمال، ص: 266، والتاريخ الإسلامي: 488/10.

سے اسلام ایران اور اس سے آگے بڑھ کر تمام علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔

قادسیہ میں مسلمانوں نے مجوسیوں کی شان و شوکت اس طرح ختم کر دی کہ اس کے بعد وہ کبھی نہ سنبھل سکے۔ اس طرح معرکۂ قادسیہ انسانی تاریخ کے فیصلہ کن معرکوں میں سرفہرست ٹھہرا۔ [1]

فتحِ قادسیہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فتح کی خوشخبری پہنچی تو انھوں نے لوگوں کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مکتوب پڑھ کر سنایا اور فرمایا: میری یہی دلی خواہش ہے کہ کثرتِ افراد کے باوجود میں ہر شخص کی ضرورت پوری کرنے کا سامان مہیا کر سکوں۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم ہم سب ایک دوسرے کی غمخواری کریں۔ اپنی بساط کے مطابق مساویانہ زندگی گزاریں۔ میری خواہش ہے کہ تم میرے ظاہر کو دیکھ کر میرے دل کی کیفیت جان سکو۔ میں تمھیں اپنے عمل سے تعلیم دینا چاہتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں کہ تمھیں اپنا غلام بنا لوں۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا عاجز بندہ ہوں۔ مجھ پر امانت کا بوجھ ہے۔ اگر میں لوگوں کے مال سے تعرض نہ کروں اور وہ سب تمھیں عطا کر دوں اور تمھاری خبر گیری کروں تا آنکہ تم سب اپنے گھروں میں اچھی طرح سے سیر اور سیراب ہو جاؤ تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی اور اگر میں یہ سارا مال اپنے گھر لے جاؤں تو یہ میرے لیے بدبختی ہے۔ اس طرح میں وقتی طور پر تو تھوڑی دیر کے لیے خوش ہو جاؤں گا مگر پھر مستقل لمبے عرصے کے لیے دُکھوں میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ [2]

مسلمانوں کے نزدیک عہد و پیمان کی اہمیت: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک اور مکتوب لکھا۔ اس میں انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سرزمین عراق کے ان عرب باشندوں کے بارے میں مشورہ طلب کیا جنھوں نے مسلمانوں کو کمزور پا کر اپنے عہد سے پھر جانے کا ارتکاب کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ

---

[1] الطريق إلى المدائن، ص:474,473. [2] تاريخ الطبري:4/409.

خطبہ ارشاد فرمایا: بلاشبہ جو شخص خواہشات کی پیروی اور نافرمانی کا ارتکاب کرے وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہوگا اور اپنا نصیب کھو بیٹھے گا۔ جس نے سنت کی اتباع کی، شریعت کے احکام تسلیم کیے، سیدھے راستے پر کار بند رہا اور اللہ تعالیٰ سے اطاعت گزاروں کو ملنے والے ثواب کا متمنی رہا تو اس نے اپنی ذمہ داری ادا کی اور اپنا نصیب بھی حاصل کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا۝﴾

''اور انھوں نے جو کچھ کیا تھا اسے موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔''[1]

عراقی جنگوں اور قادسیہ میں حصہ لینے والے کامیاب ہو گئے۔ ان علاقوں کے باشندے اور کسان وہاں سے چلے گئے۔ اور جو اپنے عہد پر قائم رہے وہ مسلمانوں کے پاس آ گئے۔ تمھاری ان لوگوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ان میں سے جو یہ دعویٰ کرے کہ مجھے اہل فارس نے زبردستی عہد شکنی پر مجبور کیا تھا اور اپنے ساتھ لے گئے تھے اور ایسا آدمی جو نہ زبردستی کا دعویٰ کرتا ہے نہ وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور وہاں سے چلا گیا۔ اور وہ آدمی جو بدستور مسلمانوں سے کیے ہوئے عہد و پیمان پر قائم رہا اور دشمنوں کے ساتھ بھی نہ ملا نہ کسی زبردستی کا دعویٰ کیا، اور وہ آدمی جو بخوشی دشمنوں سے مل گیا۔ ان سب نوعیتوں کے لوگوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

تمام حاضرین نے ان لوگوں کے بارے میں اس فیصلے پر اتفاق کیا کہ جو ذمی عہد پر قائم رہا اور دشمن سے نہیں ملا اسے تو مسلمانوں کی فتح سے خیر و بھلائی ملنی چاہیے اور جس نے زبردستی کا دعویٰ کیا اور اس کا دعویٰ سچ ثابت ہو گیا، اسے معذور سمجھا جائے۔ اگر دعویٰ غلط ثابت ہوا تو اس سے ازسر نو معاہدہ کیا جائے، جبکہ وہ لوگ جو بخوشی دشمن سے جا ملے

---

[1] الکہف 49:18.

ان کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جائے کہ وہاں موجود فاتحین اگر مصلحت دیکھیں تو ان سے نیا عہد و پیمان کر لیں اور انھیں اپنا ذمہ دے دیں اور اگر چاہیں تو انھیں اپنی سرزمین میں واپس آنے سے روک دیں اور ان سے جنگ کریں۔ جو آدمی معاہدے پر قائم رہا لیکن دشمن کے ساتھ ملا رہا اور واپس نہ پلٹا اسے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دے دیا جائے، چاہے تو جزیہ ادا کرے یا جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔

مقامی باشندوں کے علاوہ وہاں موجود کھیتی باڑی سے منسلک کسانوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے۔[1]

معرکۂ قادسیہ کے فوائد

معرکۂ قادسیہ سے درج ذیل فوائد حاصل ہوئے:

شورائی نظام رُوبہ عمل لانا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے علم کی وسعتوں، تجربے کی روشنی اور صائب فیصلوں کی بھرپور صلاحیتوں کے باوجود تمام اہم مسائل میں اہل رائے سے مشورہ طلب فرماتے تھے۔ ان کا یہی صائب طریقۂ کار امت کی سیاست میں کامیابی کا ضامن بنا۔

مشورے سے پہلے تمہیدی کلمات سے استفادہ: عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیوی خواہشات سے دور اخلاصِ نیت کا حامل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ صراط مستقیم پر گامزن رکھنے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ جو شخص ایسی صفات کا حامل ہوتا ہے وہ کسی بھی فیصلے میں ذلت کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ حق بات پالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب میں کامیاب ہو جاتا ہے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حاصل شدہ مشورے کا خلاصہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے نام اس طرح تحریر فرمایا: اما بعد، بلاشبہ اللہ عزوجل نے مخصوص حالات میں ہر معاملے

---

[1] تاریخ الطبري: 4/410. [2] التاریخ الإسلامي: 10/485.

میں رُخصت کا پہلو رکھا ہے سوائے دو امور کے، ایک عدل اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ ذکر کے سلسلے میں کوئی بھی حالت مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر حالت میں کثرت سے کرنا چاہیے اور عدل کے معاملے میں کسی قریبی یا دور کے تعلق دار کا کوئی پاس لحاظ نہیں۔ نہ عدل کے نفاذ میں کسی قسم کی سختی یا نرمی کی پروا کی جائے گی۔ عدل کا قیام آسان نظر آئے تو یہ ظلم کا خاتمہ اور باطل کا قلع قمع کرنے والا انتہائی طاقتور عمل ہوگا اور اگر اس کا نفاذ مشکل نظر آئے تو پھر یہ پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔

جو عراقی عرب اپنے عہد و پیمان پر قائم ہیں اور انھوں نے تمھارے خلاف دشمن کی کوئی مدد نہیں کی تو ان کا ذمہ بحال رکھو اور جزیہ وصول کرو۔ جس نے دعویٰ کیا کہ اسے مجبور کیا گیا تھا اور اس نے تمھارے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ وہ صرف اس جگہ سے چلا گیا تھا تو ایسے شخص کا اپنی تحقیق کی روشنی میں اعتبار کرو۔ ورنہ ان سے عہد توڑ دو اور انھیں دارالحرب پہنچا دو۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں بہت سے پندو نصائح موجود ہیں:

بلاشبہ عدل و انصاف ایک ایسی خوبی ہے جو اسلامی ریاست، سیادت اور مسلمانوں کے علاقوں میں امن اور خوشحالی کے بہت بڑے ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ بے انصافی کرنے والے ظالم آخرت میں سزا سے نہیں بچ سکیں گے کیونکہ حقوق اللہ تو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے اور ان سے درگزر فرما دیں گے لیکن حقوق العباد کے بارے میں یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم اور مظلوم کو قیامت کے دن اپنی عدالت میں کھڑا کرے گا اور مظلوم ظالم سے قصاص لے گا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ذکر مسلمان کی زندگی میں اس کے دل، زبان اور جملہ اعضاء و جوارح پر چھایا رہنا چاہیے۔ مسلمان کی سوچ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونی چاہیے۔

[1] تاريخ الطبري: 4/410.

اس کی گفتگو اور ہر عمل اسی کی رضا جوئی کے لیے ہونا چاہیے۔ اس کی سب سے بڑی کوشش اللہ کی زمین میں اپنے قول، عمل اور اعتقاد کے اعتبار سے ذکر اللہ ہی قائم کرنے کے لیے ہو۔ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے شبہات اور شہوات دونوں فتنوں سے محفوظ فرما دے گا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات پر عمل کیا۔ انھوں نے اپنے علاقوں کو چھوڑ کر جانے والے تمام ذمی افراد کو واپس آنے کی اجازت دے دی اور اُن سے معاہدے کی تجدید کر کے انھیں جزیہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

یہ صورتِ حال شفقت، مہربانی اور تالیفِ قلب کی زندہ مثال تھی۔ اس حسن سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ واپس آنے والے معاہدین مسلمانوں اور اسلام سے بہت متأثر ہوئے اور ان کے دل میں مسلمانوں کے لیے بڑی محبت اور قدر شناسی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ مسلمانوں کے بارے میں ان کے دلوں میں انتہائی محبت پیدا ہوئی جس کے سبب وہ رفتہ رفتہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور بالآخر سچے مسلمان بن گئے۔ [1]

مجاہدین اور نمایاں کارنامے انجام دینے والوں کے لیے خمس اور انعام: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ قادسیہ کا خُمس معرکۂ قادسیہ میں شریک مجاہدین کو دے دیا جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر عمل درآمد کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ نہایت رفیع الشان اجتہاد تھا۔ جس طرح انھوں نے عراق کی زمینیں وہاں کے مکینوں کے قبضے میں رہنے دینے کا فیصلہ کیا تھا اسی طرح انھوں نے اسلامی ریاست کی مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس جنگ کا خمس بھی اسی معرکے کے مجاہدین کی عظیم قربانیوں کے اعتراف میں انھی کی حوصلہ افزائی اور خوش حالی کے لیے صرف کیا جائے۔ [2]

---

[1] التاریخ الإسلامي: 487/10. [2] أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب الخلیفة المجتهد للعمراني، ص: 163.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو چار تلواریں اور چار گھوڑے بھی بھیجے تاکہ یہ چیزیں ان مجاہدوں کو بطور انعام دی جائیں جنھوں نے اس معرکے میں بے مثال کارنامے انجام دیے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تین تلواریں بنو اسد میں تقسیم فرمائیں جو کہ حمال بن مالک، ابیل بن عمرو بن ربیعہ اور طلیحہ بن خویلد رضی اللہ عنہم کو عطا فرمائیں۔ چوتھی تلوار عاصم بن عمرو تمیمی کے حصے میں آئی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک گھوڑا قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ اور باقی تین گھوڑے قبیلۂ یربوع سے تعلق رکھنے والے ان شیر دل جوانوں کو عطا فرمائے جنھوں نے اغواث کی رات کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجاہدین کے حوصلے بلند کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ وہ مقاصدِ جلیلہ کے حصول کے لیے مجاہدین کی ہمت بڑھاتے رہے اور اس مقصد کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لاتے رہے۔

زہرہ بن حویہ رضی اللہ عنہ کی دل جوئی: زہرہ اہلِ فارس کے منتشر لشکر کا تعاقب کرنے کے بعد واپس آئے۔ انھوں نے سپاہِ فارس کے کمانڈر جالینوس کو قتل کر دیا تھا اور اس کا سامان قبضے میں لینے کے بعد اس کی زرہ زیبِ تن کر لی تھی۔ جب وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو وہاں موجود مجوسی قیدیوں نے اس زرہ کو پہچان لیا اور فوراً بول اٹھے کہ یہ تو جالینوس کی زرہ ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زہرہ سے جواب طلبی کی۔ آپ نے پوچھا: جالینوس کے قتل میں تیری مدد کس نے کی؟ زہرہ نے کہا: اللہ نے۔ زہرہ ان دنوں نوجوان تھے۔ ان کے لمبے لمبے گیسو اپنی بہار دکھاتے تھے۔ جاہلیت میں وہ اپنی قوم کے سردار تسلیم کیے گئے تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے مایۂ ناز خدمات انجام دی تھیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کی جلد بازی پر خفا ہو گئے۔ انھیں اعتراض تھا کہ یہ زرہ پہننے میں

---

[1] خلافة الصديق والفاروق للثعالبي، ص:253.

زہرہ نے جلدی کیوں کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سامان کا بہت زیادہ خیال کیا اور سارا سامان اپنے قبضے میں لے لیا، پھر فرمایا: تو نے میری اجازت کا انتظار کیوں نہ کیا؟[1]

اس واقعے کی خبر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پیغام ارسال فرمایا کہ زہرہ اور زہرہ جیسے دوسرے افراد کے ساتھ فیاضی کا سلوک کرو کیونکہ انھوں نے نہایت سنگین موقع پر بڑی کٹھن صورتحال کا مقابلہ کیا ہے۔ ابھی تو تمھیں اور بھی معرکے سر کرنے ہیں مگر تم زہرہ کا دل توڑ رہے ہو اور اس سے قطع تعلق کر بیٹھے ہو، اسے جالینوس کا سامان دے دو۔ اس کے علاوہ پانچ سو (500) درہم بھی عطا کرو۔ بلاشبہ میں ہر اس مجاہد کو اتنی ہی رقم دیتا ہوں جس نے تن تنہا کسی دشمن کو مارا ہے۔

یہ حکم پاتے ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جالینوس کا سامان زہرہ کو عطا فرمایا۔ انھوں نے یہ سامان ستر ہزار (70,000) درہم میں فروخت کر دیا۔[2]

اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زہرہ بن حویہ کا وقار اور اعتبار بحال کر دیا۔[3]

دینی امور میں مسلمانوں کی رغبت: معرکۂ قادسیہ کے اختتام پر ایک عجیب معاملہ پیش آیا۔ اس سے ہمارے اسلافِ کرام کی دین سے وابستگی اور ان کے تقرب الی اللہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ہوا یوں کہ اس معرکے کے آخری دن مسلمانوں کا مؤذن شہید ہو گیا۔ اُدھر نماز کا وقت ہو گیا۔ مجاہدین کو اذان دینے کی اس قدر زبردست تمنا تھی کہ ہر شخص چاہتا تھا کہ اذان میں دوں۔ اس معاملے نے اس قدر زور پکڑا کہ باہم لڑائی ہونے کی نوبت آگئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مسابقت کی یہ صورت حال دیکھی تو قرعہ اندازی کا طریقہ اختیار کیا اور جس کا نام نکلا اسے اذان دینے کا شرف حاصل ہوا۔[4]

اذان جیسے عمل پر مسابقت ان کے زبردست ایمان کی علامت تھی کیونکہ اذان دینے

---

[1] تاريخ الطبري: 391/4. [2] تاريخ الطبري : 391/4. [3] القادسية لأحمد عادل كمال، ص: 204. [4] تاريخ الطبري:390/4.

سے کسی دنیاوی مفاد، عزت یا شہرت کے حصول کا کوئی امکان نہ تھا۔ انھیں اذان دینے کا شوق صرف اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤذنین کے لیے قیامت کے دن اجرِ عظیم تیار فرما رکھا ہے۔

غور فرمائیے! ہمارے اسلاف اذان کے معاملے میں اس قدر مسابقت کرتے تھے تو اذان سے بھی بڑے دوسرے دینی شرائع کی پابندی میں وہ کس قدر اشتیاق سے کمربستہ ہوتے ہوں گے۔ فکر و عمل کا یہی جذبہ جہاد فی سبیل اللہ اور اسلامی دعوت کے ابلاغ میں اُن کی کامیابی کا ضامن بنا۔[1]

معرکہ میں اسلامی دفاعی تکنیک: معرکۂ قادسیہ اسلامی فوجی تکنیک کا عظیم مظاہرہ تھا۔ مسلمان جنگی صورتحال کے مطابق اپنی تکنیک کا مظاہرہ کرتے ہوئے کامیاب ہوئے۔ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کی تیاری میں لازمی فوجی بھرتی اور دیگر تمام ممکن وسائل استعمال کیے۔ انھوں نے اس معرکے میں مقدور بھر افرادی قوت جمع فرمائی اور اس افرادی قوت کے اجتماع میں قابلیت کو مدنظر رکھا۔ اُنھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ہر سمجھدار اور جنگی ماہر کو جس کے پاس گھوڑا اور ہتھیار موجود ہوں اسلامی فوج میں بھرتی کرو۔

اس معرکہ میں ستر (70) سے زیادہ بدری، تین سو دس (310) سے زیادہ بیعت رضوان میں شامل ہونے والے، تین سو (300) فتح مکہ میں شامل ہونے والے اور دیگر سات سو (700) سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حصہ لیا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہر سردار، معاملہ فہم، سربرآوردہ خطیب اور شاعر کو قادسیہ روانہ فرمایا۔ انھوں نے قوم کے اعلیٰ مراتب والوں کو لشکر میں شامل فرمایا۔ اس طرح انھوں نے ہر ممکن مادی اور روحانی وسائل سے کام لیا۔

اس معرکے کی اس قدر تیاری ہوئی کہ اس کی مثال اس سے پہلے کسی دور میں نہیں ملتی۔

---

[1] التاريخ الإسلامي: 10/480.

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے صرار نامی جگہ میں لشکر مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا بلکہ وہ چار ہزار (4000) نفر ہی کے لشکر کو ساتھ لے کر قادسیہ روانہ ہو گئے۔ وہ قادسیہ پہنچے تو لشکر کی تعداد سترہ ہزار (17000) تک پہنچ چکی تھی۔ لشکر کی تیاری کا یہ طریقہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے معروف نہ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مثنیٰ رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ دونوں کو قادسیہ کے میدان میں فیصلہ کن جنگ کے لیے موزوں مقام منتخب کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ پہلے مسلم لیڈر تھے جنھوں نے میدانِ کارزار کی سرزمین اور وہاں کے باشندوں کے مزاج کا مطالعہ کرنے کے بعد تیار کیے گئے جنگی نقشے پر اعتماد کیا۔ انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کے پڑاؤ کی اس قدر مکمل تفصیلات طلب فرمائیں کہ گویا وہ اسے خود جس رُخ سے چاہیں دیکھ لیں۔ انھوں نے حکم دیا کہ مسلمانوں کے تمام اُمور پوری تفصیل سے کھول کھول کر بیان کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حسب حکم مکمل تفصیلات فراہم کرتے ہوئے قادسیہ کی پوری جغرافیائی صورتحال لکھی اور بتایا کہ یہ میدان خندق اور نہر عتیق کے درمیان واقع ہے، پھر انھوں نے اس کے آس پاس کی زمین کے خدوخال بیان کیے۔ وہاں کے مکینوں کی تفصیلات لکھیں اور وضاحت سے بتایا کہ اس سرزمین کے گرد بسنے والے کس کینڈے کے ہیں اور کس حد تک مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تفصیلات کو مدنظر رکھ کر اور میدانِ جنگ کا محل وقوع جانچ کر جنگی تکنیک مرتب کی۔[1]

مسلمانوں نے دشمن کی سرزمین پر جب سے قدم رکھا اور ٹھہراؤ کیا تھا، انھوں نے اسی وقت سے وافر خوراک حاصل کرنے اور دشمن کا زیادہ سے زیادہ جانی نقصان کر کے انھیں کمزور کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ ان حملوں میں اسلامی لشکر کے لیے بہت سا غذائی سامان مہیا ہوتا رہا۔ عالم یہ تھا کہ کوئی دن یوم الاباقر ''گائیں کا دن'' کے نام سے مشہور ہوا تو کوئی دن یوم الحیتان ''مچھلیوں کا دن'' کے نام سے معروف ہو گیا۔ علاوہ ازیں اور

---

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص:272,271.

بھی پیش قدمیاں ہوئیں۔ خوراک کا حصول اصل مقصد نہ تھا۔ اصل غرض و غایت دشمن کا زیادہ سے زیادہ خون بہا کر اسے کمزور کرنا، جنگی تجربہ حاصل کرنا اور بھاری مشقتوں کو برداشت کرنے کی ریہرسل کرنی تھی۔

مسلمانوں نے ان جھڑپوں میں چھپ کر حملہ کرنے کا اسلوب بھی اپنایا۔ قادسیہ سے پہلے وہ اسی اسلوب سے دشمن کی طاقت اور حوصلوں کی کمان توڑ چکے تھے۔ بکیر بن عبداللہ لیثی نے مجاہدوں کے شہسوار دستے کی معیت میں کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ میں چھپ کر صفّین کی طرف جانے والے راستے پر حملہ کر کے ایک قافلے کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس قافلے میں آزادمرد بن آزادبہ مرزبان کی بہن بھی تھی۔ آزادمرد حیرہ کا سردار تھا۔ اس کی بہن کو اس قافلے کی معیت میں ''الصنین'' کے والی کی طرف رخصت کیا جا رہا تھا۔ وہ عجمیوں کا ایک سردار تھا۔ جونہی قافلہ اسلامی لشکر کی کمین گاہ کے قریب آیا، مسلمان شہسوار کمین گاہوں سے نکل کر قافلے پر ٹوٹ پڑے۔ بکیر نے دلہن کے بھائی شیرزاد بن آزادبہ کی کمر توڑ دی۔ وہ اس دستے کا انچارج تھا اور قافلے کے آگے آگے چل رہا تھا۔ اس اچانک حملے سے حواس باختہ ہو کر سب اہلِ قافلہ بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے اس قافلے کا سارا سازوسامان اپنے قبضے میں لے لیا۔ مزید برآں عجمی سردار کی دلہن کے علاوہ قافلے میں موجود کسانوں کی تیس عورتوں اور ایک سو کنیزوں کو بھی اپنی تحویل میں لے لیا۔ قبضہ میں آنے والے جملہ سازوسامان کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ [1]

مسلمانوں نے اس معرکے میں مختلف تکنیکیں استعمال کیں۔ وہ معرکے کے بدلتے ہوئے حالات وظروف سامنے رکھ کر اپنے جنگی طریقے بدلتے رہے۔ پہلے دن انھوں نے حملہ آور ہاتھیوں کے خلاف تیر استعمال کیے اور ان کے زیر بند کاٹنے کا حربہ اختیار کیا۔ ہاتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور جب مسلمانوں کے پاس شام سے کمک پہنچی تو نوآمدہ

---

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص: 273.

مجاہدین کو مختلف ٹولیوں کی شکل میں آگے بڑھایا گیا تاکہ دشمن کو مسلمانوں کی کثرت کا گمان ہو، پھر انھوں نے ایک اور تیر بہدف تکنیک استعمال کی کہ اونٹوں پر بڑے بڑے جُل ڈال دیے اور ہاتھیوں سے مشابہ کرنے کے لیے انھیں برقعے بھی اوڑھا دیے اور انھیں دشمن کی صفوں میں چھوڑ دیا۔ ان خوفناک اونٹوں کو دیکھ کر دشمن کے گھوڑے بدحواس ہو کر بھاگنے لگے۔ تیسرے دن مسلمانوں نے سپاہِ فارس کے ہاتھیوں کا مقابلہ اس طرح کیا کہ سب سے بڑے اور آگے آگے آنے والے ہاتھی کی آنکھوں اور سونڈوں پر حملے کیے۔ ہاتھی چنگھاڑ کر بھاگ نکلے۔ اس طرح میدانِ جنگ میں مسلمانوں اور سپاہِ فارس کا پلڑا برابر ہو گیا، پھر جب مسلمانوں نے محسوس کیا کہ جنگ طول پکڑ گئی ہے اور ممکن ہے کہ اس طرح مزید طویل ہو جائے گی تو انھوں نے مہلت دیے بغیر حملے کا فیصلہ کیا۔ صفیں ٹھیک کیں اور یکبارگی حملہ کر دیا جس سے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور قلب خالی ہو گیا یہاں تک کہ دشمن کے لشکر کا قائد رستم ان کا ہدف بنا۔ جیسے ہی رستم مارا گیا تو فارسی لشکر نے بہت بڑی تاریخی شکست فاش کھائی۔

یوں ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس معرکے میں سابقہ روایات سے ہٹ کر نئے جنگی اسالیب اختیار کیے اور پھر نئی پیدا ہونے والی صورتحال کے بھرپور مقابلے کے لیے اپنی جنگی تکنیک تبدیل کی۔ وہ ابتدائی انفرادی مقابلوں سے بتدریج نت نئے تکنیکی اسالیب کی طرف بڑھتے گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دشمن پر غالب آ گئے۔ اس واقعے سے وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اسلام دشمنوں کے حربوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو ہر آن چوکس رہنے اور جدید ترین حربی اور دفاعی طریقے بروئے کار لانے کا سبق ملتا ہے۔

معرکۂ قادسیہ میں قبائلی انداز کی تیاری کی چھاپ نظر آتی ہے۔ اس اسلوب کی خوبی یہ تھی کہ قبائل کا باہمی تناسب قائم رہا اور دشمن کے مقابلے میں دلیری دکھانے کا اور لڑائی

میں دفاع کا جذبہ آخر تک برقرار رہا۔[1]

معرکۂ قادسیہ کے زیرِ عنوان اشعار

❁ قیس بن مکشوح المرادی نے اپنے لشکر کی گھڑسواری کو دشمن کے مقابلے میں فخریہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

"میں نے صنعاء سے اپنا گھوڑا اس حال میں دوڑایا کہ وہ شکار کرنے والے شیر کی طرح زمین پر پاؤں مار رہا تھا۔"

"وہ وادی قریٰ سے ہوتا ہوا دیار کلب پہنچا، پھر یرموک سے ہوتا ہوا شام کی سرزمین میں جا پہنچا۔"

"ایک مہینے کی مسافت کے بعد ہم قادسیہ پہنچے، اہلِ قادسیہ کے لیے خون آشام شکست لکھ دی گئی تھی۔"

"ہم نے وہاں کسریٰ کے لشکروں سے مقابلہ کیا اور سپاہِ فارس کے سرداروں سے برسرِ پیکار ہوئے۔"

"جب میں نے لشکروں کو حملہ کرتے دیکھا تو میں نے سیدھا شاہِ فارس کا رخ کیا۔"

"میں نے اس کے سر پر وار کیا تو وہ چت ہو کر گر پڑا اور میری تلوار تھکی نہ کند ہوئی۔"

"اللہ تعالیٰ نے قادسیہ میں نیکی کے مواقع مہیا فرمائے اور ہر نیکی اللہ کے ہاں بڑھتی رہتی ہے۔"[2]

❁ بشر بن ربیع خثعمی نے یہ اشعار کہے:

"اللہ تجھے ہدایت دے۔ ہماری تلواروں کے ٹکرانے کا زمانہ یاد کر، جب وہ قدیس محل کے دروازے کے سامنے ٹکرائیں۔ اس دن پلٹنا مشکل تھا۔"

---

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص:275,274. [2] الأدب الإسلامي للدكتور نايف معروف، ص:223,222.

''وہ ایسی شام تھی کہ دشمن نے بے اختیار یہ تمنا کی، کاش! اُسے پرندوں کے پر عاریتاً مل جائیں تب وہ اُڑ جائیں۔''

''جب ہم معرکے سے فارغ ہوئے تو پہاڑوں جیسی دوسری مہم سر کرنے کے لیے آگے بڑھے۔''

''تو دیکھے گا کہ دشمن غصے سے بھرا خاموش کھڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اونٹوں کے شتر بان ہیں۔ اس وقت صرف ان کے سانسوں کی آواز سرسرا رہی تھی۔''

❁ ایک اور شاعر نے کہا:

''آپ کو میری طرف سے نخعی قبیلے کی جماعت سلام کہتی ہے، وہ بڑے خوبصورت چہرے والے ہیں۔ وہ محمد ﷺ پر سچے دل سے ایمان لائے۔''

''وہ کسریٰ کے سامنے ڈٹ گئے اور اس کے لشکروں کی کٹائی کرنے لگے۔ یہ دو دھاری باریک ہندی تلوار سے دشمن سے نمٹ رہے تھے۔''

''جب اسلام کا داعی پلٹ کر حملہ کرتا تھا تو دشمن سینے کے بل زمین پر گر پڑتے تھے، پھر یہ حالت ہوتی تھی کہ گدھ ان کی لاشوں پر چھا جاتے تھے۔''

❁ ایک اور شاعر نے کہا:

''ہم نے بنو تمیم کو سب سے اعلیٰ جواں مرد پایا، جنگ کے دن ان کے اکثر پیادے تھے۔''

''وہ ایک اندھیری رات کے سناٹے میں معرکے میں کود پڑے۔ وہ دشمن کو شترمرغ سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے تھے۔''

''وہ دشمنوں کے لیے جنگل کے شیروں کا لامحدود غول تھے۔ تو انھیں دیکھے گا تو پہاڑ خیال کرے گا۔''

''انھوں نے قادسیہ کے میدان میں عزت وشجاعت کی داستان رقم کی اور خیفین

میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔''

''جب وہ دشمن سے ٹکرائے تو واپسی پر ان کے ہاتھ اور پنڈلیاں کٹی ہوئی تھیں۔''[1]

❁ نابغہ جعدی کی بیوی خوفزدہ تھی۔ وہ اسے عراق بھیجنے پر راضی نہیں تھی۔ اس بارے میں نابغہ نے اپنی بیوی سے جو گفتگو کی اسے اس نے ان اشعار میں بیان کیا ہے:

''وہ رات کو بیٹھی تھی۔ مجھے اللہ کا واسطہ دیتی رہی، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔''

''اے میری چچازاد! کیا بتاؤں؟ مجھے اللہ کی کتاب نے گھر سے نکالا ہے، بھلا کیا میں اللہ کی عطا کردہ جان کو اس کے راستے سے روک سکتا ہوں؟''

''اگر میں زندہ واپس آ گیا تو سمجھو میرے رب نے مجھے لوٹایا ہے اور اگر میں شہید ہو گیا تو تم کسی اور مسلمان سے نکاح کر لینا۔''

''کیا میں کوئی لنگڑا یا اندھا ہوں کہ معذرت کروں، نہ میں بیمار ہوں نہ اتنا کمزور کہ دشمن سے لڑ بھی نہ سکوں۔''[2]

معرکۂ مدائن کے واقعات اور فتح

حضرت سعد رضی اللہ عنہ قادسیہ کی فتح کے بعد دو مہینے تک وہیں ٹھہرے رہے۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آئندہ حکم کا انتظار کر رہے تھے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچا کہ مدائن کی فتح کے لیے پیش قدمی کرو۔ عورتوں اور بچوں کو ایک مضبوط لشکر کی حفاظت میں مقام عتیق میں چھوڑ دو۔ امیر المؤمنین نے مزید حکم دیا کہ حاصل ہونے والے مالِ غنیمت سے ان محافظین کا برابر کا حصہ مقرر کیا جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ شوال کے کچھ دن باقی تھے کہ انھوں نے پیش قدمی فرمائی۔

[1] البداية والنهاية: 48/7. [2] الأدب الإسلامي، ص: 214.

مدائن
دریائے دجلہ
نہر الملک
ساباط
نہر کوثی
کوثی
سورا
بابل
برس
نہر نیل
کربلا
دیر اعور
نجف
حیرہ
قادسیہ
لشکر اسلام کی مدائن پر یلغار

نقشہ: 13
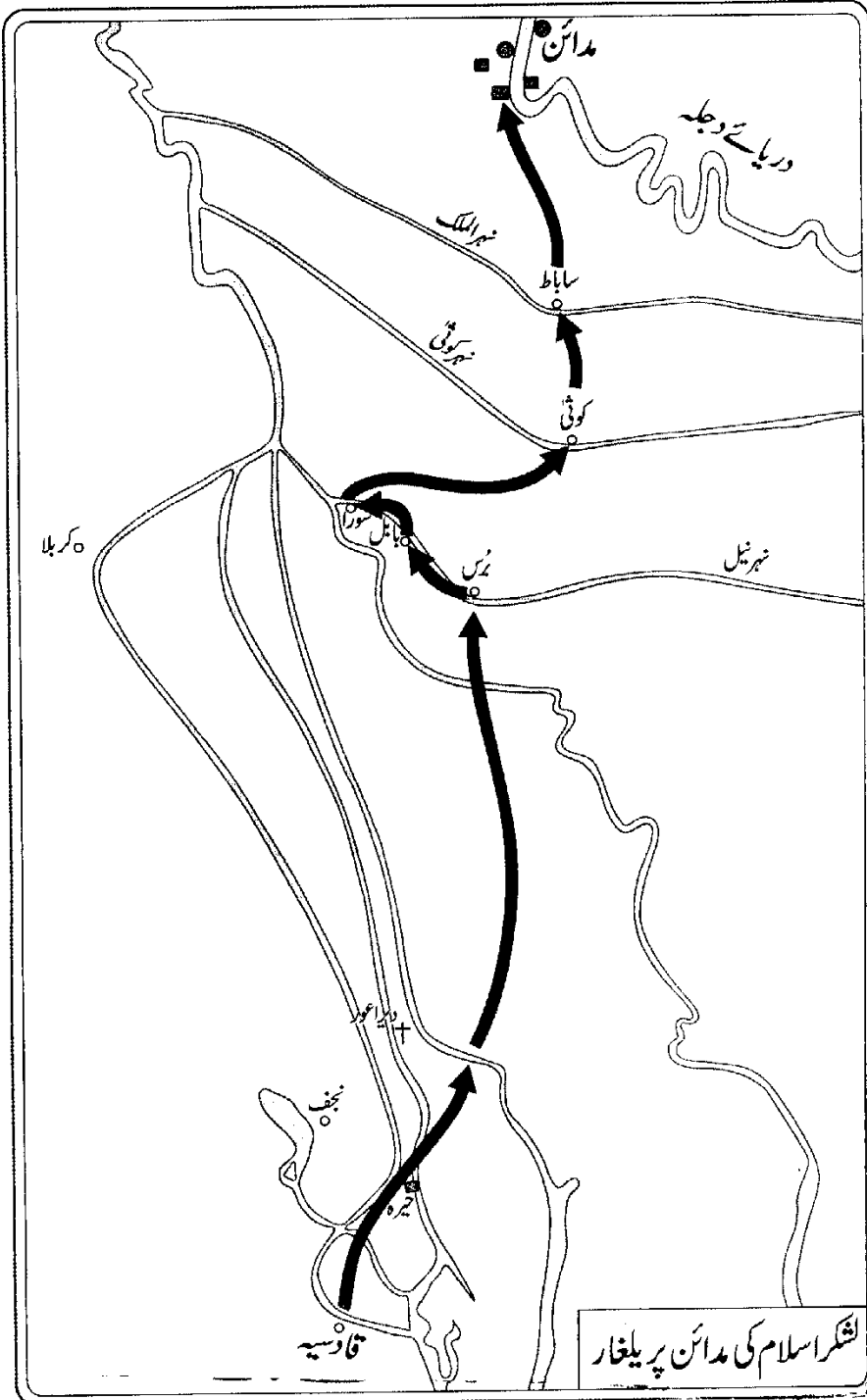
شکست خوردہ دشمن کے افراد بابل میں جمع ہو رہے تھے۔ بچ جانے والے ایرانی امراء اور رؤساء مدافعت کی تیاری کر رہے تھے۔ اہل فارس کے مختلف شہر اور بستیاں یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوتے گئے۔ مسلمانوں نے دریائے فرات عبور کر کے بُرس، بابل، کوثٰی اور ساباط وغیرہ کے علاقے جلد ہی زیرنگیں کر لیے تھے۔ ان میں سے کچھ علاقے بزور طاقت اور کچھ بذریعہ صلح فتح ہوئے۔ ①

مسلمانوں کے منظّم حملے اور پیش قدمیاں جاری رہیں۔ وہ مدائن تک جا پہنچے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خصوصی حکم جاری کیا تھا کہ وہاں کے کسانوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ ان کے ساتھ وفاداری کی جائے۔ اس طرح بہت سے کسان مسلمانوں کی ذمہ داری میں آگئے۔ کسان اسلامی لشکر کے اخلاق، عدل اور ان کے دین سے پھوٹنے والے قانونِ مساوات کی تجلیوں سے بے حد متأثر ہوئے۔ مسلمانوں کا امیر اللہ کے حضور ایک ادنیٰ فرد ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔ مسلمان کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ زمین میں فساد برپا نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے تکبر اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی بندگی اختیار کر لی تھی۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پا کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدائن روانہ ہوئے۔ انھوں نے زہرہ بن حویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مقدمۃ الجیش آگے روانہ کر دیا، پھر ان کے بعد ایک لشکر عبداللہ بن معتم اور ایک شرحبیل بن سمط کندی کی زیر قیادت روانہ کیا۔ ان کے بعد خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کی جگہ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کو مقرر کیا اور ان کی زیر قیادت ایک لشکر روانہ فرمایا۔ آخر میں خود باقی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے جبکہ مؤخرۃ الجیش پر خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ ②

زہرہ رضی اللہ عنہ مقدمۃ الجیش کو لیے مدائن کی طرف بڑھے۔ مدائن اہلِ فارس کا دارالحکومت تھا۔ یہ شہر نہر دجلہ کے کنارے شرقًا اور غربًا پھیلا ہوا تھا۔ مغربی حصے کو ''بہرسیر'' اور مشرقی

---

① إتمام الوفاء في سيرة الخلفاء، ص:82. ② التاريخ الإسلامي: 11/155.

حصے کو اسفانبر اور طیسفون کہا جاتا تھا۔ زہرہ رضی اللہ عنہ بُہر سیر پہنچے۔ انھوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا، پھر سعد بن ابی وقاص اپنے ساتھ اپنے سالاروں اور اسلامی لشکر کو لیے مدائن کے غربی حصہ ''بہرسیر'' کی طرف دوبارہ بڑھے۔ وہاں اہلِ فارس کا بادشاہ یزدگرد مقیم تھا۔ مسلمانوں نے اس شہر کا 2 ماہ تک محاصرہ کیا۔ اہلِ فارس کبھی کبھار مسلمانوں سے لڑنے کے لیے باہر نکلتے تھے لیکن جلد ہی اُن کے پاؤں اُکھڑ جاتے تھے۔

ان جھڑپوں میں حضرت زہرہ بن حویہ رضی اللہ عنہ کو ایک تیر آلگا۔ اس کی وجہ ان کی پھٹی ہوئی زرہ تھی۔ ان سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ حکم کریں تو اسے جوڑ دیا جائے تاکہ کوئی اجنبی تیر آپ کو نقصان نہ پہنچا دے تو زہرہ نے کہا: کیوں؟ لوگوں نے کہا: ہمیں ڈر ہے کہ آپ کو تیر لگ جائے گا۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے میرے لیے خوش بختی ہوگی کہ سپاہِ فارس کا تیر سارے لشکر کو چھوڑ کر میری طرف آجائے اور اس پھٹی ہوئی زرہ سے میرے بدن میں پیوست ہو جائے۔ جیسی نیت ویسی مراد! حضرت زہرہ واقعی خوش بخت نکلے۔ وہ اس میدانِ کارزار میں شہادت کا اعزاز پانے والی سب سے پہلی شخصیت تھے۔ تیر ان کے جسم میں پیوست تھا، ایک آدمی نے کہا: اسے باہر نکالو۔ زہرہ نے فرمایا: مجھے اسی طرح چھوڑ دو۔ جب تک یہ تیر میرے بدن میں ہے میرا سانس جاری رہے گا۔ ہوسکتا ہے میں اس حالت میں دشمن پر نیزے یا تلوار کا وار کرسکوں اور اسے نقصان پہنچا سکوں، چنانچہ وہ اسی عالم میں دشمن کی طرف لپکے اور اہلِ اصطخر کے معروف کمانڈر شہریار کو جا لیا اور تلوار کا اتنا کاری وار کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔[1]

مسلمانوں نے ''بُہر سیر'' کا دو مہینے محاصرہ جاری رکھا۔ اس دوران میں منجنیقوں سے بھی حملہ کیا گیا جنھیں فارسی غلاموں نے تیار کیا تھا۔ انھوں نے تقریباً 20 منجنیقیں تیار کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دی تھیں۔ ان منجنیقوں کے حملوں سے اہلِ فارس خوفزدہ ہو گئے۔[2]

---

[1] تاریخ الطبري :4/454. [2] تاریخ الطبري :4/453.

مسلمانوں کے ہاتھوں بہرسیر (مغربی مدائن) کی فتح

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حتی الوسع مادی وسائل بھی بروئے کار لاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ ''اور جتنا کر سکو ان کے مقابلے کے لیے قوت تیار کرو۔''[1] پر عمل کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اس کے حضور دست بدعا رہتے تھے۔[2]

اللہ تعالیٰ اپنی نصرت و تائید کے ذریعے ہر وقت مومنوں کے ساتھ ہوتا ہے

انس بن حلیس فرماتے ہیں کہ ہم دشمن سے جنگ اور پھران کی شکست کے بعد بُہر سیر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ اچانک ہمارے پاس یزدگرد کا ایلچی پہنچا۔ اس نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کا پیغام ہے کہ کیا تم ہمارے ساتھ اس بات پر صلح کر سکتے ہو کہ مدائن کا وہ حصہ جو دجلہ سے تمھارے پہاڑوں تک ہے تمھارے قبضہ میں رہے، جبکہ وہ حصہ جو دجلہ سے ہماری طرف پہاڑوں تک ہے ہمارے ہی پاس رہے۔ کیا تم اتنا بڑا علاقہ حاصل کرنے کے بعد بھی سیر نہیں ہوئے؟ اللہ تمھارے پیٹوں کو سیر نہ کرے۔ یہ سن کر ابو مُفَزِّر اسود بن قطبہ جلدی سے آگے بڑھے۔ انھوں نے ایلچی سے بات کی اور ایسی گفتگو ان کی زبان سے جاری ہوئی جسے وہ سمجھ سکے نہ ہم۔ ایلچی واپس چلا گیا، پھر ہم نے دیکھا کہ اہلِ فارس دریائے دجلہ عبور کر کے تیزی سے مدائن کے مشرقی حصے کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ ہم نے ابو مُفَزِّر سے پوچھا: آپ نے اس سے کیا کہا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق مبعوث فرمایا ہے! مجھے قطعاً معلوم نہیں کہ میں نے کیا کہا۔ بس مجھ پر ایک سکینت سی طاری تھی۔ مجھے امید ہے کہ جو بھی میری زبان سے نکلا، وہ بھلائی پر مشتمل کلام ہو گا، پھر لوگ یکے بعد دیگرے ابو مُفَزِّر سے یہی سوال کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ بات حضرت سعد رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ وہ تشریف لائے اور دریافت فرمایا:

---

[1] الأنفال 8:60. [2] التاريخ الإسلامي: 11/163.

اے ابو مُفَزِّر! تم نے ایلچی سے کیا کہا ہے؟ اللہ کی قسم! یہ لوگ تو بھاگ رہے ہیں۔ ابو مُفَزِّر نے وہی جواب دیا جو ہمیں دیا تھا، پھر سعد رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پکارا اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ ہماری منجنیقیں بھی ان پر پتھر برسا رہی تھیں۔ اہلِ فارس پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ شہر کی فصیل پر ان کا کوئی آدمی دکھائی نہیں دیا۔ نہ ہی کوئی ہماری طرف لڑائی کے لیے آیا سوائے ایک آدمی کے، اس نے امان مانگی۔ ہم نے اسے امان دے دی۔ اس نے پوچھا کہ ہمارا شہر اب خالی ہو چکا ہے، لہٰذا اب تمھیں آگے بڑھنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ ہم اس آدمی کا مطلب سمجھ گئے، پھر ہم نے اس شہر مدائن کو اس حال میں فتح کیا کہ وہاں کوئی بھی نہ تھا بس چند لوگ تھے۔ انھیں ہم نے شہر کے باہر ہی گرفتار کر لیا تھا۔ ہم نے ان قیدیوں اور امان پانے والے سے پوچھا کہ یہ لوگ شہر چھوڑ کر کیوں بھاگ رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ نے بغرض صلح اپنا ایلچی تمھارے پاس بھیجا تھا تم نے جواب دیا کہ ہمارے اور تمھارے مابین کبھی صلح نہیں ہوسکتی۔ ہم تو اب اترج کوث میں افریذین کا شہد کھائیں گے۔ بادشاہ نے یہ سن کر شہر کے لوگوں سے کہا: «وَاوَيْلَهْ! أَلَا إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَكَلَّمُ عَلٰى أَلْسِنَتِهِمْ تَرُدُّ عَلَيْنَا وَتُجِيبُ عَنِ الْعَرَبِ» ''ہائے ہلاکت! خبردار! بلاشبہ ان لوگوں کی زبان سے فرشتے کلام کرتے ہیں اور وہ عرب والوں کے طرفدار بن کر ہمیں جواب دیتے ہیں۔'' پھر کہا: اللہ کی قسم! اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمیں روکنے کے لیے اس آدمی کی زبان پر یہ بات القاء نہ کی جاتی۔ بس اب تم اپنی سلطنت کے سب سے دور کسی شہر میں پناہ کے لیے چلے جاؤ۔[1]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرنا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ہاشم اور دیگر اسلامی کمانڈروں کو مدائن کے مغربی شہر بہرسیر کی

[1] تاريخ الطبري:4/455.

طرف روانہ فرمایا اور خود مظلم ساباط میں جاگزین ہوئے۔ وہاں انھوں نے کلامِ الٰہی کی یہ آیت مقدسہ تلاوت فرمائی:

﴿ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ ﴾

''اور (اے نبی!) لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب انھیں عذاب آلے گا تو ظالم کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی مدت تک مہلت دے (تاکہ) ہم تیری دعوت قبول کریں اور رسولوں کی اتباع کریں۔ (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمھارے لیے کوئی زوال نہیں؟'' [1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس آیت مقدسہ کی تلاوت اس لیے کی کہ کسریٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر جرار ''بوران'' کہلاتا تھا۔ وہ روزانہ اللہ کی قسم کھا کر دعویٰ کرتا تھا کہ جب تک ہم باقی ہیں سلطنتِ فارس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ [2]

بوران کے لشکروں کو حضرت زہرہ بن حویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل شکست فاش سے دوچار کیا تھا اور انھیں منتشر کر دیا تھا۔ [3]

جب مسلمان بُہرسیر میں داخل ہوئے تو یہ رات کا وقت تھا۔ قصر ابیض جو کسریٰ کے بادشاہوں کا محل تھا۔ سامنے نظر آرہا تھا۔ ضرار بن خطاب نے کہا: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ أَبْيَضُ كِسْرٰى هٰذَا مَا وَعَدَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ» ''اللہ اکبر! یہ کسریٰ کا قصرِ ابیض ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کیا تھا۔'' ضرار کی اتباع میں سب لوگوں نے تکبیر بلند کی اور پھر صبح طلوع ہوگئی۔ [4]

---

[1] إبراهيم 14:44. [2] تاريخ الطبري: 451/4، والتاريخ الإسلامي: 160/11. [3] التاريخ الإسلامي: 160/11. [4] تاريخ الطبري: 451/4.

دریائے دجلہ عبور کرنے کا مشورہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جب علم ہوا کہ کسریٰ کشتیوں کے ذریعے سے مدائن کے مشرقی حصے کی طرف جاچکا ہے اور اس نے ساری کشتیاں بھی اپنی طرف روک لی ہیں تو وہ پریشان ہو گئے۔ دشمن سامنے تھا۔ درمیان میں دریا حائل تھا۔ کشتیاں نہ ہونے کی وجہ سے اسے عبور کرنا مشکل تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ کہیں دشمن وہاں سے بھاگ نہ جائے، وگرنہ انھیں پکڑنا مشکل ہو جائے گا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بعض مقامی اہلِ فارس سے رابطہ کیا۔ انھوں نے دریا کے ایک مقام کی نشاندہی کی جہاں سے خطرہ مول لے کر دریا عبور کیا جاسکتا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس جگہ سے دریا عبور کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ ابھی گومگو کی کیفیت میں تھے کہ اچانک دریا میں طغیانی آ گئی۔ پانی کالا ہوگیا، پھر دریا جھاگ پھینکنے لگا۔ اسی دوران میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ مسلمانوں کے گھوڑوں نے دریا عبور کر لیا ہے۔ اس خواب کے بعد انھوں نے دریا عبور کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ انھوں نے لوگوں کو جمع کیا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: تمھارے دشمن اس دریا کی وجہ سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اس دریا کی وجہ سے تم ان کے پاس نہیں پہنچ سکتے۔ مگر وہ اپنی کشتیوں کے ذریعے سے جب چاہیں یہاں آ سکتے ہیں اور تم سے برسرِ پیکار ہو سکتے ہیں۔ تمھارے پیچھے کوئی خطرہ نہیں ہے جس سے تمھیں کوئی ڈر ہو۔ سابقہ جنگوں میں سب علاقے فتح ہو چکے ہیں اور سابقہ مجاہدین نے دشمن کی سرحدوں کو پامال کر کے ان کی قوت و حشمت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ میری یہ رائے ہے کہ اس سے پہلے کہ دنیا تمھیں اپنے جال میں جکڑ لے خالص نیت سے دشمن کے خلاف جہاد جاری رکھو اور خبردار ہو جاؤ کہ میں نے اس دریا کو عبور کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ سب نے بیک آواز کہا: «عَزَمَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكَ عَلَى الرُّشْدِ فَافْعَلْ» ”اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سیدھے

راستے کا عزم عطا فرمائیے۔ آپ اپنی رائے پر عمل کیجیے۔،،[1]

اس واقعہ سے ہمیں نہایت قیمتی سبق ملتے ہیں۔

❁ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو خواب دیکھا تھا، اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے عزم کو پختہ کرنا تھا تاکہ وہ اس نامعلوم نتیجے والے معاملے میں ہمت سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لیے بڑے مؤثر اسباب فراہم فرما دیتا ہے۔ جب دریا میں طغیانی آئی تو بظاہر یہ بے وقت طغیانی اہلِ فارس کے حق میں تھی کہ یہ طغیانی کسی مسلمان کو دریا عبور کرنے کی ہمت نہیں دلا سکتی۔ درحقیقت یہ طغیانی مسلمانوں کے حق میں تھی کیونکہ وہ دشمن کے اچانک حملے سے مطمئن اور محفوظ ہو گئے تھے، جبکہ اہلِ فارس قیمتی سامان کو سمیٹنے سے غافل تھے جسے وہ لے کر بھاگنا چاہتے تھے۔

❁ بلاشبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کسی بھی نیک آدمی کے خواب سے بڑا اچھا اور مثبت تأثر لیتے تھے اور اسے متعلقہ کام کرنے کا اشارہ تصور فرماتے تھے۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہر وقت حسنِ ظن قائم رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت قدمی اور تائید کی علامت ہے۔

❁ بلاشبہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں مسلمان قائدین بڑے صاحبِ بصیرت اور دور اندیش تھے۔ وہ موزوں مواقع تلاش کرتے تھے اور دشمن کی قوت کے سفینے ڈبو دیتے تھے۔ ان کی قوتِ ایمانی اور دلیری ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو اللہ تعالیٰ پر پکے ایمان، اخلاص اور تقویٰ کی طاقت سے دریا عبور کرنے کا حکم دیا۔ وہ اپنے لشکر کے ایمانی معیار سے پوری طرح مطمئن تھے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کرتے ہوئے دریا عبور کرنے کا خطرناک فیصلہ فرمایا۔

❁ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ اتنے عظیم مرتبے پر فائز تھے کہ وہ ہر آن اپنے

---

[1] التاریخ الإسلامي: 165/11.

قائدین کی مکمل فرماں برداری کے لیے تیار رہتے تھے۔ وہ اس اطاعت اور فرماں برداری کو شرعی فریضہ اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ [1]

دریا کے پار مدائن کی فتح

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دریا عبور کرنے کا اعلان فرما دیا اور مجاہدین سے دریافت فرمایا: کون دریا عبور کرنے میں پہل کرے گا اور دریا کے پار جا کر دریا کے مشرقی ساحل پر قبضہ کرے گا تاکہ اس کے بعد لوگ وہاں پہنچ سکیں اور دشمن کو بھاگنے سے روکیں؟ عاصم بن عمرو تمیمی نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔ وہ انتہائی دلیر اور جنگجو مجاہد تھے۔ اُن کے بعد انتہائی تیز رفتار دستوں پر مشتمل چھ سو (600) مزید مجاہدین ان کے ساتھ دریا عبور کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عاصم کو اُن کا امیر مقرر کیا۔ وہ اس دستے کو لے کر دجلہ کے کنارے کھڑے ہوئے اور اعلان کیا: اے لوگو! تم میں سے کون ہے جو دریا کے اس پار ساحل کو دشمن سے خالی کرائے اور وہاں اسلامی لشکروں کے بحفاظت اترنے کے انتظامات کرے؟ اس کے جواب میں لشکر سے ساٹھ منتخب افراد اُن کے ساتھ ہو لیے اور دجلہ کی موجوں میں کود پڑے، پھر باقی افراد ان کے پیچھے دجلہ میں اُتر گئے، اس طرح مسلمانوں کا ایک فدائی دستہ تیار ہوا، اس میں چھ سو (600) مجاہدین شامل تھے جس کا نام "كتيبة الأهوال" یعنی مشکلات میں کودنے والا دستہ رکھا گیا۔ ان میں سے ساٹھ چیدہ چیدہ افراد کو اپنی زیر قیادت لے کر عاصم رضی اللہ عنہ نے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیے تاکہ یہ ساٹھ افراد دیگر مجاہدین کے لیے مقدمۃ الجیش کی حیثیت اختیار کر جائیں۔ [2]

[1] التاريخ الإسلامي: 167/11. [2] علامہ اقبال نے اس واقعے کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عاصم کی طرف سے دجلہ عبور کرنے کی یہ انتہائی پرخطر اور مضبوط منصوبہ بندی تھی۔ بلاشبہ مشکلات اور مہمات سر کرنے کا کام تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتا۔ یہ تو جنگی صلاحیتوں سے مالا مال انتہائی حوصلہ مند شیر دل فدائیوں کا کارنامہ ہوتا ہے۔ چاہے وہ تھوڑے ہی ہوں کیونکہ اگر ایسی مہمات میں نااہل اور بزدل افراد کو شامل کرلیا جائے تو دشمن سے ٹکراتے وقت وہ حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں سارا لشکر ہزیمت کا شکار ہو جاتا ہے۔[1]

حضرت عاصم نے ساٹھ افراد کی معیت میں گھوڑوں پر سوار ہو کر دریائے دجلہ عبور کرلیا۔ سب سے پہلے مشرقی کنارے پر قدم رکھنے والے دلیروں کے نام یہ ہیں: اصم بن ولاد تمیمی، کلج ضبی، ابو مفزّر اسود بن قطبہ، شرحبیل بن سمط کندی، حجل عجلی، مالک بن کعب ہمدانی اور بنو حارث بن کعب کا ایک غلام۔ عجمیوں نے انھیں دیکھا تو فوراً شہسواروں کا ایک دستہ ان کے مقابلہ کے لیے روانہ کر دیا۔ انھوں نے کنارے کے قریب دریا کے اندر ہی مسلمانوں سے لڑنا شروع کر دیا۔ عاصم نے یہ حالت دیکھ کر آواز لگائی: نیزوں کو استعمال کرو۔ ٹھیک ٹھیک نشانہ باندھ کر آنکھوں میں نیزے مارو۔ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ دشمن ساحل کی طرف آ گیا۔ مسلمان ان کے گھوڑوں کو نیزے مار رہے تھے تاکہ وہ تیزی سے بھاگ نکلیں اور ساحل سے دور ہٹ جائیں، چنانچہ یہ گھڑ سوار دستہ اپنے گھوڑوں پر قابو نہ رکھ سکا اور ان کے گھوڑے الٹے پاؤں سرپٹ بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے فوراً ان کا پیچھا کر کے ان کے بہت سے فوجیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جو فوجی بچا وہ چھپ کر واپس بھاگ گیا۔ بعدازاں باقی چھ سو (600) مجاہدین بھی وہاں پہنچے اور مشرقی ساحل کا کنٹرول مکمل طور پر سنبھال لیا۔[2]

---

[1] التاریخ الإسلامي: 168/11. [2] تاریخ الطبري: 457,456/4.

دجلہ پار اسفانبر اور طیسفون (مشرقی مدائن) پر یلغار

نقشہ: 15

اسلامی لشکر دریائے دجلہ میں

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عاصم ساحل پر اتر کر اسے محفوظ بنا چکے ہیں تو انھوں نے فوراً لشکر کو دریا میں اترنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: لوگو! ہم اللہ سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اور لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ پڑھتے ہوئے دریا میں کود جاؤ۔ لشکر کا بڑا حصہ باہم مل کر گہرے دریا میں کود پڑا۔ اس وقت دریائے دجلہ طغیانی پر تھا، خوب جھاگ پیدا ہو رہا تھا اور پانی کالا ہو گیا تھا۔ مجاہدین دریا عبور کرتے ہوئے باہم اس طرح گفتگو کر رہے تھے جیسے وہ زمین پر چل رہے ہوں۔[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ جو شخص پانی میں سفر کر رہا تھا وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ گھوڑے ان کو لیے تیر رہے تھے اور سعد رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے: «حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ وَاللّٰهِ! لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ وَلِيَّهُ وَلَيُظْهِرَنَّ اللّٰهُ دِينَهُ وَلَيَهْزِمَنَّ اللّٰهُ عَدُوَّهُ إِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْجَيْشِ بَغْيٌ أَوْ ذُنُوبٌ تَغْلِبُ الْحَسَنَاتِ» ''اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے، اللہ ضرور اپنے اولیاء کی مدد فرمائے گا اور اپنے دین کو غالب فرمائے گا اور اپنے دشمن کو ضرور شکست سے دوچار فرمائے گا بشرطیکہ اہلِ لشکر میں سرکشی اور ایسے گناہ نہ ہوں جو ان کی نیکیوں پر غالب آجائیں۔''[2]

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام ہمیشہ زندہ رہے گا، جس طرح اللہ نے مسلمانوں کے لیے یہ زمین مسخر فرمائی ہے اسی طرح اس دریا کو بھی مسخر فرمائے گا۔ «أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ سَلْمَانَ بِيَدِهِ! لَيَخْرُجُنَّ مِنْهُ أَفْوَاجًا كَمَا دَخَلُوهُ أَفْوَاجًا» ''خبردار! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے! اس دریا سے یہ لوگ فوج در فوج نکلیں گے جس طرح فوج در فوج داخل ہوئے تھے۔''[3]

---

[1] التاريخ الإسلامي: 169/11. [2] تاريخ الطبري: 459/4. [3] تاريخ الطبري: 459/4.

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ اسلام ہمیشہ زندہ رہے گا سے مراد یہ تھا کہ اسلام ہمیشہ برقرار رہے گا اور اس کے پیروکار قوی ایمان کے حامل اور معزز رہیں گے۔

مسلمانوں نے اپنے قلوب میں اسلام کو وہ مقام دیا کہ وہ اسی کی خاطر جینے اور اسی پر مرمٹنے کے آرزومند رہتے تھے۔ وہ اسی کی دعوت دیتے تھے اور اسی کا دفاع کرتے تھے، جبکہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد جو نسلیں آئیں انھوں نے اس دین کو سمجھ کر نہیں اختیار کیا بلکہ اپنے بزرگوں سے وراثت میں حاصل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین ان کے احساسات و ترجیحات میں رسوخ حاصل نہ کر سکا۔ ان کی ترجیح دنیا کی بلندی اور اس کے سازوسامان کا حصول رہ گیا۔ دین کا معاملہ ان کی زندگی میں ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ ایسے حالات میں تقابلی نظر سے دیکھا جائے تو صاف پتہ چل جائے گا کہ ہمارے اسلاف کے زمانے میں لوگ اسلام میں جوق در جوق کیوں داخل ہوتے تھے؟ اور اب گروہ در گروہ کیوں نکلتے چلے جارہے ہیں؟[1]

بہرحال تمام مسلمانوں نے کوئی نقصان اُٹھائے بغیر سلامتی کے ساتھ دریائے دجلہ عبور کر لیا، تاہم صرف ایک آدمی غرقدہ تھا جو بارق قبیلے سے تعلق رکھتا تھا وہ اچانک اپنے سرخ گھوڑے کی پشت سے پھسل کر دریا میں جا گرا۔ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنے گھوڑے کی باگ اس کی طرف موڑی اس کا ہاتھ تھاما اور اسے کھینچتے ہوئے ساحل پر لے گئے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ انتہائی طاقتور آدمی تھے۔ اس وقت بارقی نے جو قعقاع رضی اللہ عنہ کے ننھیال میں سے تھا کہا: «أَعْجَزَتِ الْأَخَوَاتُ أَنْ يَلِدْنَ مِثْلَكَ يَا قَعْقَاعُ!» ”اے قعقاع! تو نے عورتوں کو اپنے جیسا مرد جنم دینے سے عاجز کر دیا ہے۔“[2]

مسلمانوں کو اس دلیرانہ انداز سے دریائے دجلہ عبور کرتے دیکھ کر سپاہِ فارس کے لوگ انتہائی دہشت زدہ ہو گئے۔ یزدگرد وہاں سے نکل بھاگا۔ اس نے حلوان پہنچ کر دم لیا اور

[1] التاريخ الإسلامي: 170/11. [2] تاريخ الطبري: 459/4.

مسلمان بلا رکاوٹ مدائن میں داخل ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ قصر ابیض میں داخل ہوئے۔ وہاں نماز شکرانہ ادا کی اور اس محل کو مسجد قرار دے دیا، پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا:

﴿ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ قف وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ ﴾

''وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور کھیتیاں اور شاندار محل۔ اور سامان عیش جن میں وہ مزے کر رہے تھے۔ اسی طرح (ہوا) اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان (سب) کا وارث بنا دیا۔'' [1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہاں آٹھ رکعت نماز فتح ادا فرمائی۔ مدائن میں سب سے پہلے کتیبة الأهوال داخل ہوا، پھر کتیبة الخرساء (گرج چمک والا فوجی دستہ) وہاں پہنچا۔ [2]

کتیبة الأهوال کی قیادت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ، جبکہ کتیبة الخرساء کی کمان قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ [3]

مسلمانوں کی امانت داری کے مظاہر

میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس کے ثواب پر راضی ہوں: مسلمان مدائن میں داخل ہوئے۔ انھوں نے مالِ غنیمت یکجا کرنا شروع کیا۔ یکا یک ایک آدمی بہت سا قیمتی سامان اُٹھائے ہوئے آیا اور غنیمت جمع کرنے والے افسر کے پاس جمع کرا دیا۔ وہاں موجود لوگوں نے کہا: ہم نے اس جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ جتنا قیمتی سامان یہ شخص لایا ہے، ہمارے پاس تو اتنا زیادہ اور قیمتی مقدار کا سامان نہیں ہے۔ اب انھوں نے سامان لانے والے سے پوچھا: کیا تو نے اس سے کچھ سامان لیا ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ کا ڈر نہ ہوتا تو میں یہ گراں قدر سامان تمھارے پاس ہرگز نہ لاتا۔ یہ جواب سن کر

[1] الدخان 44:25-28. [2] البداية والنهاية: 7/67. [3] إتمام الوفاء، ص: 85.

انھوں نے اندازہ لگایا کہ یہ انتہائی برگزیدہ آدمی ہے۔ انھوں نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں تمھیں ہرگز نہیں بتاؤں گا کیونکہ تم مجھے اچھا کہو گے۔ نہ میں کسی اور کو بتاؤں گا مبادا وہ میری مدح سرائی کرے، پھر اس نے کہا: «لٰكِنَّنِي أَحْمَدُ اللّٰهَ وَ أَرْضٰى بِثَوَابِهِ» ''میں تو صرف اپنے اللہ رب العزت کی تعریف کرتا ہوں اور اسی کے ثواب پر راضی ہوں۔'' لوگوں نے ایک آدمی اس کے پیچھے روانہ کیا۔ اس نے اس کے ساتھیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ عامر بن عبد قیس رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

عصمہ بن حارث ضبی کی دلیری اور دیانت داری: عصمہ فرماتے ہیں کہ میں دشمن کے تعاقب اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے ایک راستے پر چل رہا تھا۔ میں نے ایک گدھا دیکھا۔ اس کے سوار نے مجھے دیکھا تو اس نے گدھے کو تیزی سے ہانکا اور اپنے آگے جانے والے دوسرے شخص سے جاملا، پھر ان دونوں نے جلدی جلدی اپنے گدھے ہنکائے اور بھاگنے کی کوشش کی۔ وہ ایک چھوٹے سے نالے کے قریب جا کر رک گئے کیونکہ اس نالے کا پل ٹوٹا ہوا تھا۔ میں ان کے قریب پہنچا تو دونوں مختلف سمتوں میں نکل بھاگے۔ ان میں سے ایک نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں اس پر لپکا اور اسے قتل کر دیا۔ اس دوران میں دوسرا شخص بھاگ گیا۔ میں واپس گدھوں کے پاس آیا انھیں ہانکا اور غنیمت کے انچارج کے پاس لے آیا۔ اس نے ایک گدھے پر نظر دوڑائی، اس پر دو ٹوکریاں لدی ہوئی تھیں۔ ایک میں سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کی زین تھی۔ وہ اس کی پشت پر تھی۔ وہ یاقوت اور زمرد کے موتیوں سے تیار کی گئی تھی۔ یہ موتی چاندی میں جڑے ہوئے تھے۔ اس کی ایک لگام تھی جسے سونے اور چاندی سے تیار کیا گیا تھا۔ اس گھوڑے پر ایک گھڑ سوار تھا۔ وہ چاندی کا بنا ہوا تھا۔ اسے موتیوں سے مرصع تاج پہنایا گیا تھا۔ دوسری ٹوکری میں چاندی کی ایک اونٹنی تھی۔ اس پر سونے سے بُنا ہوا ایک کپڑا تھا۔ اس پر پالان

[1] تاريخ الطبري:4/468.

اور مہار بھی سونے ہی کی بنائی گئی تھی اور یہ سب چیزیں یاقوت کے موتیوں سے مرصع تھیں۔ اس اونٹنی پر ایک سوار تھا جس نے جواہر سے مرصع تاج پہن رکھا تھا۔ ان نہایت بیش قیمت چیزوں کو کسریٰ ہمیشہ اپنے خزانے میں محفوظ رکھتے تھے۔[1]

قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کا کارنامہ: حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے ایک مجوسی کو دیکھا۔ وہ لوگوں کا دفاع کر رہا تھا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ اس کے قریب دو بورے اور دو بڑے صندوق ہیں۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک بورے میں پانچ اور دوسرے میں چھ تلواریں تھیں۔ یہ شاہانِ فارس کی وہ نہایت قیمتی تلواریں تھیں جن سے وہ اپنے حریفوں سے نبرد آزما رہتے تھے۔ ان میں کسریٰ اور ہرقل کی تلوار بھی تھی، جبکہ دونوں صندوقوں میں مختلف بادشاہوں کی زرہیں تھیں۔ ان میں کسریٰ اور ہرقل کی زرہیں بھی تھیں۔ قعقاع رضی اللہ عنہ یہ سب چیزیں لے کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان تلواروں سے ایک پسند کر لو۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے ہرقل کی تلوار پسند کر لی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک زرہ بھی قعقاع رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی۔ وہ بہرام کی زرہ بتائی جاتی تھی، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کسریٰ اور (حیرہ کے بادشاہ) نعمان کی تلواریں روک کر باقی سارا سامان کتیبة الخرساء کو عطا فرما دیا۔ وہ قعقاع رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت تھا۔ بعدازاں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کسریٰ اور نعمان کی تلواریں امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجنے کا فیصلہ کیا کیونکہ عرب ان چیزوں کے بارے میں خوب واقفیت رکھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ عرب ان چیزوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اسلامی لشکر کی مدح: اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلامی لشکر کی بڑی تعریف و توصیف فرمائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَاللّٰهِ! إِنَّ الْجَيْشَ لَذُو أَمَانَةٍ وَّ لَوْلَا مَا سَبَقَ لِأَهْلِ بَدْرٍ لَّقُلْتُ عَلٰى فَضْلِ أَهْلِ بَدْرٍ»

[1] تاريخ الطبري:4/468. [2] تاريخ الطبري:4/467.

''اللہ کی قسم! بلاشبہ یہ لشکر امانت دار ہے۔ اگر اہل بدر کی فضیلت مسلمہ نہ ہوتی تو میں اس لشکر کو اہل بدر سے بھی افضل گردانتا۔''[1]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کا کوئی شریک نہیں! ہم نے قادسیہ کے مجاہدین میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو دنیا کا طلبگار ہو، وہ سب آخرت کے تمنائی تھے۔ ہم نے تین آدمیوں کو ان کے سابقہ ارتداد کی وجہ سے متہم جانا مگر ہم نے غنیمت کے سلسلے میں ان سے بڑھ کر امانت دار اور زاہد نہیں دیکھے۔ وہ تینوں طلیحہ بن خویلد، عمرو بن معدیکرب اور قیس بن مکشوح ہیں۔ تعریف و تحسین کے سب سے بڑے کلمات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت ارشاد فرمائے جب انھوں نے مدائن کی غنیمت کا خمس ملاحظہ فرمایا۔ اس میں کسریٰ کی تلوار، اس کا پٹکا اور قیمتی پتھر زبرجد بھی تھا۔ انھوں نے فرمایا: بلاشبہ جن لوگوں نے یہ سب کچھ پیش کر دیا وہ انتہائی امانت دار لوگ ہیں۔ یہ بات سُن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّكَ عَفَفْتَ فَعَفَّتِ الرَّعِيَّةُ وَلَوْ رَتَعْتَ لَرَتَعَتْ» ''خود آپ نے قناعت اور عفت اختیار کی تو لوگوں نے بھی آپ سے قناعت اور عفت کا سبق سیکھا۔ اگر آپ ناجائز ذرائع سے دولت بٹور کر خوشحال ہوجاتے تو آپ کی رعایا بھی ایسا ہی کرتی۔''[2]

نوادرِ غنیمت اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسریٰ کی قبا، اس کی تلوار، کنگن، شلوار، قمیص، تاج اور موزے ارسال فرمائے۔ یہ سب چیزیں ریشم، سونا اور جواہرات سے بھی بڑھ کر نہایت قیمتی نوادر تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے مجمع کی طرف دیکھا۔ انھیں سراقہ بن مالک بن جُعْشُم رضی اللہ عنہ نظر آیا۔ وہ لحیم وشحیم آدمی تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے سراقہ! کھڑا ہو جا اور یہ سب کچھ پہن کر دکھا۔ سراقہ کہتے ہیں: میں خوشی خوشی آگے بڑھا اور وہ سارا لباس پہن لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

[1] التاريخ الإسلامي: 181/11، وتاريخ الطبري: 468/4. [2] تاريخ الطبري: 468/4.

دوسری طرف رخ پھیرا۔ سراقہ کہتے ہیں: میں نے دوسری طرف رخ پھیر لیا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ادھر میری طرف دیکھ! میں آپ کی طرف مڑ گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتنے تعجب کی بات ہے۔ مدلج قبیلے کا ایک بدو کسریٰ کی قبا، شلوار، پٹکا، تاج اور موزے پہنے کھڑا ہے، پھر فرمایا: اے سراقہ! اگر پہلے کسریٰ کے اس سامان میں سے کچھ تیرے بدن پر ہوتا تو تیرے اور تیری قوم کے لیے باعث شرف ہوتا۔ اب تو اسے اتار دے۔ سراقہ کہتے ہیں: میں نے وہ سارا لباس اتار دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ مَنَعْتَ هٰذَا رَسُولَكَ وَ نَبِيَّكَ وَ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنِّي وَ أَكْرَمَ عَلَيْكَ مِنِّي وَمَنَعْتَهُ أَبَابَكْرٍ وَّكَانَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنِّي وَأَكْرَمَ عَلَيْكَ مِنِّي وَأَعْطَيْتَنِيهِ فَأَعُوذُبِكَ أَنْ تَكُونَ أَعْطَيْتَنِيهِ لِتَمْكُرَبِي» ”اے اللہ! بلاشبہ تو نے یہ سب کچھ اپنے محبوب رسول اور نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت نہیں فرمایا، حالانکہ وہ تجھے مجھ سے زیادہ محبوب ومکرم تھے۔ اے اللہ! تو نے یہ ساز و سامان ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نہ دیا، وہ تجھے مجھ سے زیادہ محبوب ومکرم تھے۔ تو نے مجھے یہ سب کچھ عطا کر دیا۔ اے اللہ! میں تیری پناہ پکڑتا ہوں اس سے کہ تو مجھے کسی فتنے میں مبتلا کر دے۔“

پھر وہ اس قدر روئے کہ قریب بیٹھے افراد کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور انھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر بڑا ترس آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ شام ہونے سے پہلے پہلے یہ تمام نوادر بیچ کر حاصل ہونے والی رقم مسلمانوں میں تقسیم کر دو۔[1]
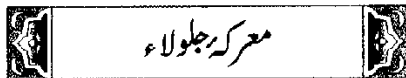
معرکۂ جلولاء

مدائن سے مختلف راستوں کے ذریعے سے بھاگے ہوئے اہلِ فارس جلولاء پہنچے۔ انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کی اور کہا: اگر تم اب بکھر گئے تو پھر کبھی جمع

[1] تاریخ الطبري: 4/472، و البداية والنهاية: 7/68.

نہیں ہوسکو گے۔ یہ وہ جگہ ہے جو ہمارے مابین فرق پیدا کردے گی۔ آؤ! ہم سب عربوں کے خلاف یکجا ہو جائیں اور ان سے جنگ کریں، اگر ہم غالب آگئے تو ہمارا مقصد پورا ہوجائے گا اور اگر شکست ہوئی تو گویا تب بھی ہم اپنا فرض ادا کردیں گے، لہٰذا وہ سب مہران رازی کی زیرِ قیادت وہاں جمع ہو گئے۔ انھوں نے شہر کے گرد ایک خندق کھودی اور اپنے استعمال کے خاص راستوں کے علاوہ خندق کے ہر طرف لکڑی کے کانٹے اور بدن پر چمٹ جانے والے گوکھرو (لکڑی کی شاخ دار رکاوٹیں) پھیلا دیے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال امیر المومنین کی خدمت میں لکھ بھیجی۔ انھوں نے لکھا کہ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار (12000) کی نفری دے کر جلولاء روانہ کرو۔ مقدمۃ الجیش پر قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ، میمنہ پر مسعر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک بن عتبہ، جبکہ ساقہ پر عمرو بن مرہ جہنی کو مقرر کرو۔

ہاشم بارہ ہزار (12000) کا لشکر لے کر جلولاء کی طرف بڑھے اور جلد ہی جلولاء کا محاصرہ کرلیا۔ اہلِ فارس لڑائی کو طول دیتے رہے۔ وہ اپنی مرضی سے قلعوں سے باہر نکلتے اور مسلمانوں سے ٹکراتے رہے۔ انھوں نے تقریباً اسّی (80) حملے کیے۔ ہر حملے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمن کے مقابلے میں سرخرو رکھا۔ مسلمان لکڑی کے کانٹوں اور گوکھروؤں کے باوجود دشمن پر غالب آتے رہے۔ دشمن نے بعدازاں لوہے کے کانٹے اور گوکھرو بچھا دیے۔ ہاشم نے لشکر سے خطاب کیا اور فرمایا: مجاہدو! یہ منزل بعد میں آنے والی منزل کا پیش خیمہ ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ مسلسل کمک ارسال فرما رہے تھے۔ جب محاصرے نے طول کھینچا اور اہلِ فارس مسلمانوں کے صبر اور استقامت سے تنگ آگئے تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے باہر نکل آئے۔ ہاشم نے اپنی فوج سے کہا: تم اللہ کی طرف سے آنے والی آزمائش کی اس گھڑی میں ثابت قدم رہو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمھیں اجر اور غنیمت دونوں انعامات

ایرانی پڑاؤ
سیڑھیاں
سیڑھیاں
سیڑھیاں
خندق
خندق
دریائے دیالا
آہنی رکاوٹیں
شاخ دار لکڑیوں کی رکاوٹیں
مسلمانوں کا پڑاؤ
معرکہ جلولاء......اسلامی اور ایرانی لشکر آمنے سامنے
نقشہ: 16

عطا فرمائے۔ اب تم اپنے اللہ کو راضی کرنے کے لیے میدانِ کارزار میں کود پڑو۔

دونوں لشکر باہم جدال و قتال میں مصروف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن پر ایسی آندھی بھیجی کہ وہ اپنے علاقوں اور ساتھیوں کو دیکھنے سے عاجز آ گیا۔ اس آندھی سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ اپنے ہی ہاتھوں کھودی ہوئی خندق میں گرنے لگے۔ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنی طرف موجود خندق کو بند کر دیں تاکہ ان کے گھوڑے اس راستے سے فرار ہو کر محفوظ مقام پر پہنچ سکیں، اس طرح انھوں نے اپنا دفاع خود اپنے ہی ہاتھوں ختم کر دیا۔ [1]

جب مسلمانوں کو خندق بند ہونے کی اطلاع ملی تو انھوں نے کہا: ہم دوسری مرتبہ ان پر حملہ آور ہوں گے اور فیصلہ کن مقابلہ کریں گے۔ جب مسلمانوں نے پیش قدمی کی تو دشمن نے مسلمانوں کی طرف خندق کے آس پاس لوہے کے گوکھرو (خاردار رکاوٹیں) بکھیر دیے تاکہ ان کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکیں۔ انھوں نے صرف مخصوص مقام اپنے لیے محفوظ رکھا ہوا تھا جہاں سے وہ نکلتے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس وقت لڑائی اتنی شدت اختیار کر گئی کہ لیلۃ الھریر کا منظر آنکھوں میں گھوم گیا۔ لیلۃ الھریر قادسیہ کی ایک رات تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہ لڑائی محدود تھی اور جلد ختم ہو گئی تھی۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے دشمن کو پلٹتے ہوئے دیکھا تو وہ تیزی سے اسی راستے پر آگے بڑھے اور خندق کے اس حصے پر قبضہ کر لیا جو دشمن کی گزرگاہ بنی ہوئی تھی۔ انھوں نے فوراً اعلان کر دیا: اے مسلمانو! تمھارا امیر خندق میں داخل ہو گیا ہے اور اس پر قبضہ کر چکا ہے، لہٰذا خندق کے اس حصے کی طرف بڑھو۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے اس اعلان سے مسلمانوں کو ایک نئی قوت مل گئی۔ مسلمانوں نے دشمن پر حملہ کیا۔ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ ہاشم خندق میں موجود ہوں گے۔ حملہ اتنا

[1] تاریخ الطبري: 4/475.

زوردار تھا کہ وہ ہر رکاوٹ کو عبور کرتے ہوئے خندق کے دروازے تک جا پہنچے۔ انھوں نے وہاں قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ خندق کے اس حصے پر قبضہ کر چکے تھے اور مشرک خندق کے دائیں بائیں شکست خوردہ ہو کر بھاگ رہے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی ٹانگیں خود انھی کی بچھائی ہوئی کانٹے دار رکاوٹوں سے زخمی ہو گئی تھیں۔ اب وہ پیادہ ہو چکے تھے۔ مسلمان ان کے پیچھے لپکے اور انھیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ گنتی کے چند افراد کے سوا کوئی نہ بچ سکا۔ سپاہِ فارس کے ایک لاکھ فوجی مارے گئے۔ مقتولین کی لاشوں سے میدان اٹ گیا۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف لاشیں ہی لاشیں نظر آ رہی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس معرکے کو ''جلولاء'' یعنی لاشوں سے ڈھانپنے والا معرکہ کہا جاتا ہے۔[1]

ہمارے لشکر کے کارناموں نے ہماری زبانیں کھول دیں

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کے ہاتھ تمام مالی حسابات امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیج دیے۔ زیاد ہی تمام اموال غنیمت کا نگران تھا۔ وہ سارا حساب کتاب مدون کرتا تھا۔ اس نے امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سارا حساب کتاب پیش کر دیا۔

اس نے جس فصاحت و بلاغت سے امیر المؤمنین کو حساب کتاب کی جزئیات اور تفصیلات بتائیں، اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت متاثر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: کیا تو لوگوں کے سامنے اسی انداز سے یہ مالی حساب پیش کر سکتا ہے؟ زیاد نے کہا: جی ہاں! میں یہ آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں تو آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے روبرو بھی پیش کر سکتا ہوں۔ پھر وہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور مکمل جنگی تفصیلات اور وہاں سے حاصل ہونے والے اموال کی مقدار سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اب مسلمان دشمن کے علاقوں میں دور تک پھیل گئے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ بڑا قادر الکلام خطیب ہے۔ زیاد نے عرض کیا: «إِنَّ جُنْدَنَا أَطْلَقُوا

[1] تاريخ الطبري: 4/475.

بِالْفِعَالِ لِسَانَنَا» ”اصل بات یہ ہے کہ ہمارے لشکروں کے کارناموں نے ہماری زبانیں کھول دی ہیں۔“ [1]

جلولاء کے اموالِ غنیمت کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

معرکۂ جلولاء میں فتح نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ انھیں اس معرکے میں بڑی بہتات سے مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کا خمس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ آپ نے اتنا کثیر مال دیکھا تو فرمایا: میں یہ مال کہیں محفوظ نہیں کروں گا بلکہ سارے کا سارا تقسیم کر دوں گا۔ اس رات عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے مسجد کے صحن میں اس مال کی نگرانی کی۔ صبح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ وہاں پہنچے۔ انھوں نے سامان پر ڈھکی ہوئی چمڑے کی چادریں ہٹائیں تو انتہائی قیمتی چمکتے ہوئے یاقوت، جواہر اور زبرجد دیکھے اور رونے لگے۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ کیوں روتے ہیں؟ یہ شکر کا مقام ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَاللّٰهِ! مَا أَعْطَى اللّٰهُ هٰذَا قَوْمًا إِلَّا تَحَاسَدُوا وَ تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا إِلَّا أُلْقِيَ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ» ”اللہ کی قسم! (میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ) اللہ نے جس قوم کے لوگوں کو بھی ایسے اموال عطا فرمائے وہ باہم حسد اور بغض رکھنے والے بن گئے اور حسد کی وجہ سے آپس میں لڑنے لگے۔“ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کلام ان کے زبردست ایمان کی نشانی تھی۔ مومن مستقبل میں پیش آنے والے حالات قبل از وقت یوں محسوس کر لیتا ہے کہ کسی اور دل میں ایسے وقائع کا گمان بھی نہیں گزرتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خدشہ لاحق ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ آئندہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات دنیاوی آلائشوں سے مکدر ہو جائیں۔ جس کے نتیجے میں دلوں میں دوریاں

---

[1] تاريخ الطبري:4/479. [2] تاريخ الطبري:4/480.

پیدا ہو جائیں۔ یہی وہ شدید احساس تھا جس کے زیرِ اثر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کی موجودگی میں سرِعام رو پڑے۔ کتنی عجیب بات تھی کہ اس بطلِ جلیل کی آنکھوں میں آنسو آگئے جس سے ساری دنیا کے کفار، منافق حتی کہ مسلمان بھی خائف رہتے تھے۔ حق یہ ہے کہ صدق و صفا کی دنیا میں آنسو بھی نہایت قیمتی چیز ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا رو پڑنا ان کی کسی کمزوری کی علامت نہیں تھی بلکہ یہ تو ان کی مسلمانوں سے اس زبردست محبت و شفقت کا مظاہرہ تھا جو انھی کی بہبود کے لیے اُن کی آنکھوں سے بے اختیار چھلک پڑا۔ وہ بڑے دور اندیش انسان تھے۔ ان کے عہد کے مسلمان تو یقیناً دنیاوی زیب و زینت اور مال و متاع کی حرص سے بے نیاز تھے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پیش بینی پر مستقبل کی پرچھائیاں پڑنے لگی تھیں۔ انھیں اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کی چمک دمک پر مرنے لگیں گی، دینِ حنیف کی متاعِ عظیم سے محروم ہونے لگیں گی اور ہمیشہ کے لیے خسارے میں چلی جائیں گی۔ وہ اسی درد اور کسک کے باعث رو پڑے۔ بلاشبہ مسلمانوں سے یہ بے لوث محبت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی صفاتِ عالیہ میں رُوح الصفات کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسا مقدس جذبہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس بندوں ہی کو مرحمت فرماتا ہے۔ اس کی مثال بعینہٖ اس طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۠﴾

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت

سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضامندی تلاش کرتے ہیں، ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے، ان کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا) موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا، کسانوں کو خوش کرتا ہے، (اللہ نے یہ اس لیے کیا) تاکہ ان (صحابۂ کرام) کی وجہ سے کفار کو خوب غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''[1]

رامہرمز کی فتح

پے درپے شکست کھانے کے باوجود اہلِ فارس ایک مرتبہ پھر اپنے بادشاہ یزدگرد کی ترغیب پر رامہرمز میں ہرمزان کی زیر کمان جمع ہونے لگے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیرالمؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دشمن کی ان سرگرمیوں سے مطلع کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت کوفہ سے ایک لشکر جمع کریں۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ سہیل بن عدی کی زیر قیادت بصرہ سے ایک لشکر منظّم کریں۔ جب دونوں لشکر یکجا ہو جائیں تو تمام مجاہدین کے سپہ سالار ابوسبرہ بن ابورہم ہوں گے۔ بعدازاں جو لشکر ان سے ملے گا اس کی حیثیت کمک کی ہوگی۔

نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کوفہ سے نکلے اور ہرمزان کی طرف بڑھے۔ ہرمزان ان دنوں رامہرمز میں تھا۔ جونہی ہرمزان کو نعمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اطلاع موصول ہوئی وہ طیش میں آگیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آگے بڑھ کر نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا راستہ کاٹے گا۔ ان

[1] الفتح 48:29.

46
قرمیسین
نہاوند
دریائے صیمرہ
مہرجان قذق
خرم آباد
بدرہ
ساسانی سلطنت
(ایران)
دریائے کرخہ
جندی شاپور
دریائے دجلہ
دیزفل
کسکر
واسط
سوس
ابو سبرہ
تستر
کوفہ سے رام ہرمز کی طرف پیش قدمی
عراق
نعمان بن مقرن
ایذج
مذار
ہویز
زندورد
سواد
ہرمزگرد
مناذر
اہواز
رام ہرمز
ابوموسیٰ اشعری
سہیل بن عدی
دریائے فرات
جبی
شط العرب
ہور الحمار
دورق
خندق شاپور
بصرہ
ابلہ
استان
کاظمہ
موجودہ کویت
خلیج فارس
رامہرمز، تستر اور جندی شاپور کی فتح
(اسلامی کمانڈروں کی پیش قدمی)
★ کسکر کے پاس واسط بعد میں حجاج نے آباد کیا

دنوں ہرمزان کے گرد اہلِ فارس کے بڑے بڑے جتھے جمع ہو چکے تھے اور ان کے فوجی دستے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ نعمان رضی اللہ عنہ اور ہرمزان کا مقامِ ''اربک'' میں ٹکراؤ ہوا اور گھمسان کا رن پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے نعمان رضی اللہ عنہ کو ہرمزان پر فتح عطا فرمائی۔ ہرمزان میدان چھوڑ کر نکل بھاگا۔ اس نے ''تستر'' میں پناہ لی۔ سہیل بن عدی بصرہ سے ایک لشکر لے کر رامہرمز کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ وہ ابھی اہواز کے بازار میں تھے کہ انھیں خبر ملی کہ ہرمزان تستر میں پناہ گزین ہے۔ سہیل بن عدی نے وہاں سے فوراً ''تستر'' کا رخ کیا۔ اُدھر نعمان رضی اللہ عنہ بھی کوفی لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ [1]

تستر کی فتح

نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اور سہیل بن عدی کی زیر قیادت دو بڑے لشکر ''تستر'' پہنچ چکے تھے اور ابوسبرہ بن ابورہم کی زیر کمان جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ابوسبرہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مزید کمک کی درخواست کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک بصری لشکر روانہ فرمایا۔ اب یہ سارا اسلامی لشکر ابوسبرہ کی زیر کمان تھا۔

مسلمانوں نے چند مہینے ''تستر'' کا محاصرہ جاری رکھا۔ اس میں انھوں نے دشمن سے تقریباً اسی (80) مرتبہ مقابلہ کیا۔ دونوں طرف کے بڑے بڑے جنگی ماہرین میدان میں اترے۔ انفرادی مقابلے ہوئے۔ ان معرکوں میں قتل ہونے والوں کے علاوہ انفرادی مقابلوں میں تقریباً ایک سو (100) مجاہد دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان میں براء بن مالک، مجزأہ بن ثورہ، کعب بن سور اور ابوتمیمہ بصرہ کے اور حبیب بن قرہ، ربعی بن عامر اور عامر بن عبداللہ الاسود کوفہ کے سرفہرست تھے۔ [2]

معرکۂ ''تستر'' میں جب آخری مقابلے کا وقت آیا تو مجاہدین براء بن مالک کے پاس

[1] تاریخ الطبري:5/61،62. [2] التاریخ الإسلامي:11/202.

آئے اور کہا: اے براء! اللہ تعالیٰ پر قسم ڈالو کہ وہ ہمیں دشمن پر فتح عطا فرمائے۔ براء نے کہا: «اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ لَنَا وَاسْتَشْهِدْنِي» ''اے اللہ! دشمن کو شکست دے اور مجھے شہادت نصیب فرما۔'' مسلمانوں نے اس دن انتہائی شدت سے حملہ کیا۔ سخت مقابلے کی جنگ لڑی۔ دشمنوں کو شکست ہوئی وہ اپنی ہی بنائی ہوئی خندقوں میں گرنے لگے۔ مسلمانوں نے وہاں بھی ان پر دھاوا بول دیا، ہوا یوں کہ جب سپاہِ فارس پر انتہائی نازک وقت آیا اور محاصرہ انتہائی شدت اختیار کر گیا تو عین اس وقت دو مختلف جہات سے دشمن کے دو آدمی مسلمانوں سے آملے۔ انھوں نے خبر دی کہ یہ شہر نکاسیِ آب کے دو نالوں کے راستے سے فتح ہوسکتا ہے۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے یہ خبر پاتے ہی اپنے ساتھیوں کو آواز دی، پھر فوراً ہی کوفہ اور بصرہ سے تعلق رکھنے والے سپاہی رات کی تاریکی میں ان مقامات پر پہنچ گئے اور نالوں والے راستوں سے داخل ہو کر شہر کے وسط میں جا پہنچے۔ انھوں نے وہاں نہایت بلند آہنگی سے تکبیر کہی ساتھ ہی شہر کے باہر موجود مجاہدوں نے بھی بلند آواز سے تکبیریں کہیں۔ شہر میں آنے والے مجاہدوں نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ بعدازاں تھوڑی سی مزاحمت کے بعد وہاں موجود سپاہِ فارس کے تمام افراد قتل کر دیے گئے۔[1]

اس معرکے میں براء بن مالک اور مجزأہ بن ثورہ ہرمزان کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اس وقت مسلمان معرکے میں فتح حاصل کر چکے تھے اور ہرمزان قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ مسلمانوں نے نکاسیِ آب کے راستوں سے داخل ہو کر اس کے قلعے کی طرف پیش قدمی کی اور اسے جالیا۔ جونہی مسلمانوں نے اسے دیکھا، وہ اس کی طرف لپکے۔ اس نے کہا: مسلمانو! تم اپنے آپ کو بھی دیکھ رہے ہو اور مجھے بھی دیکھ رہے ہو کہ ہم کس تنگی میں ہیں۔ یاد رکھو! میرے پاس ایک ترکش کا تھیلا ہے۔ اس میں سو (100) تیر ہیں۔ اللہ کی قسم! جب تک ایک تیر بھی باقی ہے، تم میرے قریب نہیں پھٹک سکتے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اپنے بہت

---

[1] التاريخ الإسلامي: 204/11.

سے ساتھی زخمی یا ہلاک کرا کے تم مجھے گرفتار بھی کر لو گے تو تمھیں کیا فائدہ ہو گا؟ مجاہدین نے اس سے پوچھا: تو کیا چاہتا ہے؟ وہ بولا: میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے گرفتار کر لو اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دو، پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے جو جی چاہے سلوک کریں۔ مسلمانوں نے یہ بات منظور کر لی۔ اس نے تیر کمان پھینک دیا اور گرفتاری پیش کر دی۔ مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے اس کے ہاتھ باندھ دیے اور اس پر نگرانی مقرر کر دی تاکہ اسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا جائے۔

مسلمانوں نے شہر میں موجود تمام اموال اور پیداوار کو یکجا کیا۔ ان میں سے چار خمس تقسیم کیے۔ ہر شہسوار کو تین ہزار اور پیادہ کو ایک ہزار درہم حصہ ملا۔[1]

معرکۂ تستر سے ماخوذ اسباق اور پند و نصائح

انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت براء رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، وہ بیان فرماتے ہیں: میں تستر کے قلعے کے محاصرے کے وقت وہاں فجر کے وقت موجود تھا۔ لڑائی زوروں پر تھی۔ کوئی بھی نماز ادا نہ کر سکا۔ ہم سب نے دن چڑھے نماز ادا کی۔ ہم سب ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ ہم نماز سے ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ تھوڑی ہی دیر بعد اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرما دی۔ انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «مَا يَسُرُّنِي بِتِلْكَ الصَّلَاةِ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا» ''مجھے اس نماز کے بدلے دنیا و مافیہا کے خزانے بھی عزیز نہ تھے۔''[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے سینے پر ایک عظیم تمغہ سجایا جو ان کے لیے عزت و شرف کا باعث بنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«كَمْ مِّنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ»

---

[1] تاريخ الطبري:5/64,63. [2] صحيح البخاري، قبل الحديث:945.

''کتنے ہی پراگندہ بال، گرد میں اٹے، دو پرانی چادریں اوڑھنے والے افراد ایسے ہیں جن کی پروا بھی نہیں کی جاتی لیکن اگر وہ اللہ پر قسم ڈال دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے ان میں براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔''[1]

حضرت براء رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ لوگوں نے ان کا یہ وصف اس حدیث کی روشنی میں جانا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ان سے اس معرکے میں دشمن کو شکست دینے کے لیے ان سے قسم کا مطالبہ کیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حاصل ہونے والے اس عظیم الشان اعزاز کے باوجود انھوں نے کبھی کسی تکبر یا اکڑ سے کام نہ لیا بلکہ وہ ایسے عاجز بندے بن گئے جو جنگ کی ہولنا کیوں میں داخل ہو کر بھی عظیم نتائج حاصل کرتا ہے، حالانکہ انھیں کوئی قیادت یا امارت بھی حاصل نہیں تھی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا کی جو ان کے اور اہلِ اسلام کے لیے بلاشبہ عزت و شرف کا موجب تھی لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس قیمتی سعادت کے حصول سے غافل نہ ہوئے جس کی آرزو ہر طاقتور مومن کرتا ہے۔ انھوں نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی التجا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبولیت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کیا اور براء رضی اللہ عنہ کو شہادت سے سرفراز فرمایا۔[2]

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ہرمزان

اسلامی قائد ابو سبرہ بن ابورہم نے ہرمزان کو ایک فوجی دستے کی حراست میں امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو انھوں نے ہرمزان کو اس کا مخصوص لباس پہنایا۔ یہ لباس دیباج سے تیار کیا گیا تھا اور سونے کے

① جامع الترمذي، حديث:3854. ② التاريخ الإسلامي:204/11.

تاروں سے مزین تھا۔ اس کے سر پر اس کا مخصوص ''اذین'' نامی تاج چمک رہا تھا۔ اس میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ہرمزان کو اس حالت میں پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان اسے اس کی شان وشوکت سمیت گرفتار دیکھ سکیں، پھر وہ اسے لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس دوران میں وہ اسے لوگوں کے سامنے لیے آگے بڑھتے رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر پر نہیں ملے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کوفہ سے ایک وفد آیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ ہرمزان کا نگران دستہ اسے مسجد میں لے آیا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہاں نظر نہ آئے۔ نگران ہرمزان کو لیے وہاں سے نکل آئے۔ وہ مدینہ کے چند چھوٹے بچوں کے قریب سے گزرے۔ وہ راستے میں کھیل رہے تھے۔ ان بچوں نے پوچھا: آپ اس طرح ادھر اُدھر کیوں پھر رہے ہیں؟ کیا آپ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی تلاش میں ہیں؟ وہ مسجد کے دائیں حصے میں اپنی چادر کا تکیہ بنائے سو رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک چادر اوڑھے کوفی وفد سے ملاقات میں مصروف رہے، فارغ ہوئے اور وفد چلا گیا تو چادر کو سر کے نیچے رکھا اور سو گئے۔ حفاظتی دستہ ہرمزان کو لیے مسجد میں داخل ہوا۔ بہت سے تماشائی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سوتے دیکھا تو ذرا دور ہٹ کر بیٹھ گئے۔ مسجد میں اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی فرد موجود نہ تھا۔ اُن کا مخصوص کوڑا اُن کے پاس تھا۔ ہرمزان نے پوچھا: عمر کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا: یہی ہیں جو سامنے سو رہے ہیں۔ نگران دستہ لوگوں کو خاموش کرانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ ہرمزان ان سے مخاطب تھا۔ اس نے پوچھا: عمر کے حارس اور دربان کہاں ہیں؟ جواب ملا: ان کا کوئی باڈی گارڈ، دربان، کاتب یا دفتر نہیں ہے۔ ہرمزان نے کہا: پھر تو اسے نبی ہونا چاہیے۔ انھوں نے جواب دیا: نبی نہ ہونے کے باوجود بھی یہ انبیاء کی شان والے کام ہی کرتے ہیں۔

تماشائیوں کا شور بڑھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جاگ اُٹھے اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ انھوں

نے ہرمزان کی طرف دیکھا تو دریافت فرمایا: ہرمزان ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کے لباس کو غور سے دیکھا اور فرمایا: میں آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اور اسی سے مدد کا طلبگار ہوں، پھر فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اسلام کی بدولت اسے اور اس جیسے لوگوں کو ذلیل کیا۔ اے مسلمانو! اس دین کو مضبوطی سے تھام لو۔ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری کو لازم پکڑو، خبردار! تمھیں دنیا غرور میں نہ ڈال دے۔ یہ سب دھوکا ہے۔ آنے والے نگران دستے نے عرض کیا: یہ اہواز کا بادشاہ ہے۔ آپ اس سے بات کیجیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں جب تک کہ اس کا سارا فخریہ لباس نہ اتارا جائے گا میں اس سے بات نہیں کروں گا۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ ہرمزان کو ایک موٹے کپڑے کا ساتر لباس پہنایا گیا اور شاہی لبادہ اتار دیا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کلمۂ تعجب کہا، پھر ہرمزان سے فرمایا: تو نے غداری کے انجام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کو کیسا پایا؟ اس نے کہا: اے عمر! ہم اور تم جاہلیت میں ایسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہمارے اور تمھارے درمیان دوری رکھی۔ اس وقت جب اللہ نہ ہمارے ساتھ تھا نہ تمھارے ساتھ تھا، ہم تم پر غالب رہے اور جب اللہ تمھارے ساتھ ہوا تو تم ہم پر غالب آگئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جاہلیت میں ہم پر ہماری نااتفاقی اور اپنے اتفاق کی وجہ سے غالب آئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب بتا تیری متعدد بار غداری کی کیا وجہ تھی؟ اور تیرا کیا عذر ہے؟ ہرمزان نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ میرا جواب پانے سے پہلے ہی آپ مجھے قتل کر دیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بات سے نہ ڈرو۔ ہرمزان نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ اسے ایک پُرانے اور گندے برتن میں پانی دیا گیا۔ اس نے برتن دیکھ کر منہ پھیر لیا اور کہا: اس برتن سے پانی پینے کی بجائے میں پیاسا ہی مر جاؤں تو اچھا ہے۔ اب اسے صاف ستھرے برتن میں پانی دیا گیا۔ اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ اس نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ میں پانی پی رہا ہوں گا تو اسی دوران میں مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا: جب تک تو پانی نہ پی لے۔ تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی۔ ہرمزان نے پانی زمین پر بہا دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے دوبارہ پانی دو۔ اسے پیاسا قتل نہ کرنا۔ ہرمزان نے کہا: مجھے پانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا مقصد صرف امان حاصل کرنا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے قتل کر دوں گا۔ ہرمزان نے کہا: آپ نے مجھے امان دی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو جھوٹ بولتا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: امیر المؤمنین یہ سچ کہتا ہے۔ آپ اسے امان دے چکے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے انس! افسوس ہے بھلا میں مجزأہ اور براء کے قاتل کو کیسے امان دے سکتا ہوں؟ اللہ کی قسم! کوئی ثبوت پیش کر، وگرنہ میں تجھے سزا دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے اس سے فرمایا ہے کہ جب تک تو اپنی غداری کا سبب نہ بیان کرے گا تجھے کچھ نہیں کہا جائے گا، پھر آپ نے یہ فرمایا کہ جب تک تو پانی نہیں پیے گا تجھے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہرمزان کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: تو نے مجھے دھوکا دیا۔ اللہ کی قسم! میں صرف کسی مسلمان کے حق میں دھوکا کھا سکتا ہوں۔ یہ سن کر ہرمزان مسلمان ہوگیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مدینہ ہی میں اپنا مہمان بنا لیا اور اس کا دو ہزار درہم وظیفہ مقرر کر دیا۔[1]

جندی شاپور کی فتح

ابوسبرہ بن ابورہم نے جب ایران کا علاقہ سوس فتح کر لیا تو وہ جندی شاپور کی طرف بڑھے۔ وہاں پہلے سے زر بن عبداللہ ابن کلیب ان کا محاصرہ کیے بیٹھے تھے اور وقفے وقفے سے ان سے لڑائی جاری تھی۔ اسی دوران میں مسلمانوں کی طرف سے انھیں امان کا پیغام بھیجا گیا۔ جندی شاپور اور نہاوند دو مہینوں کی قلیل مدت میں فتح ہو گئے تھے۔

---

[1] تاریخ الطبري: 66/5.

مسلمانوں نے اچانک دیکھا کہ شہر کے دروازے کھل رہے ہیں۔ جانور اور لوگ باہر آرہے ہیں اور وہاں کے باشندے اردگرد پھیل رہے ہیں۔ انھوں نے اُن سے پوچھا کہ تملوگ باہر کیوں آرہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ تم نے ہمیں امان کا پیغام بھیجا ہے جسے ہم نے قبول کرلیا ہے۔ ہم نے تمھیں اس شرط پر جزیہ دینے کا اقرار کرلیا ہے کہ تم ہماری حفاظت کرو گے۔ مسلمانوں نے کہا: ہم نے تو تمھیں امان نہیں دی۔ انھوں نے کہا: ہم جھوٹ نہیں کہہ رہے۔ آپ مسلمانوں سے سوال کریں کہ کس نے ہمیں امان کا پیغام بھیجا ہے؟ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہاں کے ایک رہائشی مسلمان غلام مکنف نے انھیں امان لکھ کر بھیجی ہے۔ مسلمانوں نے کہا: وہ تو غلام ہے۔ انھوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ وہ آزاد ہے یا غلام، ہمارے پاس تو بس امان کا پیغام آپہنچا ہے۔ ہم نے اسے قبول کرلیا ہے۔ اب ہم اسے تبدیل نہیں کریں گے۔ اگر تم چاہو تو غداری کر سکتے ہو۔ یہ سن کر مسلمانوں نے اپنے ہاتھ روک لیے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکمل قضیہ لکھ بھیجا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا: «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَظَّمَ الْوَفَاءَ فَلَا تَكُونُوا أَوْفِيَاءَ حَتّٰى تَفُوا مَا دُمْتُمْ فِي شَكٍّ أَجِيزُوهُمْ وَوَفُوا لَهُمْ» ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے وفاداری کا بڑا مقام رکھا ہے۔ جب تک تم وفاداری نہ کرو گے وفادار کیسے کہلاؤ گے؟ اگر تمھیں امان میں شک بھی ہے تب بھی احتیاط پر عمل کرتے ہوئے یہ امان جاری کردو اور وفاداری کرو۔'' چنانچہ مسلمانوں نے اس امان کو برقرار رکھا اور واپس آگئے۔ [1]

مسلمانوں کی طرف سے اپنے دشمن کفار کے خلاف مکارمِ اخلاق کا یہ عظیم مظاہرہ تھا۔ بلاشبہ یہی وہ بنیادی سبب تھا جس کی وجہ سے حیرت انگیز تیزی سے کفار جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ [2]

---

(1) تاریخ الطبري: 72/5. (2) التاریخ الإسلامي: 217/11.

نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اور شہر کسکر

نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کسکر کے حاکم تھے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا: میری اور کسکر کی مثال اس نوجوان کی طرح ہے جس کے قریب نہایت دلآویز اور خوشبو میں بسی ہوئی بدکار عورت موجود ہو۔ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے کسکر کی گورنری سے معزول کر دیجیے اور کسی محاذ پر بھیج دیجیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا: آپ نہاوند چلے جائیں وہاں آپ لشکر نہاوند کے امیر ہوں گے۔[1]

[1] تاریخ الطبري: 109/5.

مسلمان افواج فارس کے خلاف مختلف معرکوں میں مسلسل بہت سی فتح مندیوں سے ہمکنار ہوچکی تھیں۔ وہ دشمن کو اپنے شکست خوردہ فرار ہونے والے افراد کو یکجا ہونے کا موقع دیے بغیر ان کا تعاقب کرتے رہے اور انھیں تہ تیغ کرتے رہے۔ جنگ قادسیہ کے فیصلہ کن معرکے سے لے کر معرکۂ نہاوند تک چار سال بیت چکے تھے۔ وہ اس عرصے میں پے در پے فتوحات حاصل کرتے رہے اور اسلامی لشکر مسلسل پیش قدمی کرتا رہا تاکہ ایک سسکتی ہوئی بادشاہت کے باقی ماندہ شکست خوردہ افراد کا صفایا بھی کر دیا جائے۔ اسی دوران میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکروں کو زاغروس کے پہاڑوں سے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اب وہ مسلسل جہاد میں مصروف اسلامی لشکروں کو آرام کا موقع فراہم کرنا چاہتے تھے اور مفتوحہ علاقوں کی تنظیم نو کی طرف توجہ فرمانے کے خواہشمند تھے۔ [1]

معرکۂ قادسیہ کے بعد مسلمانوں کی طرف سے مسلسل شکستیں کھانے کے بعد اہلِ فارس ایک دفعہ پھر غصے اور غیرت کے مقام پر آ کھڑے ہوئے لیکن ان کے پاس مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نفری بہت کم تھی۔ ان کے امراء اور قائدین نے یزدگرد کو لکھا کہ وہ نئے سرے سے جنگ کی تیاری کرے۔ یزدگرد نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور اپنی سرزمین پر موجود قلعوں اور پناہ گاہوں کا جائزہ لینے لگا تاکہ مسلمانوں کے خلاف مضبوط اور مربوط

---

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص: 280-290.

طریقے سے جنگ کی جا سکے۔ اس نے سجستان اور خراسان کے علاقوں میں پیغام ارسال کیے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی بھرپور تیاری کریں اور نہاوند پہنچیں۔ اس کی نظر میں نہاوند مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے سازگار میدان ثابت ہو سکتا تھا۔ نہاوند ہر طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا اور وہاں پر پہنچنے کے لیے دشوار گزار راستوں سے گزرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

اہلِ فارس نہاوند میں یزدگرد کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ بتائی جاتی ہے۔ سپاہِ فارس کے تیس ہزار (30,000) فوجی ''الباب'' سے حلوان تک، ساٹھ ہزار (60,000) فوجی خراسان سے حلوان تک اور ساٹھ ہزار (60,000) فوجی سجستان سے حلوان تک پھیلے ہوئے تھے۔ یزدگرد نے سپاہِ فارس کا سپہ سالار فیرزان کو مقرر کیا۔[1]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں لشکرِ فارس کے نہاوند میں جمع ہونے کی خبر سنی تو انھوں نے فوراً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی اور مختلف زاویوں سے اس کی بھرپور وضاحت کرتے ہوئے اگلا حکم طلب کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اہل رائے کو جمع فرمایا اور مشورہ طلب کیا۔ بالآخر طے پایا کہ اہلِ فارس کی اس آخری پناگاہ کے خاتمے کے لیے اسلامی لشکر روانہ کیا جائے۔ ان دنوں نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کسکر کے گورنر تھے۔ انھوں نے امیر المومنین کو خط لکھا تھا کہ میری اور کسکر کی مثال ایک ایسے نوجوان کی سی ہے جس کے پہلو میں ایک فاحشہ عورت خوب بن سنور کر اور خوشبو لگا کر کھڑی ہوئی ہو۔ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے کسکر کی ولایت سے سبکدوش کر دیجیے اور کسی محاذ پر بھیج دیجیے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب مجلس سے اس سلسلے میں مشورہ کیا، پھر طے پایا کہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو نہاوند میں اسلامی لشکر کی کمان سونپ دی جائے۔ خلیفۃ المسلمین نے اسلامی لشکر کی تیاری اس طرح فرمائی:

---

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص:280-290. [2] تاريخ الطبري: 109/5.

والی کسکر نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا گیا۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کوفی لشکر کے قائد مقرر کر دیے گئے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والیٔ بصرہ کو بصری لشکر کا امیر مقرر کیا اور عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مہاجرین و انصار کے لشکر کی کمان سونپی گئی۔

سلمی بن القین، حرملہ بن مریطہ، زر بن عبداللہ ابن کلیب، اسود بن ربیعہ اور اسی طرح اہواز اور دیگر علاقہ جات فارس کے عمّال کو ریزرو فوج تیار رکھنے کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں دشمن کو مسلسل مصروف رکھنے اور یکجا ہونے سے روکنے کا کام سونپا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکّام اور فوجی افسروں کو نہایت اہم ہدایات ارسال فرمائیں۔ اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تقریباً تیس ہزار (30,000) مجاہدین کا اسلامی لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔[1]

اسلامی لشکر نے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی زیر کمان نہاوند کی طرف پیش قدمی کی۔ انھوں نے وہاں اہلِ فارس کو نہایت مضبوطی سے قلعہ بند پایا۔ نہاوند کے گرد خندقیں کھدی ہوئی تھیں اور خندق کے سامنے لوہے کے چوکور گوکھرو پھیلا دیے گئے تھے۔ ان کا ایک کنارا زمین میں پیوست تھا اور باقی تین یا کم از کم دو کنارے اوپر کی طرف نکلے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے حریف کی پیش قدمی روکنے اور ان کے گھوڑوں کے سموں میں سوراخ کرنے کا یہ طریقۂ کار اختیار کیا تاکہ وہ آگے نہ بڑھ سکیں، جبکہ اہلِ فارس کا لشکر نہاوند کی شہر پناہ پر مکمل تیاریوں کے ساتھ دندنا رہا تھا۔ قادسیہ میں شرکت نہ کرنے والا ہر سپاہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ فیرزان نے مسلمانوں کی ممکنہ پیش قدمی روکنے کے لیے اپنے تیر انداز مقرر کر دیے تھے کہ جونہی کوئی آگے بڑھے اسے تیروں کی بوچھاڑ سے پیچھے بھگا دیا جائے۔[2]

اسلامی لشکر آگے بڑھا تو لوہے کے گوکھروؤں اور خندق کی وجہ سے اس کی پیش قدمی رک گئی۔ ادھر فیرزان کے تیر اندازوں نے شہر پناہ کی دیواروں سے تیر برسا کر مسلمانوں کو

---

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص: 280-290. [2] الفن العسكري الإسلامي، ص: 280-290.

پیچھے دھکیلا۔ دو دن تک یہی معاملہ ہوتا رہا۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے حالات کا مکمل جائزہ لینے کے لیے اسلامی لشکر کے چیدہ چیدہ افراد کو جمع کیا اور اپنی پیش قدمی کے لیے ایک خصوصی منصوبہ بندی پر متفق ہو گئے۔ انھوں نے طلیحہ بن خویلد اسدی کی زیر کمان ایک دستے کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ آگے بڑھیں گے اور سپاہِ فارس سے نبرد آزما ہوں گے اور انھیں شہر پناہ سے باہر نکالیں گے۔ جونہی وہ باہر آئیں مسلمانوں کے شہ سوار الٹے قدموں پیچھے ہٹ جائیں گے۔ دشمن سمجھے گا کہ ہمارے حریف فرار ہونا چاہتے ہیں۔ دشمن کو اپنے پیچھے لیے یہ دستہ شہر پناہ سے دور ہٹ جائے گا۔ دشمن مسلمانوں کی اس جماعت کو قابو کرنے کے لیے آگے بڑھے گا جو ظاہری شکست کا ڈرامہ کر رہی ہو گی۔ جیسے ہی وہ اپنی پناہ گاہوں سے دور آ جائیں گے تو مجاہدین مخصوص کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کر دیں گے اور دشمن کے ان فوجیوں کو گھیرے میں لے لیں گے جو خوشی خوشی اسلامی دستوں کا تعاقب کر رہے ہوں گے۔ اس وقت وہ اپنی خندقوں اور شہر پناہ سے دور ہوں گے، اس لیے انھیں شکست دینا آسان ہو جائے گا۔[1]

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ اس منصوبہ بندی کے مطابق آگے بڑھے۔ انھوں نے اپنے لشکر کو مختلف ٹولیوں اور دستوں میں بانٹ دیا۔ پہلے دستے کی کمان قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ اسی دستے نے دشمن کو دھوکا دے کر شہر پناہ سے باہر نکالنا تھا اور پروگرام کے مطابق دشمن کی شہر پناہ پر حملہ کرنا تھا۔

دوسرا دستہ خود نعمان رضی اللہ عنہ کی زیرِ کمان تھا۔ یہ پیادہ تھا۔ ان کا ہدف مخصوص کمین گاہوں میں چھپ کر دشمن کے وہاں پہنچنے کا انتظار کرنا تھا۔

تیسرا دستہ شہسواروں کا تھا یہی لشکر کی اصل طاقت تھا۔ اس کی ذمہ داری مخصوص جگہوں سے دشمن پر حملہ کرنا اور دونوں جانب سے دشمن پر یلغار کرنا تھا۔

---

[1] تاريخ الطبري: 113/5.

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنی افواج کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ سے اس وقت تک نہ ہلیں جب تک انھیں حکم نہ دیا جائے۔[1]

حکم کے مطابق مسلمان مخصوص جگہوں پر موجود حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے اشارے کے منتظر تھے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے پروگرام کے مطابق دشمن پر حملہ کیا، پھر منصوبہ کے تحت انتہائی کامیابی کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے۔ دشمن کو مسلمانوں کے گھیرے میں آجانے کا احساس اچانک اس وقت ہوا جب ان کی آخری صف بھی مسلمانوں کے درمیان گھر چکی تھی اور مسلمانوں کی تلواریں مشرکین کا صفایا کرنے لگی تھیں۔ مشرکین نے فرار ہونے اور واپس اپنے قلعے اور خندق کا تحفظ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ وہ اپنی ہی کھودی ہوئی خندق میں گرنے لگے اور اپنے ہی نوکیلے گوکھروؤں کا شکار ہونے لگے۔ مسلمان مسلسل ان کا تعاقب کرتے رہے اور ان کی پشتوں اور گردنوں پر تلواروں کے وار کرتے رہے۔ سپاہِ فارس کے ہزاروں فوجی خندق میں جاگرے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے فیرزان کو شکست فاش دی۔ فیرزان مارا گیا۔ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

نہاوند کی فتح کے بعد ہمدان اور دیگر کئی علاقوں کو کسی قابل ذکر مزاحمت کے بغیر ہی فتح کر لیا گیا۔ نہاوند کے بعد اہلِ فارس پھر کسی میدان میں نہ جم سکے۔ یوں مسلمان سلطنتِ فارس کے مالک بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس معرکہ کو فتح الفتوح، یعنی سب سے عظیم الشان فتح کہا جاتا ہے۔[2]

معرکۂ نہاوند کے سلسلے میں مختلف زاویوں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ذہانت خوب نمایاں ہو کر سامنے آئی۔

اسلامی لشکروں کی تیاری میں مستعدی اور دشمن کی تیاری میں رکاوٹ:

[1] تاريخ الطبري: 5/114. [2] الفن العسكري الإسلامي، ص: 290-294.

معرکۂ نہاوند اور بلادِ عجم پر یورش
اسلامی لشکر کی پیش قدمی
ایرانی لشکر کی پیش قدمی
بحیرۂ قزوین
(بحیرۂ خزر)
آذربائیجان
تبریز
مراغہ
الباب (آذربائیجان) سے ایرانی لشکر کی حلوان کی طرف پیش قدمی
رشت
زنجان
جرجان
دامغان
خراسان سے ایرانی لشکر کی حلوان کی طرف پیش قدمی
قزوین
قومس
دماوند
رے
سمنان
واج رُود
ہمدان
زرند
حلوان
کاشان
نہاوند
حلوان سے نہاوند کی طرف پیش قدمی
بحستان سے ایرانی لشکر کی حلوان کی طرف پیش قدمی
جی
اصفہان
جندی شاپور
دریائے دجلہ
آذربائیجان اور الباب کی فتح
بحیرۂ اسود
ترکی
تفلس
جارجیا (کرج)
آرمینیا
الباب (دربند)
بحیرۂ قزوین
شروان
آذربائیجان
موقان
بیلقان
دریائے اراس
کردستان
عراق
شام
موصل
فارس (ایران)
بحیرۂ قزوین (کیسپین)
جبل سولان
تبریز
اردبیل
تخت سلیمان

نقشہ: 18,19

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک طرف کوفہ، بصرہ اور جزیرۂ عرب میں اسلامی لشکروں کو جمع کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف انھوں نے اہواز اور باقی فارسی علاقوں میں یہ حکم ارسال فرمایا کہ دشمن کو کہیں جمع نہ ہونے دو۔ انھوں نے سلمی بن قین، حرملہ بن مریطہ، زر بن کلیب، اسود بن ربیعہ اور دیگر کئی عمال کو فارس اور اہواز کے مابین علاقوں کی کڑی نگرانی کا کام سونپا اور حکم دیا کہ نہاوند میں جمع شدہ لشکرِ فارس کو کہیں سے کوئی کمک نہیں پہنچنی چاہیے۔ ان جرنیلوں نے اصفہان اور فارس کی سرحدوں پر پہرے بٹھائے اور نہاوند کی طرف بڑھنے والی ہر کمک کا راستہ بند کر دیا۔ [1]

ایک سپہ سالار کی شہادت کے بعد دوسرے سپہ سالار کا تقرر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معرکۂ نہاوند میں نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں ان کے بعد مختلف سپہ سالاروں کا تقرر اسی طرح کیا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 8 ھ 629ء میں معرکۂ موتہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی شہادت کی صورت میں ان کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان رضی اللہ عنہ کے بعد حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، پھر نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کو بالترتیب سپہ سالار مقرر فرمایا۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے معرکۂ نہاوند میں نہایت دانشمندی سے قیادت کی ذمہ داری نبھائی۔ ان کی عسکری منصوبہ بندی کے نمایاں پہلو یہ تھے:

جنگ سے پہلے حالات کا جائزہ

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے نہاوند کی طرف روانگی سے پہلے جب وہ نہاوند سے چوبیس (24) سے کچھ زیادہ فرسخ کے فاصلے پر تھے تو طلیحہ بن خویلد اسدی، عمرو بن ابو سلمی العنزی

---

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص: 290-294.

اور عمرو بن معدیکرب زبیدی کو حالات کا جائزہ لینے روانہ فرمایا تاکہ وہ نہاوند کی طرف جانے والے راستوں سے بخوبی واقفیت حاصل کرلیں اور جائزہ لیں کہ نہاوند سے پہلے راستے میں کہیں دشمن تو موجود نہیں۔ مذکورہ تینوں افراد ایک دن رات کی مسافت طے کرنے کے بعد واپس آگئے اور رپورٹ دی کی نہاوند تک راستے بالکل صاف ہیں۔

یہ مختصر سا دستہ آج کل کے اس فوجی ہراول دستے سے مشابہت رکھتا ہے جو کسی بھی فوجی پیش قدمی سے پہلے راستوں کا تعین اور نشاندہی کرتا ہے۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے مکمل معلومات حاصل کرنے کے باوجود بڑی احتیاط سے سفر جاری رکھا اور بھرپور تیاریوں کے ساتھ آگے بڑھے۔

دشمن کو دھوکا

معرکۂ نہاوند میں دشمن کو دھوکا دینے کا عمل ایک ایسی چال تھی کہ نئی اور پرانی عسکری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ اس قدر سمجھداری اور عمدگی سے فوجی پیش قدمی کر کے دشمن کو گھیر لیا جائے گا۔ جب مسلمان نہاوند کی اس محفوظ ترین شہر پناہ کو عبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے جیسے خندق، نوکیلے گوکھروؤں (لوہے یا لکڑی کی کانٹے دار رکاوٹیں) اور ماہر تیر اندازوں کی وجہ سے مکمل تحفظ حاصل تھا تو نعمان رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اس طرح تو یہ محاصرہ بے سود ثابت ہوگا اور بڑی طوالت اختیار کر جائے گا کیونکہ نہاوند شہر میں دشمن کے پاس لمبے عرصے کے لیے خوراک کے بھاری ذخائر موجود تھے اور وہ مسلمانوں کا لمبی مدت تک آسانی سے مقابلہ کر سکتے تھے، لہٰذا مسلمانوں نے دشمن سے چال چلنے اور اسے اپنی کمین گاہوں سے نکالنے کا منصوبہ بنا لیا تاکہ دشمن کو اس کی پناہ گاہوں سے باہر نکال کر فیصلہ کن جنگ کی جا سکے۔ انھوں نے جنگ کے لیے ایک خاص میدان کا تعین بھی کیا اور دشمن کو ٹھیک مطلوبہ جگہ پر جنگ کرنے پر مجبور کر دیا۔ انھوں نے دشمن کو اپنے تعاقب کا

موقع مہیا کر دیا۔ اسے مطلوبہ جگہ پر لے آئے، پھر سوچ سمجھے منصوبے کے مطابق ہر طرف سے کمین گاہوں سے نکل کر ان پر حملہ کر دیا۔ دشمن اس اچانک حملے سے حواس باختہ ہو گیا اور شکست کھا کر بھاگ گیا۔

اس موقع پر اپنے حریف کو اس کے محفوظ مرکز سے نکالنے اور پھر اس پر غلبہ پانے کے لیے اس جنگی چال سے بہتر اور کوئی چال نہیں ہو سکتی تھی۔ [1]

جنگ کا وقت

تاریخی کتابیں شاہد ہیں کہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے انتہائی بصیرت اور تجربہ کاری سے جنگ کے لیے اسی طرح وقت کا انتظار کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتظار فرماتے تھے۔ انھوں نے زوال کا وقت اختیار کیا جو سائے ڈھلنے اور ہواؤں کے چلنے کا وقت ہوتا تھا۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو اس فیصلہ کن معرکے میں شرفِ شہادت نصیب ہوا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کی اطلاع ملی تو انھوں نے إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ انھوں نے انتہائی غمزدہ لہجے میں دوسرے شہداء کے بارے میں سوال کیا تو انھیں بہت سے شہداء کے نام بتائے گئے۔ انھیں وہ جانتے بھی نہ تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مسلمانوں کا مادی لحاظ سے کمزور طبقہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں شہادت سے سرفراز فرمایا۔ وہ علیم و خبیر تو انھیں اور ان کے حسب نسب کو خوب جانتا ہے۔ عمر (رضی اللہ عنہ) کے جاننے نہ جاننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ [2]

نہاوند کی ایک قابل ذکر بات یہ تھی کہ اس جنگ میں ہاتھ آنے والے مالِ غنیمت میں کسریٰ کے خزانوں کے نہایت قیمتی جواہرات سے بھرے ہوئے دو ٹوکرے ملے۔ یہ ٹوکرے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے سائب بن اقرع کو دے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص: 296,295. [2] البداية والنهاية: 113/7.

روانہ کر دیے۔ جب یہ جواہرات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو انھوں نے فرمایا: انھیں بیت المال میں جمع کرا دو اور فوراً واپس چلے جاؤ۔ سائب نے ایسا ہی کیا اور واپس چل دیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سائب کے پیچھے ایک آدمی روانہ کیا۔ وہ درمیانی چال چلا اور سائب سے کوفہ میں جاملا اور اسے ساتھ لے کر واپس آیا اور اسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر دیا۔[1]

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سائب کو دیکھا تو فرمایا: اے سائب! بات یہ ہے کہ جیسے ہی تو یہ ٹوکرے چھوڑ کر گیا، میں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے مجھے ان ٹوکروں کی طرف کھینچ کر لا رہے ہیں اور یہ دونوں ٹوکرے آگ بن کر بھڑک رہے ہیں۔ وہ مجھے ان جواہرات کو فوراً تقسیم نہ کرنے کی پاداش میں آگ سے داغنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ پس تو ان کو لے جا اور مسلمانوں کو دیے جانے والے وظائف میں انھیں خرچ کر دے۔ اس مقصد کے لیے انھیں کوفہ کے بازار میں بیچ دینا۔

اللہ تعالیٰ سیدنا عمر سے راضی ہو وہ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر چلے۔ خود بھی عزت پائی۔ اسلام کا نام بھی خوب روشن کیا اور مسلمانوں کو بھی عزت نصیب ہوئی۔ اے اللہ! ہمیں بھی ان کے اتباع کی توفیق عطا فرما اور بدعت سے محفوظ کر دے۔[2]

نہاوند کی فتح کے بعد جلد ہی ہمدان، طبرستان اور اصفہان کے لیڈر یکے بعد دیگرے آئے اور مسلمانوں سے مصالحت کا راستہ اختیار کر کے سرنگوں ہو گئے۔[3]

---

[1] البداية والنهاية: 114/7. [2] إتمام الوفاء، ص: 99-101. [3] إتمام الوفاء، ص: 99-101.

بلادِ عجم پر یورش

نہاوند کی فتح کے بعد مسلمانوں نے عجمی علاقوں پر یورش کر دی۔ اب اہلِ فارس میں مقابلے کی سکت نہیں رہی تھی۔ مسلمان عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق آگے بڑھے اور خونریز معرکے اور جملہ تدابیر کے بعد اصفہان کا شہر ''جَيّ'' فتح کر لیا۔ وہاں کے حکام نے مسلمانوں سے مصالحت کر لی۔ عبداللہ بن عبداللہ نے صلح نامہ لکھا اور انھیں امان دی۔ وہاں کے مقامی لوگوں میں سے تقریباً تیس آدمی کرمان بھاگ گئے۔ انھوں نے مصالحت نہیں کی۔ 21 ہجری میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ''قُم'' اور'' قاشان'' کے علاقے بھی فتح کر لیے۔ بعدازاں سہیل بن عدی نے کرمان فتح کر لیا۔

ہمدان کی فتح (22ھ)

گزشتہ صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ مسلمان جب نہاوند کی فتح سے فارغ ہوئے تو انھوں نے حلوان اور ہمدان بھی فتح کر لیے۔ بعدازاں اہلِ ہمدان نے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور عہد توڑ دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ہمدان کی طرف پیش قدمی کرو۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ''ثنية العسل'' میں پڑاؤ کیا اور اسی علاقے سے ہمدان پر حملہ کر دیا۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے ہمدان شہر کو چاروں طرف

سے گھیر لیا۔ اہلِ ہمدان نے صلح کی درخواست کی۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے قبول کر لی۔ نعیم رضی اللہ عنہ شہر میں بارہ ہزار (12000) افراد کی معیت میں داخل ہوئے۔

دوسری طرف دیلم، رے اور آذر بائیجان کے باشندوں نے باہم عہد و پیمان کیے اور نعیم رضی اللہ عنہ سے مقابلے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ نعیم رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھے۔ ''واج روذ'' کے میدان میں دشمن سامنے آ گیا۔ خونریز جنگ ہوئی۔ یہ جنگ نہاوند کی جنگ سے کم نہیں تھی۔ مشرکین کا جمِ غفیر مارا گیا۔ مقتولین کا کوئی شمار نہ تھا۔ دیلم کا بادشاہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔ اس معرکے میں ایک جمِ غفیر کے مارے جانے کے بعد سب شکست کھا گئے۔ نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ وہ پہلے مسلمان تھے جو اہلِ دیلم سے ٹکرائے اور فتح یاب ہوئے۔[1]

نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے معرکے سے پہلے دشمن کے اجتماع کی خبر عمر رضی اللہ عنہ کو ارسال فرما دی تھی۔ یہ اطلاع پا کر عمر رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے۔ مگر تھوڑے ہی عرصے بعد ایک ایلچی فتح کی خوش خبری لے کر حاضر ہوا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا: کیا تم بشیر (فتح کی نوید لانے والے) ہو؟ اس نے کہا: نہیں! میں عروہ ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ سوال کیا: کیا تم بشیر ہو؟ اب عروہ سمجھ گئے کہ عمر رضی اللہ عنہ کیا پوچھ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: جی ہاں، بشیر ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا تم نعیم اور سماک بن حرب کے ایلچی ہو؟ عروہ نے جواب دیا: میں نعیم رضی اللہ عنہ کا ایلچی ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا خبر لائے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: فتح اور کامیابی کی نوید ہے۔ پھر تمام جنگی واقعات گوش گزار کیے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ایک خط لکھوایا۔ وہ خط لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا گیا۔ سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا۔ پھر سماک بن مخرمہ، سماک بن عبید اور سماک بن خرشہ ایک کوفی وفد کے ساتھ مالِ غنیمت کا خمس لے کر عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے بارے میں پوچھا تو انھیں

---

[1] ترتیب و تهذیب البدایة والنهایة، ص: 160.

بتایا گیا کہ یہ سماک بن مخرمہ، سماک بن عبید اور سماک بن خرشہ ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں برکت عطا فرمائے، پھر دعا کی: اے اللہ! ان لوگوں کی وجہ سے اسلام کو اور زیادہ بلندی اور مضبوطی عطا فرما۔[1]

رَے کی فتح (22ھ)

نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے یزید بن قیس کو اپنا نائب بنایا اور خود رے کی جانب بڑھے، وہاں مشرکین کے بہت بڑے لشکر کا سامنا ہوا۔ دشمن سے رے کے دامن کوہ میں مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے انتہائی پامردی سے مقابلہ کیا۔ دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے دشمن کو بڑی تعداد میں ہلاک کیا۔ اس فتح میں مدائن سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کے برابر غنیمت کا مال حاصل ہوا۔ ابوالفرخان زینبی نے رے کے بارے میں مصالحت قبول کر لی۔ انھیں امان دے دی گئی۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوشخبری اور خمس ارسال فرمایا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.[2]

قُومس اور جُرجان کی فتح (22ھ)

جیسے ہی نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا آدمی رے کی فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت کا خمس لے کر عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، عمر رضی اللہ عنہ نے نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اپنے بھائی سوید بن مقرن کو قومس کی طرف روانہ کر دو۔ سوید قومس کی طرف بڑھا۔ اس کے مقابلے کے لیے کوئی نہیں آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر لڑائی کے بغیر ہی شہر پر قبضہ کر لیا اور اہلِ قومس کو صلح اور امان لکھ کر دے دی۔ جب سوید نے قومس میں پڑاؤ ڈالا تو جرجان، طبرستان وغیرہ شہروں کے باشندوں نے جزیہ پر صلح کرنے کے پیغامات ارسال کیے جو قبول کر لیے گئے اور پھر ہر شہر کے لیے علیحدہ علیحدہ امان نامہ لکھ کر دے دیا گیا۔[3]

---

[1] تاريخ الطبري: 5/134. [2] تاريخ الطبري: 5/136،137. [3] تهذيب البداية والنهاية، ص: 161.

آذر بائیجان کی فتح (22ھ)

جب نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے دوسری مرتبہ ہمدان اور پھر رے کو فتح کیا تو بکیر بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے ہمدان سے آذر بائیجان کی طرف روانہ کیا، پھر اس کے پیچھے سماک بن خرشہ کو بھی روانہ کر دیا (یہ بھیجا جانے والا شخص ابو دجانہ سماک بن خرشہ مشہور صحابی نہیں تھا۔) یہ ساری پیش قدمی عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر کی گئی۔ سماک کے پہنچنے سے قبل ہی اسفندیار بن فرخ زاد کی بکیر اور ان کے ساتھیوں سے جنگ ہو گئی۔ مشرکین کو شکست فاش ہوئی اور اسفندیار کو بکیر نے گرفتار کر لیا۔ بکیر نے اس سے پوچھا: تجھے صلح پسند ہے یا جنگ؟ اس نے جواب دیا: صلح، پھر کہا کہ مجھے اپنے پاس قید رکھو۔ بکیر نے اسے قید میں رکھا اور پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے آذر بائیجان کے علاقے یکے بعد دیگرے فتح کرتے چلے گئے۔ آذر بائیجان کی دوسری طرف سے عتبہ بن فرقد مختلف شہروں کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اسی دوران میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچا کہ بکیر الباب کی طرف پیش قدمی کرے اور ان کی جگہ سماک کو امیر مقرر کیا اور انھیں عتبہ بن فرقد کے زیر کمان کر دیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے آذر بائیجان کا سارا علاقہ عتبہ بن فرقد کی نگرانی میں دے دیا۔ بکیر نے اسفندیار کو عتبہ کے سپرد کر دیا۔

اسفندیار کا بھائی بہرام بن فرُّخ زاد عتبہ بن فرقد کے مقابلے میں آیا۔ وہ عتبہ سے شکست کھا کر بھاگا۔ جب اسفندیار کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً کہا: اب صلح مکمل ہوئی ہے۔ اور جنگ ختم ہو گئی ہے، پھر بہرام نے بھی عتبہ سے مصالحت کر لی۔ اس طرح سارا آذر بائیجان مسلمانوں کا مطیع ہو گیا۔

عتبہ اور بکیر نے عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فتح کی خوشخبری اور خمس روانہ کیا۔ جب آذر بائیجان کی امارت عتبہ کے پاس آئی تو انھوں نے آذر بائیجان کے باشندوں کے لیے

امان اور صلح نامہ لکھ دیا۔[1]

الباب کی فتح (22ھ)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس معرکے کا امیر سراقہ بن عمرو ذی النور کو مقرر کیا۔ سراقہ نے لشکر تیار کیا اور پیش قدمی شروع کر دی۔ جب اس لشکر کا مقدمۃ الجیش عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی زیر قیادت الباب کے بادشاہ کے پاس پہنچا تو شہر براز سے ملاقات ہوئی۔ یہ آرمینیا کا بادشاہ تھا اور اس گھرانے کا فرد تھا جن کے بڑوں نے قدیم زمانے میں بنی اسرائیل کو قتل کیا تھا۔ اس نے عبدالرحمٰن سے امان طلب کی۔ عبدالرحمٰن نے اسے امان نامہ لکھ کر دے دیا۔ وہ عبدالرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں مسلمانوں کی طرف میلان رکھتا ہوں اور ان کا خیر خواہ ہوں۔ عبدالرحمٰن نے فرمایا: مجھ پر ایک سربراہ مقرر ہے۔ وہ میرا امیر لشکر ہے تو اس کے پاس چلا جا، پھر اسے سراقہ کے پاس بھیج دیا۔ اس نے سراقہ سے امان طلب کی۔ سراقہ نے اسے امان عطا کر دی، پھر سراقہ نے بکیر بن عبداللہ لیثی، حبیب بن مسلمہ، حذیفہ بن اسید اور سلمان بن ربیعہ کو آرمینیا کے گرد واقع لان، تفلس اور موقان نامی پہاڑی سلسلوں کی طرف روانہ کیا۔ بکیر نے موقان کو فتح کر لیا اور اہل موقان کے لیے امان نامہ لکھ دیا۔ اسی اثنا میں مسلمانوں کے امیر سراقہ بن عمرو کا انتقال ہو گیا۔ انھوں نے اپنی وفات سے پہلے ہی عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس تقرر کا علم ہوا تو انھوں نے اسے برقرار رکھا اور ترکوں کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔[2]

ترکوں کے خلاف پہلا جہاد

جب عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ترکوں کی طرف پیش قدمی کا

[1] تاريخ الطبري: 5/142,141. [2] تاريخ الطبري: 5/145.

حکم نامہ موصول ہوا تو عبدالرحمٰن آگے بڑھے اور ''الباب'' کو پیچھے چھوڑتے ہوئے پیش قدمی کرنے لگے۔ شہر براز نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: میں ترکوں کے بادشاہ بلنجر پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: ہمیں ان سے صلح کا معاملہ کرنا ہوگا ہم ''الباب'' کے دوسرے کنارے پر ہیں۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنے رسول ﷺ کو بھیجا اور اُن کی زبان پر مدد اور کامیابی کا وعدہ کیا۔ ہم ہمیشہ غالب رہیں گے۔ انھوں نے ترکوں سے جنگ شروع کی اور بلنجر کے علاقے میں تقریباً 200 فرسخ تک آگے بڑھتے چلے گئے۔ انھوں نے تُرکوں پر بہت سے حملے کیے۔ بعد ازاں عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں ترکوں کے ساتھ بہت سے معرکے پیش آئے۔[1]

معرکۂ خراسان (22ھ) اور یزدگرد کا فرار

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ ابھی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے اور یزدگرد پر دباؤ بڑھانا چاہیے کیونکہ وہی ہے جو اہلِ فارس کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احنف رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا اور احنف رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر خراسان کے محاذ پر روانہ کر دیا۔ احنف رضی اللہ عنہ ایک لشکر جرار لے کر خراسان کی طرف بڑھے۔ وہ یزدگرد پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ احنف رضی اللہ عنہ خراسان میں داخل ہو گئے اور ہرات کو بزورِ شمشیر فتح کر لیا۔ انھوں نے وہاں صُحَار عبدی کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود ''مرو شاہجان'' کی طرف بڑھے۔ وہاں یزدگرد مقیم تھا۔ احنف رضی اللہ عنہ نے مطرف بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان رضی اللہ عنہ کو سرخس کی طرف روانہ فرمایا۔ احنف رضی اللہ عنہ مرو شاہجان کے قریب پہنچے تو ان کی آمد کی اطلاع پا کر یزدگرد وہاں سے بھاگ گیا اور ''مرو رُوذ'' چلا گیا۔ احنف رضی اللہ عنہ نے مرو شاہجان فتح کر کے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔

---

[1] تاریخ الطبري:5/142-147.
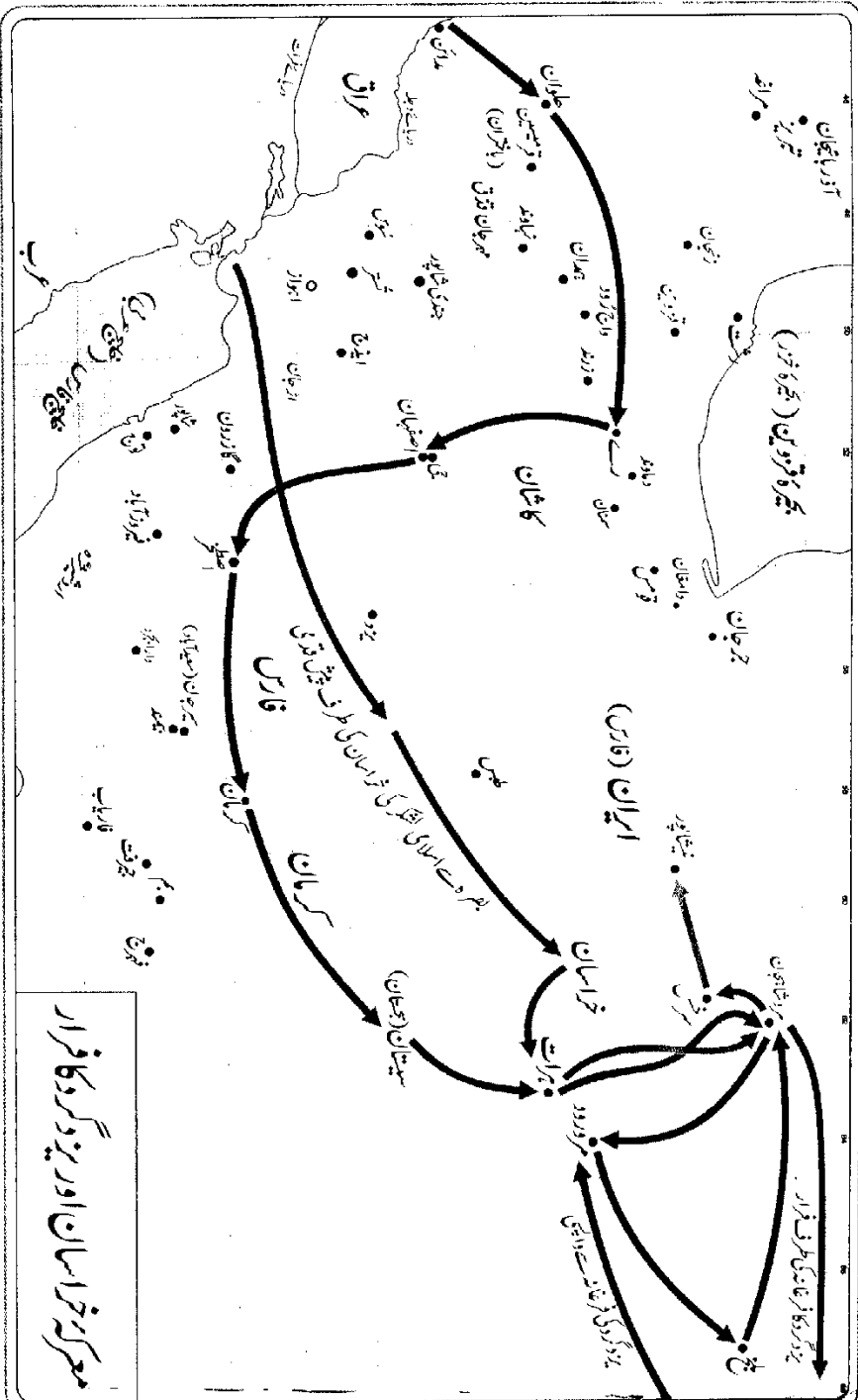
معرکۂ خراسان اور یزدگرد کا فرار
آذربائیجان
تبریز
مراغہ
بحیرۂ قزوین (بحیرۂ خزر)
جرجان
زنجان
قزوین
دامغان
قومس
دماوند
رے
سمنان
ایران (فارس)
نیشاپور
سرخس
مروشاہجان
بلخ
یزدگرد کا فرغانہ کی طرف فرار
یزدگرد کی فرغانہ سے واپسی
مروروذ
ہرات
خراسان
واج رُود
زرند
ہمدان
جلوان
قرمیسین
(باختران)
نہاوند
مہرجان قذق
کاشان
مدائن
جندی شاپور
دریائے دجلہ
عراق
سُوس
تُستر
ایذج
اصفہان
طبس
یزد
بصرے سے اسلامی لشکر کی خراسان کی طرف پیش قدمی
سیستان (بحستان)
اہواز
ارجان
دریائے فرات
کرمان
فارس
گازرون
اصطخر
شاپور
سیرجان (سعید آباد)
بم
نیمند
فہرج
دارابجرد
جیرفت
فاریاب
فیروزآباد
عرب

نقشہ: 21

یزدگرد نے ''مرو رُوذ'' میں قیام کے دوران میں شاہ ترک، شاہ صغد اور شاہ چین سے مدد مانگی۔ احنف رضی اللہ عنہ نے مرو رُوذ کی طرف پیش قدمی کی اور مروشاہجان میں حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ حضرت احنف رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ سے چار امراء کی زیرکمان کمک پہنچ گئی۔ یزدگرد کو یہ اطلاع ملی تو وہ وہاں سے بھی بھاگ نکلا اور بلخ جا پہنچا۔ بلخ کے میدان میں مسلمانوں اور مجوسی افواج کا آمنا سامنا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کیا۔ یزدگرد اور اس کی فوج کے بچے کھچے افراد دریائے جیحون عبور کر کے فرار ہو گئے۔ اس طرح خراسان کا سارا علاقہ احنف رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہو گیا اور وہاں مسلمانوں کے پاؤں مضبوطی سے جم گئے۔ احنف رضی اللہ عنہ نے ہر مفتوحہ علاقے میں ایک امیر مقرر فرمایا اور خود واپس مرو رُوذ آ گئے۔ یہاں انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلادِ خراسان کی فتح کا حال لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احنف رضی اللہ عنہ کو دریا عبور کرنے سے روک دیا اور حکم دیا کہ آپ بلادِ خراسان کے مفتوحہ علاقوں کی تنظیم نو کر کے انھیں محفوظ بنائیں۔

یزدگرد کا ایلچی جب سلاطین ترک و چین کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی لیکن جب یزدگرد خود دریائے جیحون عبور کر کے اُن کے شہروں میں پہنچا تو انھیں اس کی مدد کرنی پڑی۔ یزدگرد کی مدد کے لیے خاقان آگے بڑھا اور بلخ سے ہوتا ہوا مرو رُوذ پہنچا۔ حضرت احنف رضی اللہ عنہ کوفہ اور بصرہ سے آنے والی کمک کے ساتھ خاقان سے مقابلے کے لیے نکل پڑے۔ مجاہدین کی نفری صرف بیس ہزار (20,000) تھی۔ حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے اچانک ایک آدمی کو دوسرے سے باتیں کرتے سنا وہ کہہ رہا تھا: اگر ہمارا امیر دانشمندانہ رائے والا ہوا تو وہ اس پہاڑ کے سامنے پڑاؤ ڈالے گا۔ وہ پہاڑ کو اپنی پشت کی طرف رکھے گا اور یہ دریا اس کے گرد خندق کا کام دے گا۔ اس طرح دشمن صرف ایک ہی راستے سے آنے پر مجبور ہو گا۔ صبح ہوئی تو حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے بعینہ اسی مقام پر صف آرا ہونے کا حکم دیا۔ یہ یقینی فتح اور کامیابی کی علامت تھی۔

ترک اور اہلِ فارس ایک بھیانک لشکر کے ساتھ میدان میں اُتر آئے۔ اس موقع پر حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ انھوں نے فرمایا: «إِنَّكُمْ قَلِيلٌ وَّعَدُوُّكُمْ كَثِيرٌ فَلَا يُهَوِّلَنَّكُمْ» ''بلاشبہ تم تعداد میں تھوڑے ہو تمھارے دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خبردار! ان کی کثرت تمھیں خوفزدہ نہ کرنے پائے۔'' پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ○﴾

''کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''[1]

لڑائی شروع ہوگئی۔ ترک صبح کو لڑتے تھے اور رات کو نہ جانے کہاں چلے جاتے تھے۔ ایک رات احنف رضی اللہ عنہ اپنے چند بہادر سپاہیوں کے ساتھ خاقان کے تعاقب میں گئے۔ جب صبح کا وقت ہوا تو ایک ترکی شہسوار سامنے آیا۔ اس نے طوق پہن رکھا تھا۔ اس نے طبلِ جنگ بجانا شروع کیا۔ احنف رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ ابھی دو ضربوں ہی کا تبادلہ ہوا تھا کہ حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر ڈالا۔ وہ اس وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

''بلاشبہ ہر امیر پر لازم ہے کہ وہ اپنا نیزہ دشمن کے خون سے رنگے یا اُسے دشمن ہی پر وار کر کے توڑ ڈالے۔''

''بلاشبہ اس نیزے کے لیے دشمن کا ایک قابل فخر آدمی ہے۔ وہ اس نیزے کی بجائے ابوحفص کی باقی رہنے والی تلوار کا شکار ہوگا۔''

پھر انھوں نے اس ترکی کا طوق قبضہ میں لے لیا اور اپنی جگہ کھڑے ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد دوسرا ترکی نکلا اس کے سر پر بھی طوق تھا۔ وہ بھی طبلِ جنگ بجا رہا تھا۔ احنف رضی اللہ عنہ نے اسے بھی قتل کر دیا اور اس کا طوق بھی قبضے میں لے کر اپنی جگہ کھڑے ہوگئے۔ پھر

---

[1] البقرۃ 2:249.

تیسرے ترک کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ بعدازاں احنف رضی اللہ عنہ تیزی سے اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔ ترکوں کو اس ماجرے کی خبر ہی نہ ہوئی۔ ترکوں کا طریقۂ کار یہ تھا کہ لشکر کے حرکت میں آنے سے پہلے ان کے تین تجربہ کار عمر رسیدہ فوجی طبلِ جنگ بجاتے ہوئے نکلتے تھے۔ بعد میں باقی لشکر آگے بڑھتا تھا۔ ترکوں نے جب اپنے تین شہسواروں کی لاشیں دیکھیں تو شاہ خاقان نے اس امر کو منحوس تصور کیا۔ اس نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا: یہاں ہمارا قیام لمبا ہو چلا ہے۔ جس مرتبے پر یہ عرب قوم پہنچ چکی ہے، ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس قوم سے جنگ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا تم سب واپس چلے جاؤ! چنانچہ خاقان کا سارا لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔[1]

مسلمانوں نے احنف رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: ان لوگوں کے تعاقب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ احنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ ان لوگوں کے تعاقب کا خیال چھوڑ دو۔

حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ صحیح کیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ «اُتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوكُمْ» ''ترکوں سے اس وقت تک تعرض نہ کرو جب تک کہ وہ تم سے تعرض نہ کریں۔''[2]

﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴾

''اور (غزوۂ احزاب میں) اللہ نے کافروں کو ان کے (ناکامی کے) غصے میں لوٹا دیا، وہ کوئی خیر و بھلائی نہ پا سکے، اور (اس) لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔''[3]

[1] تاريخ الطبري: 159/5. [2] المعجم الكبير للطبراني، علامہ البانی نے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔ سلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث: 1747. [3] الأحزاب 25:33.

اس طرح کسریٰ اپنے ارادوں میں ناکام ہو گیا۔ اسے امید کی کوئی کرن نظر نہ آئی۔ نہ وہ اپنے کسی ارادے کو عملی جامہ پہنا سکا حتی کہ اس کی مدد کے لیے آنے والے بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ کڑی آزمائش کے وقت اس سے منہ موڑ گئے۔ اب وہ گومگو کی کیفیت سے دوچار تھا۔

﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ ﴾

''اور جسے اللہ گمراہ کردے پھر تو اس کے لیے کبھی کوئی راستہ نہ پائے گا۔''[1]

یزدگرد حیران تھا کہ اب کیا کرے اور کہاں جائے۔ اب اس نے چین کے بادشاہ سے مدد طلب کی۔ شاہ چین نے کسریٰ کے آنے والے نمائندے سے ان حملہ آور عربوں کے اوصاف پوچھے۔ اس نے کہا کہ مجھے ان لوگوں کے اوصاف اور رہن سہن کے طریقے مکمل تفصیل سے سناؤ، جنھوں نے اتنے وسیع علاقے فتح کر لیے اور مجوسیوں پر قہر بن کر ٹوٹ پڑے۔ ایلچی نے عربوں کے مکمل اوصاف بتائے۔ اس نے بتایا کہ وہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ اس نے نماز کی کیفیت بھی بیان کی اور ان کی زندگی کے دیگر معمولات بھی گوش گزار کیے۔ یہ باتیں سن کر شاہِ چین نے یزدگرد کو لکھا کہ مجھے اپنی ذمہ داری کا مکمل احساس ہے۔ میں چاہوں تو اتنا بڑا لشکر تیری مدد کے لیے ارسال کر دوں کہ اس کا اگلا حصہ مرو (شاہجان) اور پچھلا چین میں ہو گا۔ لیکن مجھے عربوں کے جو اوصاف بتائے گئے ہیں ان کے پیشِ نظر میں کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے سرکانا چاہیں تو سرکا سکتے ہیں۔ اگر میں ایسی نادر صفات والے لوگوں کے مقابل تیری مدد کے لیے آؤں تو یہ لوگ مجھے بھی شکست دے دیں گے، اس لیے میری نصیحت یہ ہے کہ تو ان لوگوں سے مصالحت کر لے۔

[1] النسآء 4:88.

کسرٰی اور آلِ کسرٰی مختلف علاقوں کی خاک چھانتے رہے اور ذلیل و خوار ہوتے رہے حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یزدگرد کو قتل کر دیا گیا۔[1]

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے جب فتح کی خوشخبری اور کسرٰی اور ان کے اتحادیوں سے حاصل شدہ مال غنیمت مدینہ روانہ فرمایا اور تفصیل لکھی کہ کس طرح انھوں نے یہ کٹھن معرکہ سر کیا ہے اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے لڑے بغیر ہی کافروں کو ان کے کینے سمیت واپس بھگا دیا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لے آئے اور لوگوں کو احنف رضی اللہ عنہ کا مکتوب پڑھ کر سنایا، پھر فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دے کر مبعوث فرمایا اور ان کی اتباع ہی میں دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا یقین دلایا اور فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

”وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، خواہ مشرکین کو برا ہی لگے۔“[2]

اللہ کا شکر ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے لشکروں کی مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے مجوسی سلطنت نیست و نابود کر دی۔ اُن کا شیرازہ بکھیر دیا۔ آج وہ اپنے ملک کی ایک بالشت جگہ کے بھی مالک نہیں رہے۔ اب وہ مسلمانوں کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان کی زمین، علاقوں، اموال اور افراد کا مالک بنا دیا۔ اللہ رب العزت یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اب تم کیسے عمل کرتے ہو۔ تم اللہ عزوجل کے احکام پر مضبوطی سے عمل کرو۔ وہ اپنا میثاق نبھائے گا اور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ تم اس عہد و پیمان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی مت کرنا، ورنہ اللہ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو یہ زمین عطا فرما دے گا یا دوبارہ پہلے لوگوں کے حوالے کر دے گا۔[3]

[1] تاريخ الطبري: 5/160. [2] التوبة 9:33. [3] تاريخ الطبري: 5/162، 163.

اصطخر کی فتح (23ھ)

مسلمانوں نے دوسری مرتبہ 23 ہجری میں اصطخر فتح کیا۔ اصطخر والوں نے علاء بن حضرمی کے ساتھ کیے گئے عہدو پیمان توڑ دیے تھے۔ حضرت علاء نے اصطخر کو بحرین کی سرزمین سے براستہ سمندر فتح کیا تھا۔ مسلمانوں اور سپاہِ فارس کے مابین طاؤس کے میدان میں معرکہ ہوا تھا۔ وہاں کے حاکم ہربذہ نے امان طلب کی تھی اور جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا، پھر شہرک نے یہ عہد توڑ ڈالا۔ اس نے اہلِ فارس کو نئے سرے سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ترغیب دی۔ اہلِ فارس نے شہرک کی انگیخت پر عہدو پیمان توڑ ڈالا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ، ان کے بیٹے اور بھائی حکم کو اس مہم پر اصطخر روانہ فرمایا۔ مسلمانوں اور سپاہِ فارس کے درمیان جنگ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مشرکین کو شکست سے دوچار فرمایا اور حکم بن ابی العاص نے شہرک کو قتل کر دیا۔[1]

دارا بجرد (فسا) کی فتح (23ھ)

ساریہ بن زُنیم نے مسلمانوں کی طرف سے دارا بجرد کی طرف پیش قدمی کی۔ دارا بجرد ایک صوبہ تھا اور اس کا سب سے بڑا شہر ''فسا'' تھا۔ مقابلے میں اہلِ فارس اور کردوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر سامنے آیا۔ اس بڑے لشکر کی وجہ سے اچانک مسلمانوں پر ایک مصیبت آن پڑی۔ اسی رات عمر رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ دن کا وقت ہے، مذکورہ معرکہ جاری ہے، انھوں نے دشمنوں کی فوجوں کو بھی دیکھا کہ وہ ایک بڑے صحرا میں موجود ہیں۔ وہاں ایک پہاڑ ہے۔ اگر مسلمان اس طرف پشت کر لیں تو اس صورت میں دشمن صرف ایک طرف سے آسکتا تھا۔

---

[1] تاريخ الطبري: 5/166.

اصطخر، دارابجرد اور فسا کی فتح
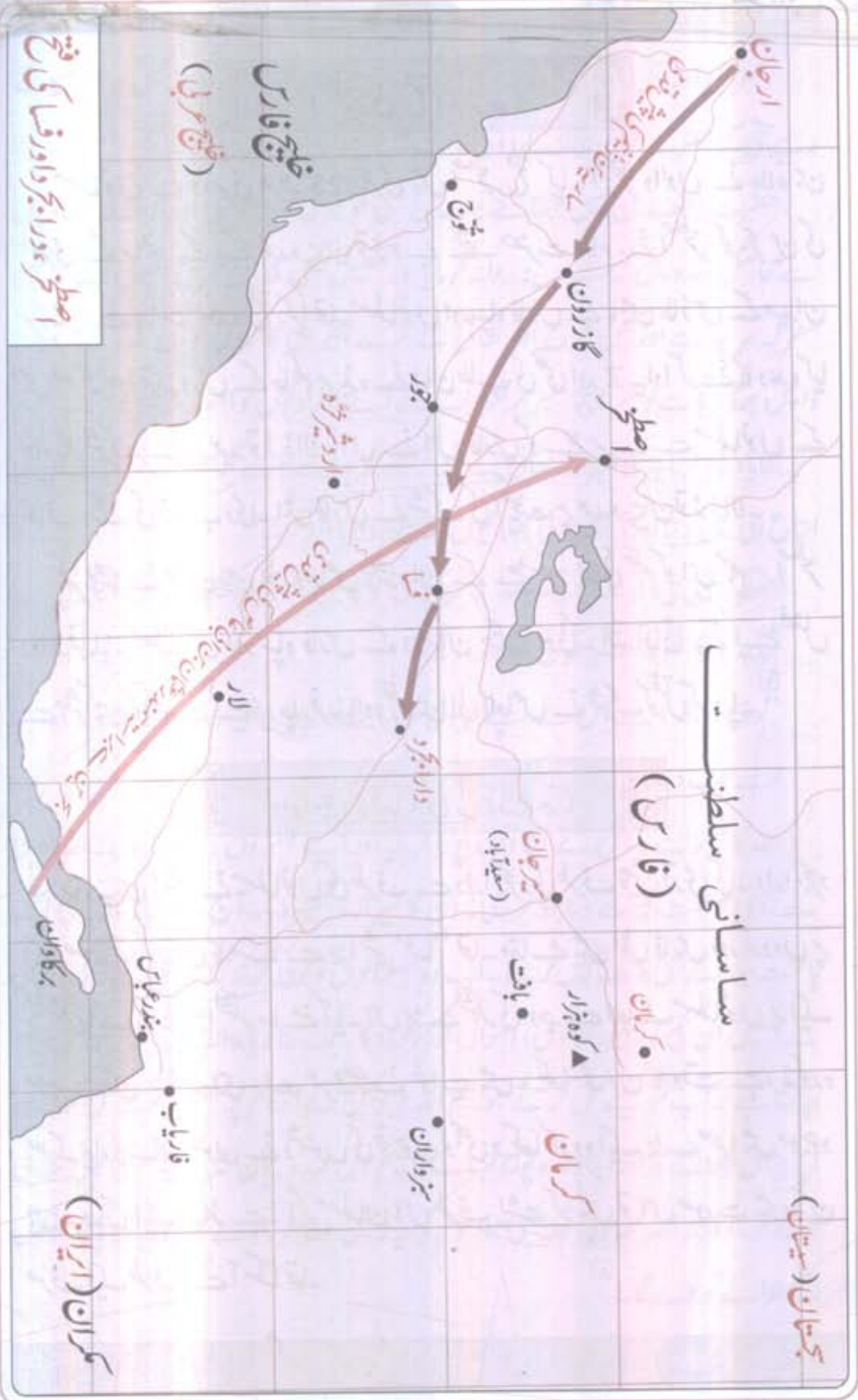
عمر رضی اللہ عنہ نے صبح ہوتے ہی لوگوں کو نماز کے لیے جمع فرمایا۔ جب وہ وقت آیا جو انھوں نے خواب میں دیکھا تھا تو منبر پر تشریف لے آئے۔ لوگوں کو خطبہ دیا۔ انھیں اپنے خواب سے آگاہ فرمایا، پھر فرمایا: «يَا سَارِيَةُ! اَلْجَبَلَ» ''اے ساریہ! پہاڑ کی طرف بڑھو!'' پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اللہ کے لشکر بہت زیادہ ہیں، ہوسکتا ہے کوئی میری آواز وہاں پہنچا دے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اللہ کے لشکروں نے فی الواقع عمر رضی اللہ عنہ کی آواز میدانِ کارزار تک پہنچا دی۔ اللہ نے مدد کی اور شہر فتح ہوگیا۔[1]

کرمان اور سجستان کی فتح (23ھ)

کرمان 23 ہجری کو سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔[2] ایک روایت کے مطابق یہ شہر عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی کے ہاتھوں فتح ہوا۔

بعض مؤرخین سجستان کی فتح کا سہرا عاصم بن عمرو کے سر باندھتے ہیں کہ انھوں نے انتہائی خونریز معرکہ آرائیوں کے بعد اسے فتح کیا۔ سجستان ایک وسیع علاقہ تھا جو سندھ سے دریائے بلخ (جیحون) تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ قندھاریوں اور ترکوں سے ان سرحدوں کے پیچھے سے جنگ کرتے تھے۔[3]

مکران کی فتح (23ھ)

23 ہجری میں حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مکران فتح ہوا۔ حکم کی امداد کے لیے شہاب بن مخارق متعین ہوئے۔ بعد ازاں سہیل بن عدی اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان بھی ان

---

① تاريخ الطبري: 169,168/5، و شرح أصول اعتقاد أهل السنة، رقم: 2537، علامہ البانی نے اس روایت کو مشکاۃ المصابیح کے حاشیے میں حسن کہا ہے۔ مشكاة المصابيح: 1678/3، حديث: 5954، وتهذيب البداية والنهاية، ص: 170. ② تهذيب البداية والنهاية، ص: 171. ③ تهذيب البداية والنهاية، ص: 171.

سے جا ملے۔ شاہ سندھ سے شدید جنگ ہوئی۔ اللہ نے سندھی لشکروں کو شکست سے دوچار کیا۔ مسلمانوں کو اس فتح میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ حکم بن عمرو نے فتح کی خوشخبری اور مالِ غنیمت کا خمس صحار عبدی کے ہاتھ عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ جب صحار عبدی مدینہ پہنچے تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے سرزمین مکران کی علاقائی اور سماجی معلومات دریافت کیں۔ انھوں نے جواب دیا: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَرْضٌ سَهْلُهَا جَبَلٌ، وَمَائُهَا وَشَلٌ، وَتَمْرُهَا دَقَلٌ، وَعَدُوُّهَا بَطَلٌ، وَخَيْرُهَا قَلِيلٌ، وَشَرُّهَا طَوِيلٌ، وَالْكَثِيرُ بِهَا قَلِيلٌ، وَّالْقَلِيلُ بِهَا ضَائِعٌ وَمَا وَرَائَهَا شَرٌّ مِنْهَا. ''اے امیر المومنین! وہ پہاڑی علاقہ ہے۔ اس میں پانی تھوڑا ہے۔ کھجوریں انتہائی ردی ہیں۔ دشمن دلیر ہے۔ خیر کم ہے۔ شر زیادہ ہے۔ وہاں کا زیادہ سامان بھی کم اور ناکارہ ہے۔ اس کے علاوہ جو تفصیلات ہیں وہ اس سے بھی بدتر ہیں۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم مسجع کلام کرنے والے ہو یا خبر دینے والے؟ انھوں نے کہا: میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ خبر ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اب مکران سے آگے تجاوز نہ کرو۔ دریا کے اس پار ہی رہو۔[1]

کردوں کے خلاف جنگ

علامہ ابن جریر اپنی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ کردوں اور اہل فارس کی متحدہ جماعت نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کا ارادہ کیا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نہر تیری کے قریب واقع بیروذ نامی جگہ کی طرف بڑھے۔ وہاں سے وہ اصفہان چلے گئے۔ اس جنگ کی کمان مہاجر بن زیاد کی شہادت کے بعد ربیع بن زیاد کو سونپ دی۔ ربیع نے کمان سنبھالتے ہی دشمن کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست فاش سے دوچار

[1] تاريخ الطبري: 5/172-174.

عراق اور بلادِ مشرق کی فتوحات
☆ اوائل اسلام کا ایرانی شہر قرمیسین بعد میں کرمان شاہ کہلایا اور ان دنوں وہ باختران کے نام سے مشہور ہے۔
☆ اسلامی فتوحات کے وقت ہخا منشی دور کا دارالحکومت تخت جمشید سکندر اعظم کے ہاتھوں کھنڈر بن چکا تھا اور اس کے شمال مشرق میں اصطخر نے اس کی جگہ لے لی تھی جسے بعد میں تاتاریوں نے تباہ کر دیا۔ اسلامی دور میں ان دونوں کے جنوب مغرب میں شیراز کا شہر آباد ہوا۔
موجودہ بین الاقوامی سرحد
اہم شہر
شہر
شاہراہ
دریا
تاریخی کھنڈر
نمکین جھیل
بحیرۂ خزر (بحیرۂ کیسپین)
خراسان
دشت کویر
فارس (ایران)
افغانستان
پاکستان
عراق
خلیج فارس
(خلیج عربی)
بلوچستان
مکران (پاکستان)
مکران (ایران)
دشت مرگ
ریگستان
نمکزار شداد
دشت لوط
سیستان
کرمان
اصفہان
ہمدان
سمنان
بغداد
موصل
الجزیرہ
صحرائے ساوہ
مرو
نہر قرہ قم
ہرات
قندھار
شیراز
یزد
طبس
کاشان
قزوین
زنجان
تبریز
اربیل
کرکوک
نہاوند
کوفہ
نجف
حیرہ
قادسیہ
بصرہ
اہواز
شوشتر
انبار
مدائن

23 : 47

فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا سید المرسلین ﷺ کے متبعین میں سے نیک بندوں اور فلاح پانے والوں سے یہی معاملہ رہا ہے اور اس کا ان سے یہی وعدہ ہے کہ وہ انھیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرتا رہے گا۔ ربیع بن زیاد نے فتح کی خوشخبری اور خمس عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔[1]

اس طرح عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عراق اور ایران کے علاقے فتح ہوئے، مسلمانوں نے ان علاقوں میں اہلِ فارس کی طرف سے عہد شکنی کے امکان کی وجہ سے مختلف مقامات پر فوجی چوکیاں اور چھاؤنیاں قائم کیں۔ ان علاقوں کی فتوحات بہت مشکل تھیں۔ مسلمانوں نے ان فتوحات میں نہایت عظیم الشان قربانیاں دیں۔

اہلِ عرب اور ان علاقوں کے باشندوں کے مابین رنگ، نسل اور خون کا فرق تھا۔ ایران کی فارسی زبان، ادب اور ثقافت کسی لحاظ سے بھی عربوں سے مشابہ نہ تھی۔ ایرانی انتہائی متعصب تھے۔ وہ اپنی قومیت پر بڑا فخر کرتے تھے۔ ان کی تاریخ اور ثقافت نہایت قدیم تھی۔ جنگ و جدل میں وہ بہت تیز تھے۔ وطن کے لیے جان قربان کر دیتے تھے۔ مجوسیت پر یقین رکھنے والے لوگ اہلِ وطن کو ہمیشہ یکجان ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان مفتوحہ علاقوں میں مجاہدین کی چوکیاں قائم کرنے کے ساتھ ساتھ کوفہ اور بصرہ جیسے شہر بھی بسائے گئے۔ ان شہروں کا قیام دفاعی نقطۂ نظر سے عمل میں لایا گیا۔ یہ ظاہر و باہر حقیقت تھی کہ ان علاقوں کے مکینوں کی فطرت میں انتقام شامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان مفتوحہ علاقوں میں عہد شکنی اور بغاوت کے واقعات پیش آئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انھیں دوبارہ مغلوب کیا گیا۔[2]

---

[1] تهذيب و ترتيب البداية والنهاية، ص: 172. [2] عصر الخلافة الراشدة، ص: 340,339.

مشرقی علاقوں اور عراقی فتوحات سے حاصل ہونے والے فوائد

آیات اور احادیث کا مجاہدین کے دلوں پر اثر

ان آیات اور احادیث نے جن میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے، مجاہدین اسلام کے دلوں پر اپنا نقشِ دوام ثبت کر دیا۔

❊ اللہ عزوجل نے اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرمایا کہ مجاہدین کی نقل و حرکت پر انھیں اجر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

”اہلِ مدینہ اور ان کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں کے لائق نہیں تھا کہ وہ (جہاد میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ (جائز) کہ اپنی جانوں کو نبی کی

جان سے زیادہ عزیز رکھیں، یہ اس لیے کہ بلاشبہ یہ وہ (لوگ) ہیں کہ انھیں اللہ کی راہ میں جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک (کی تکلیف) پہنچتی ہے، اور وہ جو بھی ایسی جگہ روندتے ہیں جو کافروں کو سخت ناگوار ہو اور وہ دشمن سے جو بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں، اس کے بدلے میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے، بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور وہ جو بھی تھوڑا اور زیادہ خرچ کرتے ہیں اور وہ جو بھی وادی طے کرتے ہیں وہ (سب) ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ انھیں ان کاموں کی بہترین جزا دے جو وہ کرتے ہیں۔''[1]

❊ اس امت کے ان ابتدائی نفوس قدسیہ نے یقین کرلیا تھا کہ جہاد ایک زبردست نفع بخش تجارت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

''اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے نجات دے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ وہ (اللہ) تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور پاکیزہ محلات میں (جو) ہمیشہ

[1] التوبۃ 9: 121,120۔

رہنے والی جنتوں میں ہیں، یہ ہے عظیم کامیابی۔ اور ایک اور چیز ہے جسے تم پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور فتح قریب، اور مومنوں کو بشارت دے دیجیے۔"[1]

❊ وہ یہ حقیقت خوب جان گئے تھے کہ جہاد مسجد حرام کی آباد کاری اور حجاج کرام کو پانی پلانے سے بھی زیادہ افضل عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس شخص کے (اعمال کے) مانند قرار دے رکھا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہو سکتے، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اللہ کے ہاں درجے میں (وہ) سب سے بڑھ کر ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب انھیں اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک، بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔"[2]

❊ ان کا اعتقاد تھا کہ جہاد ہر حال میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] الصف 61:10-13. [2] التوبة 9:19-22.

﴿ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے بس ایک (فتح یا شہادت) کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمھارے حق میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تمھیں اپنے پاس سے عذاب دے یا ہمارے ہاتھوں (عذاب دلوائے)، چنانچہ تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی تمھارے ساتھ منتظر ہیں۔''[1]

❊ انھیں کامل یقین تھا کہ شہید زندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل عطا ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں، اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''[2]

❊ وہ اپنے اس بالیدہ مقصد کو خوب جانتے تھے جس کے لیے وہ برسرِ پیکار تھے۔ اللہ تعالیٰ

---

① التوبة 9:52. ② آل عمرٰن 3:169-171.

نے ارشاد فرمایا:

﴿ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ اَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا ۝ اَلَّذِينَ اٰمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ۝ ﴾

''پھر جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی بیچ چکے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ اللہ کے راستے میں لڑیں، اور جو شخص اللہ کے راستے میں لڑے، پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آجائے تو ہم جلد اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔ اور (اے مسلمانو!) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے، جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال کہ اس کے باشندے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی بھیج، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار بھیج۔ جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ طاغوت (شیطان) کی راہ میں لڑتے ہیں، چنانچہ تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو، بے شک شیطان کی چال بڑی کمزور ہے۔''[1]

احادیث مبارکہ نے بھی جہاد کی فضیلت خوب روشن کر دی۔ احادیثِ جہاد نے مجاہدین کے احساساتِ ذمہ داری بیدار کر دیے، پھر ان کے جوہر ابھر کر سامنے آئے۔

---

[1] النسآء 4:74-76.

❁ ان احادیث میں سے ایک روایت وہ ہے جسے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا: سب سے بہتر اور افضل لوگ کون ہیں؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مُؤْمِنٌ يُّجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِنَفْسِهِ وَ مَالِهِ»

''ایسا مومن جو اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا ہے۔''[1]

❁ نبی ﷺ نے مجاہدین کے درجات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَ أَعْلَى الْجَنَّةِ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں مجاہدین کے لیے سو (100) درجات تیار کر رکھے ہیں۔ ایک درجے سے دوسرے درجے کا فاصلہ زمین و آسمان جتنا ہے، پس جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس کا سوال کرو، جنت الفردوس تمام جنتوں سے عالی شان اور بلند ترین مقام ہے۔''[2]

❁ نبی ﷺ نے شہداء کے شرف و عظمت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

«اِنْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيمَانٌ بِي وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِي أَنْ أُرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي مَا قَعَدْتُّ خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَّ لَوَدِدْتُّ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ»

''اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ لیا ہے کہ جو شخص میرے راستے میں نکلتا ہے اور میرے

---

[1] صحيح البخاري، حديث:2786. [2] صحيح البخاري، حديث:2790.

راستے میں صرف مجھ پر ایمان لانے اور میرے ہی رسولوں پر یقین رکھنے کے باعث نکلتا ہے کہ میں اسے اجر و غنیمت کے ساتھ واپس لاؤں گا یا جنت میں داخل فرماؤں گا۔ اگر میری امت پر مشقت نہ ہوتی تو میں کسی بھی لشکر سے پیچھے نہ رہتا اور میری شدید خواہش ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔‘‘[1]

❁ نبی ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

«مَا أَحَدٌ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ يَتَمَنّٰى أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِّمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ»

’’شہید کے سوا کوئی فرد جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا کی طرف واپسی کو پسند نہیں کرے گا اگرچہ اس کو ساری دنیا دے دی جائے۔ سوائے شہید کے۔ وہ اپنی شہادت کی وجہ سے ملنے والی عزت کو دیکھ کر آرزو کرے گا کہ میں دنیا میں پھر واپس چلا جاؤں اور اللہ کے راستے میں دس مرتبہ شہید کیا جاؤں۔‘‘[2]

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں جن سے کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے طریقے پر چلنے والے مسلمان بے حد متاثر ہوئے۔ وہ جہاد کے اس قدر دھنی نکلے کہ بوڑھے ہوگئے مگر ان کے دل سے ذوقِ جہاد محو نہ ہوسکا۔ لوگ ان پر ترس کھاتے تھے اور انھیں آرام کرنے کا مشورہ دیتے تھے کیونکہ اب وہ بڑھاپے کی وجہ سے معذور ہوگئے تھے لیکن وہ پھر بھی جہاد سے پیچھے نہیں رہتے تھے۔ وہ جواب دیتے تھے کہ ہمیں سورۂ توبہ آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ ہمیں کسی معرکے میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے نفاق کا ڈر لگا رہتا ہے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 36. [2] صحيح البخاري، حديث: 2817. [3] الجهاد في سبيل الله للقادري :1/145.

جہاد فی سبیل اللہ کے ثمرات

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ عہد خلافت راشدہ میں یہ حقیقت عظمیٰ بخوبی سمجھ گئے تھے کہ جہاد فی سبیل اللہ ہی میں امتِ مسلمہ کی بقا کا راز مضمر ہے، لہٰذا وہ اس فریضے کی ادائیگی کے لیے عراق، ایران، شام، مصر اور شمالی افریقہ تک کی مہمات میں شریک ہوئے۔ انھوں نے پے در پے عظیم قربانیوں سے فریضۂ جہاد قائم کر کے یہ ثمرات و برکات حاصل کیے:

① امت اسلامیہ پوری نوع انسانی کی قیادت و امامت کی اہل بن گئی۔

② کفار کی شان و شوکت اور دبدبہ خاک میں مل گیا، وہ ذلیل ہوگئے اور ان کے دلوں میں اسلام کا رعب بیٹھ گیا۔

③ دعوتِ اسلام کی سچائی روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی اور لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کو مزید اعزاز و اکرام نصیب ہوا اور کفار رسوا ہوگئے۔ انھوں نے غیر مسلموں کو اپنے عدل و انصاف اور فیاضی کا گرویدہ بنا کر اسلام کی طرف مائل کر لیا۔[1]

قوانین الٰہیہ پر عمل کرنے کے عظیم نتائج

مشرقی علاقوں اور عراقی فتوحات کا محقق جب بھی مسلمانوں کی عظیم الشان فتوحات کا سبب ڈھونڈے گا اور اس دور کے مختلف معاشروں، قوموں اور ان کے ملکوں کا ماضی چھانے گا تو اس پر یہ بھید کھل جائے گا کہ کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی فتح مندی کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ قوانینِ ربانی پر مکمل طور پر عمل کرتے تھے۔ ان قوانین میں سے چند مندرجہ ذیل تھے:

---

① الجهاد في سبيل الله للقادري:2/411-482.

بھرپور اسباب کا استعمال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ ﴾

"اور ان (کافروں کے مقابلے) کے لیے تم مقدور بھر قوت (تیروتفنگ) اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو ڈرائے رکھو جنھیں تم نہیں جانتے (مگر) اللہ انھیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمھیں (اس کا) پورا پورا ثواب دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"[1]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس آیت پر مکمل طور پر عمل کیا اور دشمن کے خلاف تمام تر مادی اور روحانی اسباب بھرپور طور پر استعمال فرمائے۔

مزاحمت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

"اور اگر اللہ انسانوں کے ایک (گروہ) کو دوسرے (گروہ) کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو یقیناً ساری زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن اللہ جہان والوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔"[2]

[1] الأنفال 8:60. [2] البقرۃ 2:251.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کردہ یہ قانونِ مزاحمت عمومی طور پر تمام فتوحات میں صاف نظر آتا ہے کہ یہ قانون اللہ تعالیٰ کے اہم ترین کونی قوانین سے ہے جو اس کی مخلوق میں نافذ ہے اور امت مسلمہ کے اقتدار کے لیے بھی اسے اہم ترین قانون قرار دیا گیا ہے۔ امت مسلمہ کے ان پیشرو افراد نے اللہ تعالیٰ کے اس کونی قانون کو بھرپور طریقے سے اپنایا اور اس حقیقت کا یقین کامل رکھا کہ حق و صداقت کو مضبوط عزائم، زور بازو، مشفق دل اور قوی اعصاب کی ضرورت ہوتی ہے، اسے ہر وقت انسانی کاوش درکار رہتی ہے کیونکہ ازل سے اللہ تعالیٰ کا یہی قانون اس دنیا میں نافذ چلا آرہا ہے۔[1]

آزمائش

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○ ﴾

”کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک تمھیں ان لوگوں کے مانند (مشکلیں) پیش نہیں آئیں جو تم سے پہلے گزرے، انھیں سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے، کہنے لگے: اللہ کی مدد کب آئے گی؟ آگاہ رہو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔“[2]

عراقی فتوحات کے دوران میں جو معرکہ ابو عبید ثقفی کی زیر قیادت لڑا گیا۔ مسلمانوں کو بڑی صبر آزما آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اسلامی لشکر کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ نئے سرے سے پھر صف بندی کی گئی۔ اس کے بعد اہلِ فارس کے خلاف

---

[1] لقاء المؤمنین لعدنان النحوي: 117/2. [2] البقرة 214:2.

بڑی بڑی فتوحات نصیب ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾

''البتہ تم ضرور اپنے اموال اور جانوں کے بارے میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔''[1]

قابل ذکر بات یہ ہے کہ مسلمانوں پر آنے والی آزمائشوں سے ان میں مزید پختگی اور مضبوطی آئی۔[2]

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ عقائد، دعوت و تبلیغ، اموال اور جسم و جان کے بارے میں آزمائش کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے اور صبر، ہمت اور مضبوط ارادے سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔[3]

ظالموں کا انجام

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ○ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ○ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○ ﴾

''(اے نبی!) یہ کچھ خبریں ان (تباہ شدہ) بستیوں کی ہیں جو ہم آپ کو سناتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کچھ تہس نہس کر دی گئیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انھوں نے (خود ہی) اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، تو ان کے وہ معبود جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے ان کے کسی کام نہ آئے جب آپ کے رب کا

---

[1] آل عمرٰن 3:186. [2] التمكين للأمة الإسلامية في ضوء القرآن الكريم، ص: 237. [3] تبصير المؤمنين بفقه النصر و التمكين للصلابي، ص: 456.

حکم (عذاب) آ پہنچا، بلکہ انھوں نے ان کو تباہی میں ہی زیادہ کیا۔ اور (اے نبی!) آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ نہایت دردناک (اور) شدید ہے۔''[1]

ظالم اقوام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا مقرر شدہ قانون ان کی ہلاکت ہے۔ سلطنت فارس نے اپنی رعایا پر حد درجہ ظلم ڈھا رکھا تھا اور وہ اللہ کے نظام کی ہر سطح پر مخالفت کر رہے تھے، لہٰذا ان پر قانون قدرت نافذ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دیا اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔[2]

متکبر اور آسودہ حال لوگوں کے بارے میں قانون الٰہی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝ ﴾

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متکبر امراء کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں، چنانچہ اس بستی پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے، تب ہم اسے مکمل طور پر تباہ کر ڈالتے ہیں۔''[3]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ہے کہ جب کسی امت کی ہلاکت کا زمانہ قریب آجاتا ہے تو ہم اس امت کے آسودہ حال ممتاز لوگوں کو فرماں برداری کا حکم دیتے ہیں، یعنی اس امت کے نعمت یافتہ، بادشاہوں اور سرکشوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ وہ بجائے اطاعت کے نافرمانی کرتے ہیں تو ان پر حجت قائم ہو جاتی ہے اور ہم انھیں ہلاک کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آسودہ حال لوگوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا، حالانکہ اطاعت و فرماں برداری

---

[1] هود 11: 100-102. [2] السنن الإلٰهية في الأمم والجماعات والأفراد، ص: 119-121.
[3] بني إسرآءيل 17: 16.

کا حکم سب پر یکساں لاگو ہوتا ہے۔ مگر بڑے بڑے آسودہ حال طبقوں کا تذکرہ اس لیے فرمایا کہ دراصل یہ آسودہ حال ہی نافرمانی کے سرکردہ لیڈر اور گمراہی کے پیشوا ہوتے ہیں اور ان کے متبعین انھی کے حکم سے گمراہی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اسی لیے خصوصی طور پر انھی کا حوالہ دیا گیا ہے۔[1] اللہ کے اسی قانون کا نفاذ سربراہانِ فارس پر ہوا۔

سرکش اور نافرمانوں کے بارے میں قانون الٰہی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴾

''بلاشبہ تیرا رب البتہ گھات میں ہے۔''[2]

اس آیت میں مطلق طور پر نافرمانوں کے لیے وعید ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں کافروں کے لیے وعید ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام نافرمانوں کے لیے وعید ہے۔[3]

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی نگرانی فرما رہا ہے اور ہر فرد کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔[4]

پچھلے جملے میں مفسرین کے اقوال سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سرکشوں کے بارے میں قانونِ الٰہی یہ ہے کہ انھیں دنیا میں سزا دی جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا قانون ہے جو کبھی بھی معطل نہیں ہوا۔ یہ سرکشوں پر ہمیشہ لاگو رہا اور موجودہ اور آئندہ آنے والے سرکشوں پر بھی اسی طرح لاگو رہے گا۔ کوئی سرکش اللہ کی سزا سے نہ دنیا میں بچ سکتا ہے نہ آخرت میں بچ سکے گا۔[5]

سرکشوں کے بارے میں اس قانون کی حقانیت کا ادراک اور سرکشوں کو ملنے والی سزاؤں پر وہی لوگ یقین رکھتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں، اس کی سزاؤں سے خائف

---

[1] تفسیر الآلوسي: 42/15. [2] الفجر89: 14. [3] السنن الإلٰهية، ص: 193. [4] السنن الإلٰهية، ص: 193، نقلا عن القرطبي من تفسيره. [5] السنن الإلٰهية، ص: 194

رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کا قانون برحق ہے جو کسی کو بھی رعایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس قانون سے عبرت حاصل کرنے والوں کا تذکرہ فرعون کے عذابِ الٰہی سے دوچار ہونے کے تذکرے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ○ ﴾

"تب اللہ نے اسے پکڑ لیا آخرت اور دنیا کے عذاب میں۔ بے شک اس میں اس کے لیے عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔"[1]

اہلِ فارس پر بھی اللہ تعالیٰ کا یہی کونی قانون نافذ ہوا۔

قانونِ تدرج

مشرقی علاقوں اور عراق کی سرزمین میں فتوحات درجہ بدرجہ حاصل ہوئیں، پہلا مرحلہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں وقوع پذیر ہوا جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت حیرہ فتح ہوا۔ دوسرا مرحلہ ابو عبید ثقفی کی قیادت سے شروع ہوا اور معرکۂ بویب تک رہا، جبکہ فتوحات کا تیسرا مرحلہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نہاوند کی فتح تک دراز رہا۔ چوتھا مرحلہ نہاوند سے شروع ہوا اور خراسان کی مکمل فتح تک محیط رہا۔ اور پانچواں مرحلہ وہ تھا جب مسلمان عجم کے سارے علاقوں میں پھیل گئے۔

عراقی فتوحات سے مسلمان یہ اصول سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ کے دین کو اس سرزمین پر راسخ کرنے کے لیے بتدریج قدم بڑھانے چاہئیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ راستہ بہت طویل اور صبر طلب ہے۔ اس لیے دعوت و تبلیغ کے میدان میں محنت کرنے والوں کو قانونِ تدریج سمجھنا اور اس کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ہوگا۔

عراق اور بلادِ مشرق میں اللہ کے دین کا غلبۂ اقتدار ایک دن یا صبح یا شام کے پہر میں

---

[1] النازعات 79:25,26.

نہیں ہوا بلکہ یہ اقتدار سنت تدریج کے تحت ہی قائم ہوا۔

قانونِ الٰہی، حرکت میں برکت ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جو کسی قوم کے پاس (نعمت) ہے یہاں تک کہ وہ اپنی (اطاعت والی) حالت کو بدل لیں۔"[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عراقی فتوحات کے بعد وہاں کے باشندوں کو دعوتِ اسلام دی اور اللہ کے دین میں داخل ہونے والوں کے ساتھ اسی قانونِ الٰہی کے مطابق برتاؤ کیا۔ انھوں نے لوگوں کی کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تربیت فرمائی اور ان کے دل کی گہرائیوں میں صحیح عقائد، سلامتی افکار اور اعلیٰ اخلاق کے چراغ روشن کر دیے۔

برے اعمال کا ہولناک انجام

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝ ﴾

"کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں جنھیں ہم نے زمین میں ایسی طاقت دی تھی جو تمھیں نہیں دی اور ہم نے ان پر موسلادھار بارش نازل کی اور نہریں بنائیں جو ان کے نیچے بہتی تھیں، پھر ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قومیں

[1] الرعد 13:11.

پیدا کیں۔،،[1]

اللہ تعالیٰ نے اہلِ فارس کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا جو انھوں نے کیے تھے۔ ان میں سب سے بڑا گناہ اللہ کی ذات عالی کے ساتھ کفر و شرک کا ارتکاب تھا۔ اس آیت کریمہ میں ایک اٹل حقیقت اور جاری و ساری قانون کا تذکرہ ہے کہ دراصل گناہ ہی گناہ گاروں کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں اور بلاشبہ انھیں ہلاک کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔[2]

یقیناً اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو اسی وقت اہلِ فارس پر غلبہ عطا فرمایا جب ان میں زمین کے اقتدار کی تمام مطلوبہ شرائط پائی گئیں اور انھوں نے اس کے جملہ قوانین اور اسباب اپنا لیے۔

سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کا تاریخ ساز کردار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اس رائے پر قائم تھے کہ فارس کا جتنا علاقہ فتح ہو چکا اسی پر اکتفا کیا جائے۔ انھوں نے مشرقی علاقوں میں پیش قدمی روک دی۔ خصوصاً اس وقت ممانعت فرمائی جب ہرمزان کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اہواز فتح کر لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے لیے بصرہ، سوادِ عراق اور اہواز (ایران) کے علاقے کافی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ہمارے اور اہل فارس کے درمیان ایک آگ کا پہاڑ حائل ہو نہ وہ ہماری طرف آئیں نہ ہم اس طرف جا سکیں۔ اہلِ کوفہ سے بھی یہی فرمایا: کاش! ہمارے اور فارسیوں کے درمیان ایک آگ کا پہاڑ حائل ہو نہ وہ ہماری طرف آ سکیں نہ ہم ان کی طرف جا سکیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس سوچ پر رائے لینے کے لیے منتخب افراد سے بات چیت کی۔ احنف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ نے ہمیں

[1] الأنعام 6:6. [2] السنن الإلٰهية، ص: 210.

مزید پیش قدمی کرنے اور دشمن کے علاقوں میں پھیلنے سے منع کر دیا ہے اور مفتوحہ علاقوں پر کنٹرول کا حکم دیا ہے۔ یاد رکھیے! ابھی فارسیوں کا بادشاہ ان کے درمیان زندہ ہے۔ بلاشبہ اہلِ فارس ہمارے ساتھ اس وقت تک بدسلوکیاں کرتے رہیں گے جب تک ان کا بادشاہ زندہ ہے۔ جب تک دو فرمانروا آپس میں نہ ٹکرائیں گے اور ایک فرمانروا دوسرے کو نکال باہر نہ کرے گا، معاملہ ختم نہیں ہوگا۔ میری رائے ہے کہ ابھی تک ہم نے ترغیب پر جمع ہونے والے لشکروں کا مقابلہ کیا ہے اور یہ کام ان کا بادشاہ یزدگرد کر رہا ہے۔ وہ کبھی باز نہیں آئے گا۔ وہ اسی طرح کرتا رہے گا تا آنکہ ہم اہلِ فارس کے علاقوں میں مزید پیش قدمی کر کے اسے فارس سے بھگا دیں اور اسے اس کی مملکت سے بے دخل کر دیں۔ جب وہ وہاں سے نکل جائے گا تب اہلِ فارس کی امیدیں دم توڑ دیں گی۔[1]

عمر رضی اللہ عنہ نے احنف رضی اللہ عنہ کی بات سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے سچ کہا اور معاملے کی کماحقہ وضاحت کر دی، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ فارس کے علاقوں میں پیش قدمی کی اجازت مرحمت فرما دی۔ احنف رضی اللہ عنہ کی رائے قبول کر لی اور ان کی سچائی اور فضیلت کے معترف ہوگئے۔

مسلمان عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ملنے کے بعد فارس کے شہروں میں پھیل گئے۔ خراسان کا علَم احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو، جبکہ بقیہ علَم مختلف نامور اسلامی قائدین کو عطا ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کے لیے جنگ کی منصوبہ بندی فرمائی اور ان کے لیے کمک کی فراہمی کا انتظام فرمایا۔[2]

---

[1] البداية والنهاية: 130/7. [2] مع الرعيل الأول لمحب الدين الخطيب، ص: 146.

باب 8
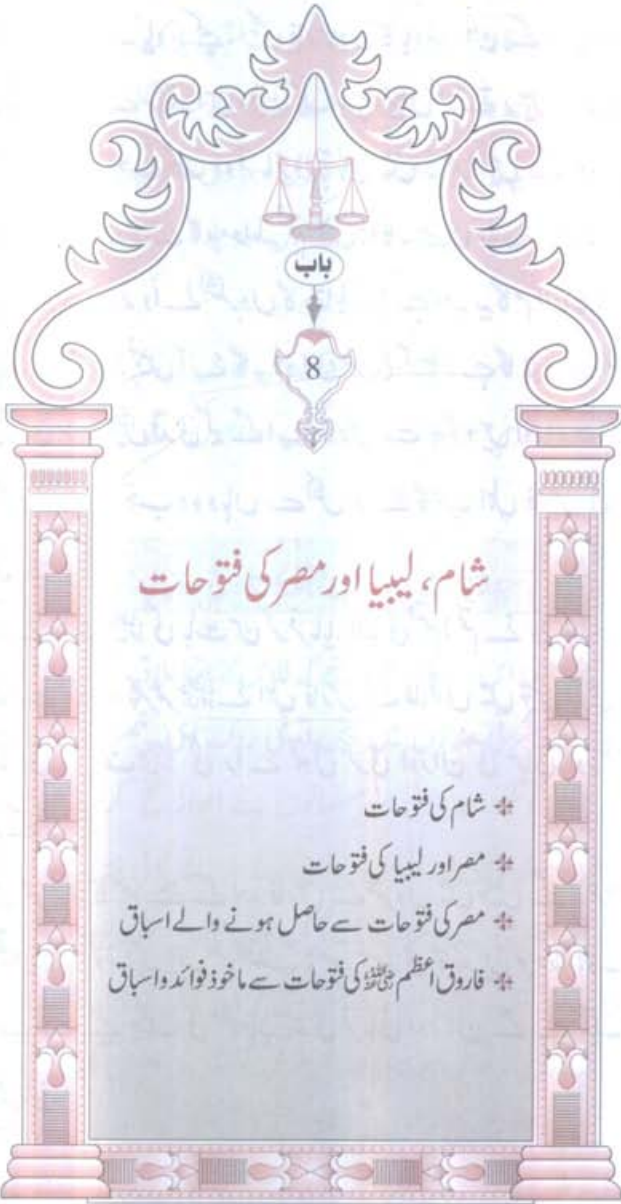
شام، لیبیا اور مصر کی فتوحات

- شام کی فتوحات
- مصر اور لیبیا کی فتوحات
- مصر کی فتوحات سے حاصل ہونے والے اسباق
- فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فتوحات سے ماخوذ فوائد و اسباق

شام کی فتوحات

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا شام پر بطورِ سپہ سالار تقرر

شام کے علاقوں میں عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے سب سے پہلے وصول ہونے والے مکتوب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی شام پر ولایت کا تذکرہ تھا۔ اس میں لکھا تھا:

بلاشبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ برحق تھے۔ وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نازل ہوں۔ وہ حق پر چلنے والے تھے۔ بھلائی کا راستہ اختیار کرنے والے تھے۔ نرم خو تھے۔ پردہ پوشی کرنے والے تھے۔ متحمل مزاج تھے۔ آسانیاں پیدا کرتے تھے۔ لوگوں کے دلوں کے قریب رہتے تھے۔ وہ انتہائی دانا آدمی تھے۔ ہم اپنی اس مصیبت اور دکھ میں اللہ تعالیٰ سے اجر کے امیدوار ہیں۔ میں اپنے اللہ سے اس کی رحمت اور تقویٰ کا طلبگار ہوں۔ جب تک ہم زندہ رہیں اس کے فرماں بردار رہیں اور فوت ہونے کے بعد جنت میں داخل ہونے کے خواستگار ہوں۔

ہمیں اطلاع مل رہی ہے کہ تم نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ میں نے تمھیں مسلمانوں کا حاکم مقرر کیا ہے۔ حمص، دمشق اور شام کے دیگر علاقوں میں اپنے لشکر روانہ

کرو۔ اپنی اور مسلمانوں کی اجتماعی ذہانت بروئے کار لاؤ۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ تم سارا لشکر مہم جوئی میں بھیج دو اور مرکز خالی کر دو۔ اس طرح دشمن موقع پا کر مرکز پر حملہ کر سکتا ہے۔ جن افراد کو تم اپنے پاس رکھنا ضروری سمجھتے ہو انھیں اپنے پاس رکھو اور دیگر افراد کو جہادی مہموں پر روانہ کر دو۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس ہی روک لینا کیونکہ ان کے بغیر تمھارا گزارا نہ ہوگا۔[1]

جب یہ مکتوب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے اسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دکھایا۔ خط لانے والے نے عرض کیا: اے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ! عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ مجھے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کرو کہ ان کے احوال کیسے ہیں؟ ان کا رہن سہن کیسا ہے؟ اور وہ مسلمانوں کے کس حد تک خیر خواہ ہیں۔ یہ سب باتیں تفصیل سے بتاؤ۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس ایلچی کو مکمل حالات سے آگاہ فرمایا، پھر ابوعبیدہ اور معاذ رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مشترکہ خط لکھا۔ خط کی عبارت یہ تھی:

یہ خط ابوعبیدہ اور معاذ کی طرف سے عمر بن خطاب کی طرف ہے، آپ پر سلامتی ہو۔ ہم اپنے اس مالک کا شکر ادا کرتے ہیں جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اما بعد! ہم آپ کی خلافت تسلیم کرتے ہیں۔ معاملۂ خلافت آپ کے لیے انتہائی اہم ہے۔ اے عمر! آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کے سرخ و سفید کے والی مقرر ہوئے ہیں۔ آپ کے سامنے دوست، دشمن، نکما، قوی اور کمزور سبھی حاضر ہوں گے۔ آپ کو ان تمام افراد کے حقوق ادا کرنے ہیں۔ عدل و انصاف سے کام لینا ہے۔ انتہائی احتیاط سے کام لیجیے۔ ہم آپ کو وہ دن یاد دلاتے ہیں جس دن بھیدوں کی جانچ پڑتال ہوگی۔ پردے ہٹا دیے جائیں گے۔ پوشیدہ امور ظاہر کر دیے جائیں گے اور تمام چہرے اس مالک الملک کے

---

[1] تاریخ دمشق: 2/125.

سامنے جھکے ہوں گے جو اپنی زبردست قوت سے سب پر غالب ہوگا۔ اس کے سامنے سب لوگ ذلیل ونا کارہ ہوں گے۔ سب اس کے فیصلوں کے منتظر ہوں گے۔ اس کے عذاب سے ڈرنے والے ہوں گے اور اس کی رحمت کے امید وار ہوں گے۔ بلاشبہ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ اس امت میں کچھ لوگ اپنے ظاہر اور باطن میں فرق رکھنے والے ہوں گے۔ ہم ایسی قبیح برائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہمارا یہ مکتوب آپ کے دل میں کوئی شک و شبہ پیدا نہ کرے۔ صرف وہی بات سمجھی جائے جو خلوص نیت سے ہم نے کہی ہے۔

والسلام علیک ورحمۃ اللہ۔[1]

سیدنا خالد بن ولید اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے مابین گفتگو

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اپنی معزولی کا علم ہوا۔ وہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا: اللہ آپ کو معاف فرمائے۔ آپ کو امیر المومنین کی طرف سے گورنری کا تقرر نامہ موصول ہوا۔ آپ نے مجھ سے ذکر تک نہ کیا۔ اسی حالت میں میری اقتدا میں نماز ادا کرتے رہے، حالانکہ اختیارات آپ کو منتقل ہو چکے ہیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ دراصل میں خود آپ کو اس معزولی کی اطلاع نہیں دینا چاہتا تھا۔ خواہش مند تھا کہ کوئی اور آپ کو یہ خبر کردے۔ میں آپ کی جنگی مصروفیات کی تکمیل چاہتا تھا اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ مناسب نہ سمجھتا تھا۔ ان امور کی تکمیل کے بعد ہی میں آپ کو اپنے تقرر کی خبر دینا چاہتا تھا۔

اے خالد! میں دنیا کی سلطنت اور اختیارات نہیں چاہتا، نہ میں دنیا کے حصول کے لیے عمل کرتا ہوں۔ بلاشبہ یہ سب کچھ جو تم دیکھ رہے ہو عنقریب فنا اور ختم ہونے والا ہے۔ ہم

[1] فتوح الشام، ص:99-102، والتاريخ الإسلامي:9/274.

سب بھائی بھائی ہیں۔ اللہ عزوجل کے احکام کا نفاذ کرنے والے ہیں۔ معاملہ دینی ہو یا دنیاوی اس میں کسی بھائی کو دوسرے بھائی پر ولایت حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں بلکہ والی دوسرے لوگوں سے زیادہ بڑھ کر فتنے کا شکار ہونے اور کسی غلطی کے سبب ہلاک ہونے کے زیادہ قریب ہوتا ہے، سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں، پھر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خط نکال کر خالد رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جوابی خط بنام ابوعبیدہ اور معاذ رضی اللہ عنہما

جب عمر رضی اللہ عنہ کو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا خط حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے بھتیجے شداد بن اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے موصول ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب لکھا:

میں اللہ وحدہ لاشریک کا شکر ادا کرتا ہوں ان جذبات پر جو تم نے ظاہر کیے۔ اما بعد! میں تمھیں سب سے پہلے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اس میں تمھارے رب کی رضا اور تمھاری فلاح ہے۔ تقویٰ کوتاہی کے وقت باشعور لوگوں کا آخری سہارا ہے۔ مجھے تم دونوں کا خط ملا۔ اس میں تم نے مجھے میری ذمہ داری کا احساس دلایا ہے کہ یہ خلافت کا معاملہ انتہائی اہم ہے۔ تم نے مجھ سے حسن ظن بھی رکھا۔ تمھاری طرف سے یہ بات میرے لیے تزکیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ میں اس امت کا والی اور حاکم مقرر ہوا ہوں۔ میرے سامنے معزز، نکمے، دشمن اور دوست، قوی اور ضعیف سبھی بیٹھیں گے۔ مجھے ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کرنا ہوگا۔ تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ اس وقت میرا کیا رویہ اور سلوک ہوگا؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور طاقت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔

---

[1] تاریخ دمشق: 126/2.

تم نے مجھے اس دن سے ڈرایا ہے جسے قیامت کا دن کہا جاتا ہے۔ وہ دن ضرور آنے والا ہے۔ وہ دن موجود لیل ونہار کے گزرنے کے بعد آئے گا۔ دن رات کا یہ تسلسل ہر نئی چیز کو پرانا اور ہر عہد اور وعدہ کیے گئے وقت کو قریب تر کر دیتا ہے، تا آنکہ وہ دن آن پہنچے گا جس دن بھیدوں کی جانچ پڑتال ہوگی۔ پردے ہٹائے جائیں گے۔ پوشیدہ امور ظاہر کر دیے جائیں گے اور ساری دنیا اس مالک و خالق کے آگے جھک جائے گی جو اپنی زبردست طاقت سے سب پر غالب ہوگا۔ لوگ اس کے سامنے حقیر ہوں گے۔ اس کی سزا سے ڈر رہے ہوں گے۔ فیصلے کے منتظر ہوں گے اور اس کی رحمت کے طلبگار ہوں گے۔

تم نے لکھا ہے کہ اس امت میں ظاہر اور باطن میں تضاد رکھنے والے لوگ بھی ہوں گے۔ یاد رکھو! یہ زمانہ ایسے لوگوں کا نہیں ہے۔ ایسے لوگ اس آخری دور میں ہوں گے جس وقت لوگوں کی امید و بیم آپس ہی میں ایک دوسرے سے وابستہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھارے امور کا والی بنایا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری مدد فرمائے اور مجھے لغزش و خطا سے اس طرح بچائے جس طرح دیگر امور سے بچایا اور محفوظ فرمایا ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ ایک کمزور سا بندہ ہوں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت کا امیدوار ہوں۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس خلافت و امارت کی وجہ سے مجھ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ عظمت و جلالت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بندوں کا اس کی عظمت و کبریائی میں کوئی حصہ نہیں۔ تم میں سے کسی کو یہ بات کہنے کا موقع کبھی نہیں ملے گا کہ عمر جب سے خلیفہ بنا ہے اس میں تبدیلی آگئی ہے۔

بلاشبہ مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ میں ہر وقت اپنے فرائض پیش نظر رکھتا ہوں۔ میرے اور مسلمانوں کے مابین کسی طرح کی کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ میں ہر آن ہر گھڑی تمھارا خیر خواہ ہوں گا۔ تمھاری ناراضی میرے لیے تکلیف دہ ہوگی۔ مجھ سے اپنی موجودہ ذمہ داری اور امانت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ نقصان دہ

معاملات پر میری کڑی نظر ہوگی۔ میں خلافت کے معاملات کسی دوسرے کے حوالے نہیں کروں گا۔ مجھے اپنے امور میں مدد لینے کے لیے امانت دار افراد کی ضرورت ہوگی۔ میں عوام الناس کے خیر خواہ لوگوں ہی سے سرکاری کام لوں گا۔

تم جو یہ دنیا کی سلطنت و امارت اور شان و شوکت دیکھ رہے ہو یہ بہت جلد ختم ہونے والی چیز ہے۔ ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی بھائی دوسرے بھائی کا امیر ہو یا اس کی امامت کرے، اس بھائی کو دین و دنیا میں اس کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ حاکم و والی دوسرے لوگوں کی نسبت کسی ممکنہ فتنے کا زیادہ شکار ہو جائے اور کسی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے، سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچائے اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔[1]

دمشق کی فتح

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شامی علاقوں کی فتوحات کا پہلا دور شروع ہو چکا تھا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس محاذ پر فتوحات کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔

معرکۂ یرموک کے اختتام پذیر ہونے اور رومی لشکروں کے شکست کھا جانے کے بعد ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بشیر بن کعب حمیری کو یرموک میں اپنا نائب مقرر کیا۔ انھیں خبر ملی کہ رومی مقام فحل میں افواج اکٹھی کر رہے ہیں اور اہلِ حمص کو دمشق سے کمک پہنچ گئی ہے۔ یہ خبر سن کر وہ سوچنے لگے کہ دمشق سے ابتدا کریں یا اردن کے علاقوں میں فحل کی طرف پیش قدمی کریں۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خط لکھا اور مشورہ طلب کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ! تم دمشق سے آغاز کرو۔ دشمن کے سامنے ڈٹ جاؤ۔ دمشق شام کا قلعہ اور رومیوں کا پایۂ تخت ہے۔ ادھر فحل، فلسطین اور اہلِ حمص کو مجاہدین

[1] فتوح الشام، ص:99-102.

کے چند دستوں کے ساتھ مصروف رکھو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ علاقے دمشق سے پہلے فتح کرا دیے تو فبہا ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ اگر دمشق پہلے فتح ہو جائے تو وہاں کسی ایسے مضبوط فرد کو اپنا نائب مقرر کرو جو دمشق کو پوری طرح قابو میں رکھ سکے اور تم خود دیگر امرائے لشکر کے ساتھ فحل پر چڑھائی کر دینا۔ اگر فحل فتح ہو جائے تو تم خالد اور دیگر امرائے لشکر سمیت حمص کی طرف روانہ ہو جانا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احکام کی روشنی میں ہم چند امور کا واضح طور پر مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ انھوں نے شامی مہمات سر کرنے کے سلسلے میں ہر قائد کی ذمہ داری متعین کر دی۔ اس طرح میانہ روی کے قانون کی تطبیق معرضِ وجود میں آئی مگر اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ مطلوبہ اہداف کے حصول میں کسی لچک یا نرمی کا مظاہرہ روا رکھا گیا۔ بڑا اور ترجیحی ہدف دمشق تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک مضبوط سپاہ فحل کے محاذ پر بھی بھیجنا چاہتے تھے۔ ان کا دوسرا بڑا ہدف فحل تھا، اسی لیے انھوں نے دمشق کے بعد پوری قوت سے فحل کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ ان کا تیسرا ہدف حمص کی فتح تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے مطابق ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مختلف جنگجو دستے ترتیب دیے اور فحل کی طرف روانہ کر دیے۔ ان کی قیادت ابو الاعور سلمی، عامر بن حثمہ، عمرو بن کلیب، عبد عمر بن یزید بن عامر، عمارہ بن صعق بن کعب، صفی بن علیہ بن شامل، عمر بن حبیب بن عمر، لبدہ بن عامر، بشیر بن عصمہ اور عمارہ بن مخشن کو سونپی گئی اور ان تمام دستوں کے سالارِ اعلیٰ بھی عمارہ بن مخشن ہی مقرر ہوئے۔ عمارہ کی قیادت میں یہ دستے فحل کی طرف روانہ ہو گئے۔[2]

خود حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں کوئی قابل ذکر

---

[1] الدعوة الإسلامية في عهد أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، ص: 276، و تهذيب و ترتيب البداية والنهاية، ص: 52. [2] العمليات التعرضية والدفاعية عند المسلمين، ص: 182.

بحیرۂ روم
بیروت
لبنان
جبال لبنان
جبال لبنان شرقیہ
شام
بعلبک
دمشق
صیدا
دریائے لیطانی
حُولہ
جھیل حُولہ
دمشق سے فلسطین کی طرف
دمشق سے بیسان کی طرف
جابیہ
صنمین
فیق
دریائے یرموک
اذرعات
جھیل طبریہ
دریائے اُردن
اُردن
فلسطین
بیسان
فحل
اسلامی عساکر کی دمشق کی جانب پیش قدمی

نقشہ: 24

واقعہ پیش نہ آیا۔ رومیوں نے دمشق سے پہلے ہی مختلف مقامات پر مسلمان فوج کی پیش قدمی روکنے کے انتظامات کر رکھے تھے مگر رومی فوجی اتنے ڈرپوک تھے کہ وہ کہیں بھی مجاہدین کے لشکر کا راستہ نہ روک سکے۔[1] اس طرح عمومی طور پر تمام رومیوں اور خاص طور پر ان کی چھوٹی بستیوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔

مسلمانوں کی فوج نے پیش قدمی کی اور دمشق کے علاقے غوطہ میں جا پہنچے۔ یہ بڑی شاداب اور سرسبز زمین تھی۔ یہاں رومیوں کے محلات اور عالی شان رہائش گاہیں تھیں۔ جب مسلمان وہاں پہنچے تو یہ تمام محلات خالی اور ویران پڑے ہوئے تھے کیونکہ یہاں کے تمام رومی امراء شہر دمشق کی طرف بھاگ گئے تھے۔

ہرقل نے حمص سے ایک تازہ دم دستہ دمشق کی حفاظت کے لیے روانہ کیا۔ اس میں پانچ سو (500) فوجی شامل تھے۔[2] رومیوں کی یہ تعداد دمشق کی دفاعی ضروریات کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ جیسے ہی یہ حفاظتی دستہ آگے بڑھا اس کا مقابلہ شمالی دمشق میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے متعین ذی الکلاع کے زیر کمان دستے سے ہوگیا۔ دونوں طرف سے سخت مقابلہ ہوا اور رومیوں کو شکست ہوئی۔[3]

اہلِ دمشق نے ہرقل سے اپیل کی کہ انھیں اس مصیبت سے نکالا جائے۔ ہرقل نے انھیں ایک خط لکھا، اس میں اس نے انھیں ثابت قدمی کی تاکید کی۔ مسلمانوں کے خلاف ڈٹ جانے کا حوصلہ دیا اور کمک روانہ کرنے کا وعدہ کیا۔ اس طرح اہلِ دمشق کے حوصلے بحال ہوگئے۔ وہ مسلمانوں کے سامنے ڈٹ گئے اور اپنے محاصرے کا مقابلہ کرنے لگے۔[4]

---

[1] الهندسة العسكرية في الفتوحات الإسلامية للدكتور قصي عبدالرؤف، ص: 188. [2] البداية والنهاية: 20/7، والهندسة العسكرية، ص: 188. [3] البداية والنهاية: 20/7. [4] الهندسة العسكرية، ص: 188.

فریقین کی عسکری قوت

رومی لشکر کا کمانڈر انچیف خود ہرقل تھا۔ دمشق کا گورنر نسطاس بن نسطورس اس کا معاون تھا۔ دمشقی لشکر کا کمانڈر باہان تھا جو جنگ یرموک میں شریک ہوا تھا اور وہاں سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ اس کا اصل نام وردان تھا۔

رومی لشکر کی کل تعداد ساٹھ ہزار (60,000) تھی۔ بعد ازاں حمص سے مختلف فوجی دستے بھی بطور کمک پہنچے۔ ان کی تعداد بیس ہزار (20,000) تھی۔ انھیں شہر کے دفاع کا ہدف دیا گیا۔ چالیس ہزار (40,000) کا رومی لشکر الگ تھا۔ اس کا کام مسلمانوں کی طرف پیش قدمی کرنا تھا۔ رومیوں نے دمشق میں محصور ہوکر جنگ کرنے کو ترجیح دی۔ انھوں نے دمشق شہر کی عمارتوں اور شہر پناہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ قلعہ بند ہوکر مزید کمک کے انتظار میں تھے اور اس مقصد کے لیے وقت حاصل کرنا چاہتے تھے۔

فحل میں رومی لشکر ہرقل کے خصوصی دستوں اور یرموک سے بھاگنے والے شکست خوردہ فوجیوں پر مشتمل تھا۔ یہ بھگوڑے فوجی معرکۂ یرموک سے دہشت زدہ تھے۔ ان کے حوصلے پست ہوگئے تھے۔ انھوں نے ناکام و نامراد ہوکر راہِ فرار اختیار کر لی تھی اور اس وقت بھی ان پر گھبراہٹ طاری تھی۔

اسلامی لشکر کے سالار اعظم خود حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ شامی علاقوں میں جہادی مہمات کے کمانڈر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے اپنے دس کمانڈروں کو جن میں سے سب سے آگے ابوالاعور سلمی تھے ایک مناسب اسلامی لشکر کے ساتھ دمشق کے راستوں اور بیسان پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ مؤرخین نے اس لشکر کی تعداد نہیں لکھی۔ بیسان کی جگہ آج بھی کھنڈر ''خربة فحل'' کے نام سے موجود اور مشہور ہیں۔ [1]

---

[1] الهندسة العسكرية، ص: 189.

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دوسرا لشکر علقمہ بن حکیم اور مسروق کی زیر قیادت فلسطین کے مختلف علاقوں کی طرف بھیجا۔ اس طرح غربی اور جنوبی علاقوں کی طرف سے دمشق کی نقل و حرکت رک گئی اور ممکنہ خطرے کا سدباب ہو گیا۔ ①

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ذی الکلاع کی زیر قیادت ایک لشکر شمالی دمشق کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ اس راستے پر پڑاؤ ڈال لیں جو حمص کو دمشق سے ملاتا تھا تاکہ شمالی جانب سے کسی خطرے کا کوئی امکان باقی نہ رہے اور حمص سے رومیوں کی کمک بھی دمشق نہ پہنچنے پائے۔ ②

یرموک کے بعد اسلامی لشکر کی تعداد چالیس ہزار (40,000) مجاہدین تک پہنچ گئی تھی۔ یہ لشکر انتہائی منظّم تھا اور یرموک میں فتح حاصل کر لینے کے بعد اس کی ہمت اور حوصلے بہت بلند ہو گئے تھے۔ ③

وہ اسلامی لشکر جس نے دمشق کا محاصرہ کیا اس کی تعداد بیس ہزار (20,000) تھی، جبکہ باقی فوج فحل کے محاذ کو مضبوط کرنے کے لیے روانہ کر دی گئی۔ ضرورت پڑنے پر انھیں وہاں سے دمشق کے محاذ پر واپس بھی بلایا جا سکتا تھا۔ ④

دمشق کے بارے میں معلومات

دمشق تاریخی لحاظ سے بڑا قدیم شہر ہے۔ وسیع رقبے پر مشتمل ہے۔ اسے دمشاق بن کنعان نے بسایا تھا۔ یوں یہ شہر اسی کے نام سے منسوب ہوا۔ دمشاق کی نسل کا اٹھارواں (18واں) خاندان مصر کا باجگزار بنا۔ یہ شہر زمانۂ قدیم میں بتوں کی عبادت کا مرکز رہا۔ جب وہاں مسیحیت کا غلبہ ہوا تو وہاں موجود سب سے بڑے بت کدے کو کنیسے میں تبدیل کر دیا گیا اور اسے اتنا خوبصورت بنا دیا گیا کہ سوائے انطاکیہ کے کنیسے کے کوئی اس کا ہم پلہ

---

① الهندسة العسكرية، ص: 189. ② تاريخ الطبري: 4/258، والهندسة العسكرية، ص: 189.
③ اليرموك و تحرير ديار الشام لشاكر محمود رامز، ص: 103. ④ الهندسة العسكرية، ص: 189.

نہ تھا۔ دمشق کے جنوب میں سرزمین بلقاء اور شمال میں جولان کے پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ دمشق کی زمین پہاڑی اور ٹھوس ہے۔ یہ پانی کے ندی نالوں اور کھیتوں پر مشتمل ہے۔ دمشق ایک تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہاں کے باشندے عرب تھے۔ مسلمان اس شہر کو تجارتی لین دین ہی کے حوالے سے جانتے تھے اور وہاں تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ دفاعی نقطۂ نظر سے دمشق انتہائی مضبوط اور تمام تر دفاعی انتظامات سے مسلح تھا۔ شہر کے گرد ایک فصیل تھی۔ اسے مضبوط پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کی اونچائی 6 میٹر تھی۔ اس میں مضبوط دروازے نصب تھے۔ اس فصیل کی چوڑائی 3 میٹر تھی۔ ہرقل نے اہلِ فارس سے معرکہ آرائی کے بعد اسے مزید مستحکم کر دیا تھا۔ اس نے اس کے دروازوں کی بندش کو بھی انتہائی مضبوط کر دیا تھا۔

فصیل کے بعد ایک خندق تھی جس کی چوڑائی 3 میٹر تھی۔ اس خندق میں نہر بردیٰ کا پانی اور مٹی بھری ہوتی تھی۔ اس طرح دمشق شہر بے حد مضبوط اور محفوظ ترین قلعے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس پر چڑھائی کرنا آسان کام نہ تھا۔[1]

اس صورت حال سے رومیوں کے دفاعی انتظامات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے دمشق کی حفاظت کے لیے کتنی مضبوط اور مربوط منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ رومیوں کی یہ تیاریاں ہمیں درج ذیل معلومات فراہم کرتی ہیں:

دمشق کے گرد جنگی نقطۂ نظر سے کی جانے والی تیاری جلد بازی میں نہیں کی گئی تھی بلکہ ان سوچی سمجھی تیاریوں میں مدت مدید صرف کی گئی تھی۔ ان تیاریوں کا سبب یہ تھا کہ دمشق جنگی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ رومیوں کو یہ خدشہ لاحق رہتا تھا کہ اس پر اہل فارس قبضہ نہ کر لیں، چنانچہ ایسے زبردست دفاعی انتظامات کے لیے رومیوں نے جنگی نقطۂ نظر سے مہارت تامہ، خود مختاری اور موقع کی مناسبت سے انجینئرنگ کے ایسے اعلیٰ اصول

[1] الهندسة العسكرية، ص: 190.

اختیار کیے تھے جو کسی اور جگہ بروئے کار نہیں لائے گئے تھے۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ انھوں نے یہ مہارت کہاں سے حاصل کی تھی۔ دمشق کے گرد دفاعی رکاوٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں کے پاس نہایت عمدہ اور انوکھا تجربہ موجود تھا اور یہ ساری منظّم منصوبہ بندی انھوں نے زمینی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی تھی۔ خاص طور پر نہر بردیٰ سے حفاظت کا کام لینا ان کا عجیب کارنامہ تھا۔ اسی نہر کے پانی سے انھوں نے اس خندق کو بھر دیا تھا جو دمشق کے اردگرد کھودی گئی تھی۔ اس نہر سے قدرتی طور پر شہر کی شمال مشرقی جانب سے ہر قسم کے حملے روکنے کی بڑی مضبوط رکاوٹ میسر آ گئی تھی۔

رومی قیادت کو اپنی اس دفاعی منصوبہ بندی پر بڑا ناز اور اعتماد تھا، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی تمام جنگی قوت وہاں جمع کر لی تھی، حالانکہ رومی لشکر حمص میں بھی جمع ہو کر خود کو منظّم کر سکتے تھے اور مسلمانوں کے لشکر کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ بہرحال دمشق شہر کے ٹھوس دفاعی انتظامات نے رومی قیادت کو اس عظیم دفاعی مورچے سے استفادہ کرنے پر اکسایا۔ رومیوں کا طریق جنگ اور ان کے فنون حرب اس دور کی مناسبت سے فی الواقع جدید ترین اور انتہائی مؤثر اور کارگر تھے۔

مسلمان مجاہدین دمشق کی طرف بڑھے تو رومیوں کے اس جدید ترین دفاعی نظام کی وجہ سے ان کی پیش قدمی رک گئی، چنانچہ مجاہدین دمشق پر حملہ تو نہ کر سکے، تاہم وہ اس شہر کا محاصرہ کر کے رومیوں کی تاک میں بیٹھ گئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ دمشق شہر کا محاصرہ ستر (70) دن تک جاری رہا۔ یہ محاصرہ انتہائی سخت تھا۔ اس میں قلعوں کی فصیلیں توڑنے والا بھاری اسلحہ منجنیق وغیرہ بھی استعمال کیے گئے۔ [1]

---

[1] الهندسة العسكرية، ص: 191,190.

معرکے کی تیاری

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے درج ذیل ترتیب سے لشکر کو منظم کیا اور دمشق کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ انھوں نے قلب میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو رکھا، میمنہ پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر خود کو متعین کیا۔ سوار دستے کا امیر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ اور پیادہ دستے کا امیر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

دمشق شہر کے کئی دروازے تھے۔ ان دروازوں کے علاوہ شہر میں آنے جانے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا، لہٰذا مسلمانوں نے محاصرے میں شامل لشکر کو اس طرح تعینات کیا:

- مشرقی دروازے کی جانب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔
- جابیہ دروازے کی جانب ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ۔
- توما دروازے کی جانب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔
- فرادیس دروازے کی جانب شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ۔
- باب صغیر کی جانب یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

رومیوں نے یہ باور کیا کہ مسلمان زیادہ مدت تک شہر کا محاصرہ قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ جونہی شدید سردی کا موسم شروع ہوگا مسلمان محاصرہ ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن ادھر مجاہدین کا عالم ہی اور تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر ناقابل شکست یقین رکھتے تھے اور بدلتے موسم کی شدت کے باوجود انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ اپنے مورچوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔ مسلمان قائدین نے غوطہ میں موجود خالی گرجا گھروں اور دیگر عالی شان محلات کو مجاہدین کے قیام اور آرام و راحت کے لیے وقف کر دیا۔ جو مجاہدین شہر کے دروازوں پر مامور تھے ان کے آرام و راحت کے لیے ایک خاص پروگرام تیار کیا گیا۔ اس کے تحت اس کے ہر دروازے پر متعین فوج کو غوطہ کے محلات میں باری باری ایک ہفتہ آرام کرنے کا
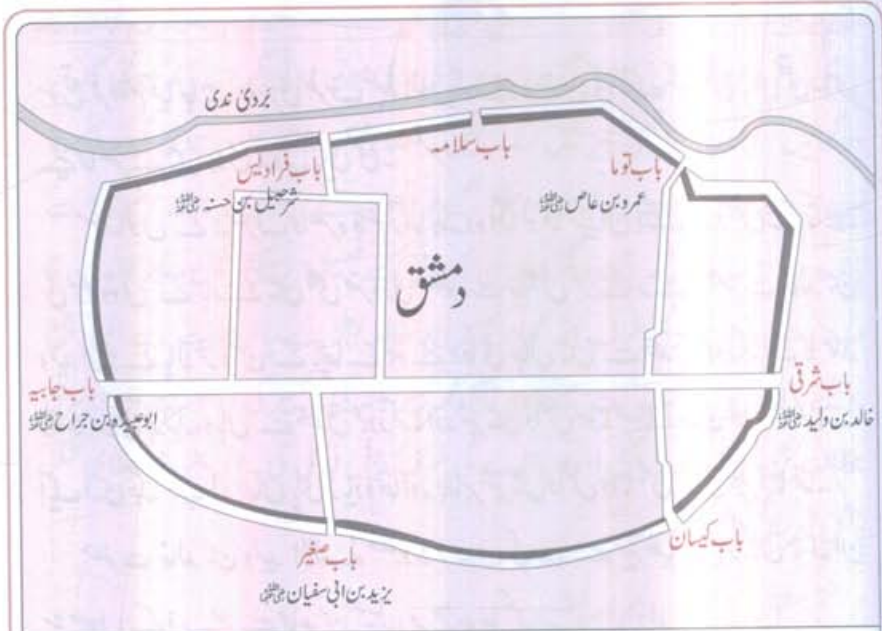
بردیٰ ندی
باب سلامہ
باب توما
باب فرادیس
شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ
عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
دمشق
باب جابیہ
ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
باب شرقی
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
باب کیسان
باب صغیر
یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
فتح اسلامی کے وقت دمشق اور اس کے دروازے
برزہ
ابو درداء
جبل قاسیون
قابون
بعلبک کی طرف
عمرو
شرحبیل
ندی بردیٰ
دمشق
خالد
ابو عبیدہ
یزید
دمشق کا محاصرہ اور فتح
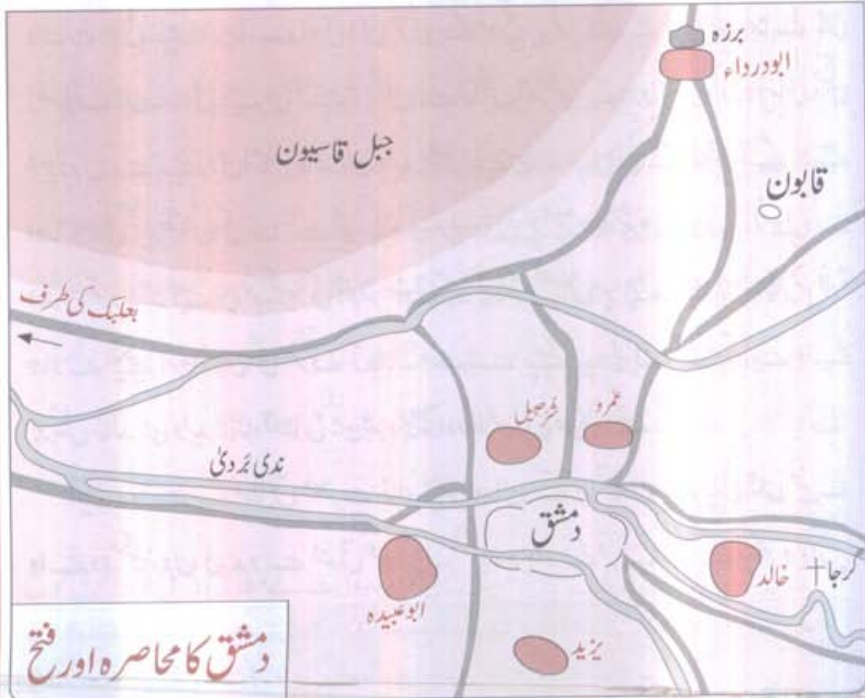
موقع فراہم کیا جاتا۔ دوسری طرف مسلمانوں کو نئے دستوں کی کمک بھی پہنچ رہی تھی، اس لیے محاصرے میں بڑی مدد مل رہی تھی۔ [1]

مسلمانوں نے نہ صرف محاصرہ قائم رکھا بلکہ وہ وقتاً فوقتاً میدانِ جنگ اور دمشق کے راستے کی رکاوٹوں کے بارے میں بھی ضروری معلومات حاصل کرتے رہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بالآخر دشمن کے بچھائے ہوئے دفاعی جال میں سے خندق عبور کرنے کا ممکنہ راستہ تلاش کر لیا۔ وہاں سے خندق عبور کرنا اور شہر میں داخل ہونا نسبتاً آسان تھا۔ انھوں نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں پانی زیادہ تھا اور بظاہر شہر میں داخل ہونا بھی مشکل نظر آتا تھا۔ [2]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مضبوط رسیوں کی مدد سے سیڑھیاں تیار کیں تاکہ ان سیڑھیوں کے ذریعے سے مجاہدین فصیل پر چڑھ جائیں۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ رومیوں کے ایک فوجی کمانڈر کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے اور سارے رومی اس خوشی کے موقع پر کھانے پینے اور جشن منانے میں مصروف ہیں۔ رومی جیسے ہی اپنے فرائض سے غافل اور شہر کے دروازوں اور دوسری جنگی ڈیوٹیوں سے ہٹے، اسی شام خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے بہادر سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھے اور مصنوعی سیڑھیوں کی مدد سے شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ انھوں نے اعلان کر دیا کہ جیسے ہی تم تکبیر کی آواز سنو تو سمجھ لینا ہم فصیل پر چڑھ گئے ہیں، پھر تم فوراً ہمارے پیچھے دروازوں کی طرف آ جانا۔ سب سے پہلے یہ دلیرانہ اقدام کرنے والے جرنیل خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ اور مذعور بن عدی تھے۔ [3]

ایک روایت کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے پانی میں تیرنے والے دو مشکیزوں کی مدد سے خندق عبور کی۔ [4] وہ دیوار کے قریب پہنچ گئے، پھر دیوار پر

---

[1] الهندسة العسكرية، ص: 192. [2] تاريخ الطبري: 259/4. [3] الهندسة العسكرية، ص: 192، و البداية والنهاية: 20/7. [4] الهندسة العسكرية، ص: 193,192.

سیڑھی نما رسیاں پھینکیں۔ ان کے سروں پر بڑی بڑی موٹی موٹی گرہیں باندھی گئی تھیں۔ وہ گرہیں دیواروں کی کسی چیز میں اٹک گئیں۔ قعقاع اور مذعور ان رسیوں کی مدد سے اوپر چڑھنے لگے۔ جب وہ فصیل پر پہنچ گئے تو انھوں نے رسیوں کو بہت مضبوطی سے باندھ دیا تاکہ ان کے پیچھے دیگر مجاہدین آسانی سے فصیل پر پہنچ سکیں، پھر مجاہدین کا ایک دستہ دروازے کی طرف اتر گیا۔ فصیل پر خالد رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سے افراد جمع ہوگئے۔ انھوں نے سب سے پہلے اوپر پہنچ کر تکبیر بلند کی۔ تکبیر کی آواز سنتے ہی دوسری جماعت بھی فصیل پر جا پہنچی اور دروازے کی طرف پیش قدمی کی۔ اس طرح اسلامی لشکر دمشق شہر میں داخل ہوگیا۔[1]

فتح دمشق کے بعض اہم اسباق

کیا دمشق بزور شمشیر فتح ہوا یا بذریعہ صلح؟ مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ دمشق بذریعۂ مصالحت فتح ہوا کیونکہ وہ حتمی طور پر یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ پہلے مجاہدین نے دمشق فتح کیا اور بعد میں دمشق کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی یا اہلِ دمشق نے مسلمانوں کی یلغار دیکھ کر فوراً صلح کر لی؟

ایک قول کے مطابق آدھا دمشق صلح کے ذریعے سے اور آدھا بزور شمشیر فتح ہوا۔ اس قول کے قائلین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ انھوں نے دمشق میں عیسائیوں کے سب سے بڑے گرجے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس میں نصف حصے کو انھوں نے قبضے میں کر لیا اور باقی نصف چھوڑ دیا۔[2]

تاریخ فتح دمشق

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیف بن عمر کی روایت کے مطابق دمشق 13 ہجری کو فتح

---

[1] الهندسة العسكرية، ص: 192. [2] ترتيب و تهذيب البداية والنهاية، ص: 56.

ہوا لیکن خود سیف ہی کا ایک قول بشمول جمہور ہے کہ دمشق 14 ہجری میں رجب کی 15 تاریخ کو فتح ہوا۔[1]

خلیفہ بن خیاط لکھتے ہیں کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کا محاصرہ رجب، شعبان، رمضان اور شوال کے مہینوں میں جاری رکھا اور ذوالقعدہ میں مصالحت کا معاملہ پیش آیا۔[2] بہر حال واقعہ یہ ہے کہ دمشق یرموک کی فتح کے بعد ہی فتح ہوا۔[3]

نئے جنگی طریقے اور حربی چالیں

معرکۂ دمشق میں مسلمانوں نے بہت سے نئے جنگی طریقے اختیار کیے۔ حملے میں پہل کرنا، اچانک حملہ کر دینا اور موقع محل کی تلاش میں رہنا معرکۂ دمشق کے خاص واقعات ہیں۔ مجاہدین کے کمانڈر نت نئے حربے اختیار کرنے میں سب سے آگے تھے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خوب جائزہ لینے کے بعد ایک مناسب مقام سے خندق عبور کی اور پھر اچانک محاصرے کی حالت مسلمانوں کی پیش قدمی میں بدل گئی۔ اگر ہم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو پیش نظر رکھ کر اکتوبر 1973ء میں مصری لشکر کے اس اقدام کا جائزہ لیں جو انھوں نے اسرائیل کی طرف سے قائم کردہ دفاعی رکاوٹوں کو عبور کرنے کے لیے کیا تھا۔ تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ طریقہ بعینہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس طریقے جیسا تھا جس میں انھوں نے رسیوں سے بنائی ہوئی سیڑھیاں استعمال کی تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ زمانے اور زندگی کی برق رفتاریوں کے نتیجے میں آج حرب و ضرب کے طور طریقے یکسر بدل گئے ہیں۔ اس کے باوجود آپ آج بھی جدید جنگی چالوں کا جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دورانِ جہاد جو جنگی طریقے اور تدابیر اختیار فرمائی تھیں ان سے آج بھی کسی نہ کسی شکل میں استفادہ کیا جاتا ہے۔[4]

---

[1] ترتیب و تهذيب البداية والنهاية، ص: 55. [2] تاريخ خليفة، ص: 126. [3] الهندسة العسكرية، ص: 193. [4] الهندسة العسكرية، ص: 195.

دمشق کی فتح پر کہے جانے والے اشعار

حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم سلیمان کے گھر ایک مہینہ مقیم رہے۔ خالد رو ما میں، ہم نے برق بے اماں تلواروں سے ان پر حملے کیے۔''

''ہم بزور شمشیر مشرقی دروازے کی طرف بڑھے اور وہاں پر موجود ہر محافظ ہمارا ہی مطیع وفرماں بردار ہوتا چلا گیا۔''

''جب ہم ان کے گھروں کے آنگن میں جا پہنچے تو میں نے ان (کی خواتین) سے کہا:

''اے عورتو! تم اپنے مردوں کو شرم دلاؤ جب ہم نے دمشق اور تدمر میں ان کے سینے چاک کرڈالے تو سب نے شدت غم سے اپنے انگوٹھے چبا ڈالے۔''

دمشق کے بعد دیگر فتوحات

دمشق کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بقاع کی طرف روانہ کیا۔[1] وہاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بزور شمشیر فتح نصیب ہوئی۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک اور لشکر جرار بھیجا جو عین میسنون میں رومیوں سے جا ٹکرایا۔ اس جنگ میں رومیوں کا ایک کمانڈر، جس کا نام سنان تھا، بیروت کی گھاٹیوں سے اتر کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ اس دن بہت سے مسلمانوں نے رتبۂ شہادت پایا، اسی لیے اس جگہ کو ''عین الشہداء'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کے حاکم یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو اس مہم پر مامور کیا۔ یزید نے دحیہ بن خلیفہ کو ایک لشکر دے کر تدمر روانہ کیا تاکہ حالات پر پوری طرح گرفت ہو جائے۔ انھوں نے ابوالزہراء کو بثنیہ

[1] ترتیب و تهذيب البداية والنهاية، ص: 58، 59، والعمليات التعرضية والدفاعية عند المسلمين، ص: 185.

حمص
طرابلس
بحیرہ روم
جبیل
بعلبک
تدمر
شام
بیروت
لبنان
دمشق
صیدا (صیدون)
صور (طائر)
قنیطرہ
غباغب
جولان
صفد
عکا
بثنیہ
جھیل طبریہ
حیفا
طبریہ
حوران
جنین
اذرعات
بصریٰ
فلسطین
دریائے اردن
نابلس
رام اللہ
اریحا
القدس
(بیت المقدس)
اجنادین
بحیرۂ مردار
اردن
34
33
32
31
36
دمشق کے بعد دیگر فتوحات

نقشہ: 27

اورحوران کی طرف روانہ کیا۔ ان علاقوں کے باشندوں نے صلح صفائی سے اپنے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیے۔ حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے سوائے طبریہ کے سارا اردنی علاقہ بزور شمشیر فتح کیا۔ اہلِ طبریہ نے مصالحت کر لی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بقاع فتح کیا۔ بعلبک کے باشندوں نے مصالحت کر لی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے معاہدۂ امن تحریر کر دیا۔

معرکۂ فحل

علاقہ فحل کے نواح میں مقرر اسلامی دستوں نے پیش قدمی شروع کی۔ جونہی وہ جنوبی جانب بلندی پر واقع بستیوں کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ رومیوں کی جنگی قوت ایک لاکھ فوجیوں سے زیادہ ہے۔ حمص اور دیگر معرکوں میں شکست خوردہ رومی بھگوڑے سب یہاں جمع ہو گئے تھے۔ جب اسلامی لشکر عمارہ بن مخشن کی زیر قیادت آگے بڑھا اور فحل کا محاصرہ کیا تو بحیرۂ طبریہ کی جانب سے رومی لشکر مسلمانوں سے مقابلے کے لیے آ گیا۔

رومیوں نے پورے فحل کے گرد اسلامی لشکر کے خاص طور پر شاہ سواروں کو روکنے کے لیے کیچڑ پھیلا دی تھی تاکہ مسلمانوں کے گھوڑے کیچڑ میں پھسل جائیں اور پیش قدمی نہ کر سکیں۔ یہ طریقہ آج کل بھی ٹینکوں کو روکنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اس طرح رومیوں نے مسلمانوں کو ناکام کرنے اور کیچڑ کی مدد سے فحل کا دفاع کرنے کی کوشش کی لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ یہی کیچڑ سوکھ کر مسلمانوں کے لیے آسانی کا باعث بن جاتی. کیونکہ اگر یہ سوکھ جاتی تو مسلمان بآسانی فحل میں داخل ہو سکتے تھے کیونکہ وہ صحرائی جنگوں کا بڑا تجربہ رکھتے تھے۔

عمارہ بن مخشن نے شہر سے دور پڑاؤ ڈالا۔ جنگ شروع نہیں کی کیونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور دوسری طرف پانی اور کیچڑ پیش قدمی میں حائل تھی، اس لیے مسلمانوں
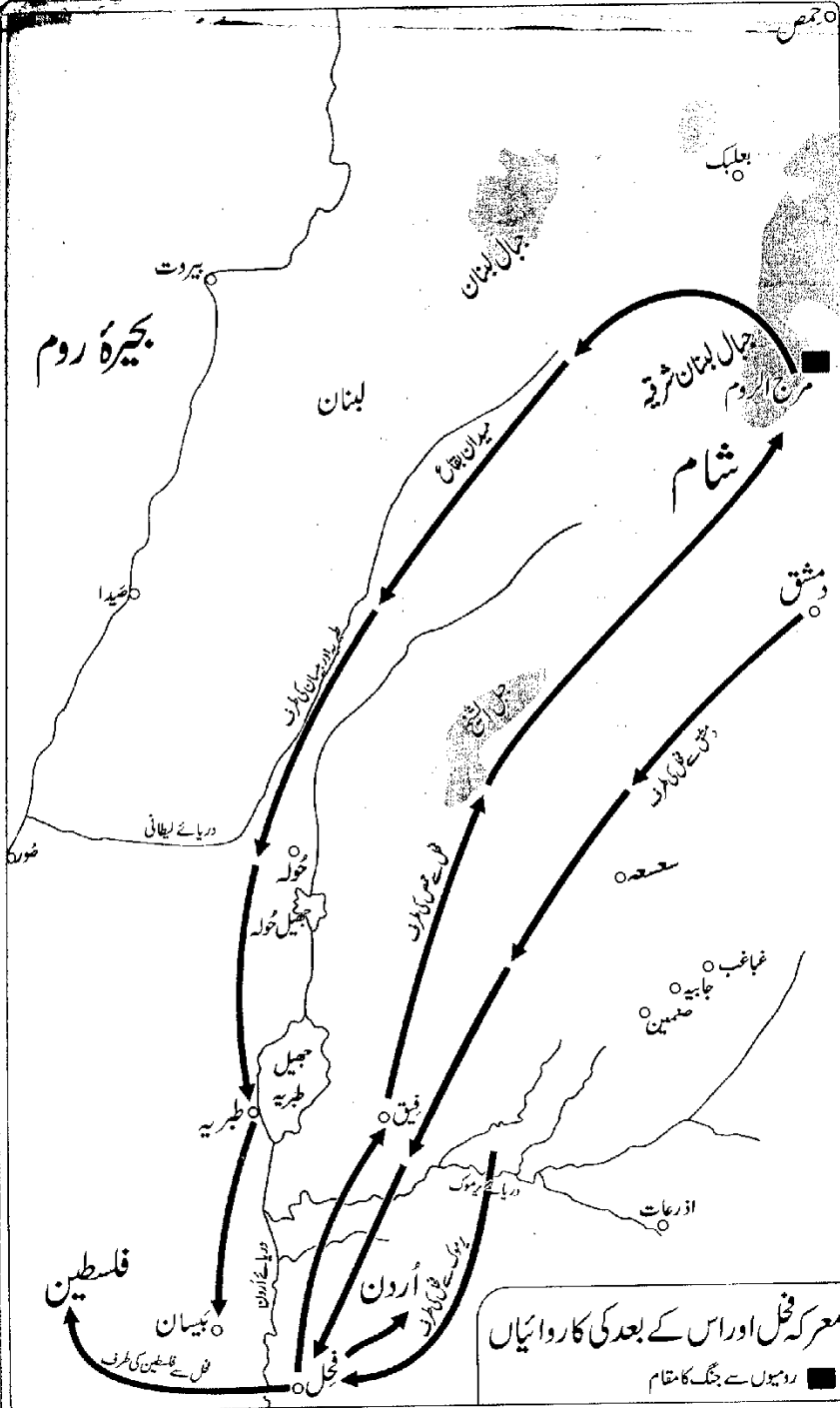
حمص
بعلبک
جبال لبنان
بیروت
بحیرۂ روم
لبنان
جبال لبنان شرقیہ
مرج الروم
میدان بقاع
شام
دمشق
صیدا
جبل الشیخ
دریائے لیطانی
صور
حولہ
جھیل حولہ
صنمین
جابیہ
غباغب
جھیل طبریہ
طبریہ
فیق
دریائے یرموک
اذرعات
دریائے اردن
فلسطین
اردن
بیسان
فحل سے فلسطین کی طرف
فحل
معرکہ فحل اور اس کے بعد کی کاروائیاں
رومیوں سے جنگ کا مقام

نقشہ: 28

نے فحل شہر کے محاصرے ہی پر اکتفا کیا۔ فحل میں اس وقت قیصر روم بھی موجود تھا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شامی دار الحکومت دمشق کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد فحل پہنچے اور اپنا لشکر ابو الاعور سلمی کے لشکر میں مدغم کر دیا اور پھر پورے لشکر کی اس طرح تنظیم نو فرمائی:

* مقدمۃ الجیش پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔
* میمنہ پر خود ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ۔
* میسرہ پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔
* سواروں پر ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ۔
* پیادوں پر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ۔

لشکر کی عمومی قیادت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی کیونکہ معرکۂ فحل ایسے علاقے میں برپا ہوا جو شرحبیل ہی کے زیر امارت تھا۔ شرحبیل نے سارے لشکر کی کمان سنبھالی، اپنے لشکر کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ امدادی دستے متعین کیے۔ پیش قدمی کے لیے منصوبہ بندی کی اور ایمرجنسی حالات سے نمٹنے کے لیے ہر وقت مستعد رہنے والے دستے خاص طور پر ترتیب دیے۔ خود شرحبیل دن ہو یا رات جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔[1]

مسلمانوں نے فحل کا محاصرہ طویل مدت تک جاری رکھا۔ رومیوں نے سوچا کہ اب وہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہیں اور رات کے وقت ایک فیصلہ کن اقدام کر سکتے ہیں۔ اس جنگ میں رومیوں کا کمانڈر سقلاب بن مخراق تھا۔ اس کی قیادت میں رومیوں نے رات کے وقت مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ جنگ ساری رات اور پھر اگلی صبح سے رات تک جاری رہی۔ جیسے ہی اگلے دن کی رات ہوئی رومیوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ ان کا کمانڈر مارا گیا۔ اور مسلمان رومیوں کو تہ تیغ کرنے لگے۔ اس طرح شکست کھا کر رومی پیچھے ہٹے تو اپنے ہی پھیلائے ہوئے دام میں آ گئے۔

[1] العملیات التعرضیة والدفاعیة عند المسلمین، ص: 188.

جو کیچڑ اور پانی انھوں نے مسلمانوں کے لیے پھیلایا تھا اب اس میں وہ خود پھسل پھسل کر گرنے لگے۔ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی کامل تیاری کی وجہ سے رومی لشکر میں افراتفری پھیل گئی یوں وہ مسلمانوں کا حملہ روکنے میں ناکام ہوگئے۔ وہ مسلسل پانی اور کیچڑ میں گرتے رہے اور مسلمانوں کی تلواریں انھیں ٹھکانے لگاتی رہیں۔ سوائے چند بکھر جانے اور بھاگ جانے والے رومیوں کے باقی سارا لشکر تہ تیغ ہوا۔ فحل کا محاصرہ کرنے والی افواج کا کام ختم ہوچکا تھا، لہٰذا مسلمان اب اپنے منصوبے کے مطابق دیگر کئی بنیادی مہمات کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔

اب شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اردن اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین کی مہم سونپی گئی۔ ادھر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حمص کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہ ابھی ماج الروم کے قریب ہی پہنچے تھے کہ اچانک انتہائی خونریز جنگ چھڑ گئی اور سارا میدان لاشوں سے بھر گیا۔

اس جنگ میں مسلمانوں نے نہایت اہم جنگی اصول اور مسلسل پیش قدمی کا طریق کار اپنایا۔ ہوا یوں کہ جب مسلمانوں کا مقدمۃ الجیش رومیوں کے مقدمۃ الجیش سے ٹکرایا تو رومی کمانڈر توذرا فوراً حرکت میں آگیا۔ وہ دمشق والی جانب سے چکر کاٹ کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مسلمانوں نے جلد ہی صورت حال کا ادراک کرلیا اور دشمن کے ارادوں کو فوراً بھانپ گئے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے توذرا کا مقابلہ کرنے اور اس پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے فوری طور پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک لشکر روانہ کردیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے ہی محاذ پر ڈٹے رہے۔ انھوں نے رومیوں کو پھنسائے رکھا۔ مسلمانوں کو توذرا کی اس پیش قدمی کا علم ہوا تو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی اپنے دستوں کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے نکل پڑے۔ دونوں لشکروں کا زبردست مقابلہ ہوا۔ جنگ نے زور بھی نہ پکڑا تھا کہ عقب سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زوردار حملہ کردیا اور توذرا کا

تقریباً سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا۔ [1]

یومِ فحل پر کہے جانے والے اشعار

معرکۂ فحل کے بارے میں قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے درج ذیل اشعار کہے:

''معرکۂ فحل کے دن لوگوں نے مجھے انتہائی باصلاحیت جنگجو پایا۔ گھوڑے میدان میں اتر رہے تھے اور ہولناکیاں پھیلتی جا رہی تھیں۔''

''اصل عربی النسل گھوڑے دشمن کو کچل رہے تھے جب معرکۂ فحل کے دن نیزے جسموں میں پیوست ہو رہے تھے۔''

''یہاں تک کہ دشمن کے تمام سرداروں کو پسپا کر دیا گیا اس کے بعد وہ جنگ جاری رکھنے سے عاجز آ گئے۔''

''کیچڑ والے دن مقام فحل میں ایسا وقت آیا کہ نیزوں نے دشمن پر بازی پلٹ دی۔''

''ہم نے ان کے لشکر کیچڑ میں تہ تیغ کر دیے سب کے سب مجھے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔''

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے مزید کہا:

''ہم معرکہ فحل کے دن تنگ جگہ میں اترے وہاں بڑے بڑے سردار اپنا اسلحہ گھر بھول جاتے ہیں۔''

''میں مسلسل سفید پیشانی والے گھوڑے پر سوار رہا اور دشمن پر حملے کرتا رہا۔''

''یہاں تک کہ ہم نے ڈھالوں سے دشمن کے لشکروں کو تتر بتر کر دیا۔ جونہی کوئی بڑا لشکر سامنے آتا تھا اسے فوراً بھگا دیا جاتا تھا۔''

''ہم وہ لوگ ہیں جو شام اور عراق میں ہر پست و بلند مقام پر یلغار کرتے

---

[1] العمليات التعرضية والدفاعية عند المسلمين، ص: 189.

رہے ہیں۔“[1]

بیسان اور طبریہ کی فتح

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکروں کے ہمراہ حمص سے پلٹ آئے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اردن پر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ شرحبیل اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کرتے ہوئے بیسان کا محاصرہ کرلیا۔ اہلِ بیسان نے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ بہت خون ریز جنگ ہوئی، پھر اہلِ دمشق کی طرح انھوں نے بھی مصالحت کرلی۔ مسلمانوں نے ان سے جزیہ، جبکہ ان کی زمینوں پر خراج مقرر کردیا۔ ادھر ابوالاعور سلمی نے اہلِ طبریہ سے مصالحت کرلی اور ان پر جزیہ اور خراج لاگو کردیا۔[2]

معرکۂ حمص (15ھ)

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شکست خوردہ رومیوں کا تعاقب جاری رکھا تاآنکہ وہ سب حمص میں داخل ہوگئے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کرلیا اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ آملے۔ بڑا سخت محاصرہ ہوا۔ شدید سردی کا موسم تھا۔ حمص والوں نے سوچا کہ مسلمان سردی کی شدت برداشت نہیں کرسکیں گے اور خود بخود واپس چلے جائیں گے لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عظیم صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ بعض رومی بے صبرے ہوکر بھاگ گئے۔ انھوں نے موزے پہنے ہوئے تھے، اس کے باوجود سردی کی شدت سے ان کے پاؤں بے کار ہوگئے، جبکہ دوسری طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم صرف سادہ جوتے پہنے ہوئے تھے لیکن اللہ کی مہربانی سے سردی سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ محاصرہ مسلسل جاری رہا حتی کہ سردیوں کا موسم ختم ہوگیا۔ رومیوں کے

---

① العمليات الدفاعية، ص: 192. ② ترتيب و تهذيب البداية والنهاية، ص: 61.

ایک آدمی نے مسلمانوں سے مصالحت کرنے کا مشورہ دیا لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ کیا ہم ایسی حالت میں مصالحت کر لیں کہ ہمارا بادشاہ قیصر روم ہمارے درمیان موجود ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ بلند آواز سے تکبیر کہی تو پورا شہر لرز گیا اور شہر کی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں، پھر دوسری تکبیر کہی تو کچھ گھر بھی منہدم ہو گئے۔ اہلِ حمص اپنے قائدین کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں؟ تم مسلمانوں سے مصالحت کیوں نہیں کر لیتے؟ لہٰذا انھوں نے اہل دمشق کی طرح مسلمانوں سے آدھا شہر، خراج اور جزیہ ادا کرنے کی شرائط پر صلح کر لی، یعنی آدھا شہر مسلمانوں کے قبضے میں ہوگا۔ فقیر اور مالدار کے حساب سے ہر فرد پر جزیہ عائد ہوگا اور زمینوں پر خراج لاگو ہوگا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت کا خمس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ ارسال فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حمص میں ایک عظیم الشان لشکر جرار ٹھہرایا۔ بلال رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کو لشکر کی کمان سونپ دی۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیغام ارسال کیا کہ ہرقل نے دریائے فرات کا پانی روک لیا ہے۔ کبھی وہ کھل کر سامنے آتا ہے کبھی چھپ جاتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ شہر ہی میں رکے رہو اور میرے آئندہ حکم کا انتظار کرو۔[1]

معرکۂ قنسرین (15ھ)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قنسرین روانہ فرمایا۔[2] خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

[1] ترتیب و تہذیب البدایۃ والنہایۃ، ص: 62. [2] تاریخ الطبری: 4/427.

معرکہ حمص، قنسرین اور قیساریہ

وہاں پہنچے تو اہلِ قنسرین اور عرب عیسائی مقابلے کے لیے سامنے آگئے۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی اور دشمن بڑی تعداد میں مارا گیا۔ روم سے تعلق رکھنے والے رومیوں کو خالد رضی اللہ عنہ نے خاک وخون میں ملا دیا۔ ان کا امیر میناس بھی مارا گیا۔ بدوی لوگوں نے اپنا دفاع کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ جنگ ہماری مرضی کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا عذر قبول فرمایا اور ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ انھوں نے رومیوں کا تعاقب کیا۔ رومی قلعہ بند ہوگئے۔ اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنا مشہور زمانہ مقولہ ارشاد فرمایا: «إِنَّكُمْ لَوْ كُنْتُمْ فِي السَّحَابِ لَحَمَلَنَا اللّٰهُ إِلَيْكُمْ أَوْ لَأَنْزَلَكُمُ اللّٰهُ إِلَيْنَا» ''اے رومیو! اگر تم بادلوں میں بھی چھپ جاؤ تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے وہاں پہنچنے کے راستے بھی مہیا فرما دے گا یا پھر اللہ تمھیں (بادلوں سے) ہماری طرف اتار دے گا۔'' محاصرہ بدستور جاری رہا حتی کہ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس معرکے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے کردار کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا: «يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَا بَكْرٍ كَانَ أَعْلَمَ بِالرِّجَالِ مِنِّي، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَمْ أَعْزِلْهُ عَنْ رِّيبَةٍ وَّلٰكِنْ خَشِيتُ أَنْ يُّوَكَّلَ النَّاسُ إِلَيْهِ» ''اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحمت نازل فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی تہمت یا شک کی بنا پر خالد رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا۔ میں تو صرف اس بات سے ڈرا کہ مبادا لوگ خالد پر بھروسا کرنے لگیں۔''[1]

قیساریہ کا معرکہ (15ھ)

اسی سال 15 ہجری میں عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو قیساریہ کی جانب پیش قدمی کا حکم دیا[2] اور لکھا: اے معاویہ! تم قیساریہ کی طرف پیش قدمی کرو۔ اللہ سے مدد

[1] ترتيب و تهذيب البداية والنهاية، ص: 63. [2] تاريخ الطبري: 431/4.

طلب کرو۔ کثرت سے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ پڑھتے رہو۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے۔ اسی سے ہماری امیدیں وابستہ ہیں۔ اسی پر ہمارا اعتماد ہے۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور وہ سب سے بہتر کارساز اور مددگار ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کی طرف پیش قدمی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل قیساریہ نے متعدد حملے کیے۔ آخری دفعہ گھمسان کا رن پڑا۔ خونریز جنگ ہوئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جم کر حملے کیے۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ انھیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی ہزار (80,000) رومی مارے گئے۔ شکست خوردہ بھگوڑے رومیوں کا تعاقب کیا گیا۔ بیس ہزار (20,000) بھگوڑے ہلاک ہوئے۔ اس طرح ایک لاکھ (100,000) رومی تہ تیغ ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت کا خمس عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ ارسال فرما دیا۔[1]

ڈاکٹر عبدالرحمٰن الشجاع کہتے ہیں کہ مجاہدین اسلام مسلسل حملے کرتے رہے اور شامی علاقے یکے بعد دیگرے فتح ہوتے رہے۔ رومی اس قدر شکست کھا چکے تھے کہ ان میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی سکت ہی باقی نہ رہی، اسی لیے شامی علاقے بیروت، صیدا، نابلس، لُد، حلب اور انطاکیہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوتے گئے۔ قیساریہ ملک شام کا آخری شہر تھا جو معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں فتح ہوا۔ (ڈاکٹر عبدالرحمٰن الشجاع کی تحقیق کے مطابق) قیساریہ کی فتح قدس کی فتح کے بعد ہوئی۔[2]

القدس کی فتح (16ھ)

رومیوں کی طرف سے فلسطین کا جو حاکم مقرر کیا جاتا تھا وہ ''ارطبون'' کہلاتا تھا۔ وہ عظیم روحانی قائد اور یونانی شہنشاہیت کا عظیم ستون سمجھا جاتا تھا۔ ارطبون رومیوں کے انتہائی سمجھدار، معاملہ فہم اور کامیاب چال چلنے والے فرد کو کہا جاتا تھا۔ اس نے اپنے دفاع کے لیے

---

[1] ترتیب و تهذیب البدایة والنهایة، ص:64,63. [2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة، ص:355.
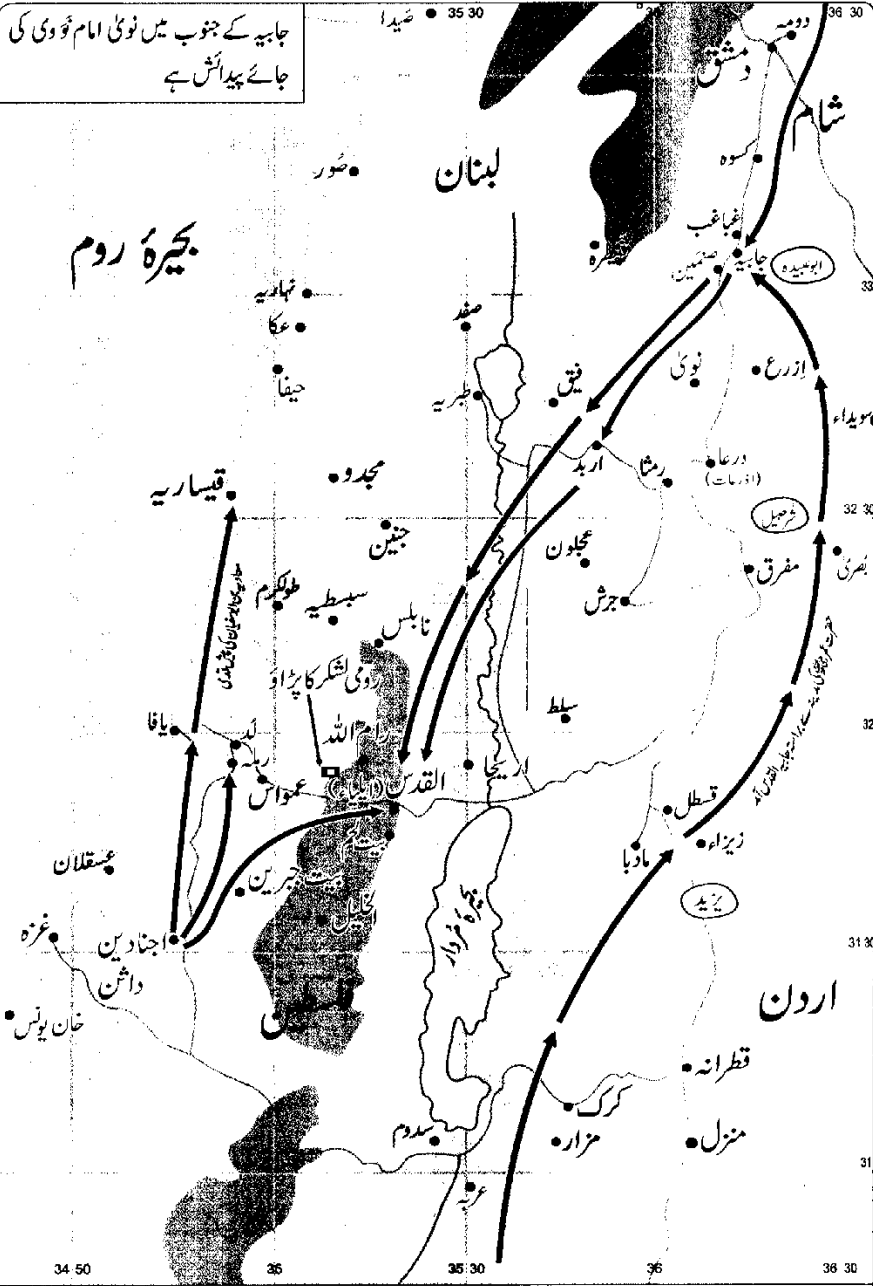
القدس کا محاصرہ اور فتح

نقشہ: 30

ایک لشکر جرار رملہ میں اور دوسرا ایلیاء (بیت المقدس میں) میں تعینات کر رکھا تھا۔[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مفصل حالات لکھ بھیجے اور ان سے فلسطین کی مہم کے بارے میں حکم اور ہدایات طلب کیں۔ اسی موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشہورِ زمانہ قول ارشاد فرمایا: ''ہم نے رومی ارطبون کے مقابلے میں عربی ارطبون مقرر کر دیا ہے اب دیکھو فتح کس کا مقدر ہے!''[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ دونوں ہی قائد اپنی اپنی قوم میں انتہائی ذہین اور معاملہ فہم افراد سمجھے جاتے ہیں۔ 15 ہجری میں پیش آنے والا دوسرا معرکہ اجنادین فلسطین کی طرف پیش قدمی کا سبب بن گیا۔ اجنادین حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ وہاں رومیوں کے لشکر کو شکست فاش ہوئی۔[3]

درحقیقت معرکۂ قدس معرکۂ اجنادین سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ ارطبون نے اپنا لشکر ایلیاء اور رملہ کے درمیانی علاقے میں پھیلا دیا۔ تقریباً اٹھارہ (18) میل کے علاقے تک رومیوں ہی کے لشکر نظر آتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ارطبون عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے بڑا چوکنا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان دونوں شہروں پر کسی قسم کے حملے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ کیونکہ یہ دونوں فلسطین کے اہم شہر تھے۔ رملہ اس کا صدر مقام تھا، جبکہ ایلیاء (بیت المقدس) فلسطین کے شہروں میں سے بڑا شہر تھا۔[4]

ایلیاء کا حاکم ارطبون وہی شخص تھا جو اجنادین میں اپنے شکست خوردہ بھگوڑے سپاہیوں کے ساتھ ایلیاء میں پناہ لیے ہوئے تھا اور اس کے لشکر رملہ میں پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔[5]

یہاں ان چند اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے جنھیں بروئے کار لا کر مسلمان آگے بڑھے اور قدس کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

---

[1] حروب القدس في التاريخ الإسلامي والعربي للدكتور ياسين سويد، ص: 35. [2] تاريخ الطبري: 431/4. [3] حروب القدس في التاريخ الإسلامي والعربي، ص: 35. [4] حروب القدس في التاريخ الإسلامي والعربي، ص: 36,35. [5] تاريخ الطبري: 432/4.

دشمن کو مشغول رکھنے کی جنگی حکمتِ عملی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پروگرام یہ تھا کہ جب تک اجنادین میں رومی افواج کو مکمل شکست نہیں ہو جاتی اس وقت تک انھیں فلسطین میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے سے باز رکھا جائے تاکہ مسلمان اجنادین سے فارغ ہونے کے بعد یکسوئی سے قدس اور دیگر شامی علاقوں کی فتوحات مکمل کر سکیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی افواج کے ساتھ قیساریہ روانہ ہو جائیں اور رومیوں کو جنگ میں پھنسائے رکھیں۔ دوسری طرف عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی ٹھیک اسی طرح کا پروگرام بنایا جیسا پروگرام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا۔ انھوں نے علقمہ بن حکیم فراسی اور مسروق بن بلال عکی کو ایک لشکر کے ساتھ ایلیاء کی طرف بھیجا اور تاکید کی کہ وہاں رومی سپاہ کو جنگ میں الجھائے رکھو۔ انھوں نے پروگرام کے مطابق انھیں اپنی طرف ہی لگائے رکھا۔[1]

پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ابو ایوب مالکی کو ایک فوجی دستہ دے کر اسی غرض سے رملہ روانہ کر دیا، پھر جیسے ہی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس مزید کمک پہنچی تو انھوں نے فوراً ایک دستہ محمد بن عمرو کی قیادت میں ایلیاء کے محاذ پر اور دوسرا دستہ عمارہ بن عمرو بن امیہ الضمری کی زیر قیادت رملہ روانہ کر دیا، جبکہ وہ خود ارطبون کے ساتھ ایک فیصلہ کن مقابلے کے لیے اجنادین ہی میں مقیم رہے۔ اسی دوران میں ایلیاء کا حفاظتی دستہ مسلمانوں کو شہر پناہ سے دور رکھنے کی کوشش میں مصروف رہا۔ قدس کے ارد گرد لڑائی کی آگ پھیل گئی تھی، جبکہ رومی ایک سخت جنگ کے لیے اجنادین پر بھرپور توجہ دے رہے تھے۔[2]

علامہ طبری فرماتے ہیں: مسلمانوں اور رومیوں کے مابین اجنادین میں یرموک جیسا بڑا خونریز معرکہ ہوا۔ جابجا مقتولین کے ڈھیر لگ گئے۔[3]

---

[1] حروب القدس، ص: 36. [2] حروب القدس، ص: 36. [3] تاریخ الطبري: 4/433.

اجنادین میں رومی ارطبون اور عربی ارطبون (عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) کا زبردست مقابلہ ہوا۔ رومی ارطبون شکست کھا کر بھاگ نکلا اور اپنے شکست خوردہ سپاہیوں کے ساتھ ایلیاء کی طرف متوجہ ہوا تاکہ وہ قدس کی شہر پناہ میں محفوظ ہو جائے۔ مسلمانوں نے اسے راستہ دے دیا۔ وہ سیدھا قدس میں داخل ہو گیا۔ ①

علامہ طبری فرماتے ہیں کہ علقمہ، مسروق، محمد بن عمرو اور ابو ایوب سمیت سب کمانڈر اجنادین میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر اسلامی فوج میں شامل ہو چکے تھے۔ اب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پورا لشکر ساتھ لے کر اجنادین سے قدس کے محاصرے کے لیے روانہ ہو گئے۔ ②

مسلمان حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایلیاء کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے۔ گھیرا انتہائی سخت تھا لیکن شہر کا دفاع بھی بہت مضبوط تھا۔

علامہ واقدی بیان فرماتے ہیں کہ قدس کی فصیل منجنیقوں، پتھروں، تلواروں کی ڈھالوں اور عمدہ زرہوں سے بھری ہوئی تھی۔ محاصرے کے تین دن بعد جنگ شروع ہوئی۔ مسلمان شہر کی طرف آگے بڑھے تو شہر کی فصیل سے حفاظتی دستوں نے تیروں اور نیزوں کی بوچھاڑ کر دی۔ مسلمان تیر اور نیزے اپنی ڈھالوں پر روک رہے تھے۔ یہ لڑائی صبح سے شام تک جاری رہی، پھر مسلسل کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ گیارھویں دن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اپنے ساتھ موحد، بے باک اور بہادر مجاہدین کا لشکر لے کر وہاں پہنچ گئے۔ ③

تازہ دم فوج دیکھ کر اہل ایلیاء کے حوصلے پست ہو گئے۔ یہ محاصرہ چار مہینے جاری رہا۔ روزانہ بڑی سخت جنگ ہوتی تھی۔ مسلمان لڑائی کرنے کے ساتھ بارش، برفباری اور انتہائی شدید سردی کا مقابلہ بھی کر رہے تھے۔ ④

① تاريخ الطبري: 4/433. ② حروب القدس، ص: 37. ③ حروب القدس، ص: 38.
④ حروب القدس، ص: 38.

آخر کار رومی اس محاصرے سے تنگ آ گئے۔ ان کے بڑے پادری ''صفرونیوس'' نے اس محاصرے کو توڑنے کی آخری کوشش کی اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ اس بے فائدہ محاصرے کو ختم کر دیں کیونکہ مسلمان اس شہر کو فتح نہیں کر سکتے۔ [1]

دشمن کو مرعوب کرنا

رومی ارطبون نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا: تم میرے دوست ہو۔ میرے ہم پلہ ہو۔ تمھیں اپنی قوم میں وہی مقام حاصل ہے جو مجھے اپنی قوم میں حاصل ہے۔ اللہ کی قسم! اجنادین کے بعد اب تم فلسطین کا کوئی حصہ فتح نہیں کر سکتے۔ تمھیں قدس پر حملے کے بجائے واپس چلے جانا چاہیے، ورنہ تم بھی دیگر حملہ آوروں کی طرح شکست کا سامنا کرو گے۔ [2]

عمرو رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ ان شاء اللہ میں ہی ان شہروں کو فتح کروں گا۔ انھوں نے جوابی خط ایلچی کے حوالے کیا اور کہا کہ اپنے ارطبون سے اس خط کا جواب بھی لانا۔ جب رومی ارطبون نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا اور کہنے لگا: قدس کو تو وہی شخص فتح کرے گا جس کا نام عمر ہوگا۔ ایلچی نے جو کچھ ارطبون سے سنا آ کر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سنا دیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ ارطبون کا مطلب یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی یہ شہر فتح کریں گے۔ [3]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ارطبون کی یہ گفتگو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ انھوں نے یہ وضاحت کی کہ ارطبون کے مطابق یہ شہر صرف آپ ہی فتح کر سکتے ہیں۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ اور مزید کمک بھی طلب کی اور عرض کیا کہ میں نے انتہائی سخت اور نہایت خوفناک جنگیں لڑی ہیں اور بہت سے شہر آپ کے آگے ڈھیر کر دیے ہیں۔ اب آپ اپنی رائے قائم فرمائیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً مشورہ کیا، پھر ایک فوجی دستہ لے کر شام پہنچ گئے۔ آپ نے

---

[1] حروب القدس، ص: 38. [2] تاریخ الطبري: 4/433. [3] تاریخ الطبري: 4/433.

مدینہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا اور جابیہ میں پڑاؤ ڈالا۔ اہلِ ایلیاء وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کرلی۔ اس طرح شہر قدس فتح ہوگیا۔ [1]

قدس کا محاصرہ کرنے والوں کے بارے میں روایات کا اختلاف

علامہ طبری ایک سے زیادہ روایات سے ثابت کرتے ہیں کہ قدس کا محاصرہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ ایک دوسری روایت میں انھوں نے یہ بھی لکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سفرِ شام کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کررکھا تھا۔ بیت المقدس کے باشندوں نے مطالبہ کیا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ خود تشریف لائیں اور دیگر شامی علاقوں کی طرح ان سے صلح کی شرائط طے کریں۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اہل قدس کا مطالبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود شامی لشکر کے لیے ایک امدادی دستہ لے کر روانہ ہوئے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ بھی دو روایات علامہ طبری جیسی بیان کردہ روایات کے مطابق ذکر کرتے ہیں۔ ان کے اکثر و بیشتر الفاظ بھی وہی ہیں۔ [2]

علامہ واقدی قدس کے محاصرے، عمر رضی اللہ عنہ سے مشاورت اور ایلیاء کے محافظ دستوں سے مذاکرات کی نسبت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے پینتیس ہزار (35,000) مجاہدین اور سات (7) کمانڈروں کے ساتھ بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی۔ ہر کمانڈر کی زیر قیادت پانچ ہزار (5000) نفری کا لشکر تھا اور یہ سات عظیم کمانڈر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ، مرقال بن ہاشم بن ابی وقاص، مسیّب بن نجیہ الفزاری، قیس بن ہبیرہ المرادی اور عروہ بن مہلل

---

[1] تاريخ الطبري: 4/434. [2] حروب القدس، ص: 40.

بن زید تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ روزانہ ایک قائد کو قدس روانہ کرتے تھے، اس طرح سات (7) دنوں میں اس لشکر کو روانہ کرنے کے بعد وہ خود بھی قدس پہنچے۔ اس وقت تک اسلامی لشکر اور قدس کے حفاظتی دستوں کے درمیان جنگ زور پکڑ چکی تھی۔[1]

علامہ واقدی بیان فرماتے ہیں کہ اہل ایلیاء حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انھوں نے اس شرط پر صلح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا کہ صلح کی شرائط حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود آکر طے کریں۔ بعد ازاں علامہ واقدی ایسی روایات بھی بیان کرتے ہیں جو علامہ طبری رحمہ اللہ اور علامہ ابن اثیر سے کسی حد تک مشابہت رکھتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اہلِ ایلیاء کا مطالبہ لکھ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قدس کی شہر پناہ کے قریب فروکش ہوئے۔ اس وقت اہلِ ایلیاء کا بڑا پادری ان کے پاس آیا۔ اس نے انھیں پہچان لیا اور کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! یہی وہ شخص ہے جس کی صفت ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور یہی شخص ہمارے شہروں کو فتح کرے گا۔''[2]

پادری دوبارہ اہلِ ایلیاء کے پاس پہنچا۔ اس نے انھیں تسلی دی اور کہا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مل کر آیا ہوں اور بالکل مطمئن ہوں۔ یہ سن کر سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ وہ محاصرے سے انتہائی تنگ آچکے تھے۔ انھوں نے فوراً دروازے کھول دیے۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور جزیہ ادا کرنے کی بنیاد پر امن کی ضمانت کا مطالبہ کرنے لگے۔[3]

علامہ واقدی کی تحریر کردہ ان روایات کو ہم اس لیے بعید از قیاس خیال کرسکتے ہیں کہ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قدس کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو ان کے ساتھ یرموک، دمشق اور معرکۂ فحل سے فارغ ہونے والے اسلامی جرنیل موجود تھے۔ انھوں نے بہت سے شامی علاقے فتح کیے۔ غنیمت حاصل کی۔ اس وقت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ

---

(1) فتوح الشام: 1/213-216. (2) فتوح الشام: 1/225. (3) حروب القدس، ص: 40.

حمص، حماۃ، قنسرین اور حلب پر قبضہ کر رہے تھے۔ ان علاقوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ شام کے جنوبی ساحل کی طرف جا نکلے، پھر وہ انطاکیہ، لاذقیہ اور عرقہ شہروں کو فتح کرنے میں مصروف ہو گئے۔ دوسری طرف حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیروت کے جنوبی ساحل کی طرف بیروت سے صیدا تک، جبکہ شمالی جانب عسقلان سے صور تک کے علاقے فتح کرنے میں مصروف تھے۔[1]

لیکن علامہ بلاذری ایک روایت میں بیان فرماتے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وہ شخص تھے جنھوں نے رفح فتح کرنے کے بعد قدس کا محاصرہ کیا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ قنسرین اور دوسرے ملحقہ علاقے فتح کرنے کے بعد 16 ہجری کو وہاں پہنچے۔ اس وقت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایلیاء کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ایلیاء بیت المقدس ہی کا نام ہے۔[2] اہل ایلیاء نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے امان طلب کی تھی اور دیگر شامی علاقوں کی شرائط کے مطابق مصالحت کی درخواست کی تھی۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ معاہدۂ صلح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر طے پانا چاہیے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ساری صورت حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے تشریف لائے اور دمشق کے قریبی علاقے جابیہ میں قیام فرمایا، پھر وہاں سے ایلیاء روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے صلح کی شرائط تحریر فرمائیں اور معاہدۂ امن لکھ کر اہل ایلیاء کو مرحمت فرمایا۔ یہ فتح 17 ہجری کو نصیب ہوئی۔ علامہ بلاذری یہ بھی کہتے ہیں کہ ایلیاء کی فتح کے بارے میں اور بھی کئی روایات موجود ہیں۔[3]

ہم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے محاصرے والی پہلی روایت کو ترجیح دیتے ہیں کہ محاصرہ کرنے والے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی تھے، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرنے جابیہ حاضر ہوئے

[1] حروب القدس، ص:41. [2] فتوح البلدان:1/188-189. [3] فتوح البلدان:1/189.

تھے۔ یہ بات اس لیے بھی پوری طرح قرین قیاس ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس علاقے میں اسلامی لشکر کے سالار اعلیٰ تھے اور انھوں نے مجاہدین کے تمام کمانڈروں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشادات و ہدایات سننے اور ان سے ضروری صلاح مشورے کے لیے جابیہ میں طلب کیا تھا۔ [1]

یہ بات یقیناً قابلِ یقین ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان، شرحبیل اور مجاہدین کے دوسرے کمانڈروں کے ساتھ اہلِ قدس کے ساتھ صلح کے معاہدے اور شہر کا کنٹرول سنبھالنے کے لیے جابیہ ضرور تشریف لائے ہوں گے۔ [2]

اور یہ بات بھی ضرور کہی جا سکتی ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس معاہدے میں اس طرح شریک نہیں ہوئے جس طرح عمرو بن عاص، عبدالرحمٰن بن عوف، معاویہ بن ابی سفیان اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم شامل ہوئے تھے۔ یہ معاہدہ خود بھی اس پہلو کی نشاندہی کرتا ہے۔ بعد از تحقیق ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایلیاء کا محاصرہ کرنے والے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی تھے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ [3]

اس عہد نامے میں باشندگانِ ایلیاء کی طرف سے جزیہ ادا کرتے رہنے کی شرط پر اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء اور تمام اہلِ ایمان کی طرف سے مکمل ضمانتِ امن اور ذمہ دیا گیا۔ اس دستاویز پر حضرت خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم نے بطور گواہ دستخط کیے۔ [4]

معاہدے کی عبارت

(آگے آنے والے مخطوطے کی تصویر "القدس ڈاکومنٹ" سے لی گئی ہے۔)

---

[1] تاريخ الطبري:4/431-436. [2] حروب القدس، ص:41. [3] حروب القدس، ص:42.

[4] تاريخ الطبري:4/436.

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ امان نامہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندے امیر المومنین عمر (رضی اللہ عنہ) نے اہلِ ایلیاء کو دیا ہے۔ اس کی رو سے اہلِ ایلیاء کو ان کی جان، مال، گرجوں اور صلیب کے علاوہ بیمار اور صحت مند بلا امتیاز سبھی عیسائیوں کو امان دی گئی ہے۔ ان کے گرجاؤں میں نہ رہائش اختیار کی جائے گی، نہ انھیں گرایا جائے گا، نہ ان کی حرمت پامال کی جائے گی، نہ وہاں سے کوئی چیز لی جائے گی، نہ صلیبوں اور دیگر اموال سے کوئی تعرض کیا جائے گا، نہ اہلِ ایلیاء کو ان کا دین چھوڑنے پر مجبور کیا جائے گا اور نہ کسی کو کوئی گزند پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں ان کے ساتھ کوئی یہودی رہنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اہلِ ایلیاء دیگر شامی علاقوں کی طرح جزیہ ادا کریں گے۔ ان پر لازم ہوگا کہ وہ رومیوں اور چوروں کو علاقہ ایلیاء سے نکال دیں۔ جو وہاں سے جائے گا اس کی جان اور مال محفوظ ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے محفوظ ٹھکانے پر پہنچ جائے۔ جو ایلیاء ہی میں رہنا چاہے وہ امن سے ہوگا اور دیگر باشندگانِ ایلیاء کی طرح جزیہ ادا کرے گا۔ اہلِ ایلیاء میں سے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ رومیوں کے ساتھ جانا چاہے اور اپنے گرجے اور صلیبیں چھوڑ جائے اس کی جان، گرجا گھروں اور صلیبوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنی محفوظ پناہ گاہ میں پہنچ جائے۔ اسی طرح دیگر جنگوں میں رومیوں کے ساتھ شریک افراد کو بھی جو اس وقت وہاں موجود ہیں، امان دی جاتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایلیاء میں ٹھہرنا چاہے تو ٹھہر سکتا ہے۔ اسے باشندگانِ ایلیاء کی طرح جزیہ ادا کرنا پڑے گا اور جو ایلیاء سے جانا چاہے تو اسے اجازت ہوگی۔ چاہے رومیوں کے ساتھ چلا جائے یا اپنے گھر روانہ ہوجائے۔ اس سے کٹائی کے موسم تک کوئی وصولی نہیں کی جائے گی۔

گواہ: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ — عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ — معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

قدس کی فتح سے ماخوذ اہم فوائد واسباق

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کا فداکارانہ کردار

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں: میں دمشق کے جابیہ نامی ایک دروازے کے پاس تھا۔ میں نے دروازہ کھلنے کی آہٹ سنی، پھر اچانک میں نے وہاں دشمن کا بہت بڑا دستہ نمودار ہوتے دیکھا۔ میں نے کچھ توقف سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اس دستے پر حملہ کر دیا۔ وہ لوگ سمجھے کہ شاید انھیں گھیر لیا گیا ہے اور مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا ہے۔ وہ بدحواس ہو کر شہر کی طرف بھاگے اور اپنے کمانڈر کو وہیں چھوڑ گئے۔ میں نے اسے نیزہ مارا اور اس کے ترکی گھوڑے سے اسے نیچے گرا دیا، پھر میں نے گھوڑے کی لگام تھامی اور اس پر چڑھ کر ایڑھ لگا دی۔ رومیوں نے پلٹ کر دیکھا تو مجھے اکیلا پایا۔ انھوں نے میرا تعاقب کیا۔ میں نے ایک شہسوار کو نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ دوسرا قریب آیا تو اسے بھی ہلاک کر دیا، پھر میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ انھیں سارا قصہ سنا دیا، پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ رومیوں کا ایک بڑا جرنیل باشندگانِ دمشق کے لیے امان مانگنے کی غرض سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔[1]

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی سفارت

مسلمانوں اور رومیوں کی بہت سی خونریز لڑائیوں کے بعد معرکۂ فحل سے کچھ دیر پہلے رومیوں نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس اپنا کوئی سفیر بھیجو تاکہ ہم یہ جان سکیں کہ تم کیا چاہتے ہو اور کس چیز کی دعوت دیتے ہو؟ اور ادھر ہم بھی یہ بتا سکیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی طرف سے معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ کو

---

[1] سير أعلام النبلاء: 3/387,386، والتاريخ الإسلامي: 10/319.

مذاکرات کے لیے سفیر نامزد کر دیا۔ رومیوں نے معاذ رضی اللہ عنہ کو ڈرانے، انھیں نشے میں دھت کرنے اور کمزور کرنے کے لیے ان کے استقبال کی خوب تیاری کی۔ دربار کو نہایت زیب و زینت سے آراستہ کیا۔ بہت خطرناک ہتھیاروں کی نمائش کی۔ زمین پر انتہائی قیمتی قالین بچھائے اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے گاؤ تکیے سجا دیے۔

جن لوگوں کی نظر میں جمال ربانی سمایا ہوتا ہے وہ ایسی نمائشی باتوں سے کب متاثر ہوتے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ انھوں نے ان کے تمام آرائشی انتظامات پر حقارت کی نگاہ ڈالی۔ اپنے گھوڑے کی باگ بھی ان کے ہاتھ میں نہیں دی اور اپنے استقبال کے لیے بچھائے گئے قالینوں پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا: میں ان قالینوں پر نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ تم نے اپنے کمزور اور مسکین لوگوں کو نظر انداز کر کے اپنے لیے خاص کر رکھے ہیں، پھر وہ زمین پر بیٹھ گئے۔ فرمایا: «أَنَا عَبْدٌ مِّنْ عَبِيدِ اللّٰهِ جَلَسْتُ عَلٰى بِسَاطِ اللّٰهِ وَ لَا أَسْتَأْثِرُ بِشَيْءٍ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ عَلٰى إِخْوَانِي»

> ”میں اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک عاجز بندہ ہوں، اس کے بچھائے ہوئے بچھونے پر بیٹھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے مال میں سے اپنے بھائیوں پر خود کو ترجیح نہیں دیتا۔“[1]

پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ انھوں نے معاذ رضی اللہ عنہ سے اسلام کے بارے میں سوال کیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے تسلی بخش جواب دیا، پھر انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تو معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ ﴾

”بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے، اللہ نے اسے مٹی سے

[1] الاكتفاء للكلاعي: 3/194.

پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا۔"[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کو نہایت وضاحت سے آگاہ کر دیا کہ مسلمان کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ کر سنایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب و جوار میں ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں۔"[2]

رومیوں نے کہا: مسلمان اہلِ فارس پر اس لیے غالب آگئے کہ ان کا شہنشاہ مر گیا تھا۔ لیکن ہمارا بادشاہ تو زندہ سلامت ہے اور اس کے پاس لاتعداد افراد پر مشتمل فوجی قوت بھی موجود ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ تمھارا بادشاہ ہرقل ہے لیکن ہمارا شہنشاہ اللہ تعالیٰ ہے۔ ہمارا امیر ہم ہی میں سے ایک فرد ہوتا ہے۔ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق چلتا ہے تو ہم اسے برقرار رکھتے ہیں ورنہ معزول کر دیتے ہیں۔ ہمارا امیر نہ ہم سے چھپ کر کہیں علیحدہ رہتا ہے۔ نہ وہ تکبر کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو اپنے لیے خاص کرتا ہے۔[3]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کی کثرت کے غرور کا جواب اس آیت مقدسہ سے دیا:

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ ﴾

"کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"[4]

جب رومی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو متاثر کرنے یا بہکانے پھسلانے میں ناکام ہو گئے اور

---

[1] آل عمران 59:3. [2] التوبة 123:9. [3] الاکتفاء للکلاعي: 194/3. [4] البقرة 249:2.

ان کی زیب و زینت اور متکبرانہ تام جھام سب رائیگاں ہوگیا تو وہ حقیقت حال کی طرف پلٹے۔ انھوں نے صلح کی درخواست کی اور یہ مطالبہ بھی کیا کہ بلقاء اوراس کے اردگرد کا علاقہ انھیں دے دیا جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان پر واضح کردیا کہ ان کے سامنے صرف دو راستے ہیں اسلام قبول کرلیں یا جزیہ ادا کریں، وگرنہ ان کے ساتھ جنگ ہوگی۔ یہ سن کر رومی غضب ناک ہوگئے اور کہا: یقیناً ہم تمھیں رسیوں میں جکڑ لیں گے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسیوں میں جکڑنا ناممکن ہے۔ اللہ کی قسم! یا تو تم ہم سب کو شہید کردو گے یا ہم تمھیں اس سرزمین سے رسوائی کی حالت میں نکال باہر کریں گے، پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے آئے۔[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک سیاسی اور فوجی سفارت کا نہایت اہم کردار ادا کیا۔ دشمن کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ اپنے مدمقابل کو دلائل پیش کرنے کے ساتھ اس پر تنقید بھی کی۔ رومیوں کے عیوب بھی ظاہر کیے۔ ان کا رعایا پر خود کو ترجیح دینے کا عیب آشکار کیا۔ انھیں ان کے دین و مذہب کی تعلیمات یاد دلائیں، پھر اس کے مقابلے میں انھیں اسلام کی دعوت دی۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دشمن کی طرف سے رعب کی فضا پیدا کرنے اور نفسیاتی جنگ کے حربوں کا جواب مسلمہ حقائق سے دیا۔ کسی ڈراوے یا رعب کا شکار نہیں ہوئے، پھر جب معاذ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو ان کے امیر نے ان سے مکمل ہم آہنگی کا اظہار کیا اور ان کی رومیوں سے کی گئی گفتگو کو درست قرار دیا۔[2]

مسلمان ہر میدان میں جنگ سے پہلے دشمن کو اسلام کی دعوت ضرور دیتے تھے۔

قیساریہ کی فتح میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا کردار

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ قیساریہ کے محاصرے میں میمنہ کے قائد تھے۔ انھوں

[1] الاكتفاء للكلاعي: 3/194. [2] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 207.

نے اپنے ماتحت لشکر کو نصیحت فرمائی۔ انھیں اپنا جائزہ لینے کا حکم دیا۔ معاصی سے اجتناب کی تلقین کی، پھر پیش قدمی شروع کر دی۔ دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بہت سے رومی تہ تیغ کر دیے لیکن اس حملے سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ وہ دوبارہ اسی جگہ آئے جہاں سے پیش قدمی کی تھی۔ دوبارہ اپنے ماتحت لشکر کو جہاد کی ترغیب دی اور مطلوبہ اہداف حاصل نہ ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار فرمایا۔ انھوں نے کہا: اے اسلام کے فرزندو! میں تم میں سے سب سے پرانا ذمہ دار ہوں۔ عمر رسیدہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھارے ساتھ مل کر دشمن سے ٹکرانے کے لیے زندہ رکھا ہے، پھر فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا حَمَلْتُ قَطُّ فِي جَمَاعَةٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى جَمَاعَةٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ إِلَّا خَلُّوا لَنَا السَّاحَةَ وَأَعْطَانَا اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الظَّفَرَ فَمَا بَالُكُمْ حَمَلْتُمْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ فَلَمْ تُزِيلُوهُمْ» ”مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے جب بھی مسلمانوں سے مل کر مشرکوں پر حملہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح سے ہمکنار کیا ہے اور ہمارے لیے ہمیشہ میدان خالی کر دیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم نے حملہ کیا لیکن تم دشمن کو شکست نہیں دے سکے؟“[1]

پھر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے دو باتوں کا اندیشہ ہے۔ یا تو تمھارے اندر خیانت ہے یا پھر تمھاری اس پیش قدمی میں اخلاص نہ تھا۔

انھوں نے اپنی زیر کمان اسلامی افواج کو سچے دل سے شہادت حاصل کرنے کا شوق دلایا۔ فرمایا کہ میں طلب شہادت میں تم سب سے آگے رہوں گا۔ میدان کارزار سے نہیں پلٹوں گا حتی کہ فتح نصیب ہو یا شہادت حاصل ہو جائے۔

جیسے ہی مسلمان اور رومی نبرد آزما ہوئے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔ پیدل چلنے لگے۔ عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے جب انھیں اس طرح پیدل آگے

[1] الأنصار في العهد الراشدي، ص: 209.

بڑھتے دیکھا تو سب کو اپنے قائد کے بارے میں خبردار کیا اور انھیں بھی ان کی پیروی کرنے کی ترغیب دی۔ مسلمانوں نے پوری قوت سے حملہ کیا اور دشمن کو دھکیل کر اسی کے قلعے میں بند کر دیا۔[1]

ام حکیم بنت الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہا کا کردار

ام حکیم بنت الحارث بن ہشام عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ ایک شامی معرکے میں شہید ہو گئے۔ ام حکیم نے چار (4) مہینے دس (10) دن عدت گزاری۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ان سے نکاح کرنے کے خواہاں ہوئے۔ انھوں نے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کا پیغام قبول کر لیا اور ان سے شادی کر لی۔ مسلمان جب مرج الصفر میں صف آراء ہوئے تو خالد نے ام حکیم کی رخصتی کا پروگرام بنایا۔ خالد نے اجنادین، فحل اور مرج الصفر کے معرکوں میں شرکت کی۔ ام حکیم نے کہا: بہتر تھا کہ آپ اس معرکے کے خاتمے تک انتظار کریں۔ خالد بن سعید نے کہا: میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں اس معرکے میں شہادت سے ضرور سرفراز ہو جاؤں گا، چنانچہ ام حکیم نے رضامندی ظاہر کر دی۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ام حکیم کو بیاہ کر مرج الصفر کے قریب پل کے پاس اپنے خیمے میں لے آئے اور شب زفاف بسر کی۔ اسی وجہ سے اس پل کا نام ام حکیم کے نام سے منسوب ہوا۔ خالد نے سب مجاہد بھائیوں کو ولیمے کی دعوت دی۔ ابھی ولیمے سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ رومیوں کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر دشمن پر حملے کیے اور بالآخر شہادت پائی۔ ام حکیم نے اس دن اپنے بدن پر اچھی طرح کس کر لباس سمیٹا اور میدان میں نکل آئی۔ ابھی تک شادی کا خوشبودار رنگ ان کے لباس پر موجود تھا۔ اس دن مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان بڑی خونریز جنگ ہوئی۔

[1] الأنصار في العهد الراشدي، ص:209.

دونوں طرف سے داد شجاعت دی گئی۔ تلواریں چمکتی رہیں اور ایک دوسرے کا گلا کاٹتی رہیں۔ ام حکیم نے جس خیمے میں شب زفاف بسر کی تھی اسی خیمے کی ایک لاٹھی نکالی اور اسی لاٹھی کے وار سے انھوں نے سات رومی ہلاک کر ڈالے۔ [1]

شاہِ روم کا فرار

15 ہجری میں شاہِ روم قیصر اپنے لشکروں کے ساتھ پیچھے ہٹا اور شام چھوڑ کر رومی علاقوں میں داخل ہوگیا۔ [2] ایک قول کے مطابق وہ 16 ہجری میں پسپا ہوا۔ [3]

ہرقل جب بھی بیت المقدس کی زیارت کے لیے آتا، واپسی پر کہتا: اے ارضِ سوریا! تجھ پر سلامتی ہو، الوداعی سلام ہو مگر میں ابھی تک تجھ سے سیر نہیں ہوا۔ میں دوبارہ آؤں گا۔ جب وہ شام سے پسپا ہوکر ''رُہا'' پہنچا تو ''اہلِ رہا'' سے اپنے ساتھ روم چلنے کو کہا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا یہاں رکنا آپ کے لیے زیادہ مفید ہوگا۔ ہرقل نے انھیں وہیں چھوڑا اور شمشاط پہنچا۔ وہاں ایک بلند ٹیلے پر کھڑا ہوگیا۔ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: «عَلَيْكِ السَّلَامُ يَاسُورِيَةُ! سَلَامًا لَّا اجْتِمَاعَ بَعْدَهُ» ''اے سوریا! تجھ پر سلامتی ہو، آج کے بعد اب تجھ سے ملاقات نہ ہوگی۔'' [4]

پھر ہرقل قسطنطنیہ پہنچا۔ وہاں ٹھہر کر اپنی سلطنت کو از سرنو منظّم کرنے لگا۔ ہرقل کے ساتھ ایک مسلمان قیدی تھا۔ ہرقل نے قیدی سے کہا: مجھے اپنی قوم کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کرو! قیدی نے کہا: میں تجھے ان کے بارے میں ایسی تفصیل بتاؤں گا جیسے تو خود انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ لوگ دن کے وقت گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ رات کو عبادت گزار ہوتے ہیں۔ بلا قیمت کسی کا حق نہیں کھاتے۔ وہ گھروں میں سلام

[1] الاستيعاب: 486/4، و دور المرأة السياسي لأسماء محمد، ص: 313. [2] تاريخ الطبري: 428/4. [3] ترتيب و تهذيب البداية والنهاية، ص: 66. [4] تاريخ الطبري: 429/4.

کر کے داخل ہوتے ہیں۔ جو ان سے جنگ کرے اس کے خلاف ڈٹ جاتے ہیں۔ اتنے جذبے سے لڑتے ہیں کہ فتح ان کے قدم چومتی ہے۔ ہرقل نے یہ تفصیل سن کر کہا: اگر تو سچ کہتا ہے تو یہ لوگ عنقریب میرے اس علاقے کو بھی فتح کر لیں گے۔[1]

اللہ نے تمھیں اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ گدھے پر سوار تھے۔ ان کی دونوں ٹانگیں ایک طرف تھیں۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اب وقت آ گیا ہے کہ بڑے بڑے سردار آپ سے ملاقات کے لیے آئیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «أَعَزَّكُمُ اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ فَمَهْمَا تَطْلُبُوا الْعِزَّةَ بِغَيْرِهِ يُذِلُّكُمُ اللّٰهُ» ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اسلام کے باعث عزت سے نوازا ہے، اگر تم نے اسلام کے علاوہ کہیں اور عزت تلاش کی تو اللہ تعالیٰ تمھیں رسوا کر دے گا۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جابیہ میں خطبہ

عمر رضی اللہ عنہ جب جابیہ پہنچے تو آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا: جیسے میں آج آپ کے سامنے کھڑا ہوں بلاشبہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

«أَحْسِنُوا إِلَى أَصْحَابِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ يَحْلِفُ أَحَدُهُمْ عَلَى الْيَمِينِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَحْلَفَ عَلَيْهَا وَ يَشْهَدُ عَلَى الشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَشْهَدَ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَنَالَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَ هُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ، وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ فَإِنَّ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ،

[1] تاريخ الطبري: 429/4. [2] محض الصواب: 590/2، اس کی سند صحیح ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: المستدرك للحاكم: 61/1، حديث: 207.

وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ تَسُرُّهُ حَسَنَتُهُ وَ تَسُوْؤُهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ»

''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اچھا سلوک کرو، پھران لوگوں سے جو ان کے بعد آئیں گے، پھران سے جو ان کے بعد آئیں گے، پھر ایسے لوگ آئیں گے جو قسم اٹھوانے سے پہلے ہی قسم اٹھالیں گے، گواہی طلب کیے جانے سے پہلے ہی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔تم میں سے جو آدمی جنت کا عمدہ حصہ چاہتا ہے اسے چاہیے کہ مسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہے، بلاشبہ شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ دو آدمیوں سے دور رہتا ہے۔کوئی مرد اجنبی عورت کے ساتھ اکیلا ہوتا ہے تو لازماً تیسرا وہاں شیطان ہوتا ہے۔تم میں سے جس آدمی کو اس کی نیکی خوش کردے اوراس کی برائی غمگین کردے وہ مومن ہے۔''[1]

اے ابوعبیدہ! دنیا نے تیرے سوا ہم سب کو بدل ڈالا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ہمیں اپنے گھر لے چلو۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ میرے گھر کیا کریں گے؟ آپ صرف مجھ پر اپنی آنکھوں سے آنسو بہانا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے تو وہاں کچھ نہ تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تمھارا سامان کہاں؟ مجھے تو یہاں صرف گھوڑے کی زین، ایک پیالہ اور ایک پرانا مشکیزہ نظر آرہا ہے، جبکہ تم اس علاقے کے گورنر ہو۔ کیا تمھارے پاس کھانا ہے؟ یہ سن کر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ گھر میں موجود ایک ٹوکری کی طرف بڑھے، وہاں سے روٹی کے چند ٹکڑے نکال لائے۔ یہ منظر دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ سے یہی عرض کیا تھا کہ آپ صرف مجھ پر رونا چاہتے ہیں۔ اے امیر المؤمنین! آپ کو آرام کے لیے تھوڑی سی جگہ کی ضرورت ہوتی

---

[1] مسند أحمد: 26/1، حديث: 177، یہ حدیث صحیح ہے۔

چاہیے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «غَيَّرَتْنَا الدُّنْيَا كُلَّنَا غَيْرَكَ يَا أَبَا عُبَيْدَةَ» ''اے ابو عبیدہ! تیرے علاوہ اس دنیا نے ہم سب کو بدل ڈالا۔''[1]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس واقعے پر اپنے حاشیے میں لکھتے ہیں: اللہ کی قسم! یہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا خالص زہد تھا۔ یہ کسی فقیری، محتاجی اور بے مائیگی والی حالت نہیں تھی۔[2]

ایک روایت میں ہشام اپنے باپ عروہ سے بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے۔ پورے لشکر کے جرنیلوں اور دیگر سربرآوردہ حضرات نے عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: میرا بھائی کہاں ہے؟ لوگوں نے دریافت فرمایا: کون بھائی؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو عبیدہ بن جراح! لوگوں نے عرض کیا: وہ ابھی پہنچنے والے ہیں، پھر تھوڑی ہی دیر بعد ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو ایک رسی کی نکیل ڈالے وہاں تشریف لے آئے اور سلام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کچھ دریافت فرمایا، پھر لوگوں سے کہا: تم سب چلے جاؤ، پھر عمر رضی اللہ عنہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر تشریف لائے۔ انھوں نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تلوار، ڈھال اور کجاوے کے علاوہ کچھ نہ دیکھا۔[3]

بیت المقدس کے باشندوں سے ہونے والے معاہدے کی تشریح

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کے باشندوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا وہ اس بات کی سچی شہادت تھی کہ اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا بلکہ بخوشی قبولِ حق کی دعوت دیتا ہے۔ یہ معاہدہ اس حقیقت کی ایک زندۂ جاوید گواہی ہے کہ مسلمانوں نے قدس میں موجود عیسائیوں سے ایسے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فاتح تھے۔ وہ جو شرائط چاہتے ان پر عائد کر دیتے اور انھیں منوا بھی لیتے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا

---

[1] سير أعلام النبلاء: 17/1. اس کی سند ضعیف ہے۔ [2] سير أعلام النبلاء: 17/1. [3] محض الصواب: 590,589/2.

کیونکہ وہ اسلام کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اسلام کسی پر جبر نہیں کرتا۔ وہ تو رضا اور رغبت سے مکمل فرماں برداری کے جذبات کے ساتھ قبولِ حق کا داعی ہے۔ ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ اسے لوگوں کو زبردستی اختیار کرنے پر زور دیا جائے۔ یہ تو دل کی خوشی کا عمل ہے اور دلوں کے بھید صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بظاہر ایک انسان خود کو ایمان دار ظاہر کرتا ہے لیکن درحقیقت وہ مومن نہیں ہوتا، ایسا نقلی مومن اہلِ ایمان کے لیے کفار سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو اسلام اختیار کرنے کے سلسلے میں مکمل آزادی دی۔ اور ہر قابل قدر انسان کو دعوت دی کہ وہ مسلمانوں کی حفاظت میں آکر مطمئن ہوجائیں۔ جزیہ ادا کریں۔ اس جزیے کے عوض ان کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ اس طرح وہ بڑی پرسکون، خوشگوار، اچھے طریقے اور بہتر پڑوس والی زندگی بسر کریں گے۔

غیر مسلموں کا مسلمانوں کی حفاظت میں آجانا بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ مسلمانوں کی سرپرستی ان کے لیے بہت بڑی نعمت تھی۔ اس طرح یہ غیر مسلم قریب سے اسلام کا مشاہدہ کرتے تھے۔ اس کی خوبصورتی، فراخ دلی، انصاف اور مساوات کو دیکھتے تھے۔ اس طرح ان پر اسلام کے وہ محاسن کھل جاتے تھے جو اسلام سے دور رہ کر ان سے پوشیدہ تھے۔ جیسے ہی وہ اسلام کے حقائق و معارف سے آگاہ ہوئے تو گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوگئے۔ مسلمانوں نے تمام مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلم باشندوں کو وہی مراعات اور امان دی جو بیت المقدس کے رہنے والوں کو دی گئی تھی۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنا

ابوسلمہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عبید بن آدم نے فرمایا: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

[1] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين لمحمد سيد الوكيل، ص: 201,200.

کی زبان سے سنا، وہ کعب احبار سے فرما رہے تھے کہ بتاؤ! میں کس جگہ نماز پڑھوں؟ کعب نے عرض کیا: اگر آپ مجھ سے مشورہ لینا چاہتے ہیں تو صخرہ کے پیچھے نماز ادا کیجیے اس طرح کہ سارا بیت المقدس آپ کے سامنے ہوگا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے تو یہودیت سے مشابہت والی بات کہہ دی۔ میں تو وہاں نماز پڑھوں گا جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر قبلہ کی طرف بڑھے اور نماز ادا کی، پھر صخرہ کے پاس آئے، اپنی چادر بچھائی اور اس میں وہاں پر موجود کوڑا کرکٹ جمع کیا۔ لوگوں نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع میں ایسا ہی کیا۔[1]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسجد اقصیٰ ساری مسجد کا نام ہے۔ بعض لوگ مسجد اقصیٰ صرف اس حصے کو سمجھتے ہیں جسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کرنے کے لیے منتخب کیا تھا، یہ بھی واضح رہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے تعمیر کردہ حصے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس فتح فرمایا تو صخرہ میں ڈھیر سارا کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا کیونکہ عیسائی صخرہ کی اہانت کرتے ہوئے وہاں کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے، جبکہ یہودی اسے اپنا قبلہ تصور کرتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کوڑے کو صاف کرنے کا حکم دیا۔[2]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کعب والی بات بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ ہم مسلمان کس جگہ نماز پڑھیں؟ انھوں نے صخرہ کے پیچھے پڑھنے کا مشورہ دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں صخرہ سے آگے نماز پڑھوں گا، ہمارے لیے مسجد کے اگلے حصے باعث فضیلت ہیں۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بے مثل کریکٹر کا یہ بڑا عظیم الشان پہلو تھا۔ انھوں نے عملی طور پر

---

① البدایة والنهایة: 57/7، اس کی سند قابل اعتبار ہے۔ ② آج کل بیت المقدس میں موجود سنہری رنگ کا گنبد اسی صخرہ پر واقع ہے، اسے قبۃ الصخرہ بھی کہتے ہیں۔ اور سرمئی رنگ والا گنبد مسجد اقصیٰ کا ہے۔

③ مجموعة الرسائل الكبرىٰ: 2/58,57.

ثابت کردیا کہ وہ تمام آسمانی ادیان کا احترام کرتے ہیں اور ان کے نزدیک بلا استثنا تمام مقدس اشیاء محترم ہیں۔ انھوں نے صخرہ کو خود اپنے ہاتھوں سے صاف کیا، کوڑا کرکٹ اپنی چادر میں ڈالا اور اسے گرد و غبار سے پاک کردیا۔ صخرہ یہودیوں کا قبلہ تھا۔ یہ دراصل وہ پتھر ہے جس پر یہودیوں کے اعتقاد کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں سے بھی انتہائی فیاضی اور مہربانی کا سلوک کیا۔ انھیں پوری آزادی فکر عطا فرمائی۔ ان کی صلیبوں اور گرجا گھروں کو تحفظ عطا کیا اور امن سے نوازا۔ یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ ان کا کردار انتہائی عظیم تھا۔ انھوں نے صخرہ کا احترام ملحوظ رکھا۔[1]

رومیوں کی حمص پر قبضہ کرنے کی کوشش

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے جاسوس رومیوں کی نقل و حمل پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے رومیوں کے جمع ہونے اور ہرقل کی طرف سے رومیوں کو جنگ کی ترغیب دینے کی مکمل تفصیلات معلوم کیں اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ کر ان کے گوش گزار کردیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ انھوں نے مسلمانوں کے ذمہ دار سرکردہ افراد کو جمع کیا اور ان سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔[2]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ پسپائی کا راستہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔ انھوں نے فرمایا: اس طرح رومیوں کو تم سے نقصان نہ ہوگا بلکہ تم خود اپنا نقصان کر بیٹھو گے۔ جو زمین اللہ نے تمھارے لیے مسخر کردی، تم خود اسے چھوڑو گے تو یہ کیسی عجیب بات ہوگی کیونکہ وہاں کفر کے سرغنے اور بہت سے رومی لشکر تہہ تیغ ہوئے۔ خبردار اللہ کی قسم! اگر تم اس زمین سے ایک دفعہ نکل گئے تو اسے دوبارہ حاصل کرنا بڑی مشکل اور مشقت کی بات ہوگی۔

---

[1] جولة في عصر الخلفاء الراشدين، ص:204,203. [2] الطريق إلى دمشق، ص:409,408.

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! معاذ رضی اللہ عنہ نے سچ اور بالکل ٹھیک بات کہی ہے۔[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے مشورے کے باوجود حالات کسی اور طرف جارہے تھے۔ مسلمانوں نے اہل حمص سے جو جزیہ یا خراج وصول کیا تھا وہ سب واپس کر دیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ کو حکم دیا تھا کہ جس قوم سے ہم نے ان کی حفاظت کے عوض یہ اموال وصول کرنے پر مصالحت کی تھی انھیں ان کے اموال واپس کر دو کیونکہ جب ہم ان کی حفاظت سے قاصر ہیں تو ان کے اموال ہمارے لیے کسی طرح جائز نہیں، پھر اہل حمص سے فرمایا: اے لوگو! ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں۔ ہم اپنا وعدہ اس وقت تک نہ توڑیں گے جب تک کہ خود تم عہد شکنی نہ کرو۔ ہم تمھیں یہ مال صرف اس لیے واپس دے رہے ہیں کہ ہمیں یہ گوارا نہیں کہ تمھارے اموال تو لے لیں مگر تمھارے شہروں کی حفاظت نہ کر سکیں۔ ہم کچھ وقت کے لیے یہاں سے ہٹیں گے، مزید کمک منگوائیں گے، پھر دشمن کا مقابلہ کریں گے اگر اللہ نے ہمیں کامیابی سے ہمکنار فرما دیا تو ہم تم سے اپنا عہد نبھائیں گے۔ ہاں! اگر تم عہد نہ نبھانا چاہو تو تمھاری مرضی![2]

صبح کے وقت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو دمشق کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ حبیب بن مسلمہ نے اہلِ حمص کو ان سے لیے گئے تمام اموال واپس کر دیے اور انھیں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا پیغام سنا دیا۔ اہلِ حمص بڑی حسرت سے کہنے لگے: اللہ تم لوگوں کو کامیابی کے ساتھ واپس لے آئے اور ان رومیوں پر لعنت فرمائے جو ہمارے مالک بنے بیٹھے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر آپ کی جگہ وہ ہوتے تو ہمارے اموال ہرگز واپس نہ کرتے، سب غصب کر لیتے بلکہ ہم سے اور بھی بہت کچھ چھین لیتے۔ اے مسلمانو! تمھاری حکومت اور انصاف ہمیں اپنے رومیوں کے ظلم و تعدی کے مقابلے میں زیادہ عزیز ہے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس رات جس دن وہ حمص سے دمشق کی طرف روانہ ہوئے

[1] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 207. [2] الطريق إلى الشام، ص: 411,410.

سفیان بن عوف کو عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ حکم دیا کہ تم امیر المؤمنین کے پاس جاؤ۔ میرا سلام کہو اور جاسوسوں کے ذریعے سے ملنے والی خبریں اور آنکھوں دیکھا حال ان کے گوش گزار کرو۔ ان سے دشمن کی کثرت اور مسلمانوں کا وقتی طور پر حمص چھوڑنے کا تذکرہ بھی کرو۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط بھی لکھ کر دیا جس میں لکھا:

میرے جاسوس دشمن کی سرزمین سے اس علاقے کی خبر لائے ہیں جہاں قیصر روم ٹھہرا ہوا ہے۔ انھوں نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ انھوں نے اتنے بڑے لشکر جمع کیے ہیں کہ اتنے بڑے لشکر کسی کے مدمقابل کبھی جمع نہیں کیے گئے۔ وہ ہماری طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ میں نے مسلمانوں کو جمع کیا۔ انھیں حالات سے آگاہ کیا۔ ان سے مشورہ لیا۔ سب نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ ہمیں فی الحال یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے اور امیر المؤمنین کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے۔ آپ کی خدمت میں میں ایسا شخص بھیج رہا ہوں جسے ہم سے زیادہ سابقہ اور موجودہ حالات کی پوری خبریں ہیں۔ آپ جو بات پوچھنا چاہیں اس سے پوچھ سکتے ہیں۔ وہ مکمل آگاہی رکھنے والا نہایت ایماندار آدمی ہے۔ ہم اللہ غالب علم والے سے مدد طلب کرتے ہیں۔ وہی ہے جو ہمارے لیے کافی اور بہت اچھا کارساز ہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جنگی منصوبہ بندی

جب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر پہنچی تو انھوں نے فوراً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں فوراً ایک لشکر تیار کرو اور میرا یہ پیغام ملتے ہی اسے حمص روانہ کر دو۔ وہاں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دشمن نے گھیر لیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر شہر میں اچانک پیش آنے والی جنگ کے لیے ہر وقت ہنگامی لشکر تیار رکھتے تھے۔ کوفہ میں اس وقت چار ہزار (4000) مجاہد موجود تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ

[1] الطريق إلى الشام، ص: 411، و تاريخ الطبري: 4/23-25.

نے ایک لشکر کو مستعد کیا اور اسے شام روانہ کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے مزید لکھا کہ اے سعد! تم سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ایک لشکر تیار کرو اور اسے الجزیرہ روانہ کرو، سہیل الجزیرہ میں رقہ شہر کی طرف پیش قدمی کرے۔ اہلِ الجزیرہ ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے رومیوں کو اہلِ حمص پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی ہے اور اہل ''قرقیسیاء'' اس میں پیش پیش ہیں، اسی طرح عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کو نصیبین روانہ کرو، اہل قرقیسیاء ان کے لیے وہاں پیش پیش ہیں، پھر الجزیرہ کی طرف پیش قدمی کرنے والے دونوں کمانڈر ''حران'' اور ''رہا'' کو دشمن سے پاک کریں۔ ولید بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو الجزیرہ کے عرب قبائل ربیعہ اور تنوخ کی سرکوبی کے لیے روانہ کرو اور ان کے ساتھ عیاض رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کرو۔ اگر جنگ کی نوبت آئے تو عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سپہ سالار ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تفصیلی حکم کے مطابق حضرت قعقاع بن عمرو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پیغام ملتے ہی چار ہزار (4000) کا لشکر لیے حمص روانہ ہو گئے، جبکہ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ اور الجزیرہ کی طرف بھیجے جانے والے دیگر امراء اپنے مقرر کردہ اہداف کی طرف لپکے۔ عمر رضی اللہ عنہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بنفسِ نفیس مدینہ سے روانہ ہوئے اور مقام جابیہ میں قیام فرمایا۔

رومیوں کے ساتھ الجزیرہ سے آ کر شریک ہونے والے لوگوں کو عراق سے اسلامی لشکروں کی روانگی کا علم ہوا تو وہ یہ نہ جان سکے کہ ان لشکروں کا ہدف حمص ہے یا الجزیرہ، لہٰذا وہ رومیوں کو حمص میں اکیلا چھوڑ کر فوراً اپنے اپنے شہروں میں پہنچ گئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ رومیوں کے حمایتی انھیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں تو انھوں نے فوراً خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے پیش قدمی کا مشورہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تائید کی، لہٰذا مسلمان رومیوں کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے۔ جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ معرکہ سے تین دن بعد حمص پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بدستور جابیہ میں مقیم تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کی خوشخبری ارسال فرمائی

اور بتایا کہ کوفی لشکر تین دن کے بعد پہنچا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اس لشکر کو مالِ غنیمت میں شریک کرو۔ یہ تمھاری مدد کے لیے نکلے تھے اور انھی کی وجہ سے دشمن منتشر ہوگیا ہے۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل کوفہ کو جزا دے۔ وہ خود اپنی ملکیت کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور دیگر مسلمان بھائیوں کی مدد بھی کرتے ہیں۔ [2]

جب ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس عظیم الشان اور انوکھی جنگی منصوبہ بندی پر غور کرتے ہیں جس کے ذریعے سے انھوں نے دشمن کو زبردست الجھن میں ڈال دیا تو ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی جنگی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے فوراً ایک لشکر جرار کوفہ سے حمص روانہ کرایا تاکہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دشمن سے محفوظ رکھا جاسکے اور خود مدینہ طیبہ سے ایک لشکر کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ یہ سب عمومی اقدامات تھے۔ خصوصی اقدام وہ تھا جس کے تحت انھوں نے لشکر روم میں شامل سپاہیوں کے شہروں کی طرف لشکر ارسال کردیے تاکہ وہ میدان چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں کی حفاظت کے لیے واپس چلے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ منصوبہ نہایت کامیاب رہا۔ دشمن کے لشکر میں متعلقہ شہروں کے باشندے فوراً لشکر سے نکل بھاگے۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے رومیوں پر فتح حاصل کرنا آسان ہوگیا۔ [3]

الجزیرہ کی (فتح 17ھ)

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ رومیوں اور الجزیرہ کے شہریوں نے مل کر حمص پر حملہ کیا تھا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ وہاں موجود مسلمانوں کو گھیر لیا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حمص میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور جملہ مسلمانوں کی مدد کرنے کا حکم دیا۔ مزید برآں اور بھی کئی لشکر الجزیرہ کی طرف روانہ کیے۔

---

[1] تاریخ الطبري: 25,24/5. [2] تاریخ الطبري: 25/5. [3] التاریخ الإسلامي: 137/11.

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت حمص روانہ کیا اور دیگر کئی لشکر بھی الجزیرہ روانہ کیے۔ ان سب لشکروں کی مشترکہ کمان عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی اور یہ تمام لشکر تیزی سے الجزیرہ کی طرف چل دیے۔ سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ فراض کے راستے پیش قدمی کی۔ وہ رقہ پہنچے اور اہل رقہ کا محاصرہ کرلیا۔ اہلِ رقہ نے خود کو مسلمانوں کی دو مضبوط قوتوں، یعنی عراقی اور شامی لشکروں کے درمیان گھرا ہوا پایا تو انھوں نے مسلمانوں سے مصالحت کرلی۔ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان دجلہ کے راستے نصیبین پہنچے۔ اہلِ نصیبین نے بھی اہلِ رقہ کی طرح مصالحت کرلی۔ جب یہ دونوں شہر جنگ کے بغیر ہی مطیع ہوگئے تو حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے سہیل اور عبداللہ کو ساتھ ملا کر حران کی طرف پیش قدمی کی۔ اور راستے میں پڑنے والے سب لوگوں کو مطیع بنا کر حران پہنچے تو اہل حران نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر امان طلب کرلی، پھر عیاض رضی اللہ عنہ نے سہیل اور عبداللہ کو ''رُہا'' کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے باشندے بھی مصالحت پر آمادہ ہوگئے۔ اس طرح الجزیرہ کا وسیع ترین علاقہ بغیر کسی جنگ کے مطیع ہوگیا اور اس کی فتح سب سے زیادہ آسان ثابت ہوئی۔[1]

[1] تاریخ الطبري:5/26-30.

مصر اور لیبیا کی فتوحات

مسلمانوں کے پاس مصر فتح کرنے کے قوی اسباب موجود تھے جن میں سے سب سے بڑا سبب عقیدۂ توحید کو دنیا کے چپے چپے پر پھیلانے کا عزم صمیم تھا۔ مصر کی حدود فلسطین سے متصل تھیں۔ فلسطین کی فتح کے بعد مصر کی جانب پیش قدمی قدرتی بات تھی۔ شام پر فتح حاصل کر کے مسلمان بازنطینی شہنشاہیت کو دو حصوں میں تقسیم کر چکے تھے۔ ان دونوں حصوں کے درمیان سمندر کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ تھا، جبکہ مصر اور شمالی افریقہ میں رومی لشکر بدستور موجود تھے اور ان کی چوکیاں بھی قائم تھیں۔ بازنطینی بیڑہ ہر وقت سمندر میں تیار رہتا تھا۔ ان حالات میں مسلمان شام اور مصر میں کسی طرح بھی رومیوں کے خطرے کی زد میں رہ کر زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔

مصر انتہائی زرخیز علاقہ تھا۔ وہاں سے قسطنطنیہ کو خوراک فراہم ہوتی تھی۔ جب مسلمانوں نے مصر فتح کر لیا تو وہاں بازنطینیوں کا عمل دخل بہت کم ہو گیا اور اس طرح شام اور حجاز کے مسلمان پرسکون ہو گئے۔ اب حجاز کا رومیوں سے رابطہ صرف مصر کی وساطت سے قائم تھا۔[1]

مصر کی فتح کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ قبطی ہر وقت رومیوں کے ظلم کا شکار رہتے تھے۔

---

[1] عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص:348.

انھیں مستعد جنگی دستوں کی طرح ہر گھڑی ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ مسلمانوں نے ان حالات کے پیش نظر موقع غنیمت سمجھا اور مصر کو مسخر کر لیا۔ قبطی باشندے مسلمانوں کے عدل، سچائی اور فیاضی کی وجہ سے ان کے گرویدہ ہو گئے۔ [1]

مصر میں متعین مستعد حفاظتی رومی دستوں نے بھی یہ حقیقت بخوبی سمجھ لی کہ خود ہمارا ہی شاہِ روم شام سے پسپا ہو چکا ہے اور شام کو اسلامی ریاست کا حصہ بنا دیا گیا ہے، اس لیے مسلمانوں سے مقابلہ کرنا بے سود ہے۔ [2] حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان تمام اسباب پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ رومی مصر میں مسلمانوں کے سامنے ہرگز نہیں ٹھہر سکتے اور اگر مسلمانوں نے آگے بڑھ کر مصر پر قبضہ نہ کیا تو وہاں رومی سپاہ کی وجہ سے ہمیشہ خطرات منڈلاتے رہیں گے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس خطرے سے تمام مسلمانوں کو آگاہ کر دیا۔ [3]

واضح رہے کہ مصر کی فتح کا احساس دلانے والے شخص کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ کیا یہ ارادہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی کا تھا یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود مصر کی فتح کے خواہشمند تھے؟ بعض روایات کے مطابق اصل معاملہ یہ تھا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی فتح کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بار بار توجہ دلائی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کی اجازت دے دی۔ [4]

روایات کے اختلاف سے قطع نظر سابقہ حالات و عوامل سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر فتح کرنے کا خیال صرف عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی کو نہ تھا بلکہ خلیفۂ وقت بھی اس کے خیال سے غافل نہیں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مصر کے احوال و ظروف کی تمام معلومات تھیں اور وہ وہاں موجود دشمن کے لشکر سے بھی آگاہ تھے۔

---

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة، ص: 357. [2] فتوح الشام للأزدي، ص: 118.
[3] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشده، ص: 357. [4] النجوم الزاهرة 1/4-7.

بہت سی تاریخی روایات ہمارے موقف کی تائید کرتی ہیں۔ ابن عبدالحکم بیان فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شام کی فتح کے بعد لکھا کہ مجاہدین کو ساتھ لے کر مصر کی طرف پیش قدمی کرو اور جو فوری طور پر کوچ کرنے کی پوزیشن میں ہو اسے ساتھ لے لو۔[1]

علامہ طبری فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل ایلیاء سے مصالحت کے بعد وہاں چند دن مقیم رہے۔ انھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا اور فتح ہونے کی صورت میں انھی کو مصر کا امیر مقرر کر دیا، پھر ان کے پیچھے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی زیر کمان کمک ارسال کی، پھر مسلسل امدادی دستے بھیجتے رہے تا آنکہ لشکر کی تعداد بارہ ہزار (12000) تک پہنچ گئی۔ مصر کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔[2]

سوچنے کی بات ہے کہ کیا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت کی اجازت کے بغیر مصر پر حملہ کر سکتے تھے۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اسلامی لشکر اور کمانڈرز حضرات امیر المؤمنین کی سمع و طاعت اور حکم کی پابندی کے کتنے خوگر تھے۔ صحیح بات یہی ہے کہ مصر کی فتح خلیفۂ وقت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے کمانڈروں کی متفقہ پیشگی منصوبہ بندی کے بعد عمل میں آئی۔ یہ فتح کوئی ہنگامی یا سرسری سوچ کا نتیجہ نہیں تھی۔[3]

مصر کی فتح کا طریق کار

یونانی (بازنطینی) سلطنت کی فتوحات کے بعد مصر کی فتح فتوحات کا تیسرا مرحلہ شمار ہوتی ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مصر کی طرف پیش قدمی کے لیے ساحلی راستہ منتخب فرمایا۔ وہ رفح سے عریش اور عریش سے فرما کی طرف بڑھے، پھر وہ قاہرہ اور اسکندریہ تک تمام علاقے فتح

[1] فتوح مصر، ص: 57. [2] تاريخ الطبري: 5/84-93. [3] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة، ص: 358,357.

فلسطین سے مصر پر یلغار اور فرما، بلبیس اور ام دنین کے معرکے

کرتے چلے گئے۔ ان کا یہ طریقۂ کار ان کی جنگی مہارت کا آئینہ دار ہے۔ انھوں نے یہ راستہ اس لیے اختیار کیا کہ اس ساحلی پٹی پر شامی علاقے کی طرح دشمن کی زیادہ فوج متعین نہ تھی یا یہ راستہ ان کے لیے مانوس تھا۔

مصر کی فتوحات بڑی ترتیب سے عمل میں آئیں، ان کی تفصیلات آگے آئیں گی۔ شامی فتوحات کی طرح اس علاقے کی فتوحات کے بارے میں بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔[1]

فرما کی فتح

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مغرب کی جانب سے پیش قدمی کی۔ ''فرما'' سے پہلے کسی رومی لشکر سے آمنا سامنا نہ ہوا بلکہ ہر جگہ مصریوں نے انھیں خوش آمدید کہا۔ ''فرما'' وہ پہلی جگہ تھی جہاں مسلمانوں اور رومیوں میں تصادم ہوا۔ رومی شہر ہی میں قلعہ بند ہوئے۔ انھیں اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے دیں گے اور اپنا دفاع کرنے میں کامیاب رہیں گے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس مجاہدین کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور جنگی صلاحیت بھی کم ہے، اس لیے وہ محاصرہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ادھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے رومیوں کی تعداد اور استعداد کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں کی نسبت تعداد میں بہت زیادہ ہیں، چنانچہ عمرو رضی اللہ عنہ کو ''فرما'' پر قبضے کے لیے حملہ کرنے اور شہر کے دروازے کھولنے یا پھر رومیوں کے بھوک سے نڈھال ہوکر باہر نکلنے تک صبر کرنے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ رومیوں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ محاصرہ کئی مہینے جاری رہا۔ اس دوران میں رومیوں کے دستے مسلمانوں سے وقتاً فوقتاً چھیڑ چھاڑ کرتے رہے اور

[1] عمرو بن العاص القائد والسياسي للدكتور عبدالرحيم محمد، ص: 79.

مسلمان ان پر حملے کرتے رہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اس دوران میں اپنی خطابت سے مسلمانوں کے حوصلے بلند کرتے رہے۔ انھوں نے فرمایا: اے اہلِ اسلام، اے اہلِ ایمان، اے حاملینِ قرآن، اے اصحابِ محمد ﷺ! بہادروں کی طرح صبر کرو۔ مضبوطی سے قدم جمائے رکھو۔ اپنی صفوں میں انتشار نہ پھیلنے دو۔ نیزے تان کر رکھو۔ ڈھالوں سے اپنا دفاع کرو، خاموشی کو لازم پکڑو۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اس وقت تک کوئی نیا قدم نہ اٹھاؤ جب تک میں تمھیں حکم نہ دوں۔[1]

ایک دن رومیوں کا ایک دستہ مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نکل آیا۔ رومیوں کو شکست ہوگئی۔ وہ واپس شہر کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور ان سے پہلے ہی شہر میں داخل ہوکر دروازے پر قبضہ کرلیا۔ مسلمانوں کا پہلا فرد جو شہر میں داخل ہوا وہ اسمیقع تھا۔ اللہ نے فتح مبین سے نوازا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شہر میں موجود قبطیوں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو رومیوں کی کمزوریوں سے آگاہ کیا اور اتمیدہ میں مسلمانوں کو خوش آمدید کہا۔

مسلمانوں نے ''فرما'' کی فتح مکمل کرنے کے بعد اس احتیاط کے پیش نظر قلعوں اور فصیلوں کو گرانا شروع کردیا، مبادا رومی دوبارہ قابض ہوجائیں اور ان سے کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔ بعد ازاں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ کا شکر ہے۔ اس ذات عالی نے اسلامی افواج کو کامیابی اور غلبے سے نوازا۔ اللہ کی ذات بڑی ہی عظیم ہے۔ اس نے اسلام کی بدولت ہمیں محفوظ رکھا اور واپسی کے راستے کی ضمانت دے دی۔ اس خیال میں نہ رہو کہ ہماری تمام ترجیحات مکمل ہوچکی ہیں۔ تمھیں اس فتح و نصرت سے کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ ابھی ہمارا راستہ انتہائی کٹھن اور دشوار ہے۔ امیرالمؤمنین کی طرف سے سونپی گئی مہم ابھی دور ہے۔ تمھیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ اپنے

[1] فتح مصر لصبحي نداء، ص: 19-20.

قائدین کی بات پر عمل کرنا ہوگا۔ لوگوں کو عنقریب یقین ہو جائے گا کہ ہم سلامتی کے سفیر ہیں۔ ہم زمین میں فساد برپا کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم تو اصلاح کرتے ہیں۔ تم سب محمد ﷺ کی مثالی زندگی کو اپناؤ۔[1]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے شہر کا جائزہ لیا اور یہ اطمینان کر لیا کہ شہر اسلامی لشکر کی قیام گاہ کے لیے موزوں شکل اختیار کر گیا ہے۔ انھوں نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا اور شہید ہونے والوں کو شمار کیا۔ بہت سے ایسے افراد نہیں پائے گئے جو مصر کی فتح کی نوید سننا چاہتے تھے لیکن انھیں موت نے مہلت نہ دی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اندازہ لگایا کہ اگر قلیل تعداد پر مشتمل یہ اسلامی لشکر اسی طرح آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا اور معرکے بدستور جاری رہے تو پیش قدمی ناممکن ہو جائے گی اور ہم اپنی منزل نہ پا سکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شہید ہونے والوں کی کمی اس طرح پوری کر دی کہ جبل حلال میں موجود راشدہ اور لخم عرب قبائل سے تعلق رکھنے والے مقامی لوگ اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔[2]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر مغرب کی طرف چل دیے یہاں تک کہ قصاصین پہنچے وہاں سے جنوب کا رخ کیا اور وادی طمبلان میں تل الکبیر کے قریب سے ہوتے ہوئے جنوب کی طرف بلبیس میں پڑاؤ کیا۔ النجوم الزاہرہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ عمرو رضی اللہ عنہ تھوڑی سی مزاحمت کے بعد بلبیس پہنچ گئے۔[3]

بلبیس کی فتح

بلبیس میں رومی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا راستہ روکنے اور ان کے بابلیون تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے بہت بڑے لشکر کی صورت میں جمع ہوئے۔ رومیوں نے

---

[1] فتح مصر لصبحي ندا، ص: 20. [2] جولة في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 214. [3] النجوم الزاهرة: 1/7,8.

مسلمانوں سے آمنے سامنے لڑنے کا ارادہ کیا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے رومیوں کو پیغام بھیجا۔ تم لوگ جنگ کرنے میں جلدی نہ کرو اور ابومریم اور ابومریام کو مذاکرات کے لیے میرے پاس بھیجو، ورنہ مجبورًا لڑائی کی نوبت آجائے گی۔ یہ سن کر رومی رک گئے۔ دونوں مطلوبہ آدمی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے انھیں قبولِ اسلام یا جزیہ، کسی ایک بات کا اختیار دیا، پھر انھیں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل مصر کے بارے میں وصیت پڑھ کر سنائی۔ یہ وصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہاجرہ کے سبب فرمائی تھی۔ امام مسلم صحیح مسلم میں ذکر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ مِصْرَ وَهِيَ أَرْضٌ يُسَمّٰى فِيهَا الْقِيرَاطُ، فَإِذَا فَتَحْتُمُوهَا فَأَحْسِنُوا إِلٰى أَهْلِهَا فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَّ رَحِمًا أَوْ قَالَ: ذِمَّةً وَّصِهْرًا»

”بلاشبہ تم مصر فتح کرو گے۔ وہاں کے رائج الوقت سِکّے کا نام قیراط ہوگا۔ جب تم اس سرزمین کو فتح کرو تو اہلِ مصر سے حسن سلوک سے پیش آنا۔ یہ لوگ عہد اور رشتہ داری کی وجہ سے حسن سلوک کے مستحق ہیں یا فرمایا کہ یہ لوگ عہد اور سسرالی رشتے کی وجہ سے حسن سلوک کا استحقاق رکھتے ہیں۔“[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر انھوں نے کہا: یہ تو بڑی دور کی رشتہ داری ہے۔ اسے نبھانا صرف انبیاء کا کام ہے۔ بہرحال آپ ہم دونوں کو امان دیں۔ ہم دوبارہ آپ کے پاس آئیں گے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے جیسے آدمی کو تم دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں تمھیں غوروفکر کے لیے تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ ان دونوں نے کہا: مہلت میں اضافہ کردیں۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک دن مزید بڑھا دیا۔ وہ دونوں واپس قبطیوں کے قائد مقوقس اور روم کی طرف سے مقرر کردہ حاکم ارطبون کے پاس چلے گئے۔[2]

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 2543. [2] البداية والنهاية: 100/7.

انھوں نے اپنے دونوں قائدین کو مذاکرات سے آگاہ کیا۔ ارطبون جنگ کرنے پر تلا رہا اور رات کے وقت مسلمانوں پر حملہ بھی کر دیا۔ مسلمانوں نے اسے اور اس کے لشکر کو شکستِ فاش سے دوچار کیا۔ ارطبون اسکندریہ بھاگ گیا۔[1]

فتح بلبیس میں ایک ایسا واقعہ بھی پیش آیا جو مسلمانوں کے وقار اور کمال مردانگی کا ثبوت بنا۔ ہوا یوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بلبیس مسخر کر دیا تو مسلمانوں نے مال غنیمت میں مقوقس کی بیٹی ''ارمانوسہ'' کو دیکھا۔ وہ اپنے باپ کی انتہائی لاڈلی بیٹی تھی۔ وہ اپنی خادمہ بربارہ کے ساتھ بلبیس آئی ہوئی تھی۔ اس کا معاملہ یہ تھا کہ وہ قسطنطین بن ہرقل کے ساتھ نکاح سے فرار کے راستے تلاش کر رہی تھی۔ یہ وہی قسطنطین ہے جو قنسطتز کا باپ بنا اور معرکہ ذات الصواری میں مسلمانوں کے مقابلے میں آیا۔

اسلامی لشکر نے ''ارمانوسہ'' کو گرفتار کر لیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کو جمع فرمایا اور انھیں اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ ﴾

''نہیں ہے احسان کا بدلہ مگر احسان۔''[2]

پڑھ کر سنایا، پھر فرمایا: مقوقس نے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ تحفہ ارسال کیا تھا۔ میری خواہش ہے کہ ہم بھی اس کے عوض اس کی بیٹی ارمانوسہ، اس کی تمام خادماؤں اور جملہ تعلق داروں کو حاصل شدہ مال سمیت مقوقس کی طرف واپس روانہ کر دیں۔ سب نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے اتفاق کیا۔[3]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ارمانوسہ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کے جواہرات، لونڈیوں اور غلاموں سمیت اس کے باپ کے پاس بھیج دیا۔ خادمہ بربارہ نے

---

[1] فتح مصر، ص: 24. [2] الرحمٰن55: 60. [3] الدورالسياسي في صدر الإسلام للصفوة، ص:431.

کہا: اے میری شہزادی! عرب تو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ ارمانوسہ نے کہا:«إِنِّي آمَنُ عَلَى نَفْسِي وَ عِرْضِي فِي خَيْمَةِ الْعَرَبِيِّ وَلَا آمَنُ عَلَى نَفْسِي فِي قَصْرِ أَبِي» ”میں اپنی جان اور آبرو کو اپنے باپ کے محل سے کہیں زیادہ کسی عربی کے خیمے میں محفوظ سمجھتی ہوں۔“[1]

”ارمانوسہ“ صحیح سلامت اپنے باپ کے پاس پہنچی تو وہ مسلمانوں کے حسن سلوک سے نہایت متاثر ہوا اور اپنی بیٹی کو محفوظ و مامون پا کر بہت خوش ہوا۔[2]

ام دنین کا معرکہ

علامہ ابن عبدالحکم لکھتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کی، تقریباً ایک ماہ کی خونریز جنگ کے بعد بلبیس فتح کیا، پھر آگے بڑھے اور ام دنین میں، جسے ”مقس“ کہا جاتا تھا، پڑاؤ کیا۔ ”مقس“ دریائے نیل کے کنارے پر واقع تھا۔ مسلمانوں نے اس کے گرد ایک سخت جنگ لڑی۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین سے مدد طلب کی۔ انھوں نے چار ہزار (4000) مجاہدین کی کمک روانہ کر دی۔ ہر ہزار کے دستے پر ایک ایسا آدمی مقرر کیا جو بذات خود ایک ہزار افراد کا ہم پلہ تھا۔ یہ چار آدمی حضرت زبیر بن عوام، مقداد بن اسود، عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم تھے، ایک روایت کے مطابق چوتھے آدمی خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمرو! اب تیرے پاس بارہ ہزار (12000) کا لشکر ہے اور بارہ ہزار کا لشکر بسبب قلت مغلوب نہیں ہوسکتا۔[3]

رومی قبطیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسی وہ جنگی ذہانت استعمال کی جو انھوں

[1] فتح مصر لصبحي ندا، ص: 24. [2] فتح مصر لصبحي ندا، ص: 24. [3] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 218.

نے عراقی محاذ پر اپنائی تھی۔ انھوں نے اپنا لشکر تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ جبل احمر کی پہاڑیوں میں چھپا دیا، دوسرا ام دنین کے قریب دریائے نیل کی کمین گاہ میں ٹھہرایا، جبکہ بقیہ لشکر لے دشمن سے نبرد آزما ہوئے۔ جیسے ہی دونوں لشکروں کے درمیان لڑائی شروع ہوئی تو جبلِ احمر میں موجود اسلامی لشکر دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ دشمن کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ ام دنین کی طرف پسپا ہوئے۔ دشمن کے وہاں پہنچتے ہی وہاں موجود اسلامی لشکر نے نکل کر عقب سے حملہ کر دیا، اس طرح رومی لشکر تین اطراف سے گھر گیا۔ سب شکست کھا کر بکھر گئے اور کچھ بھاگ کر بابلیون کے قلعے میں پناہ گزین ہو گئے۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے اس طرح مسلمانوں کو اس جنگ میں کامیابی عطا فرمائی۔ اللہ نے اپنے فضل سے دشمن کے شر سے ہر طرح محفوظ فرمایا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مدد، اسلامی قائد کی تجربہ کاری اور اس کی جنگی منصوبہ بندی میں مہارت کی وجہ سے ممکن ہوا۔ دشمن کے لشکر کا شیرازہ بکھر گیا۔ [2]

قلعۂ بابلیون کا معرکہ

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا لشکر آگے بڑھا۔ انھوں نے بابلیون قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ سات مہینے تک جاری رہا۔ اس دوران میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی غرض سے مقوقس نے بہت سے ایلچی روانہ کیے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام، جزیہ یا جنگ میں سے ایک صورت اختیار کرنے کی اجازت دی۔ مقوقس نے جزیہ دینا منظور کر لیا، پھر مقوقس نے جب اس معاہدے کی منظوری ہرقل سے حاصل کرنی چاہی تو شدید ملامت کی۔ اس نے نہ صرف سختی سے انکار کر دیا بلکہ وہ انتہائی غضب ناک بھی ہوا۔ اس نے مقوقس کو قسطنطنیہ طلب کیا اور جلا وطن کر دیا۔ جب قلعۂ بابلیون کی فتح میں تاخیر ہوئی تو

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 219. [2] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 219.

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ میں اپنی جان اللہ کے لیے ہبہ کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائے گا۔[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسلسل قلعۂ بابلیون کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ایک رات مسلمانوں نے قلعے کی دیواروں کو عبور کرلیا۔ اس موقع پر دشمن سے خونریز جنگ ہوئی۔ قلعے کو عبور کرنے والے اولین فرد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ ایک مقام ''سوق حمام'' کی طرف گئے۔ سیڑھی لگائی اور قلعے پر چڑھ گئے۔ انھوں نے مجاہدین سے کہا کہ جوں ہی تم میری تکبیر کی آواز سنو اسی وقت فوراً قلعے پر حملہ کر دینا۔ تھوڑی ہی دیر میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ قلعہ کی دیوار پر جا پہنچے۔ انھوں نے بلند آہنگی سے تکبیر کہی اور تلوار مضبوطی سے پکڑ لی۔ مسلمانوں نے قلعے کے باہر سے تکبیر کا ایسا فلک شگاف جواب دیا کہ سارا میدان کارزار گونج اٹھا۔ دشمن یہ سمجھ بیٹھا کہ سارا اسلامی لشکر قلعے کے اندر آ گھسا ہے۔ وہ تکبیر کی گونج سن کر اتنے خوف زدہ ہوئے کہ جس کا جدھر منہ ہوا بھاگ نکلا۔ حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فوراً قلعے کے دروازے کی طرف لپکے اور اس کی کنڈیاں کھول دیں۔ مسلمانوں نے زبردست یلغار کی اور اپنی شمشیروں کے جوہر دکھا کر قلعہ فتح کرلیا لیکن حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسے صلح کا نام دیا اور از راہِ مہربانی رومی لشکر کو چند دنوں کی خوراک ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ قلعۂ بابلیون اور اس میں موجود اسلحے کے ذخائر مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت قرار پائے، پھر ابوعبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قلعے کے برج اور فصیلیں منہدم کر دیں۔[2]

اسکندریہ کی طرف پیش قدمی اور ڈیلٹا کی فتح

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے زیرِ کمان لشکر نے قلعۂ بابلیون میں چند مہینے قیام

---

[1] الفتوحات الإسلامية للدكتور عبدالعزيز الشناوي، ص:91. [2] الفتوحات الإسلامية للدكتور عبدالعزيز الشناوي، ص:91.

کیا تاکہ اسلامی لشکر کی از سر نو تنظیم کی جا سکے اور مدینہ منورہ سے اسکندریہ کے لیے نئی مہم کا حکم نامہ بھی موصول ہو جائے۔ جب حکم نامہ موصول ہوگیا تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قلعے میں مسلمانوں کی مسلح فوج تعینات کی اور خود مئی 641 عیسوی بمطابق جمادی الآخرہ 21 ہجری میں بابلیون سے اسکندریہ روانہ ہوئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبطی سرداروں کی ایک جماعت بھی تھی۔ قبطیوں کو یقین ہوگیا تھا کہ ان کے مفادات فتح یاب اسلامی جمعیت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے لیے راستوں کی اصلاح کی۔ پل اور بازار بنائے اور رومیوں کے خلاف لڑنے کے لیے مسلمانوں کی ہر ممکن معاونت کی۔[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کوچ کے لیے دریائے نیل کی بائیں طرف کا راستہ اختیار کیا تاکہ ایک طرف دریا کا کنارہ اور دوسری طرف گھوڑوں اور لشکر کی آسانی سے پیش قدمی کے لیے صحرائی راستے کی سہولت دستیاب رہے۔ اگر وہ نیل کے ڈیلٹے میں سفر کرتے تو بہت سے ندی نالے ان کے راستے میں حائل ہو سکتے تھے۔ مؤرخین کے مطابق حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مقام طرنوط یا طرانہ کے قریب تھوڑی سی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔[2]

اثنائے راہ نیل کی شاخ ''رشید'' آئی۔ انھوں نے اسے عبور کیا اور مشرقی کنارے پر جا پہنچے۔ وہاں رومیوں کا مضبوط شہر نقیوس واقع تھا۔[3]

یہ شہر بہت محکم اور محفوظ بنایا گیا تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ کر آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا۔ دوسری طرف رومیوں نے قلعہ بند رہنا مناسب نہ سمجھا۔ انھوں نے کشتیوں میں سوار ہو کر جنگ کرنے کو ترجیح دی اور مسلمانوں کو اپنے اس شہر سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے انھیں نیزوں اور تیروں کی زد میں لے کر دریا میں غرق

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 224. [2] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 224. [3] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 224.

بابلیون سے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی اور ڈیلٹا کی فتح

نقشہ:32

کردیا۔ دشمن کے بہت سے فوجی بھاگ گئے [1] اور اسکندریہ میں پناہ گزین ہوئے۔ شہر میں موجود رومیوں نے اپنے فوجیوں کی یہ حالت دیکھ کر شہر کو فوراً مسلمانوں کے حوالے کردیا۔ مسلمان کامیابی سے شہر میں داخل ہوگئے اور چند دن وہاں قیام کیا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نقیوس فتح کرنے کے بعد اردگرد کا علاقہ دشمن سے پاک کیا، پھر نیل کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ 28 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک اور رومی لشکر سے آمنا سامنا ہوا، مقدمۃ الجیش کے سالار شریک بن سُمَیّ دشمن کا تعاقب کررہے تھے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مالک بن ناعمہ کو شریک کی مدد کے لیے بھیجا تو رومی خوفزدہ ہوکر بھاگ نکلے۔ یہ جگہ کوم شریک کے نام سے معروف ہوئی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پیش قدمی کرتے ہوئے سُلطَیس پہنچ گئے۔ یہاں بھی ایک رومی لشکر نے شکست کھائی۔ آخر کار رومی افواج نے نہر اسکندریہ پار کرکے قلعہ کریون میں جان توڑ جنگ لڑی مگر کمک ملنے کے باوجود چند دنوں میں رومی ہار گئے اور اسکندریہ کی طرف بھاگ نکلے۔ اس لڑائی میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ زخمی بھی ہوئے۔

فتح اسکندریہ

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے اسکندریہ کے سامنے جا پہنچے۔ انھوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کرکے فصیل پر حملہ کردیا۔ مگر فصیل پر نصب رومی منجنیقوں نے مسلمانوں پر سنگباری کی تو وہ شہر سے اتنا پیچھے ہٹ گئے جہاں منجنیقوں کی زد سے محفوظ تھے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔ اسی دوران میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک دستہ اسکندریہ کے بالمقابل تعینات کیا اور خود اردگرد کے شہروں کریون، دمنہور اور سخا کو فتح

[1] رومی سپہ سالار مسلمانوں کے پرزور حملے کی تاب نہ لاکر کشتی میں بیٹھ کر اسکندریہ فرار ہوگیا۔ یہ سپہ سالار دومنتیانوس تھا۔

کر کے دریائے نیل کی شاخ دمیاط تک پہنچ گئے۔ اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا حتی کہ مقوقس نے صلح کی پیش کش کی جس سے اسکندریہ فتح ہوگیا۔

اسکندریہ کا محاصرہ جب طول پکڑ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو محتاط اور متجسس طبیعت کی وجہ سے تشویش لاحق ہوگئی۔ انھیں اسلامی لشکروں کے آگے بڑھ کر حملہ کرنے اور قربانیاں پیش کرنے کے جذبے کے سلسلے میں بہت سے شکوک نے گھیر لیا۔ غور وفکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ ساری صورتِ حال جدید حالات ورجحانات سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔[1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ان شکوک وشبہات کا اظہار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط میں کیا۔ انھوں نے تحریر فرمایا:

اما بعد، تمھیں مصر فتح کرنے میں تاخیر ہوگئی۔ میں تمھاری تاخیر سے پریشان ہوگیا ہوں۔ دو سال ہوگئے، تم رومیوں سے برسرِ پیکار ہو مگر خاطر خواہ نتائج ابھی تک حاصل نہ کرسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم جدید حالات سے متاثر ہوگئے ہو یا رومیوں کی طرح دنیا سے محبت کرنے لگے ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قوموں کی ان کی نیتوں کے مطابق مدد فرماتا ہے۔ میں نے تمھاری طرف چار مجاہد زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو بھیجا تھا اور تمھیں بتایا تھا کہ ان میں سے ہر فرد ایک ہزار نفری پر بھاری ہے۔ الا یہ کہ انھیں دنیا نے بدل نہ دیا ہو۔ جب تم تک میرا یہ خط پہنچے تو لوگوں سے خطاب کرو۔ انھیں دشمن سے قتال کی ترغیب دلاؤ۔ انھیں صبر کرنے اور نیت خالص کرنے کا درس دو۔ اور میرے بھیجے ہوئے چار اشخاص کو آگے رکھو۔ حکم دو کہ دشمن پر یکبارگی حملہ کردیں۔ جمعہ کے دن زوال کا وقت مقرر کرو۔ یہ ایسی گھڑی ہے جو اللہ کی رحمت کے نزول اور دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے۔ لوگوں کو مسلسل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دشمن کے خلاف مدد مانگنی چاہیے۔

---

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 227.

بحیرۂ روم
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
روشنی کا مینار
مشرقی بندرگاہ
مشرقی قبرستان
باب شرق
شارع کانوپ
(کھیل کا میدان)
البانیوم
جزیرہ نما فاروس
مغربی بندرگاہ
باب جنوب
جھیل مریوتیس
(جان دی بپٹسٹ کا گرجا)
کنیسہ عزراء مریم
(کنواری مریم کا گرجا)
راہبوں کا گرجا
اسکندریہ کا شہر
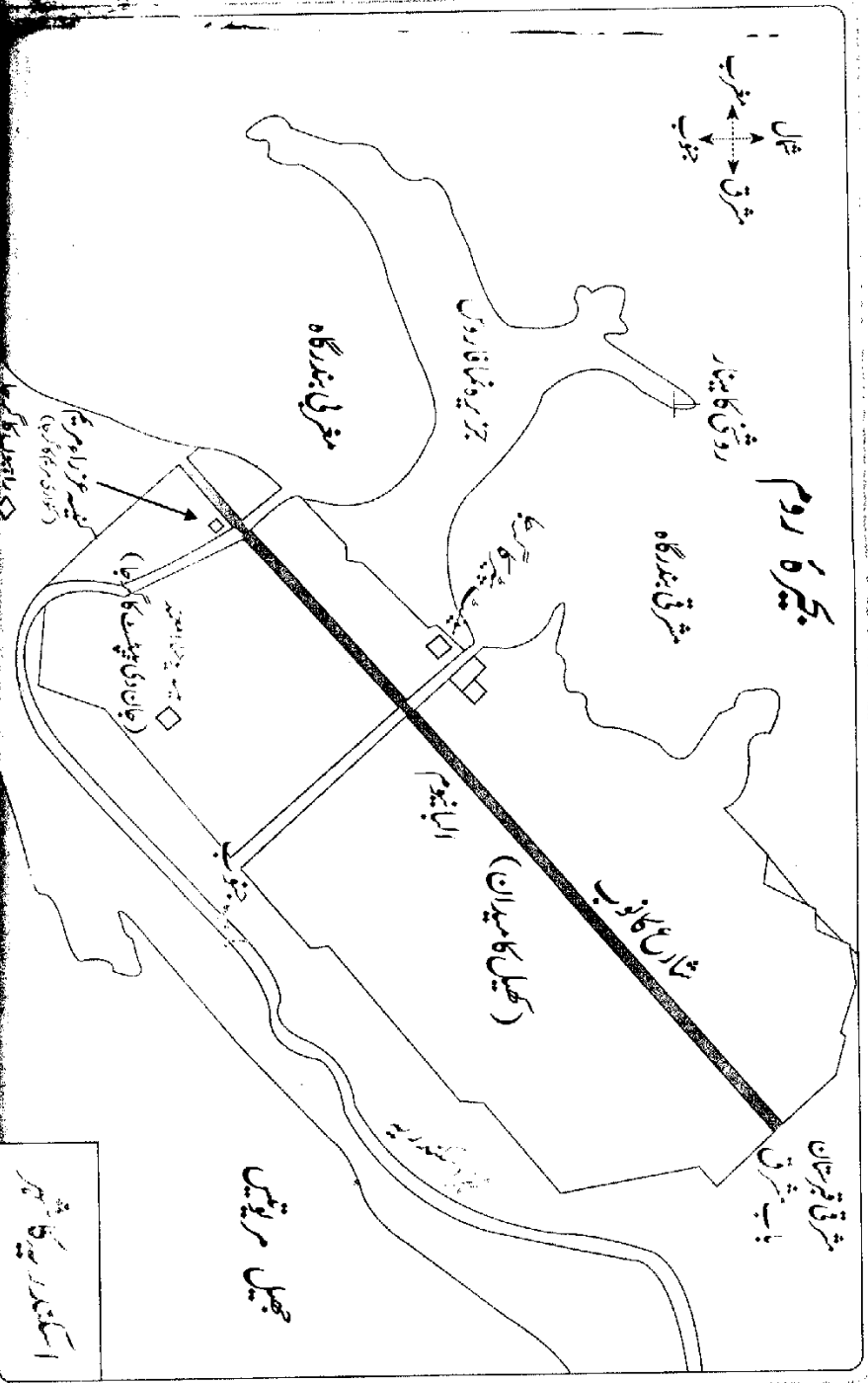
جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ خط ملا تو انھوں نے فوراً سب لوگوں کو جمع کیا۔ خط پڑھ کر سنایا، ان چار منتخب افراد کو لشکر کے آگے رکھا، پھر لوگوں کو وضو کرنے اور دو رکعت پڑھنے، اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے اور اس سے مدد طلب کرنے کا حکم دیا۔ سارے لشکر نے مل کر اجتماعی طور پر یہ کام کیے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح عطا فرمائی۔[1]

ایک روایت کے مطابق عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے دشمن سے جنگ کے بارے میں مشورہ دو۔ مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ ان چاروں منتخب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے سب سے زیادہ جنگی مہارت اور تجربہ رکھنے والے فرد کی زیر قیادت لشکر منظم کریں اور وہ دشمن سے جنگ کرے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: وہ کون ہوسکتا ہے؟ مسلمہ نے عرض کیا: وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے عبادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ جب وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترنے لگے تو عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نیچے نہ اتریں اور اپنے نیزے کا رخ میری طرف کردیں، پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے سر سے پگڑی اتاری۔ اسے نیزے پر باندھا اور عبادہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں سے جنگ کا امیر مقرر کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسی دن اسکندریہ کی فتح نصیب فرما دی۔[2]

ایک روایت کے مطابق عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «إِنِّي فَكَّرْتُ فِي هٰذَا الْأَمْرِ فَإِذَا هُوَ لَا يُصْلِحُ آخِرَهُ إِلَّا مَنْ أَصْلَحَ أَوَّلَهُ» ”میں نے اس امر کے بارے میں غور وفکر کیا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس معاملے کا آخری حصہ وہی افراد درست کرسکتے ہیں جنھوں نے اس کی ابتدا درست کی تھی۔“ ان کی مراد انصار تھے، لہٰذا انھوں نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انھیں امیر جنگ مقرر فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں

---

1. الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 228. 2. الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 228.

کو فتح سے سرفراز فرمایا۔ [1]

علامہ ابن عبدالحکم روایت فرماتے ہیں کہ اسکندریہ کا محاصرہ تقریباً 9 ماہ تک جاری رہا اور 20 ہجری محرم کی ابتدائی تاریخوں میں یہ شہر فتح ہوا۔ [2]

فتح اسکندریہ کی تاریخ 21 دسمبر 640ء بنتی ہے، جبکہ بٹلر کی تحقیق کے مطابق اسکندریہ کا محاصرہ جون کے اخیر میں 640ء میں شروع ہوا اور آٹھ نومبر 641ء کو فتح ہوا۔ یہ تاریخ ہجری اعتبار سے 7 ذوالحجہ، 21 ہجری بنتی ہے۔

ممکن ہے یہی قول راجح ہو کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خط میں کہا گیا تھا کہ تم دو سال سے برسر پیکار ہو۔ اور عمرو رضی اللہ عنہ عریش میں دسمبر 639ء میں پہنچے تھے اور اسکندریہ کی فتح نومبر 641ء کو ہوئی۔ یوں یہ اسلامی تقویم کے اعتبار سے 2 سال ہی بنتے ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اہلِ اسکندریہ کو بدستور ان کے حال پر باقی رکھا۔ کسی کو قید نہیں کیا بلکہ اہلِ بابلیون کی طرح سب کو اہل ذمہ قرار دے دیا، پھر انھوں نے اپنا ایک مضبوط حفاظتی دستہ مقرر کیا۔ بعد ازاں دیگر فوجی دستوں کو بقیہ رومی قلعوں اور مصر میں موجود دیگر شہروں کی فتوحات کے لیے روانہ کردیا۔ اس طرح بحیرۂ روم کا ساحلی علاقہ اوراس کے بڑے بڑے شہر اسلامی ریاست میں شامل ہوگئے جن میں رشید اور دمیاط بھی شامل تھے۔ فی الجملہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کے ڈیلٹا سمیت پوری سرزمین مصر پر اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ [3]

برقہ اور طرابلس کی فتح

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب مصر کی فتح مکمل کر چکے اور اس پر مضبوطی سے کنٹرول قائم کرلیا تو غربی جانب سے ممکنہ خطرات سے نبٹنے کے لیے غربی جانب متوجہ ہوئے

---

[1] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 212. [2] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 229. [3] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 229.

کیونکہ وہاں برقہ اور طرابلس کے علاقوں میں رومی لشکر قلعہ بند رہتے تھے اور یہ خدشہ موجود تھا کہ رومی موقع پا کر وہاں سے مصر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ 22 ہجری میں اپنے لشکر کے ہمراہ برقہ کی طرف بڑھے۔ ان دنوں اسکندریہ اور برقہ کے درمیان ہریالی اور آبادی موجود تھی لیکن وہ راستے میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنے کیے بغیر آسانی سے برقہ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچتے ہی اہل برقہ نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ برقہ کی فتح کے بعد اہلِ برقہ پابندی کے ساتھ پورا خراج والی مصر کو روانہ کرتے رہے۔ مغربی علاقوں میں اہلِ برقہ انتہائی فرماں بردار ثابت ہوئے اور کسی قسم کے فتنے میں نہیں پڑے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اب طرابلس کی طرف بڑھے۔ وہاں بہت سے مضبوط قلعے موجود تھے۔ رومیوں نے وہاں بھاری فوج جمع کر رکھی تھی۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ رومی قلعہ بند ہو گئے۔ ایک مہینے تک محاصرہ جاری رہا۔ محاصرہ بے سود ثابت ہوا۔ شہر کا پچھلا کنارہ سمندر سے متصل تھا۔ شہر اور سمندر کے درمیان کوئی فصیل قائم نہ کی گئی تھی۔ اسلامی لشکر نے یہی صورتِ حال دیکھ کر سمندر کی جانب سے شہر کی طرف پیش قدمی کی اور وہاں پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ وہاں چند رومی کشتیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا، اس لیے کوئی مزاحمت ہی نہیں ہوئی۔ ان پر حملہ کیا گیا سوائے چند کشتی سواروں کے سب مارے گئے۔ شہر فتح ہو گیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت پر قبضہ کیا۔ کچھ دیر اور وہاں ٹھہر کر مختلف دستے اطراف و جوانب میں روانہ کیے۔

اب وہ جلد از جلد مغربی فتوحات مکمل کرنے کے بعد تیونس اور سرزمین افریقہ کی طرف متوجہ ہونا چاہتے تھے۔ انھوں نے مزید پیش قدمی کی اجازت کے لیے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض داشت بھیجی لیکن اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی افواج کے لیے ایک نیا محاذ کھولنے سے گریز کر رہے تھے۔ وہ ابھی تک شام سے طرابلس تک

بحیرہ روم
خلیج سرت
صبراتہ
طرابلس
لبدہ
شروس
مصراتہ
مغمداس
سرت
عمرو بن عاص
عقیلہ
برنیق
(بنغازی)
اجدابیہ
طوکرہ
طلمیثہ
سوسہ
درنہ
برقہ
المرج
(برقہ)
لواتہ
السلوم
عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
مصر
30
ھوارہ
ودان
زلہ
ھون
سوکنہ
واحہ جالو
واحہ جغبوب
لیبیا
براعظم افریقہ
جرمہ
زویلہ
فزان
25
صحرائے اعظم
برقہ (لیبیا) اور طرابلس کی فتوحات
عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یلغار

نقشہ: 34

مفتوحہ علاقوں میں قیام امن کی صورتحال سے مطمئن نہ تھے۔ انھوں نے اسلامی افواج کو طرابلس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

ان فتوحات کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ زریں میں اسلامی ریاست کی حدود مشرق میں دریائے جیحون اور سندھ تک مغرب میں افریقیہ اور صحرائے اعظم تک، شمال میں ایشیائے کوچک اور سرزمین آرمینیا تک اور جنوب میں نوبیہ (سوڈان) تک وسیع ہوگئیں۔ یوں تاریخِ عالم میں پہلی دفعہ ایک ایسی زبردست عالمی قوت معرضِ وجود میں آئی جس میں طرح طرح کے رنگ ونسل، ادیان، اقوام اور جداگانہ عادات کے بھانت بھانت کے لوگ پائے جاتے تھے۔ سب لوگ اسلام کے عادلانہ بلکہ کریمانہ نظام سے پوری طرح مطمئن تھے۔ اس دین حنیف نے مختلف عقائد، عادات اور طرح طرح کے ادیان کی موجودگی کے باوجود اپنی ریاست کے تمام باشندوں کے جملہ حقوق بلا امتیاز محفوظ کر دیے تھے۔[1]

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص:231.

اسلامی سلطنت کی توسیع
عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے ادوار میں
اصطلاحات
عہد نبوی میں اسلامی سلطنت
عہد صدیقی کی فتوحات
عہد فاروقی کی فتوحات
عہد عثمانی کی فتوحات
رومی سلطنت
بحیرۂ روم
بحیرۂ اسود
بحیرۂ ارال
ماوراء النہر
سمرقند
بخارا
مرو
قرہ قم
دریائے جیحون
دریائے ڈینیوب
یونان
بحیرۂ ایجین
بحیرۂ مرمرہ
قسطنطنیہ
انقرہ
قیصریہ
قونیہ
ملطیہ
طرسوس
روڈس
طرابلس
لبدہ
سرت
برقہ
اسکندریہ
فرماء
فسطاط
فیوم
اجنادین
القدس
عکا
صور
بیروت
دمشق
حلب
حران
رقہ
صفین
موصل
تبریز
اردبیل
جلولاء
ہمدان
نہاوند
مدائن
انبار
عانہ
حیرہ
قادسیہ
بویب
ابلہ
اہواز
اصفہان
نیشاپور
خراسان
اصطخر
دارابجرد
جیرفت
کرمان
موتہ
اذرح
ایلہ
دومۃ الجندل
تبوک
تیماء
بزاخہ
بحرین
خیبر
فدک
مدینہ منورہ
ینبع
نجد
دارین
خلیج فارس (عربی)
دبا
صحار
خلیج عمان
عمان
حجر
یمامہ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
ربع الخالی
مصیرہ
دنقلہ
سودان
دریائے نیل
نیل ازرق
اکسوم
نجران
مہرہ
مارب
صنعاء
یمن
مخا
بحیرۂ عرب

مصر کی فتوحات سے حاصل ہونے والے اسباق

سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کی مقوقس کے دربار میں سفارت

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بابلیون کا محاصرہ کررکھا تھا۔ مقوقس نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم ہمارے شہر میں داخل ہوکر ہمیں جنگ پر مجبور کررہے ہو۔ تم عرصۂ دراز سے انھی کارروائیوں میں مصروف ہو۔ تم ایک اقلیتی جماعت ہو۔ رومی تیاری اور جدید اسلحے کے اعتبار سے تم پر کہیں زیادہ فائق ہیں۔ وہ تمھیں کسی وقت بھی نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ یاد رکھو! تمھیں ہر طرف سے دریائے نیل نے گھیر رکھا ہے۔ غور کرو تو تم ہمارے ہاتھوں میں قیدیوں کی طرح ہو۔ اپنا سفیر بھیجو تاکہ ہم تمھاری بات سنیں، ہوسکتا ہے کوئی درمیانی راستہ نکل آئے۔ خونریز جنگ رک جائے، ورنہ رومی لشکر تمھیں کچل ڈالے گا۔ سمجھوتے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اگر نتیجہ تمھاری امید کے خلاف نکلا تو شرمندگی اٹھانا پڑے گی، اس لیے تم اپنے کچھ سفیر میرے پاس بھیجو تاکہ کوئی متفقہ لائحۂ عمل طے کرلیا جائے۔

رومی سفیر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے دو دن کے لیے اسے اپنے پاس روک لیا۔ مقوقس ڈر گیا کہ شاید انھیں قتل کردیا گیا ہے۔ مقوقس نے اپنے درباریوں سے پوچھا: تمھارا کیا خیال ہے۔ یہ کیسے لوگ ہیں؟ کیا یہ لوگ سفیروں کو بھی قید یا قتل کرسکتے

ہیں؟ کیا ان کا دین اس امر کی اجازت دیتا ہے؟

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ دونوں افراد دو دن ان کے پاس رہیں۔ مسلمانوں کی عادات و اطوار کو قریب سے دیکھ لیں۔ تیسرے دن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سفیروں کو اپنا یہ پیغام دے کر واپس بھیج دیا کہ تمھیں صرف تین راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اگر تم اسلام قبول کرلو تو ہمارے بھائی ہو۔ اس صورت میں ہمارے اور تمھارے مقاصد یکساں ہوں گے۔ اگر تم اسلام قبول نہ کرنا چاہو تو ذلت و رسوائی کے ساتھ جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ تیسرا اور آخری راستہ یہ ہے کہ ہم صبر و استقامت سے تمھارے خلاف جنگ کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ نافذ فرما دے اور وہ یقیناً بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔[1]

مقوقس کے سفیر واپس پہنچے تو مقوقس نے ان سے پہلا سوال ہی یہ کیا کہ تم نے مسلمانوں کو کیسا پایا؟ انھوں نے جواب دیا: کیا بتائیں! ہم نے کیسی عجیب قوم دیکھی ہے۔ وہ موت کو زندگی سے زیادہ محبوب جانتی ہے۔ عاجزی انھیں تکبر سے زیادہ عزیز ہے۔ انھیں دنیا سے مطلق دلچسپی نہیں۔ وہ لوگ کچی زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھے بیٹھے کھانا کھا لیتے ہیں۔ ان کا امیر انھی جیسا سادہ آدمی ہوتا ہے۔ ان میں عزت والے اور نچلے درجے کے آدمی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے منہ پانی سے کلی کر کے صاف کرتے ہیں۔ بڑی عاجزی اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے ہیں۔

یہ باتیں سننے کے بعد مقوقس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہٹانا چاہیں تو وہ یہ کٹھن کام بھی کر گزریں گے، ان کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اگر ہم

[1] عبادة بن الصامت صحابي كبير و فاتح مجاهد،ص: 91، و النجوم الزاهرة ملوك مصر والقاهرة: 1/10-16.

نے آج لمحۂ موجود سے فائدہ نہ اٹھایا اور ان سے صلح نہ کی تو جونہی ان کے قدم کسی زمین میں جم جائیں گے، ہمیں یہ موقع نہیں ملے گا۔ آج انھیں دریائے نیل نے گھیرا ہوا ہے۔ وہ صلح بھی کر سکتے ہیں، چنانچہ مقوقس نے دوبارہ اپنے سفیر بھیجے اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ اپنے سفیر ہمارے پاس بھیجو تاکہ ہم مل بیٹھ کر ایسا لائحۂ عمل تیار کر لیں جس سے فریقین کا بھلا ہو۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سفارت کے لیے دس افراد منتخب فرمائے۔ انھیں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت روانہ فرمایا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا قد دس بالشت (تقریباً ساڑھے سات فٹ) لمبا تھا۔[1]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ہدایت دی کہ عبادہ رضی اللہ عنہ مقوقس سے بات کریں گے اور تین باتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنے کے علاوہ اور کوئی بات پیش نہیں کریں گے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: مجھے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ ان تین باتوں میں سے ایک کے علاوہ کسی چوتھی بات پر اتفاق نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سیاہ فام تھے۔ وہ وفد سمیت کشتیوں پر سوار ہوئے۔ مقوقس کے پاس پہنچے۔ مذاکرات کے لیے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ مقوقس ان کی سیاہ رنگت دیکھ کر گھبرا گیا۔ کہنے لگا: اس سیاہ فام کو مجھ سے دور لے جاؤ۔ اس کی جگہ کوئی اور شخص مذاکرات کرے۔ سب نے کہا: یہ اپنے علم و فکر کے اعتبار سے ہم سب پر فائق ہیں۔ یہی ہمارے سردار ہیں۔ نہایت بلند مرتبے والے ہیں۔ ہم سب انھی کی بات سنتے اور انھی کے فیصلے تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے امیر لشکر نے انھیں ہمارا امیرِ سفارت مقرر کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ ہم اس کی بات سنیں اور اس کا فیصلہ قبول کریں۔ مقوقس نے پوچھا: تم اس کالے رنگ والے کو اپنا بہترین آدمی کیوں تسلیم کرتے ہو، حالانکہ اسے تو تم سے کم تر درجہ حاصل ہونا چاہیے؟ انھوں نے کہا: ہرگز نہیں! بظاہر یہ سیاہ فام ہیں لیکن مقام و مرتبہ، اسلام میں سبقت اور

---

[1] تهذيب التهذيب: 5/97.

لیاقت و بصیرت کے اعتبار سے یہ ہم سب پر فائق ہیں۔ ہمارے درمیان کسی کا سیاہ رنگ معیوب چیز نہیں ہے۔ مقوقس نے عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عبادہ! آگے آؤ اور مجھ سے نرمی سے کلام کرو۔ مجھے تمھارے سیاہ فام رنگ نے خوفزدہ کر دیا ہے۔ اگر تم نے سخت گفتاری کی تو میرے خوف میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا: میں تمھاری بات سمجھ گیا۔ یاد رکھو، میرے پیچھے ایک ہزار آدمی ایسے ہیں جو سب میرے جیسے سیاہ فام ہیں بلکہ وہ مجھ سے بھی زیادہ کالے اور خوفناک منظر والے ہیں۔ اگر تم انھیں دیکھ لو تو بہت زیادہ خوفزدہ ہو جاؤ گے۔ مجھے اس مہم کا امیر مقرر کیا گیا ہے۔ میری جوانی ختم ہونے کو ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے دشمن کے ایک سو افراد بھی میرے سامنے آجاتے ہیں تو میں ان سے نہیں ڈرتا۔ میرے دیگر ساتھی بھی ایسے ہی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جہاد فی سبیل اللہ کی رغبت رکھتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی جستجو ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ہماری جنگ دنیا کے حصول کے لیے ہرگز نہیں۔ نہ ہم دنیا کا مال جمع کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ہاں! وہ مال ہم اپنے پاس ضرور رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اموال غنیمت کو ہمارے لیے حلال ٹھہرایا ہے۔ ہمیں سونے کے انبار کی پروا ہے نہ کسی درہم و دینار کی۔ ہم اس دنیا سے صرف کمر سیدھی رکھنے کے لیے مناسب خوراک اور تن ڈھانپنے کے لیے مختصر لباس کے خواہاں ہوتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کو ساری زندگی ان چیزوں کے علاوہ کچھ بھی میسر نہ آئے تو وہ اس پر گزر اوقات کر لیتا ہے۔ اگر کسی کو سونے جواہرات کے خزانے مل جائیں تو وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتا ہے اور خود مختصر سے ضروری سامان ہی پر اکتفا کرتا ہے کیونکہ دنیا کی نعمتیں اور خوشحالیاں حقیقی نہیں ہیں۔ حقیقی نعمتیں اور خوشحالیاں تو صرف آخرت ہی کی ہیں۔ اسی بات کا ہمیں ہمارے رب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے

کہ ہم دنیا سے صرف اتنا ہی مال حاصل کریں جس سے بھوک مٹ جائے اور تن ڈھانپ لیا جائے۔ ہم میں سے ہر ایک کی تگ و دو صرف اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے وقف ہے۔ ہم اپنی عمر عزیز اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے ہی میں بسر کرنے کے آرزومند رہتے ہیں۔

مقوقس نے عبادہ رضی اللہ عنہ کے ارشادات سن لیے تو وہ درباریوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: کیا کبھی تم نے آج تک ایسی باتیں سنی ہیں؟ مجھے تو اس کی شکل سے ڈر لگتا تھا لیکن اس کی باتیں تو مجھے اس کی شکل سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو زمین برباد کرنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ میرا گمان ہے کہ ان کا بادشاہ عنقریب ساری دنیا پر غالب آجائے گا، پھر مقوقس عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: میں نے تمھاری گفتگو سن لی، پھر تمھارے اور تمھارے ساتھیوں کے بارے میں تفصیل سے آگہی حاصل کی۔ مجھے میری عمر کی قسم! میں نے بھی تمھیں اپنی بات پہنچا دی ہے۔ یاد رکھو! جن لوگوں پر تم نے غلبہ پایا ہے وہ دنیا کے پجاری تھے۔ ہمارے پاس تم سے لڑنے کے لیے بے شمار رومی جمع ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو زور بازو اور چابکدستی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ انھیں اپنے مدمقابل کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ وہ کیسا اور کتنا بہادر ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تم ان لوگوں پر غالب آسکتے ہو نہ ہی اپنی کمزوری اور تعداد کی قلت کی وجہ سے آئندہ غالب آسکو گے۔ تم یہاں کئی مہینوں سے ٹھہرے ہوئے ہو۔ انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہو۔ تمھاری کمزوری اور استعداد کی کمی کی وجہ سے ہمیں تم پر ترس آرہا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم تمھارے لشکر کے ہر فرد کو دو، دو دینار، تمھاے امیر کو ایک سو دینار اور تمھارے خلیفہ کے لیے ایک ہزار دینار دے دیں اور تم سے مصالحت کرلیں۔ یہ دینار لے کر فوراً اپنے شہروں کو واپس چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمھیں ایسے لشکروں کا سامنا کرنا پڑ جائے جن کے مقابلے کی تم طاقت ہی نہیں رکھتے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے بندے! اپنے اور اپنے اصحاب کے بارے میں تمھیں غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ تم ہمیں رومیوں کے اجتماع اور ان کی کثرت سے ڈراتے ہو؟ اللہ کی قسم! تم ہمیں ڈرا سکتے ہو نہ ہمارے ارادوں کو ہلا سکتے ہو۔ جو تم کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو اللہ کی قسم! ہماری بھی یہی آرزو ہے کیونکہ جب ہم اس طرح اپنے اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو سرخرو ٹھہریں گے۔ اگر ہم سب اس کے راستے میں شہید ہو جائیں تو رب ذوالجلال کی رضا مندی اور جنت کا حصول یقینی بات ہے۔ ہمارے لیے سب سے زیادہ محبوب اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک یہی چیز ہے۔ بلاشبہ ہم اس وقت دو اچھائیوں سے ایک کو پانے والے ہوں گے اگر ہم تم پر غالب آگئے تو ہمیں دنیا کی غنیمت ملے گی اگر تم غالب آئے تو ہم بلا واسطہ آخرت میں جنت کے مستحق ٹھہریں گے۔ ہمیں اپنی محنت و جستجو کے بعد ان دونوں میں سے کوئی ایک بات یقیناً پسند ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۙ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ ۙ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴾

”پھر جب طالوت فوجیں لے کر نکلا تو اس نے کہا: بے شک اللہ تمھیں ایک نہر کے ذریعے سے آزمانے والا ہے، پس جس نے اس سے (سیر ہو کر) پانی پیا وہ مجھ سے نہیں اور جس نے اس کا پانی نہ چکھا، تو یقیناً وہ مجھ سے ہے، ہاں! کوئی اپنے ہاتھ سے ایک آدھ چلو بھر لے (تو حرج نہیں) پھر ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا سب نے اس (نہر) کا پانی پی لیا، پھر جب طالوت نے وہ نہر پار

کر لی اور ان لوگوں نے (بھی) جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، تو انھوں نے (آپس میں) کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہیں۔ وہ لوگ جو اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ بے شک وہ اللہ سے ملنے والے ہیں، انھوں نے کہا: کئی بار چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"[1]

ہمارا ہر فرد صبح و شام اللہ تعالیٰ سے شہادت کی دعا کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے اہل و عیال میں واپس نہ جائے بلکہ رتبۂ شہادت سے سرفراز ہو۔ ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے اہل و عیال کو الوداع کہہ دیا ہے۔ اب ہماری منزل ہمارے سامنے ہے۔

تمھارا یہ خیال صحیح نہیں کہ ہم معاشی طور پر بدحالی کا شکار ہیں، نہیں! ہم تو انتہائی خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس خوشحالی کے عوض ہمیں دنیا بھر کے خزانے بھی ملیں تو کبھی قبول نہ کریں۔ تم صرف اپنے معاملے پر غور کرو، ہمارے اور تمھارے مابین صرف ایک ہی موضوع پر بات ہوسکتی ہے، وہ ہے تین باتوں میں سے ایک بات کا اختیار: اسلام، جزیہ یا جنگ۔ میری نصیحت ہے کہ باطل کا راستہ ہرگز اختیار نہ کرنا۔ میرے امیر کا مجھے اور ہمارے امیر المؤمنین کا ہم سب کو یہی حکم ہے۔ اس سے پہلے ہمارے محبوب پیغمبر ﷺ کی بھی ہمیں یہی تعلیم تھی۔ اسلام قبول کر لو، اس کے علاوہ اللہ کے ہاں کوئی دوسرا دین قبول نہ ہوگا۔ اسلام انبیاء و رسل اور ملائکہ کا دین ہے۔ اس کے بارے میں ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم اس دین کے مخالفین سے ڈٹ کر جنگ کریں تا آنکہ وہ اسے اختیار کر لیں۔ اس صورت میں ہمارے اور تمھارے مفادات یکساں ہو جائیں گے، پھر ہم سب بھائی بھائی ہوں گے اور اسے قبول کرنے کے صلے میں تمھیں دنیا و آخرت کی سعادتیں نصیب ہوں گی، پھر ہم تم سے کبھی جنگ نہیں کریں گے۔ واپس چلے جائیں گے۔ تمھیں کوئی گزند نہیں

[1] البقرة 2:249.

پہنچائیں گے نہ تم سے کوئی تعرض کریں گے۔ اگر تم اسلام قبول کرنے کی بجائے جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو جاؤ تو تم ہمیں بحالتِ ذلت جزیہ ادا کرو گے۔ جزیے کی رقم ہم باہمی اتفاق سے مقرر کریں گے۔ وہ رقم تمھیں ہمیشہ ادا کرنی ہوگی جس کے عوض ہم تمھارے ہر دشمن کا مقابلہ کریں گے اور تمھارے جان و مال اور اراضی کا تحفظ کریں گے۔ جزیہ لے کر ہم اپنے اس عہد کو نبھائیں گے، یعنی جب تم ہماری حفاظت اور ذمہ داری میں آجاؤ گے۔ تمھارے بارے میں ہم اپنی ذمہ داری ادا کریں گے۔ ہم اپنے اس عہد کو اپنے آپ پر من جانب اللہ عائد کردہ فرض سمجھیں گے۔ اگر تم جزیہ ادا کرنا بھی قبول نہ کرو تو پھر ہمارے اور تمھارے درمیان بذریعہ تلوار فیصلہ ہوگا۔ چاہے اس راہ میں ہم سب مارے جائیں یا اپنا مقصد پالیں۔ یہی ہمارے دین کا حکم ہے۔ ہم اسی کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ہم کسی اور تجویز پر غور نہیں کر سکتے۔ اب تم خود اچھی طرح سوچ سمجھ لو اور حتمی فیصلہ کر لو۔

مقوقس نے جواب دیا: یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم تو ہمیں رہتی دنیا تک غلام بنانا چاہتے ہو۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، یہی بات ہے۔ تمھارا فیصلہ تمھارے ہی ہاتھ ہے۔ مقوقس نے پوچھا: کیا کوئی چوتھا راستہ نہیں ہو سکتا؟ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے معاً اپنے ہاتھ بلند کر دیے۔ پرزور لہجے میں فرمایا: نہیں! اس زمین و آسمان اور ہر چیز کے پالنے والے کی قسم! تمھارے لیے ہمارے پاس ان تین راستوں کے علاوہ چوتھا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مقوقس یہ سن کر اپنے درباریوں کی طرف مڑا اور کہا: مسلمانوں کے ترجمان نے اپنی بات مکمل کر لی۔ اب بولو، تمھارا کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا: بھلا ہم میں سے کوئی اس ذلت کو قبول کر سکتا ہے؟ ہم اسلام کبھی قبول نہیں کریں گے۔ ہم اپنے مسیحی دین کو ترک نہیں کر سکتے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنا آبائی دین چھوڑ دیں اور ایسا دین قبول کر لیں جسے ہم جانتے ہی نہیں۔ قیدی بن کر جزیہ دینے کی رسوائی سے تو یہ بہتر ہے کہ ہم

مر جائیں۔ ہاں، اگر وہ ہماری طرف سے درہموں کی پیشکش پر راضی نہ ہوں تو ہم اس میں کئی گنا اضافہ کر سکتے ہیں۔

مقوقس نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میری قوم تو اس پر راضی نہیں۔ اب تم کیا کہتے ہو؟ میری رائے یہ ہے کہ تم اپنی خواہش کے مطابق اس دفعہ ہم سے جو جی چاہے لے لو اور اپنے ساتھی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو واپس لے جاؤ۔ یہ سن کر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ منظر دیکھ کر مقوقس نے اپنی قوم سے کہا: میری بات مانو۔ ان لوگوں کی پیش کی گئی تین باتوں میں سے ایک قبول کر لو۔ اللہ کی قسم! تم ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر تم نے اس وقت خوشی خوشی ان کی بات نہ مانی تو پھر تمھیں کسی وقت مجبوراً ان باتوں سے بھی بڑھ کر ذلت و رسوائی کی باتیں ماننی پڑیں گی۔ درباریوں نے پوچھا: ہم کون سی شرط قبول کریں گے۔ مقوقس نے کہا: سنو! وضاحت کیے دیتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام قبول کر لیا جائے مگر میں تمھیں اس کا مشورہ نہ دوں گا۔ جنگ کے بارے میں بھی تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ تم ان لوگوں پر کبھی غالب نہیں آسکتے۔ تم میں ان لوگوں جیسے صبر و استقامت کا جوہر ہی موجود نہیں۔ ہاں، جزیہ ادا کرنے والا تیسرا راستہ اختیار کر لو۔ یہ سن کر سب بیک آواز بول پڑے: اچھا تو کیا ہم ہمیشہ کے لیے ان کے غلام بن جائیں؟ مقوقس نے کہا: ہاں، تم یقیناً غلام کی حیثیت اختیار کر جاؤ گے۔ اپنے ہی شہروں میں تم پر کسی اور کی حکومت ہوگی لیکن تمھاری جان و مال عزت اور ذریت بہر حال محفوظ رہے گی۔ یہ راستہ تمھارے لیے مکمل ذلت و ہلاکت سے بہتر ہے۔ اگر تم نے آج کے موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو یاد رکھو کہ پھر تم بد ترین غلام بن جاؤ گے۔ ایسے غلام کہ جا بجا ہاتھ در ہاتھ فروخت ہوتے پھرو گے اور مختلف علاقوں میں ہمیشہ کے لیے بے حد ذلت اور مشقت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ تمھارے ساتھ تمھارے اہل وعیال کا بھی یہی حشر ہوگا۔ یہ سن کر سب نے کہا: نہیں نہیں، ہمیں ایسی ذلت سے

موت زیادہ پسند ہے، پھر انھوں نے اپنی افواج کو فسطاط اور دریائے نیل میں واقع جزیرہ روضہ کا پل عبور کرنے اور حملہ آور ہونے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ اس وقت رومی وہاں کثیر تعداد میں تھے۔ [1]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور مقوقس کے باہمی مذاکرات سے عبادہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور دشمن کے مقاصد کو فوراً بھانپ لینے کی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ مقوقس کی کسی دھونس اور دھمکی سے متاثر نہیں ہوئے۔ اس نے ان پر اثر انداز ہونے کی بہت کوشش کی۔ اس نے انھیں درہم و دینار کا لالچ بھی دیا لیکن حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے موقف اور اہداف پر ڈٹے رہے۔ وہ اس کی کسی بات سے متاثر نہ ہوئے۔ اس دوران میں وہ اپنا یہ فرض بھی نہیں بھولے کہ انھیں مقوقس کو اسلام کی دعوت اور ترغیب بھی دینی ہے۔

مقوقس کا دل حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل اور دعوتِ حق سے متاثر ہوا اور اس نے اپنی قوم کو مسلمانوں سے مصالحت کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک ایسی نظیر تھی جس نے دیگر اقوام اور اہلِ ادیان پر اسلام کی حقانیت عیاں کر دی اور وہ تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے۔ [2]

مصر کی فتوحات میں مسلمانوں کی جنگی مہارتیں

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی فتوحات میں بہت سے جدید جنگی فنون اور مہارتوں کا عملاً مظاہرہ کیا جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

نفسیاتی جنگ

معرکۂ بابلیون میں مقوقس نے عورتوں کو حکم دیا کہ تم اندرونِ شہر کی جانب رخ کر کے

[1] النجوم الزاهرة ملوك مصر و القاهرة: 1/10-16. [2] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 211.

کھڑی ہو جاؤ، جبکہ مرد اسلحہ سے لیس ہو کر حریف کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں تا کہ وہ ہماری کثرت سے خائف ہو جائے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مقوقس کو پیغام بھیجا کہ ہمیں تمھاری چال کا علم ہو گیا ہے۔ یاد رکھو کثرت کے سبب تم ہم پر کبھی غالب نہیں آ سکتے۔ تمھیں اس حقیقت کا علم بھی ہے کہ ہم تمھارے کس قدر علاقے فتح کر چکے ہیں! مقوقس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ لوگ سچ کہتے ہیں۔ ①

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا شمار ان قائدین میں سے ہوتا ہے جو دشمن کو خائف کرنے اور اس کے حوصلے کی کمانیں توڑنے کے لیے نفسیاتی جنگ کا حربہ استعمال کرتے تھے۔ وہ سب سے پہلے اپنے اللہ پر اور پھر اپنی عقل اور تلوار پر اعتماد کرتے تھے۔ وہ جنگوں کے اختتام پر قطعی اور یقینی طور پر فتح یاب ہوتے تھے۔ ②

چھپ کر اچانک حملہ کرنا

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے معرکۂ عین شمس میں کمین گاہوں میں چھپ کر اچانک حملہ آور ہونے کا اسلوب اختیار کیا۔ انھوں نے اس معرکے میں کمین گاہوں پر حملہ کرنے کی ایسی مضبوط حکمت عملی تیار کی کہ مکمل کامیابی ان کا مقدر بن گئی۔ انھوں نے رات کی تاریکی ہی میں مخصوص کمین گاہوں کا تعین کر لیا۔ یہ کمین گاہیں انتہائی سوچ بچار کے بعد متعین کی گئی تھیں۔ طے پایا کہ جب دشمن جنگ میں مصروف ہو تو دائیں اور بائیں جانب سے نکل کر ان پر حملہ کیا جائے۔ اس کے لیے انھوں نے مناسب وقت کا تعین فرمایا اور نقطۂ عروج پر دشمن سے ٹکرانے کا پروگرام تشکیل دیا۔ اس طرح حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا اس معرکے میں کمین گاہوں میں چھپ کر اچانک حملہ کرنے کا حربہ انتہائی کامیاب رہا اور فتح و کامرانی کا باعث بنا۔ ③

---

① الحرب النفسية للدكتور أحمد نوفل، ص: 174. ② الحرب النفسية للدكتور أحمد نوفل، ص: 174. ③ الفن العسكري الإسلامي، ص: 320.

محاصرے کے دوران میں اچانک حملہ

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بابلیون قلعے کے محاصرے کے وقت اچانک حملے کا طریقہ اس وقت اختیار کیا جب رومی اس میں قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے۔ انھیں مکمل اطمینان تھا کہ ان کے مضبوط قلعے، اونچی فصیلیں، سامان رسد کی بہتات اور مکمل جنگی تیاری کے مقابلے میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ رومیوں کو اپنی ان تیاریوں کے علاوہ قلعے کے دروازوں پر پھیلائے ہوئے لوہے کے نوکیلے گوکھروؤں اور اس خندق پر بھی بڑا اعتماد تھا جس کا پانی نیل کے پانی کے اترنے کی وجہ سے خشک ہوچکا تھا۔ اس رات اچانک زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر ساتھی مجاہدین نے ہمت اور دلیری سے قلعے کی فصیلوں کو عبور کیا اور نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ انھوں نے اچانک حملہ کیا اور بہت سے رومیوں کو ہلاک کر دیا۔ قلعہ کے محافظ شکست کھا گئے۔ اہلِ بابلیون نے مصالحت کر لی اور مسلمان فاتحانہ شان سے قلعے میں داخل ہوگئے۔[1]

لمبے عرصے تک محاصرہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کریون اور اسکندریہ کے محاصرے کو بڑا طول دیا۔ جب انھوں نے رومیوں کو مضبوط دفاعی نقطۂ نظر سے محفوظ ترین قلعوں میں بند دیکھا تو کامیابی کی مشکلات کا اندازہ لگالیا۔ انھوں نے ایک مرتبہ آگے بڑھ کر قلعے پر حملہ کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی، پھر انھوں نے محاصرے کو طول دینے کا فیصلہ کیا تاکہ دشمن اس طوالت کی وجہ سے پریشان ہوجائے۔ اس کا سامان رسد ختم ہوجائے اور ان کا صبر جواب دے جائے۔ ان کی توقع کے مطابق اسی طرح ہوا۔ کریون کا محاصرہ انیس (19) دن جاری رہا۔ رومیوں کو یقین ہوگیا کہ مسلمان محاصرہ نہیں اٹھائیں گے۔ انھیں قلعہ مسلمانوں کے حوالے

---

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص:320.

کرنے اور مطیع ہونے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اسکندریہ میں بھی بالکل یہی معاملہ ہوا۔ صرف اتنا فرق پڑا کہ یہ محاصرہ تین مہینے کی طوالت اختیار کر گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رومی خوب جانتے تھے کہ یہ ان کے لیے آخری موقع ہے اگر وہ اب مسلمانوں کے سامنے مغلوب ہو گئے تو نہ صرف مصر بلکہ سارا افریقہ ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ رومیوں کا خدشہ صحیح نکلا اور مسلمان فتح یاب ہوئے۔[1]

امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کی طرف فتح کی خوشخبری

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ یہ پیغام مجھے لکھ کر نہیں دیں گے؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا تم عربی نہیں ہو کہ یہ پیغام نہیں پہنچا سکتے؟ اور کیا تم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا؟[2]

معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ اسکندریہ کی فتح کی خوشخبری سنائی۔ عمر رضی اللہ عنہ خوشخبری سن کر سجدے میں گر گئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ خود اپنی زبانی پیغام رسانی کا قصہ سناتے ہیں۔ فرماتے ہیں: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب مجھے امیر المومنین کی خدمت میں فتح اسکندریہ کی خوش خبری سنانے کے لیے روانہ کیا تو میں سب سے پہلے مسجد میں پہنچا۔ میں مسجد ہی میں بیٹھا تھا کہ ایک بچی عمر رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکلی۔ اس نے مجھے تھکا ہوا دیکھا، مجھ پر سفر کی تھکن کے آثار تھے۔ وہ میرے پاس آئی اور پوچھا: آپ کون ہیں؟ میں نے کہا: میں معاویہ بن خدیج ہوں۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں۔ وہ یہ سن کر واپس

---

[1] الفن العسكري الإسلامي، ص:320. [2] فتوح مصر و المغرب، ص:105,104.

چل دی، گھر داخل ہوئی، پھر دوڑتی ہوئی میری طرف آئی۔ اس نے آتے ہی مجھ سے کہا: آیئے۔ آپ کو امیر المؤمنین بلا رہے ہیں۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک ہاتھ سے اپنی چادر اور دوسرے ہاتھ سے اپنا ازار پکڑے ہوئے ہیں، فوڑا فرمایا: کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! اچھی خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ فتح فرما دیا۔ وہ میرے ساتھ مسجد میں آئے۔ مؤذن کو حکم دیا کہ الصلاۃ جامعۃ کا اعلان کرو۔ لوگ جمع ہوگئے۔ امیر المؤمنین نے مجھے حکم دیا کہ میں لوگوں کو فتح کی خوشخبری سناؤں، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی۔ واپس گھر چلے گئے اور قبلہ رخ ہو کر دست بدعا ہوگئے، پھر لڑکی سے دریافت فرمایا: کھانے کو کچھ ہے؟ وہ روٹی اور زیتون کا تیل لے کر حاضر ہوئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھاؤ! میں نے جھجکتے ہوئے کچھ کھایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور کھاؤ، مسافر کو کھانے کی طلب ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! اگر مجھے حاجت ہوتی تو ضرور کھاتا۔ میں جھینپتا ہی رہا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: اے معاویہ! جب تم مسجد میں پہنچے تو تم نے کیا کہا تھا؟ عرض کیا: میں نے کہا تھا کہ شاید امیر المؤمنین آرام فرما رہے ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے غلط کہا۔ اگر میں دن کے وقت سو جاؤں تو اس طرح رعایا کے حقوق ضائع ہوں گے۔ بھلا میں دن کو کس طرح سو سکتا ہوں؟[1]

اس واقعے سے ہم استدلال کر سکتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسجد اہم ترین ذریعۂ ابلاغ کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھی۔ لوگ ''الصلاۃ جامعۃ'' کی آواز پر وہاں جمع ہو جاتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ مسجد میں انھیں کسی اہم معاملے کی اطلاع کے لیے بلایا گیا ہے۔ جب سب جمع ہو جاتے تو انھیں فوجی، سیاسی یا اجتماعی امور سے باخبر کیا جاتا تھا۔

---

[1] فتوح مصر والمغرب، ص: 105، وفتح مصر بين الرؤية الإسلامية والرؤية النصرانية للدكتور إبراهيم المتناوي، ص: 114.

اس واقعے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے خدوخال کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین کیسی فرض شناسی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: اگر میں دن کے وقت سو جاؤں تو رعایا کے حق میں کوتاہی کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ دستور العمل خود اپنی جان اور دیگر افراد کے حقوق کا آئینہ دار ہے۔ اگر کوئی مسلمان ان باتوں کا بھرپور خیال رکھے تو وہ اعلیٰ درجے کا متقی اور محسن قرار پائے گا۔[1]

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور عہد کی پاسداری

مسلمان جب بلہیب پر قابض ہوگئے اور رومی قیدی یمن کے علاقوں میں بھیج دیے گئے تو حاکمِ بلہیب نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو پیغام ارسال کیا کہ میں فارس اور روم جیسی سلطنتوں کو، جن سے مجھے شدید نفرت تھی، جزیہ ادا کرتا رہا ہوں۔ اگر آپ بھی جزیہ کے طلب گار ہیں تو ہمارے قیدی واپس کردیجیے، ہم آپ کو جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مشورے کے لیے پیغام ارسال کیا اور لڑائی موقوف کردی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ جواب موصول ہوا: مجھے میری عمر کی قسم! مستقل وصول ہونے والا جزیہ ہمیں اس مالِ غنیمت سے زیادہ قبول ہے جو تقسیم کردیا جائے اور ختم ہوجائے۔ رہا معاملہ قیدیوں کی واپسی کا تو اگر دشمن کا سربراہ اس شرط پر آمادہ ہوجائے کہ ان قیدیوں کو اسلام لانے یا مسیحی دین قبول کرنے کا اختیار ہوگا تو اس سے معاہدہ کرلو، پھر جو مسلمان ہوجائے، اس سے مسلمانوں جیسا سلوک کرو اور جو عیسائی رہے، اس پر جزیہ عائد کردو اور جو قیدی مختلف علاقوں میں پھیل گئے ہیں، ہم ان کے ذمہ دار نہیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ پیشکش حاکمِ بلہیب کے بجائے

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 12,11/ 349,348.

اسکندریہ کے گورنر کو بھیج دی۔ اس نے یہ پیشکش قبول کر لی۔ قیدی جمع کیے گئے۔ عیسائی بھی ایک جگہ جمع ہو گئے۔ ہر قیدی کو ایک ایک کر کے بلایا گیا اور اسے اسلام کی دعوت دی گئی۔ ان میں سے جو اسلام قبول کرتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم بلند آواز سے تکبیر کہتے اور جو بدستور مسیحیت پر برقرار رہتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم افسوس کا اظہار فرماتے تھے اور اس شخص پر جزیہ عائد کر دیتے تھے یہاں تک کہ انھوں نے سب قیدیوں سے بات چیت کر کے ان کا معاملہ نمٹا دیا۔[1]

بلاشبہ یہ واقعہ اس حقیقت کی عظیم شہادت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دنیا سے بے رغبتی برتتے تھے اور آخرت ہی کی طرف دھیان رکھتے تھے۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ ساری دنیا اسلام قبول کر لے۔ وہ انتہائی مخلص تھے۔ قیدیوں کا اسلام قبول کرنا مسلمانوں کے لیے دنیاوی اعتبار سے نفع مند نہ تھا کیونکہ اگر وہ عیسائیت پر برقرار رہتے تو ان سے جزیہ وصول کیا جاتا۔ یہ یقیناً ایک دنیاوی منفعت تھی مگر اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ ادا کرنے کا اختیار دیا۔

یہ واقعہ گواہی دیتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وفا کے پیکر تھے۔ اس کا اظہار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے جو انھوں نے اپنے مکتوب میں لکھا: جو قیدی مختلف علاقوں میں پھیل چکے ہیں، انھیں واپس کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ ایک روایت کے مطابق فرمایا: ہم پسند نہیں کرتے کہ کسی ایسے معاملے پر صلح کریں جس کی ہم پاسداری نہ کر سکیں۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ عہد کی پاسداری پر تھی۔ انھوں نے اپنے عمل سے سبق دیا کہ دشمن سے کوئی بھی سمجھوتہ کیا جائے تو اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ کیا ہم اس کی پاسداری کر سکتے ہیں؟ ایسا نہ ہو کہ مسلمان کسی مجبوری کی بنا پر پاسداری نہ کر سکیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل ان کے احساس ذمہ داری اور جذبۂ وفاداری کا ثبوت تھا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی طرف

---

① الكامل في التاريخ: 177/2. ② التاريخ الإسلامي: 351/12.

سے امداد حاصل ہونے کا سبب تھا کیونکہ اگر کوئی شخص کسی سے کوئی معاہدہ کرے، پھر اسے پورا نہ کر سکے تو اسے مجبور سمجھا جائے گا لیکن درپیش حالات کو سامنے رکھتے ہوئے احتیاط سے کام لے تو بہتر ہے تاکہ وہ بعد میں اپنے آپ کو عہد کی پاسداری سے عاجز نہ پائے۔ یہ سوچ انتہائی دانش مندانہ طرز فکر کی آئینہ دار تھی۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا صبر

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں بہت سے مقامات پر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس دوران کی معرکہ آرائیوں میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بہت سے زخم آئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایلچی ان کی عیادت کے لیے آیا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میرا دل زور سے دھڑکتا اور بے قرار ہوتا ہے تو میں اسے کہتا ہوں: صبر کر۔ تھوڑی دیر کے بعد تیری تعریف یا ملامت ہونے والی ہے۔

عمرو رضی اللہ عنہ کا فرستادہ شخص واپس گیا اور ساری بات کہہ سنائی۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«هُوَ ابْنِي حَقًّا» ”حقیقتاً یہی میرا بیٹا ہے۔“[2]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ کردار انتہائی صبر و تحمل کا نمونہ تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ علم و عبادت کے میدان میں شہرت حسنہ رکھتے تھے۔ انھوں نے اس شہرت پر اپنی شجاعت اور مصائب پر صبر کا مظاہرہ کر کے اسے چار چاند لگا دیے۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سادگی

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ ہم نے آپ

① التاريخ الإسلامي: 12/351. ② فتوح مصر، ص: 57. ③ التاريخ الإسلامي: 12/330.

کے لیے مصر کی جامع مسجد کے پاس ایک گھر تیار کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا کہ میں حجاز کا رہنے والا آدمی ہوں تم نے مصر میں میرا گھر کیوں بنایا؟ پھر حکم دیا کہ اسے مسلمانوں کی منڈی کا حصہ بنادیا جائے۔[1]

یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کمال درجہ پرہیز گاری کا نمونہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس قدر محتاط اور قناعت پسند تھے اور دنیاوی جاہ وجلال سے کس قدر بے اعتنائی برتتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم اپنی شخصی صفات عالیہ کے باعث ہی جلالت مآب تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صف میں نہایت ممتاز درجے پر فائز تھے، پھر جب وہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت کے سربراہ بن گئے، تب بھی ان کی شانِ زہد و قناعت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جب اتنی بڑی مقتدر شخصیت دنیاوی آلودگیوں سے اتنی محتاط تھی تو ان سے نچلے درجے کے لوگوں کو تو دنیاوی وجاہتوں سے بہت زیادہ احتیاط برتنی چاہیے۔[2]

مکتبۂ اسکندریہ کو جلانے کا الزام

ڈاکٹر عبدالرحیم محمد عبدالحمید کہتے ہیں: ہمیں اس بارے میں کوئی واضح نص یا اشارہ نہیں ملا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مکتبۂ اسکندریہ جلا دیا تھا۔ اس بارے میں ہم نے علامہ ابن قفطی کی بھی ایک نص پڑھی ہے، جسے ابن العبری (متوفی 685ھ بمطابق 1286ء) نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اہلِ اسلام میں سے ایک آدمی یحییٰ النحوی تھا۔ وہ اسکندریہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے بہت شہرت پائی۔ وہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسکندریہ فتح کرنے کے زمانے میں زندہ تھا۔ وہ عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انھوں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا کیونکہ وہ بہت سے علوم جانتا تھا۔ انھوں نے اس کے بارے میں بہت سے ایسے فلسفیانہ اقوال سن رکھے تھے جو اہلِ عرب کے ہاں مروج نہ تھے۔

[1] فتوح مصر، ص: 69. [2] التاريخ الإسلامي: 356/12.

ابن قفطی (متوفی 646ھ بمطابق 1267ء) اس قصے کو مکمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے یحییٰ سے فرمایا: کیا چاہتے ہو۔ اس نے اسکندریہ کے شاہی خزانے میں موجود حکمت کی کتابوں کی فرمائش کی جن کی تعداد چون ہزار ایک سو بیس (54120) تھی۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے یحییٰ کی مطلوبہ کتب کی کثیر تعداد کے پیش نظر فرمایا: میں اس بارے میں امیر المؤمنین سے مشورہ لیے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکمل تفصیل لکھ بھیجی اور یحییٰ کی بات کی مکمل وضاحت کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: تم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے اگر ان کتب کی معلومات کتاب اللہ کے موافق ہیں تو ہمیں کتاب اللہ ہی کافی ہے اور اگر وہ معلومات کتاب اللہ کے مخالف ہیں تو ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ انھیں ضائع کر دو، چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ تمام کتب اسکندریہ کے مختلف حماموں میں تقسیم کرنی شروع کر دیں تاکہ انھیں بھٹی میں جلا دیا جائے۔ ابن العبری کہتے ہیں: ابن قفطی نے اس دن مجھے چند حماموں کے نام بھی بتائے لیکن میں بھول گیا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ کتابیں چھ (6) مہینے کی طویل مدت تک نذر آتش ہوتی رہیں۔ میں یہ سب کچھ سن رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا۔[1]

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس قصے کا ذکر ابن قفطی اور ابن العبری کے اس قصے سے پہلے بھی ملتا ہے۔ عبداللطیف بغدادی (المتوفی 649ھ المطابق 1231ء) فرماتے ہیں: اسکندریہ کی تعمیر کے وقت وہاں ایک دار العلم بھی بنایا گیا۔ وہاں کتب کا بڑا ذخیرہ تھا۔ اسے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جلا دیا۔[2]

مندرجہ بالا روایات کے مطالعے کے بعد مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں:

① ان تینوں مذکورہ روایات کے درمیان کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ مؤرخین کے ہاں بھی ایسی تاریخی روایات میں کوئی ربط نہیں، پھر یہ کیسے سمجھا جائے کہ اس روایت کے ناقلین

① عمرو بن العاص القائد و السياسي، ص: 133. ② عمرو بن العاص القائد و السياسي، ص: 134.

زمانی لحاظ سے قریب قریب ہیں۔

② ان روایات کی کوئی اصل نہیں۔ یہ صرف مفروضات پر مبنی ہیں۔

③ یہ روایات مصر کی فتوحات اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے زمانے سے بہت دیر بعد سامنے آئیں۔

لہٰذا پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ قصہ خود ساختہ ہے اور مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اسے مسترد کیا جاسکتا ہے:

① یہ قصہ بیان کرنے والوں سے کئی صدیاں پیشتر تاریخ مصر اور فتوحات مصر تحریر کرنے والوں نے ان روایات کا کہیں تذکرہ ہی نہیں کیا۔

② اس قصے کی روایت کی نسبت ابن عبدالحکم کی طرف کس طرح کی جائے۔ اس کا تو علامہ واقدی اور طبری تک نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ علامہ حموی نے بھی اسکندریہ کا ذکر کرتے ہوئے ایسا کوئی واقعہ بیان نہیں کیا۔

③ اس قصے کو صلیبی جنگوں کے زمانے کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ اسے منسوب کرنے والے علامہ بغدادی ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ قصہ کسی خاص دباؤ کے تحت گھڑ لیا گیا ہو اور بعد میں اسے بغدادی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔

④ یہ بھی ممکن ہے کہ اس طرح کا کوئی کتب خانہ تھا بھی تو رومی اسکندریہ چھوڑتے وقت اسے ساتھ لے گئے ہوں۔

⑤ ایک غور طلب بات یہ بھی ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں دریا برد کیوں نہ کر دیا؟ اس لحاظ سے بھی یہ قصہ من گھڑت معلوم ہوتا ہے۔

فی الجملہ پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کتب کو ضائع کرنے میں چھ مہینے کیوں صرف کیے۔ انھیں دریا برد کیوں نہ کر دیا؟ اس لحاظ سے بھی یہ قصہ من گھڑت معلوم ہوتا ہے۔ پورے یقین سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عمرو بن

عاص رضی اللہ عنہ اس خود ساختہ افسانے کی نسبت سے بری ہیں۔ یہ صرف ایسے لوگوں کی اختراع ہے جو لوگوں کو کسی نہ کسی عجیب وغریب خبر سے چونکانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، لہٰذا انھوں نے اپنے مقصد کے لیے ایک بالکل بے اصل قصہ تراش لیا۔[1]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی آرچ بشپ بنیامین سے ملاقات

مؤرخ ابن عبدالحکم فرماتے ہیں: اسکندریہ میں ایک قبطی پادری رہتا تھا۔ اس کا نام بنیامین تھا۔ وہ رومی مسیحیوں کے ظلم وستم سے ڈر کر بھاگ نکلا اور صحرا نشین ہوگیا۔ جیسے ہی اسے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی آمد کا علم ہوا، اس نے قبطیوں کو لکھا کہ اب مصر میں دوبارہ رومیوں کی سلطنت قائم نہیں ہوسکتی۔ ان کی سلطنت ہمیشہ کے لیے ختم ہوچکی۔ تم عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے تعاون کرو۔ کہا جاتا ہے کہ اسی دن سے ''فرما'' کے قبطی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے مددگار بن گئے۔[2]

ایک قبطی مؤرخ ساویرس بن مقفع کی روایت کے مطابق اس زمانے میں سانوتیوس نامی ایک شخص تھا۔ وہ قبطیوں کا رئیس تھا۔ وہ بنیامین کی روپوشی کے زمانے میں گرجے کے انتظامی امور کا سربراہ بھی تھا۔ اس نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر پادری بنیامین کے بارے میں گفتگو کی اور بتایا کہ وہ رومیوں کے خوف سے اسکندریہ سے بھاگ گیا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک امان نامہ لکھ کر مصر کے اطراف میں اپنے مقرر شدہ عمال کو بھیج دیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ بنیامین قبطی جہاں کہیں بھی موجود ہے اسے اللہ کی طرف سے امن وسلامتی حاصل ہوگی۔ وہ پورے اطمینان کے ساتھ اسکندریہ واپس آسکتا ہے اور اپنے گرجے کا انتظام سنبھال سکتا ہے اور اپنے پیروکاروں کے معاملات حل کرسکتا ہے۔

---

[1] عمرو بن العاص القائد و السياسي، ص: 134. [2] فتوح مصر و أخبارها، ص: 73,74.

جب بنیامین قبطی نے اپنے لیے امان نامے کی خبر سنی تو وہ بے حد خوش ہوا۔ تیرہ سال کی روپوشی کے بعد بڑی دھوم دھام سے واپس اسکندریہ آیا۔ اس کے آجانے سے اسکندریہ کے عوام میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بنیامین کی آمد کی اطلاع ملی تو انھوں نے اسے بہت عزت و احترام سے لانے کا حکم دیا۔ جب اسے دیکھا تو اس کا اکرام کیا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ہم نے اب تک جتنے بھی علاقوں پر فتح حاصل کی ہے وہاں اس جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ بنیامین انتہائی خوبصورت تھا، بڑے وقار اور سکون سے گفتگو کرتا تھا۔ وہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے بعد بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت ہوا۔ علامہ شرقاوی نے اس ملاقات پر اپنے حاشیہ میں لکھا ہے:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بطریق بنیامین کو اس قدر قرب بخش دیا کہ وہ ان کے قریبی دوستوں میں شمار ہونے لگا۔

عرب فاتحین اب مصر میں پرسکون ہو چکے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فسطاط کی جامع مسجد میں پہلا خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا۔ انھوں نے کہا: «اِسْتَوْصُوا بِمَنْ جَاوَرَكُمْ مِّنَ الْقِبْطِ فَإِنَّ لَكُمْ فِيهِمْ ذِمَّةً وَّ صِهْرًا، فَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَ عَفُّوا وَ غُضُّوا أَبْصَارَكُمْ» ”اے لوگو! تم اپنے پڑوسی قبطیوں سے حسن سلوک کرو۔ ان لوگوں سے تمھارا سسرالی رشتہ ہے۔ تمھیں ان سے محبت اور مہربانی سے پیش آنا چاہیے۔ اپنے ہاتھوں کو ان سے روک کر رکھو۔ پاک دامن رہو اور نگاہوں میں حیا پیدا کرو۔“[1]

[1] الفاروق، ص:247.

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فتوحات سے ماخوذ فوائد و اسباق

اسلامی فتوحات کا بنیادی سبب اور مقصد

بعض عیسائی اور مستشرق مؤرخین نے خلفائے راشدین کے عہد زریں میں ہونے والی فتوحات کو دھندلانے اور میلا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ یہ جنگیں دینی تعصب کی بنیاد پر لڑی گئیں۔ مسلمان ایک خاص عقیدہ رکھتے تھے۔ وہ اندھے تعصب میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھے۔ انھوں نے لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف زبردستی اسلامی قوانین کا پابند بنالیا۔ اپنے اس مقصد کے حصول میں انھوں نے سنگدلی سے کام لیا۔ خون کے سمندر سے بھی گزرنا پڑا تو گوارا کرلیا۔ وہ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن تھامے ہوئے تھے۔[1]

اس نظریے کو پھیلانے میں سیدیو، میور اور عپور نے اہم کردار ادا کیا۔ میور، عپور سے نقل کرتا ہے کہ اسلام کو ہمیشہ قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ دشمنی پر مبنی منصوبہ بندی کی جائے اور لوگوں کو بزور شمشیر اسلام میں داخل کرلیا جائے، یا کم سے کم پوری دنیا پر قبضہ کرلیا جائے۔ تلوار کے آگے لوگ آخر کار گھٹنے ٹیک ہی دیتے ہیں۔

[1] تاریخ العرب العام لسیدیو، ص: 133.

عیسائی مستشرقین کی اس قسم کی باتیں انتہائی غلط، بے بنیاد اور گمراہ کن ہیں۔ اسلام ایک دین حق تھا۔ یہ گمان کرنا کہ مسلمانوں نے اسلامی دعوت پھیلانے میں قوت کا سہارا لیا یا وہ غیر مسلموں سے دشمنی پر اتر آئے تھے، یہ ایسا گمراہ کن الزام ہے جس کی بڑی شدت سے تردید اور انکار لازم ہے۔[1]

بعض دیانتدار مستشرقین نے ان الزامات کی تردید بھی کی ہے اور کہا ہے کہ اسلامی فتوحات صاف شفاف، مثالی اور کریمانہ اخلاق سے مزین تھیں۔ فون کریمر کہتا ہے: عرب مسلمان جنگوں میں نہایت کریمانہ اخلاق کا ثبوت دیتے تھے۔ ان کے گرامی رسول ﷺ نے انھیں درویشوں، بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور نابینا افراد کو قتل کرنے سے روک رکھا تھا۔ اسی طرح ان کی کھیتیاں برباد کرنا اور درخت کاٹنا بھی حرام قرار دے رکھا تھا۔ مسلمانوں نے فتوحات کے دوران میں ان احکام کی سختی سے پابندی کی۔ انھوں نے کسی کی عزت پامال نہیں کی۔ کسی کو ناجائز طور پر قتل نہیں کیا۔ نہ کھیتیوں کو نقصان پہنچایا، جبکہ رومی زہریلے تیروں کی بارش کرتے تھے مگر مسلمانوں نے برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا۔ رومی جب بھی یلغار کرتے تھے تو بستیاں لوٹ لیتے تھے یا جنگ میں ہزیمت اٹھا کر پیچھے ہٹتے تھے تو بستیوں کو نذر آتش کر دیا کرتے تھے، جبکہ مسلمان نہایت بلند اخلاق سے مزین تھے۔ انھوں نے کبھی اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی۔[2]

روزنتھال کہتا ہے: اسلامی ریاست عالی ظرفی کی بدولت کشادہ ہوگئی۔ یہ تنگ نظر نہیں تھی۔ یہ ریاست لوگوں کو عقیدۂ توحید کی دعوت دیتی تھی اور اس وقت موجود دیگر نظریاتی تحریکوں کا رد کرتی تھی۔ سب سے عظیم بات جسے اسلام نے متعارف کرایا وہ حسن زبان اور اعلیٰ اخلاق اطوار سے کام لے کر قدیم توہمات اور بے بنیاد واہموں کا خاتمہ کرنا تھا۔

---

[1] فتح مصر بين الرؤية الإسلامية والرؤية النصرانية، ص: 126. [2] الإسلام وحركة التاريخ لأنور الجندي، ص: 83.

انھوں نے لوگوں کو سنہرا موقع عطا کیا کہ تمام قبائل اور جدید ترقی یافتہ قومیں پوری آزادی اور مساوات کی بنیاد پر ایک نئی سوچ کے تحت ایک نئی زندگی کی ابتدا کریں۔ ①

حق یہ ہے کہ تاریخی حقائق خود بولتے ہیں کہ مسلمانوں نے کسی بھی فرد کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے پابند تھے:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے، پھر جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' ②

مختلف اقوام کے اسلام قبول کرنے کا سبب خود اسلام تھا۔ اسے انھوں نے ایک عظیم نعمت کے زاویے سے دیکھا۔ اہلِ اسلام حد درجہ اسلامی اخلاقیات اپنانے والے اور اوامر و نواہی کا سختی سے التزام کرنے والے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ اسلامی لشکر اور اس کا قائد لوگوں کو دی جانے والی دعوت پر خود بھی عمل پیرا ہوتا تھا، اس طرح تاریخِ عالم میں ان لوگوں کا کردار نہایت عظیم الشان حیثیت کا حامل تھا۔ خلفائے وقت اور فوجی سپہ سالار اپنی افواج کو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ وہ انھیں آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے، جہاد میں خالص نیت اپنانے، اپنے اعمال میں اللہ کی رضا جوئی اور گناہوں سے ہردم دور رہنے کا سبق دیتے۔ ایسی عظیم الشان تربیت کے نتیجے میں مسلمان زبردست داعی الی اللہ بن گئے۔ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک معبود کی بندگی اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں کی

① علم التاريخ عند المسلمين ترجمة صالح أحمد العلي، ص:46. ② البقرة 2:256.

طرف دعوت دیتے تھے۔

اسلامی لشکروں کے قائدین سب سے پہلے آگے بڑھتے تھے اور معرکوں میں دشمن سے ٹکرا جاتے تھے۔ اس طرح ان کی ایک بڑی تعداد نے شہادت پائی۔ امن قائم ہونے کے بعد یہی قائدین واپس آتے تھے۔ لشکر کے پیچھے چلتے، سب کی نگرانی کرتے، کمزوروں سے تعاون کرتے، ان کا بوجھ اٹھاتے اور ان کے لیے سراپائے شفقت ہو جاتے تھے۔ یوں اسلامی قائدین عملاً اور قولاً صف اول کے داعی ہوتے تھے۔ وہ جنگوں کے اسلامی اصول مکمل طور پر نافذ کرتے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ عہد راشدی میں برپا ہونے والی یہ مہمیں جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ تھیں۔ ان کا اصل مقصد محض فتوحات حاصل کرنے کے لیے جنگیں کرنا نہیں تھا۔ [1]

سپہ سالار کے تقرر کا طریقِ کار

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنگ کے موقعوں پر سپہ سالار کا تقرر اپنے مخصوص طریقِ کار کے مطابق بہت احتیاط سے کرتے تھے۔ انھوں نے ایسے تقرر کے لیے کچھ اصول بنا رکھے تھے جن کی تفصیل یہ ہے:

تقویٰ، پرہیزگاری اور شرعی احکام سے واقفیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے: «مَنِ اسْتَعْمَلَ فَاجِرًا وَّ هُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ فَاجِرٌ فَهُوَ مِثْلُهُ» ''جس نے کسی فاجر کو جان بوجھ کر کوئی منصب تفویض کر دیا تو وہ خود بھی ایک فاجر قرار پائے گا۔'' [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سعید بن عامر کو ایک شامی علاقے کا عامل بنانا چاہا تو انھوں

---

[1] فتح مصر للدكتور إبراهيم المتناوي، ص: 127. [2] موسوعة فقه عمر، ص: 100 عن سيرة عمر لابن الجوزي، ص: 67.

نے انکار کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا تَجْعَلُونَهَا فِي عُنُقِي وَ تَجْلِسُونَ فِي بُيُوتِكُمْ» ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ تم تو یہ امرِ خلافت میرے گلے میں ڈال دو اور خود گھر میں چین سے بیٹھے رہو۔'' [1]

فراست اور تحمل مزاجی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر اور امیر لشکر بنایا تو فرمایا: مجھے سلیط رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کرنے میں صرف یہ امر مانع تھا کہ وہ جنگی معاملات میں جلد باز ہے، جبکہ سوچے سمجھے بغیر جنگ میں کود پڑنا میرے نزدیک نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ قدرے جلد باز نہ ہوتا تو میں اسے امیر مقرر کرتا لیکن جنگ کے لیے تو انتہائی متحمل مزاج آدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ [2]

بہادری اور تیر اندازی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معرکۂ نہاوند کے لیے جب سپہ سالار مقرر کرنا چاہا تو اصحاب الرائے سے مشورہ کیا۔ انھوں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ عراقی سرزمین اور وہاں موجود اپنے لشکروں سے خوب واقف ہیں، وہ آپ کے پاس آتے رہتے ہیں۔ آپ نے انھیں دیکھا بھی ہے۔ ان سے گفتگو بھی کی ہے، اس لیے اس منصب کے لیے خود آپ ہی کوئی فیصلہ کیجیے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس معرکے کے لیے ایسا آدمی مقرر کروں گا جو کل جنگ کے وقت دشمن کے لیے نیزوں کی انّی ثابت ہوگا۔ پوچھا گیا: اے امیر المومنین! وہ کون ہے؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ لوگوں نے بیک آواز کہا: جی ہاں، یہی وہ شخص ہیں جو اس معرکے کے لیے سب سے

[1] موسوعة فقه عمر، ص: 100 بحوالہ مصنف عبد الرزاق: 348/11. [2] تاريخ الطبري: 266/4.

زیادہ مناسب ہیں۔ [1]

ذہانت و فطانت اور تجربہ کاری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَلَكُمْ عَلَيَّ أَنْ لَّا أُلْقِيَكُمْ فِي الْمَهَالِكِ وَلَا أُحْجِزَكُمْ فِي ثُغُورِكُمْ» ''اے لوگو! مجھ پر لازم ہے کہ میں تمھیں کسی بربادی یا ہلاکت گاہ میں نہ پڑنے دوں اور نہ تمھیں ہر وقت سرحدی چوکیوں پر مقرر کیے رکھوں۔'' [2]

رومیوں کا قائد ارطبون کہلاتا تھا۔ وہ رومیوں کا انتہائی چالاک، سمجھ دار لیڈر اور مؤثر جنگی منصوبہ بندی کا زبردست ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اس نے ایک لشکر ایلیاء اور ایک رملہ میں متعین کر رکھا تھا۔ اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر معرکۂ اجنادین میں رومیوں کے بالمقابل صف آرا تھا۔ یہ تفصیلات حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کا جوابی خط موصول ہوا۔ اس میں لکھا تھا: «رَمَيْنَا أَرْطَبُونَ الرُّومِ بِأَرْطَبُونِ الْعَرَبِ فَانْظُرُوا عَمَّ تَنْفَرِجُ» ''ہم نے رومی ارطبون کے مقابلے میں عربی ارطبون مقرر کر دیا ہے، دیکھیے اب فتح کسے نصیب ہوتی ہے۔'' [3]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ارطبون اور اس کے لشکر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کیا تاکہ جنگ کے لیے پوری آگہی کے ساتھ منصوبہ بندی کی جا سکے اور دشمن پر فتح حاصل کی جا سکے۔ اس مقصد کے لیے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خود رومی فوج میں گھس گئے۔ قریب تھا کہ شہادت سے ہمکنار ہو جاتے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس جنگ میں رومی ارطبون کو مغالطہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تو فرمایا: «غَلَبَهُ عَمْرٌو، لِلّٰهِ عَمْرٌو»

---

[1] تاريخ الطبري: 5/109. [2] موسوعة فقه عمر، ص: 109. [3] تاريخ الطبري: 4/431.

''عمرو رضی اللہ عنہ اس پر غالب آ گیا۔ عمرو کی خوبیاں اللہ ہی کی عطا کردہ ہیں۔''[1]

ہوشیاری، مہارت اور جنگی بصیرت

علامہ ابن قدامہ حنبلی جنگی کمانڈر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ منصب اس آدمی کو تفویض ہونا چاہیے جو سمجھدار، صاحب الرائے، چابک دست، جنگی مہارت رکھنے والا اور دشمن سے کامیاب چال چلنے کی اہلیت رکھنے والا ہو اور دوسری طرف وہ انتہائی امانت دار، مسلمانوں پر انتہائی مہربان اور ان کا مخلص ناصح ہو۔[2]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھی خوبیوں کی وجہ سے لوگوں سے مشورے کے بعد عراقی محاذ پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کا کمانڈر بنایا۔

ذمہ داری قبول کرنے میں رغبت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اصول یہ تھا کہ کسی ایسے آدمی کو ایسے کام کی ذمہ داری نہ سونپی جائے جسے اس کام سے دلچسپی نہ ہو۔ وہ ہر کام کو بہتر طریقے سے مکمل کرانے کے لیے اس کام سے دلچسپی رکھنے والے افراد کو متعین فرماتے تھے۔ انھوں نے ایک دن عراق میں اہلِ فارس کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے افراد طلب کیے۔ کوئی بھی تیار نہ ہوا، پھر دوسرا دن گزرا۔ اس کے بعد تیسرا دن بھی گزر گیا۔ کوئی شخص آگے نہیں بڑھا۔ چوتھے دن سب سے پہلے ابوعبید ثقفی پیش ہوگئے، انھوں نے مہم پر جانے کے لیے آمادگی ظاہر کی، ان کے بعد بہت سے لوگ اپنے آپ کو پیش کرنے لگے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب لوگوں کا قائد ابوعبید ثقفی کو مقرر کر دیا۔ وہ صحابی نہیں تھے لیکن اس مہم کے لیے اس وقت موزوں ترین فرد وہی تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آپ اس مہم کی کمان کسی صحابی کو کیوں نہیں دیتے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اصل معاملہ تو قلبی رجحان کا ہے، اس لیے میں اس آدمی کو امیر مقرر کرنا

[1] تاریخ الطبري:4/432. [2] المغني لابن قدامة:8/352.

چاہتا ہوں جس نے سب سے پہلے اس مہم پر جانے میں اپنی دلچسپی ظاہر کی۔ ①

دلچسپی اور شوق رکھنے کی خوبی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن جراح اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دیگر قائدین میں بھی پائی جاتی تھی۔

مکتوباتِ فاروقی کی روشنی میں حقوق و فرائض کا تعین

حقوق اللہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے مکتوبات کے ذریعے سے اپنے قائدین اور افواج کو حقوق اللہ کے التزام و احترام کی وصیت فرمایا کرتے تھے، ان میں سے اہم ترین حقوق یہ ہیں:

صبر و استقامت: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو اور ڈٹے رہو، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' ②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبر و استقامت کے بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراقی محاذ پر روانہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «وَاعْلَمْ أَنَّ لِكُلِّ عَادَةٍ عَتَادًا فَعَتَادُ الْخَيْرِ الصَّبْرُ فَالصَّبْرُ عَلٰى مَا أَصَابَكَ أَوْ نَابَكَ يَجْتَمِعُ لَكَ خَشْيَةَ اللّٰهِ»
''خوب جان لو کہ ہر موقع محل کے لیے مخصوص سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ خیر و بھلائی کا سامان صبر ہے۔ اگر تم کسی بھی پیش آمدہ مشکل میں صبر سے کام لو گے تو تمھارا دل خشیت الٰہی سے منور ہو جائے گا۔'' ③

① البداية والنهاية: 26/7. ② آل عمران 3:200. ③ تاريخ الطبري: 306/4.

انھوں نے شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے صبر و استقامت کے سبب ایک قوم کی ان الفاظ سے مدح سرائی فرمائی ہے:

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ﴾

”اور کتنے ہی نبی گزرے جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے قتال کیا، انھیں اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں پہنچیں، انھوں نے ہمت نہ ہاری اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ وہ (کافروں سے) دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور ان کا کہنا تو صرف یہی تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں ہم سے جو زیادتیاں ہوئیں وہ معاف کر دے۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما، چنانچہ اللہ نے انھیں دنیا میں ثواب دیا اور آخرت میں بہت اچھا ثواب دیا۔ اور اللہ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔“[1]

دنیا کا ثواب غنیمت اور فتح ہے، جبکہ آخرت کا ثواب مغفرت اور جنت ہے۔ اے ابوعبیدہ! میرا یہ پیغام لوگوں کو پڑھ کر سناؤ۔ انھیں حکم دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔[2]

اللہ کے دین کی مدد: مجاہدین کو جہاد کے سلسلے میں اللہ کے دین کی مدد کا مقصد پیش نظر رکھنا چاہیے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو حرزِ جان بنا رکھا تھا:

① آل عمرٰن 3:146-148. ② تاریخ فتوح الشام، ص: 183.

«مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''جس نے اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی غرض سے قتال کیا وہ اللہ کے راستے میں تصور کیا جائے گا۔''[1]

رسالت مآب ﷺ کا یہ ارشاد عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے ہر لمحے، احکام اور مکتوبات میں سایہ فگن نظر آتا ہے۔

امانت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝﴾

''یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا تو جو اس نے خیانت کی ہوگی اس کے ساتھ قیامت کے دن حاضر ہوگا، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''[2]

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر اور اس کے کمانڈروں کو بڑی تاکید کے ساتھ خیانت سے بچنے کا حکم دیا۔ ان کا فرمان ہے: «إِذَا لَقِيتُمُ الْعَدُوَّ فَلَا تَفِرُّوا وَ إِذَا غَنِمْتُمْ فَلَا تَغُلُّوا» ''جب دشمن سے ٹکراؤ تو راہ فرار اختیار نہ کرو اور جب مالِ غنیمت پاؤ تو اس میں خیانت نہ کرو۔''[3]

اللہ کے دین کی نصرت میں غفلت سے بچنے کا حکم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور فرمان ہے: جس آدمی نے کسی کو تعلقات یا رشتہ داری کی بنیاد پر منصب تفویض کیا، اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی اور جس نے کسی فاجر کو یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ فاجر ہے کوئی عہدہ سونپ دیا تو وہ بھی فاجر ہی قرار پائے گا۔[4]

[1] صحيح البخاري، حديث: 2810. [2] آل عمرٰن 3:161. [3] الخراج لأبي يوسف، ص: 85.
[4] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية: 1/66.

قائدین کے حقوق وفرائض

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مکتوبات و ہدایات میں قائدین کے حقوق بھی متعین کیے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

فرمانبرداری: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ابو عبید ثقفی کو عراقی محاذ پر روانہ فرمایا تو ان کے ساتھ سلمہ بن اسلم خزرجی اور سلیط بن قیس انصاری رضی اللہ عنہما کو بھی بھیجا اور ابو عبید سے فرمایا: یہ دونوں اصحاب بدری ہیں۔ ان سے مشورہ کرتے رہنا، پھر ابو عبید ثقفی نے معرکۂ جسر میں اہلِ فارس سے جنگ کی۔ حضرت سلیط رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پل عبور کر کے دشمن کی طرف نہ جایئے لیکن ابو عبید ثقفی نہ مانے۔ اس کا نتیجہ مسلمانوں کی شکست کی صورت میں نکلا۔

بعد ازاں حضرت سلیط رضی اللہ عنہ نے کہا: «لَوْلَا أَنِّي أَكْرَهُ خِلَافَ الطَّاعَةِ لَانْحَزْتُ بِالنَّاسِ وَلٰكِنِّي أَسْمَعُ وَأُطِيعُ» ''اگر مجھے نافرمانی کا ڈر نہ ہوتا تو میں اپنے احباب کو لے کر الگ ہو جاتا لیکن میں امیر کی سمع و طاعت کا پابند ہوں۔''

ہر چند آپ غلطی پر تھے لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے آپ کے ساتھ شریک کیا ہے۔ [1]

معاملات کی سپردگی: رعایا کے لیے لازم ہے کہ کوئی بھی معاملہ ہو اسے اپنے قائد اور امیر کے سپرد کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِۦ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُولِى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ○ ﴾

''اور جب ان کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے کسی ذمہ دار حاکم کے حوالے کر دیتے

[1] مروج الذهب: 2/315، 316.

تو ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والے اس کی حقیقت جان لیتے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک کے سوا تم ضرور شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔‘‘ ①

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر رعایا کو اپنے معاملات حاکم اور خلیفہ کی طرف لوٹانے کا حکم دیا ہے تاکہ انھیں صحیح علم والی بات اور صائب رائے حاصل ہو سکے۔ اگر لوگوں کے ذہن میں کوئی عمدہ رائے ہو تو وہ اپنے حاکم کو اس کا مشورہ دے سکتے ہیں، اسی لیے حاکم کو مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ صحیح رائے قائم کر سکے۔ ②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک ہی آدمی کو امیر لشکر مقرر فرمایا تاکہ لوگ اپنے معاملات اس کی خدمت میں پیش کریں اور امیر کی رائے اور تدبیر سے مستفید ہو سکیں۔ یوں رائے کے اختلاف سے کوئی انتشار نہ پیدا ہو سکا۔ ③

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جس سال نہاوند کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا اور مختلف اطراف سے آنے والے دستوں کو ایک مقام پر جمع کیا تو فرمایا: جب مختلف اطراف سے آنے والے لشکر یکجا ہو جائیں تو سارے لشکر کے امیر نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اس جنگ میں اہلِ مدینہ کی طرف سے ایک لشکر آیا۔ اس میں بہت سے مہاجرین اور انصار کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ دوسرا لشکر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت کوفہ سے آیا۔ تیسرا لشکر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بصرہ سے شریک ہوا۔ اور نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سارے لشکر کے سالارِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ④

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو انتباہ کرتے تھے کہ چیکنگ کے دن کسی کی کوئی کوتاہی سامنے آئی تو اس کی تنخواہ کاٹ لی جائے گی۔ ان کا ایک فرمان یہ ہے: مجھے ہرگز یہ خبر سننے کو نہ

① النسآء 4:83. ② الأحكام السلطانية، ص: 48. ③ الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية نشأتها وتطورها: 100/1. ④ الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية نشأتها وتطورها: 100/1.

ملے کہ کسی فوجی نے اپنا بدن موٹا اور گھوڑا کمزور کرلیا ہے۔ یاد رکھو جس طرح میں سپاہیوں کا جائزہ لیتا ہوں اسی طرح گھوڑوں کا جائزہ بھی لوں گا۔ جس نے کسی معقول عذر کے بغیر اپنے گھوڑے کو کمزور کردیا تو اسی مناسبت سے اس کا مشاہرہ گھٹا دیا جائے گا۔ ①

جب عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ میں بادشاہوں جیسی شان و شوکت دیکھی۔ وہ بادشاہوں جیسا لباس اور زیب و زینت اختیار کیے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور کہا: اے معاویہ! تم نے یہ کیا کسروی طریقہ اختیار کرلیا ہے؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ہم دشمن کے سامنے ایسے محاذ پر موجود ہیں جو سرحدی علاقہ ہے۔ ہم دشمن کی نظروں میں ہیں، ہمیں جنگی اور جہادی نقطۂ نظر سے ان پر رعب قائم رکھنے کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر خاموش ہوگئے کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حالت کا جواز یہ بتا کر واضح کردیا کہ دینی مقاصد حاصل کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی ہے۔ ②

سفر میں آسانی پیدا کرنا: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم دوران سفر مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا کرو۔ انھیں زبردستی اتنی لمبی مسافت پر مجبور نہ کرو جو انھیں تھکا دے اور نہ چھوٹے چھوٹے فاصلوں پر پڑاؤ کرو مبادا منزل پر بروقت نہ پہنچ سکو۔ میانہ روی سے چلو۔ دشمن کے سر پر اس طرح پہنچو کہ سفر کی وجہ سے لشکر کی قوت میں کمزوری نہ آنے پائے۔ تمھارے سپاہی ایسے دشمن کی طرف سفر کر رہے ہیں جو اپنے گھروں میں مقیم ہے اوران کے بدن اور جانور چست اور چالاک ہیں۔ سات دن سفر کے بعد ایک دن اور ایک رات آرام کرو تاکہ اسلامی لشکر کچھ ستا لے اور اپنا اسلحہ اور دیگر سامان درست کرلے۔ اپنے لشکر کا پڑاؤ ذمیوں کے علاقوں سے دور رکھنا۔ ③

① فتوح مصر لابن عبدالحكم، ص:141. ② الإدارة العسكرية:137/1. ③ نهاية الأرب:169/6.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب شام کی طرف کمک روانہ فرمائی تو اس لشکر میں موجود کمزور لوگوں کو سواری اور زادراہ عطا فرمایا۔ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس کمک کا امیر مقرر کیا۔ جب قافلہ کوچ کے لیے تیار ہوگیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی: اے سعید ٹھہر جاؤ! میں تمھیں وصیت کرنا چاہتا ہوں، پھر عمر رضی اللہ عنہ پیدل لشکر کی طرف بڑھے اور فرمایا:

اے سعید! میں نے تمھیں اس امدادی لشکر کا امیر مقرر کیا ہے۔ اگر تم متقی نہیں ہو تو تم اس لشکر کے بہترین آدمی نہیں ہو۔ یاد رکھو! جب تم سفر کرو تو اہلِ لشکر کے لیے حتی المقدور آسانیاں پیدا کرو۔ ان کی عزت پامال نہ کرنا۔ کسی کم حیثیت والے کو حقیر مت سمجھنا۔ کسی طاقتور کو ترجیح نہ دینا۔ کسی کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ نشیبی علاقوں سے بچنا۔ قافلے کو میدانی علاقوں سے لے کر جانا۔ کسی بڑے راستے کے درمیان یا قریب پڑاؤ نہ ڈالنا۔ اللہ تعالیٰ میری طرف سے تمھارا اور تمھارے لشکر کا نگہبان ہو۔ [1]

قافلے کا جائزہ: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لشکروں کی روانگی کے وقت ان کا انتہائی گہرائی سے جائزہ لیتے تھے اور بلند ترین اخلاق اپنانے اور اعلیٰ اقدار اختیار کرنے کا حکم دیتے تھے۔ انھوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دشمن امان طلب کرے تو امان دے دینا۔ غداری نہ کرنا، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غداری تمھارے لیے کمزوری اور ہلاکت اور دشمنوں کے لیے طاقت کا سبب بن سکتی ہے۔ اس بات سے خبردار رہنا کہ کہیں یہ اقدام مسلمانوں کے لیے عیب اور توہین کا سبب نہ بن جائے۔ [2]

دورانِ جنگ نافرمان کو سزا دینے کی ممانعت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے امراء اور قائدین کو دوران جنگ کسی نافرمان کو سزا دینے سے روکتے تھے۔ فرماتے تھے: کسی لشکر یا دستے کا امیر دوران جنگ کسی نافرمان کو سزا نہ دے، ایسا نہ ہو کہ شیطان اس نافرمان کو حمیت دلا کر

---

[1] تاريخ فتوح الشام للأزدي، ص: 186۔ [2] الإدارة العسكرية: 179/1، و تاريخ الطبري: 397/3.

کافروں سے ملا دے۔ [1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تو ان کے ساتھ عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ اور طلیحہ بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا: تم نے عمرو کے ساتھ جو سلوک کیا ہے مجھے اس کی خبر پہنچ گئی ہے، تم نے یہ اچھا کام نہیں کیا۔ جب تک دشمن کی سرزمین پر موجود ہو عمرو اور طلیحہ رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب کرو اور ان سے مشورہ حاصل کرو، یہ دونوں حضرات جنگ کے بارے میں علم اور تجربہ رکھتے ہیں۔ جب اپنے ملک میں آ جاؤ تو انھیں وہی مقام و مرتبہ عطا کرو جس پر وہ پہلے فائز تھے۔ اپنی مجلس میں قراء اور فقہاء کو جگہ دو۔ [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کو لکھا: مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم نے اپنے امیر سے تکرار کی ہے اور اسے برا بھلا کہا ہے۔ بلاشبہ تمھارے پاس ایک تلوار ہے اسے تم ''صمصامہ'' کہتے ہو۔ سن لو! میرے پاس بھی ایک تلوار ہے۔ اسے میں ''مصمم'' کہتا ہوں۔ بلاشبہ میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں! اگر میں نے وہ تلوار تمھاری کھوپڑی پر مار دی تو اس وقت تک ہاتھ نہیں کھینچوں گا جب تک تمھارے دو ٹکڑے نہ کر دوں۔ یہ خط عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا: «وَ اللّٰهِ! إِنْ هَمَّ لَيَفْعَلَنَّ» ''اللہ کی قسم! اگر عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ارادہ کر لیا تو وہ ضرور ایسا کر گزریں گے۔'' [3]

مندرجہ بالا دونوں نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کس قدر سمجھدار تھے۔ قائد کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ انھوں نے دشمن کی سرزمین میں دشمن کے سامنے دل آزاری سے روکا اور قائد کو حکم دیا کہ وہ جنگی ماہرین سے مشورہ جاری رکھے اور اپنے وطن آ کر انھیں ان کا مقام دے۔

''رہا'' کی فتح کے دوران میں حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے پاس بسر بن ابی اُرطاۃ

---

[1] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص:131. [2] الأوائل للعسكري:45/2. [3] الأوائل للعسكري:45/2.

عامری رضی اللہ عنہ کے زیر کمان کمک پہنچی۔ اسے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ارسال کیا تھا۔ عیاض رضی اللہ عنہ اور بسر رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا۔ جنگ کا موقع تھا۔ عیاض رضی اللہ عنہ کو کمک کی ضرورت نہ تھی۔ انھوں نے بسر رضی اللہ عنہ کو واپس شام جانے کا حکم دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کمک کو واپس بھیجنے کی وجہ دریافت فرمائی کیونکہ اس امداد کا مقصد ایک طرف دشمن کے خلاف عملی تعاون تھا اور دوسری طرف دشمن پر یہ واضح کرنا تھا کہ مسلمانوں کو مسلسل امداد بہم پہنچ رہی ہے۔ اس سے دشمن بددل ہو گا اور جلدی شکست تسلیم کرے گا۔ حضرت عیاض رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا: مجھے ڈر تھا کہ سرکشی کی فضا پیدا ہو گی اور اسلامی لشکر میں اختلاف رونما ہو گا۔ میں کمک سے مستغنی ہوں، اسی لیے میں نے اسے واپس کر دیا اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں۔ ①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عیاض رضی اللہ عنہ کے جواب سے مطمئن ہو گئے تو بسر رضی اللہ عنہ کو واپس شام بھیج دیا اور عیاض رضی اللہ عنہ کا موقف درست قرار دے دیا۔ حالات دشمن کے خلاف صف آرا ہونے کے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی اختلاف پیدا ہو اور دشمن کی بجائے وہ آپس میں قتل و غارت کا شکار ہوں اور ناکامیاں مسلمانوں کا مقدر بن جائیں۔ ②

پہرے داری کا نظام: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پہرہ داری کا نظام قائم فرمایا تاکہ ایسا نہ ہو کہ دشمن بحالت غفلت حملہ کر دے، اس لیے وہ فوجی سپہ سالاروں کو دشمن کی طرف سے محتاط اور چوکنا رہنے کا حکم دیتے تھے۔ اسی غرض و غایت سے انھوں نے سپہ سالاروں کو حضر و سفر میں پہرے داری کا نظام قائم کرنے کی ترغیب دی۔ انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا: اپنے لشکر پر پہرہ لگاؤ۔ دشمن کی طرف سے ممکنہ شب خون سے ہوشیار رہو۔ اگر تمھارے پاس کوئی ایسا قیدی لایا جائے جو معاہد نہ ہو تو اس کی گردن مار دو تاکہ تمھارے اور اللہ کے دشمنوں کے دل پر رعب طاری ہو جائے۔ ③

---

① فتوح الشام لابن أعثم:1/253-255. ② الإدارة العسكرية:1/188. ③ نهاية الأرب:6/170.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوجی کمانڈروں کو دشمن کی سرزمین پر پہنچتے ہی دشمن کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے کے لیے جاسوس اور ہراول دستے بھیجنے کا حکم دیتے تھے تاکہ دشمن کی سرگرمیوں اور ارادوں سے آگاہ ہوا جاسکے۔ انھوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا:

جب تم دشمن کی سرزمین پر اترو تو اپنے اور دشمن کے درمیان جاسوس پھیلا دو۔ تم پر دشمن کا ہر اقدام آشکارا رہنا چاہیے۔ اس کام کے لیے خالص عربی یا جن پر تمھیں مکمل اعتماد اور اطمینان ہو ان لوگوں کو منتخب کرو کیونکہ جھوٹے آدمی کی خبر کوئی فائدہ نہ دے گی۔ چاہے وہ بعض اوقات سچ بھی بول دے اور خائن تمھاری جاسوسی تو کرسکتا ہے، تمھارے لیے جاسوسی نہیں کرسکتا اور جیسے ہی دشمن کی سرزمین کے قریب پہنچو تو بہت سے ہراول دستے اور چھوٹے چھوٹے لشکر اپنے آگے ارسال کردو۔ یہ ہراول دستے دشمن کی خبریں لائیں گے، جبکہ لشکر دشمن کی کمک اور دیگر مفادات کو نقصان پہنچائیں گے۔ مخبر دستوں کے لیے بڑے جنگجو اور ذہین ترین لوگوں کا انتخاب کرو۔ انھیں نہایت عمدہ گھوڑے فراہم کرو۔ اگر ان کا دشمن کے کسی دستے سے ٹکراؤ ہوجائے تو ان سے سب سے پہلے ٹکرانے والے یہی بہترین افراد ہوں گے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس انتہائی قیمتی نصیحت سے واضح ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے جاسوس مقرر کرتے تھے بلکہ اسلامی لشکروں کے انتظامات، گورنروں، فوجی کمانڈروں اور عام فوجیوں کے حالات جاننے کے لیے بھی جاسوسی نظام سے کام لیتے تھے۔ وہ لوگوں کی سیرت، ذاتی معاملات، شخصی کردار اور فوجی معاملات کے ایک ایک جز سے ذاتی طور پر آگاہ رہنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ انھوں نے ہر لشکر اور ہر چھاؤنی میں ایسے مستعد اور دیانتدار جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو ایک ایک بات کی صحیح صحیح اطلاع امیر المؤمنین کی خدمت میں پہنچا دیتے تھے۔[2]

---

[1] نهاية الأرب: 169/6. [2] الإدارة العسكرية: 396/1.

حضرت عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ایک شکایت پیش کی۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ ایک شامی لشکر کے امیر تھے، انھوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! ہمارے اور رومیوں کے درمیان ایک شہر حائل ہے۔ اس کا نام عرب سوس ہے۔ وہاں کے لوگ ہمارے دشمن پر ہمارا ہر راز آشکارا کر دیتے ہیں لیکن ہمیں ان کے بارے میں کوئی معلومات بھی فراہم نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم وہیں چلے جاؤ اور ان لوگوں کو ایک بکری کے عوض دو بکریاں، ایک اونٹ کے عوض دو اونٹ اور ہر چیز کے بدلے دو چیزیں دینے کی پیش کش کرو۔ اگر وہ راضی ہو جائیں تو انھیں ان کی چیزوں کے بدلے ڈبل چیزیں دے کر وہاں سے نکال دینا اور اس شہر کو مسمار کر دینا۔ اگر وہ انکار کریں تو انھیں سخت ڈانٹ پلانا، ایک سال کے لیے جلاوطن کر دینا اور شہر گرا دینا۔ [1]

جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے عمیر رضی اللہ عنہ کی پیشکش مسترد کر دی۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق انھیں ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا، پھر اس شہر کو نیست و نابود کر دیا۔ [2]

جنگ کے لیے موزوں جگہ کا انتخاب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تاکید کی تھی کہ جب تک میدان کے تمام خدوخال کا جائزہ نہ لے لو وہاں کے آمدورفت کے راستوں، پانی کے ذخیروں اور گھاس پات کی موجودگی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل نہ کرلو اس وقت تک وہاں پڑاؤ نہ ڈالو۔ [3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معرکۂ قادسیہ کے موقع پر بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا: ایسی جگہ کا انتخاب کرو جو اپنی سرزمین کی آخری حد تک ہو کیونکہ وہاں کے تمام راستوں سے اسلامی لشکر بخوبی واقف ہوگا۔ خدانخواستہ ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو ہمارا لشکر پسپا ہو کر

---

[1] فتوح البلدان للبلاذري: 185/1. [2] فتوح البلدان للبلاذري: 185/1، و الإدارة العسكرية: 397/1. [3] نهاية الأرب: 170/6، و الإدارة العسكرية: 205/1.

ہلاکت سے بچ سکتا ہے اور دشمن بزدلی اور راستوں کی عدم معرفت کی وجہ سے ہمارے لشکر کا تعاقب نہیں کر سکے گا۔ ①

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کو لشکر کے پڑاؤ کے لیے مناسب جگہ کے انتخاب کا نگران اور ذمہ دار مقرر کیا تھا اور مختلف انتظامی ذمہ داریاں جداگانہ طور پر مختلف قائدین کو سونپی تھیں۔ ②

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوجی کمانڈروں پر یہ شرط عائد کرتے تھے کہ پڑاؤ ڈالنے، چھاؤنی یا جنگی محاذ کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کریں جہاں سے اعلیٰ فوجی قیادت سے زمینی رابطہ برقرار رہے تاکہ مرکز سے لشکر کی کمان، کمک کی فراہمی اور سامان رسد پہنچنے میں آسانی رہے۔ ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اپنے لشکر کے کسی جگہ پڑاؤ سے پہلے اس بات کا جائزہ لے لو کہ وہاں سے مرکز سے رابطے کی سہولتیں میسر ہیں یا نہیں۔ ④

لشکر کی ضروریات کا خیال رکھنا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ عراقی محاذ پر موجود اسلامی افواج کے لیے مدینہ منورہ سے مسلسل بکریاں اور اونٹ ارسال فرماتے رہتے تھے۔ ⑤

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاں فی سبیل اللہ استعمال ہونے والے جانوروں کے لیے نقیع اور ربذہ کی چراگاہیں مخصوص کردی تھیں وہاں انھوں نے ہر شہر میں کے مقامی حالات کی مناسبت سے مسلمانوں کے اضافی اموال سے گھوڑے بھی مہیا کر رکھے تھے۔ کوفہ میں چار ہزار، بصرہ میں چار ہزار اور دیگر تمام شہروں میں ہر شہر کی حیثیت کے مطابق گھوڑوں کی فراہمی کا انتظام موجود تھا۔ ⑥

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے باشندوں سے معاہدہ کرنے کے لیے تشریف

---

① الإدارة العسكرية: 205/1. ② الإدارة العسكرية: 206/1. ③ الإدارة العسكرية: 206/1.
④ الإدارة العسكرية: 207/1 بحوالہ التاريخ الطبري: 434/3. ⑤ فتوح البلدان للبلاذري: 314/2. ⑥ الإدارة العسكرية: 217/1.

لائے تو انھوں نے اسلامی لشکر کے لیے خوراک کا ذخیرہ کرنے کی غرض سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اسے ''الأھراء'' کہا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ادارے کا پہلا ناظم عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔[1]

جنگ کی ترغیب: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو جنگ کی ترغیب دینے کے لیے یہ مکتوب لکھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے بندے عمر بن خطاب امیرالمؤمنین کی طرف سے امین الامہ حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح کے نام۔ تم پر سلامتی نازل ہو۔ میں ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے اپنے اللہ کا شکر گزار ہوں۔ تمھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی تلقین کرتا ہوں۔ میں تمھیں ان لوگوں کے زمرے میں شامل ہونے سے ڈراتا ہوں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیں: اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور تمھارا کنبہ قبیلہ اور جو مال تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[2]

«وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَإِمَامِ الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

[1] الإدارة العسكرية: 217/1. [2] التوبة 24:9.

رَبَّ الْعَالَمِينَ»①

جب یہ مکتوب گرامی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ سمجھ گئے کہ عمر رضی اللہ عنہ انھیں جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دے رہے ہیں۔ وہاں موجود تمام لوگ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب گرامی پڑھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ انھوں نے عراق میں موجود حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو بھی جہاد کی ترغیب، اعلیٰ آرزومندی اور بلند اخلاق اپنانے کی تاکید اور معاصی سے اجتناب کی وصیت فرمائی۔②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر دس آدمیوں پر ایک آدمی جنگ کی ترغیب دینے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔③

شہادت کی فضیلت بیان کرنا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ میدان قادسیہ میں اسلامی لشکر کو اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ انھوں نے آخرت کی بے مثال سدا بہار نعمتوں کا تذکرہ کیا۔ انھیں جہاد کی ترغیب دی اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد دلایا جو اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت و تائید اور دین کے غلبے کے لیے کر رکھا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مالِ غنیمت، مالِ فے اور زمین میں اقتدار عطا کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے، پھر انھوں نے قاری صاحبان کو سورۂ انفال کی تلاوت کا حکم دیا۔④

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شامی علاقوں میں خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے عظیم اجر و ثواب اور اخروی نعمتوں کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔⑤

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا فلسطین کے محاذ پر یہ قول بہت مشہور ہوا: «مَنْ قُتِلَ كَانَ

① فتوح الشام للواقدي: 117/1. ② الإدارة العسكرية: 239/1. ③ الإدارة العسكرية: 239/1.
④ تاريخ الطبري: 356/4. ⑤ الإدارة العسكرية: 243/1.

شَهِيدًا وَّمَنْ عَاشَ كَانَ سَعِيدًا» ''جو مقتول ہوا وہ شہید ہوا اور جو زندہ رہا سعادت مند رہا۔'' پھر انھوں نے پورے لشکر کو قرآن پڑھنے، صبر کرنے، اللہ تعالیٰ سے ثواب پانے اور جنت حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ [1]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ حقوق کی ادائیگی: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو لکھا: اما بعد! میں تمھیں اور تمھارے ساتھ موجود سارے لشکر کو ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ تقویٰ اختیار کرنا دشمن کے خلاف بہترین تیاری اور جنگ میں دشمن کے خلاف سب سے زیادہ مؤثر حربہ ہے۔ میں تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ دشمن سے نہ ڈرو، گناہوں سے ڈرو اور محتاط رہو۔ لشکر میں پیدا ہونے والے گناہوں کی لہر ممکنہ دشمن سے زیادہ خطرناک ہے۔ مسلمانوں کو دشمن کے خلاف صرف اس لیے نصرت سے نوازا جاتا ہے کہ ان کا دشمن اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوتا ہے۔ [2]

تجارت و زراعت سے پرہیز: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ قانون بنا دیا تھا کہ تمام امراء اپنے لشکروں میں اعلان کریں کہ سب مجاہدین کا روزینہ طے شدہ اور ان کے بچوں کا رزق جاری ہے، لہٰذا انھیں زراعت میں دلچسپی نہیں لینی چاہیے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا ملے گی۔ [3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اقدامات اسلامی لشکر کو پوری توجہ سے جہاد کرنے اور اسلام کی تبلیغ کے پیش نظر کیے تھے۔ انھیں خوف تھا کہ مجاہدین امور زراعت میں مشغول ہو جائیں گے اور پھر کھیتی باڑی ہی کے ہو کر رہ جائیں گے۔ اس طرح اسلامی کاز کو نقصان پہنچے گا، چنانچہ انھوں نے اسلامی افواج کو ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہنے کے سازگار حالات

---

[1] فتوح الشام :1/18-20. [2] الفاروق عمر بن الخطاب لمحمد رشيد رضا، ص: 119. [3] الإدارة العسكرية:1/256.

فراہم کر دیے تھے تاکہ بوقت ضرورت انھیں فوراً میدان جنگ میں بھیجا جا سکے۔ انھوں نے سب فوجیوں اور ان کے کمانڈروں کو باغات، کھیتوں اور ان سے منسلک دیگر امور زراعت، کٹائی اور مارکیٹنگ سے مستغنی کر دیا تھا۔[1]

ریاست کی حدود کا تعین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی ریاست وسیع ہو جانے کے پیش نظر اسلامی ریاست کی حدود اور مسلمانوں کے بارے میں فکر مند رہتے تھے۔ جب ان کے سامنے رومیوں سے مزید قتال کی تجویز رکھی گئی تو انھوں نے اسے پسند نہیں کیا اور فرمایا: «وَاللّٰهِ لَوَدِدْتُّ أَنَّ الدَّرْبَ جَمْرَةٌ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ لَنَا مَا دُونَهُ وَ لِلرُّومِ مَا وَرَاءَهُ» ”اللہ کی قسم! میری خواہش یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان آگ کا ایک پہاڑ ہو۔ ہم پہاڑ کے اِس طرف اور وہ اس طرف ہی رہیں۔“[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی جذبات کا اظہار اہلِ فارس کے بارے میں بھی کیا۔ فرمایا: میری تمنا ہے کہ پہاڑ اور ارضِ سواد کے درمیان ایک دیوار حائل ہو۔ نہ ہم اس طرف جا سکیں نہ وہ اس طرف آسکیں۔ ہمیں آسودہ زندگی کے لیے ارضِ سواد ہی کافی ہے۔ مجھے مسلمانوں کی سلامتی اموالِ غنیمت سے زیادہ عزیز ہے۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوجی چھاؤنیاں قائم کرنے کا حکم دیا اور ان چھاؤنیوں کے مختلف اہداف و مقاصد بھی مقرر فرمائے۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ یہ چھاؤنیاں فوجی نقطۂ نظر سے اسلامی ریاست کی سرحدوں پر قائم کی گئیں۔ انھیں اسلامی عرب علاقوں اور مفتوحہ سرزمین کے کنارے کنارے قائم کیا گیا تاکہ کسی بھی ممکنہ حملے کا فوری جواب اور اپنا بچاؤ کیا جا سکے، نیز یہ چھاؤنیاں مزید لشکر بندی اور اسلامی

[1] الإدارة العسكرية : 257/1. [2] تاريخ اليعقوبي: 155/2. [3] تاريخ الطبري از الإدارة العسكرية:352/1.

دعوت عام کرنے کے لیے بھی اہم مراکز کا کام دے سکیں۔ سلطنتِ فارس کی طرف کوفہ، بصرہ اور مصر کی جانب فسطاط میں نہایت محکم چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔[1]

ان چھاؤنیوں کے علاوہ ساحل سمندر پر بھی سرحدوں کی نشاندہی کی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شامی ساحلوں پر سمندر کی جانب سے ممکنہ حملوں سے بچاؤ کے پیش نظر سرحدی قلعہ بندی کا انتظام فرمایا۔ بعد ازاں وہاں چار قسم کے لشکروں کا قیام عمل میں آیا۔ یہ لشکر حمص، دمشق، اردن اور فلسطین کے لشکروں کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ لشکر صرف دفاعی نقطۂ نظر سے مرتب کیے گئے۔ یہ لشکر اس قدر شہرت پا گئے کہ ان کی نسبتیں ہی ان کے تعارف کا نمایاں ذریعہ بن گئیں۔ ان لشکروں میں شامل افراد قبائلی نسبت کے ساتھ ساتھ جنگی کارروائیوں اور دیگر انتظامی امور کی نسبت سے بھی شہرت یافتہ ہوگئے۔ اس طرح ماہانہ وظائف دینے کے سلسلے میں سرکاری عمال کو بھی آسانی ہوگئی۔ وہ مجاہدین کے فرائض کی نسبت سے انھیں بخوبی پہچان لیتے تھے۔[2]

دفاعی چھاؤنیوں کا قیام اور سرحدی علاقوں میں قلعہ بندی کا یہ اقدام حفاظتی نقطۂ نظر سے کیا گیا۔ گزشتہ صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ مسلمانوں نے ان علاقوں سے دشمنوں کو نکال دیا تھا، چنانچہ وہاں اسلامی ریاست کی حفاظت کے لیے اسلامی لشکروں کے قیام کا مستقل انتظام ناگزیر ہوگیا تھا۔[3]

ان مراکز کے قیام کے بعد یہ روایت بن گئی کہ مسلمان جب بھی کوئی پیش قدمی کرتے تھے تو فتح نصیب ہونے کے بعد آخری کنارے پر سرحدی چوکی قائم کر دیتے تھے تاکہ مفتوحہ علاقے کی حفاظت بھی ہو اور مجاہدین کے لیے وہاں سے کمک بھی بھیجی جا سکے۔ اس سرحدی چوکی پر ایک قابل ترین کمانڈر مقرر کر دیا جاتا تھا۔[4]

---

[1] الإدارة العسكرية: 452/1. [2] فتوح البلدان: 156/1. [3] تاريخ التمدن لجرجي زيدان: 179/1.
[4] الإدارة العسكرية: 453/1.

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق اور مشرقی علاقوں میں اہم ترین اقدام یہ کیا کہ وہاں مسلمانوں اور اہلِ فارس کے درمیان مسلح فوجی دستے اور چوکیاں قائم کر دیں۔ جب اسلامی سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس خبر پہنچی کہ اہلِ فارس ان کے خلاف جمع ہو رہے ہیں تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تمام حالات لکھ بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جواب ملا: اما بعد! تم عجمیوں کی سرزمین سے نکل جاؤ اور اپنے لشکر کو اپنی اور دشمن کی سرزمین کے مابین سرحدوں پر پھیلا دو۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جنگ قادسیہ سے پہلے ہی یہ تاکید فرما دی تھی کہ جب تم قادسیہ پہنچ جاؤ تو تمھاری ہتھیار بند چوکیاں قادسیہ کے کناروں پر قائم ہونی چاہئیں۔ [2]

معرکۂ جلولاء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا: اگر اللہ تعالیٰ مہران اور انطاق کے لشکروں کو شکست دے دے تو قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکروں کے ساتھ حلوان کی سرحد سے آگے روانہ کر دو تاکہ اس علاقے کی حفاظت ہو اور دشمن کی پیش قدمی روکی جا سکے اور یہ لشکر اپنے سے پیشرو لشکر کے لیے کمک کی حیثیت اختیار کر جائیں۔ [3]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عراق میں اپنی فوج کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ انھوں نے فرمایا: تم دشمن کی طرف پیش قدمی کرو اللہ تعالیٰ نے اسلامی سرحدوں کو محفوظ کر دیا ہے۔ سب ممکنہ دشمنوں کے راستے بند ہو چکے ہیں۔ اب تمھارے پیچھے کسی خطرے کا امکان نہیں۔ ہم سے پہلے گزرنے والے اسلامی سپہ سالاروں نے ہمیں محفوظ بنا دیا ہے اور دشمن اور اس کی سرحدوں کو پامال کر دیا ہے۔ [4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تمام فوجی مراکز اعلیٰ فوجی قیادت کے حکم اور

---

[1] الإدارة العسكرية: 453/1. [2] الإدارة العسكرية: 453/1. [3] الإدارة العسكرية: 454/1 بحوالہ طبری۔ [4] الإدارة العسكرية: 454/1.

مشورے سے قائم کیے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مراکز کے قائدین سے فرمایا تھا: تم اہلِ فارس کو اپنے مسلمان بھائیوں کی طرف آنے سے روکے رکھو اوران مراکز کے ذریعے سے امت مسلمہ اوراسلامی ریاست کی حفاظت کرو۔ فارس اوراہواز کے مابین سرحدوں پر قیام کرو اور میرے آئندہ احکام کے منتظر رہو۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کوفہ کی چھاؤنی چہار جانب پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف حلوان میں حضرت قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ مقرر تھے، دوسری طرف ماسبذان میں ضرار بن خطاب فہری، تیسری طرف قرقیسیا میں عمر بن مالک زہری، جبکہ چوتھی جانب موصل میں عبداللہ بن المعتم عبسی مقرر تھے۔ جیسے ہی کوئی مہم درپیش ہوتی تو مذکورہ قائدین اپنا نائب مقرر کرتے اور مہم پر روانہ ہوجاتے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمان جب بھی سرحدوں پر کوئی قلعہ تعمیر کرتے یا شہر بساتے تھے تو سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھتے تھے کیونکہ مسجد ہی اسلامی معاشرے میں دعوتی، تربیتی اور جہادی شان پیدا کرنے کا سرچشمہ ہے۔[2]

شامی محاذ پر بھی رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان عہدِ عمر رضی اللہ عنہ میں سرحدوں کا تعین ہوا۔ ان سرحدوں کا تعین بھی وہاں اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ شروع ہوگیا تھا۔ شامی علاقوں کو محفوظ بنانے کے لیے دفاعی نقطۂ نظر سے بہت سے اقدامات کیے گئے۔ ان میں ہروقت کڑے پہرے کا نظام، نگرانی کے مخصوص مراکز، سرحدی پولیس کا قیام، ساحلی شہروں کو مضبوط کرنے کا عمل اور ان کا مرکز اور مفتوحہ قلعوں سے مسلسل رابطہ قائم رکھنا جیسے اقدامات شامل تھے۔اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم حکمت عملی بھی اختیار کی گئی کہ لشکرِ مجاہدین کو دوحصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس کا ایک حصہ لشکر غازی کہلاتا تھا اور دوسرے حصے کو وقتاً فوقتاً حسب ضرورت نقل وحمل میں مصروف رکھا جاتا تھا۔ نقل وحمل کی ذمہ داری

---

[1] الإدارة العسكرية:454/1. [2] الإدارة العسكرية:455/1.

باری باری سب پہ ڈالی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے ساحلی علاقے کا پورا فوجی نظام مربوط کر دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کی فتح کے سلسلے میں شام پہنچے تو انھوں نے شامی سرحدوں کا خود جائزہ لیا۔ وہاں حفاظتی فوجی دستے اور پولیس چوکیاں قائم کرائیں۔ انھوں نے خبر رسانی کا ادارہ بھی بنایا اور اس کے قائدین کا تقرر کیا۔ انھوں نے تمام سرحدوں کا بنفس نفیس دورہ فرمایا اور ممکنہ ضروریات کا خود اندازہ لگا کر سرحدیں محفوظ کرنے کے جامع انتظامات فرمائے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپس مدینہ پہنچے تو لوگوں سے خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا: خبردار اے لوگو! مجھے تم پر خلیفہ مقرر کیا گیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمھارے جن امور کا ذمہ دار بنایا تھا وہ میں نے پورے کر دیے۔ تمھارے مابین انصاف کے ساتھ مالِ فے تقسیم کیا گیا۔ تمھیں رہائش گاہیں دی گئیں۔ تمھارے جنگی محاذوں کی تشکیل کر دی گئی۔ تمھارے لیے لشکروں کو منظّم کر دیا گیا۔ سرحدوں کا تعین کیا گیا۔ تمھیں محفوظ بنایا گیا۔ مالِ فے سے تمھارے حالات بہتر کر دیے گئے۔ شامی فتوحات سے حاصل ہونے والی آمدنی تم میں تقسیم کر دی گئی۔ تمھاری خواہشات کی تکمیل کی گئی۔ تمھارے لیے عطیات اور روزینوں کا اہتمام کیا گیا۔ اب اگر کسی کے پاس کوئی قابلِ عمل مشورہ ہو تو مطلع کرے۔ ہم ان شاء اللہ اس پر عمل کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔[2]

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب شمالی شام میں انطاکیہ کی حدود فتح کر لیں تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا: تم انطاکیہ میں خالص نیت اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے والے مسلمانوں کی ایک جماعت کا تعین کرو۔ وہاں مسلسل نگرانی کا عمل جاری کر دو اور وہاں متعین افراد کے عطیات مت روکو۔[3]

---

[1] الإدارة العسكرية: 457/1. [2] تاريخ الطبري: 40/4. [3] فتوح البلدان: 175/1۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حمص اور بعلبک سے کچھ لوگ نگرانی کے لیے وہاں متعین کردیے تاکہ کسی بھی خارجی دشمن کے حملے سے تحفظ حاصل ہو۔ انھوں نے اس سرحد پر حبیب بن مسلمہ فہری کو امیر مقرر فرمایا۔ حبیب نے اس سرحدی مرکز کو مستحکم چھاؤنی بنادیا تاکہ اسلامی حدود سے جنگوں کے لیے کمک رسانی کی جاسکے۔ یہی وہ مرکز تھا جہاں رومی محاذوں پر مقابلے کی منصوبہ بندی کی جاتی تھی۔ معرکۂ جرجومہ کے لیے بھی یہیں سے فوج تیار ہوئی۔ اہلِ جرجومہ نے مسلمانوں سے اس شرط پر صلح کرلی تھی کہ وہ رومیوں کے خلاف لکام کے پہاڑی سلسلوں میں مسلمانوں کے لیے مددگار ثابت ہوں گے اور ان کے لیے جاسوسی کی خدمات اور حفاظتی پولیس کا کام انجام دیں گے۔[1]

اس طرح حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جب سرحد بالس کی طرف بڑھے تو وہاں بھی مجاہدین کا ایک دستہ منظم کیا اور سرحد کی حفاظت اور رومیوں کے ممکنہ حملوں سے بچاؤ کے لیے ان شامی لوگوں کو وہاں متعین کردیا جو مسلمانوں کے شام میں آجانے کے بعد مسلمان ہوگئے تھے۔[2]

قلعوں کی تعمیر اور دیگر دفاعی انتظامات کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ انھوں نے شام کے ساحلی علاقوں میں اسلامی حدود کی حفاظت کے لیے مختلف قلعے تعمیر کرائے جن میں طرطوس، مرقیہ، بلنیاس اور بیت سلیمہ کے قلعے قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے شامی علاقوں میں موجود مفتوحہ قلعوں کی بھی از سرنو مرمت کرائی اور ان قلعوں میں اسلامی لشکر تعینات کردیے۔ اہلِ لشکر کو وہاں قطعاتِ اراضی عطا کیے۔ نگرانی کے لیے مخصوص مورچے تیار کرائے۔ دشمن پر نگاہ رکھنے کے لیے مستعد فوجی دستے تعینات کیے۔ ہر نگران چوکی پر آگ کا الاؤ بھڑکا دیا جاتا تھا تاکہ اس سے متصل دوسری چوکی کو خبر ہوجائے۔ نگران چوکیوں کا یہ تسلسل مدینہ جاکر ختم ہوتا تھا۔ اس

---

[1] معجم البلدان: 123/2. [2] فتوح البلدان للبلاذري: 224/1.

طرح دارالخلافہ میں ہر اہم خبر پہنچ جاتی تھی۔ فوجی مراکز اور مسلح افواج کو بھی جنگی خبریں مل جاتی تھیں اور وہ جلد از جلد اس محاذ پر جا پہنچتے تھے جہاں سے دشمن کے حملے کی خبر آتی تھی۔ یوں لشکرِ اسلام دشمن کی پیش قدمی روک دیتا تھا۔[1]

مصری محاذ پر اسلامی حدود کی حفاظت میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان سرحدیں قائم کرنے کے لیے بھی اسی طرح کا اہتمام کیا گیا جس طرح دوسرے محاذوں پر کیا گیا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس علاقے میں اسلامی لشکر کو پناہ دینے کے لیے فوجی چھاؤنی کے طور پر فسطاط شہر آباد کیا۔ انھوں نے ہر قبیلے کے لیے مستقل ڈیوٹیاں اور سربراہ مقرر کیے۔ شمالی افریقہ میں فتوحات کا مرکز یہی شہر بنا۔ مصری سرحدوں کی حفاظت کے لیے اسی مرکز نے حفاظتی دستے کا کام دیا اور بہت سی جنگی خدمات میں اہم رول ادا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیگر دفاعی مراکز کی طرح یہاں بھی اعلیٰ مراکز جیسی شرائط عائد کیں کہ اس شہر اور مرکز کے درمیان کوئی نہری رکاوٹ نہ بنے تاکہ اس شہر کا مرکز سے مسلسل رابطہ رہے۔[2]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے مجاہدین ساتھیوں کو باور کراتے تھے کہ تم اللہ کی راہ میں مستقل جہاد کر رہے ہو۔ انھوں نے فرمایا: خوب جان لو کہ تم قیامت تک باطل کے نشانے پر اور حالت جہاد میں ہو۔ تمھارے گرد دشمنوں کی کثرت ہے۔ ان کے دل اور نظریں تمھی پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ تمھاری اس سرزمین کی طرف دیکھ رہے ہیں کیونکہ یہ زراعت کا مرکز، مالی خوشحالی اور ترقی کرنے والی بابرکت زمین ہے۔

اسی طرح وہ قلعے اور فوجی مراکز جو مصر کی سرحدوں پر واقع تھے، انھیں مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ اب مسلمان ان کی از سر نو تنظیم کر رہے تھے اور انھیں بعض ضروری ترمیمیں کر کے دوبارہ تعمیر کر رہے تھے تاکہ انھیں حفاظتی اور نگرانی مراکز کے طور پر کام میں لایا جائے۔

---

[1] فتوح البلدان: 1/150-158. [2] والإدارة العسكرية: 1/462.

انھوں نے ان قلعوں میں اسلامی فوج کو آباد کر دیا۔ عریش وہ پہلا قلعہ تھا جسے مسلمانوں نے مصر میں فوجی مرکز کی حیثیت عطا کی۔ ①

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مصر کے تمام ساحلی علاقوں میں اسی قسم کے فوجی دفاعی مراکز کے قیام کا حکم نامہ جاری فرمایا تھا۔ ②

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب اسکندریہ فتح کیا تو اس کے سرحدی علاقہ میں اس کی حفاظت کے لیے ایک ہزار نفری پر مشتمل مسلح دستے مقرر کیے لیکن یہ تعداد مطلوبہ مقاصد کے لیے انتہائی کم تھی۔ اس سے رومیوں نے فائدہ اٹھایا اور سمندری راستے سے اس پر حملہ کر دیا۔ انھوں نے بہت سے افراد کو شہید کر دیا اور تھوڑے لوگ ہی بچ جانے میں کامیاب ہوئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال کے پیش نظر اس سرحدی مرکز کو دوبارہ فتح کیا اور پھر اپنا چوتھائی لشکر اسکندریہ کی حفاظت کے لیے مامور کر دیا۔ کچھ فوجی دستے دیگر ساحلی علاقوں میں بھیجے، جبکہ آدھا لشکر ان کے پاس فسطاط ہی میں رہا۔ ③

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر سال مدینہ منورہ سے بسلسلہ نگرانی ایک دستہ اسکندریہ روانہ فرماتے تھے۔ وہ ذمہ دار عامل کو لکھتے تھے کہ اسکندریہ سے ہرگز غافل نہ ہونا، سخت نگرانی کرنا۔ یہ دستہ اس فوج کے علاوہ ہوتا تھا جسے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وہاں تعینات کر رکھا تھا۔ ④

اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی انتہائی ذہانت و فطانت سے عراقی، شامی، مصری تینوں محاذوں پر اسلامی سرحدوں کو محفوظ بنا دیا۔ ⑤

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مستقل قائم ہونے والے سرحدی مراکز کے علاوہ دفاعی نقطۂ نظر سے سردیوں اور گرمیوں کے جدا جدا لشکر بھی ترتیب دیے۔ یہ وہ دستے تھے جو سردیوں

---

① تاریخ الیعقوبي، ص: 330. ② البدایة والنهایة: 103/7. ③ البحریة في مصر الإسلامية وآثارها الباقية لسعاد ماهر، ص: 77. ④ فتوح مصر، ص: 192، و الخطط للمقریزي: 167/1.
⑤ الإدارة العسكرية: 464/1.

اور گرمیوں کے اعتبار سے پوری ریاست کا سالانہ دورہ کرتے تھے، نگرانی کے کام کا جائزہ لیتے تھے اور دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے تھے۔ ①

یہ مقرر شدہ دستے نہ صرف شامی علاقوں میں متعین تھے بلکہ اسلامی ریاست کے ہر علاقے میں موجود تھے۔ ان کی نگرانی ابوعبیدہ بن جراح، معاویہ بن ابی سفیان اور نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے کبار قائدین فرماتے تھے۔ ②

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سرحدوں پر متعین فوجیوں کی تنخواہوں اور دیگر عطیات اور مراعات میں مسلسل اضافہ فرماتے رہتے تھے تاکہ ان کی وطن سے دوری کا احساس شدت اختیار نہ کرے۔ وہ ان کے لیے خصوصی قطعۂ اراضی بھی مرحمت فرماتے تھے۔ ③

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام حفاظتی مراکز پر مامور مختلف نوعیت کی خدمات انجام دینے والے کمانڈروں اور ماتحت فوجیوں کو مالِ فے سے اسی طرح ان کا حصہ دیا جس طرح سب لوگوں کو دیا جاتا تھا۔ یہ ان کی اس خدمتِ جلیلہ کا اعتراف تھا کہ یہ مجاہدین دشمن کے سامنے ڈٹ کر مسلمانوں کی پشت پناہی کرتے تھے اور مسلمان رعایا کو دشمن کے گزند سے محفوظ رکھنے کے لیے سرحدوں پر پہرا دیتے تھے۔ ④

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں وصیت فرمائی تھی کہ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو نئے قائم کیے جانے والے شہروں کے باشندوں سے بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ لوگ اسلام کے پشت پناہ ہیں، اموال کو جمع کرنے والے ہیں، دشمن کے لیے غیظ وغضب کا سبب ہیں۔ کوئی ان سے ان کے فاضل اموال ان کی رضامندی کے بغیر نہ لے۔ ⑤

① الإدارة العسكرية:1/464. ② فتوح البلدان للبلاذري:1/195,194. ③ الفن الحربي في صدر الإسلام لعبدالرؤف عون، ص:201، والإدارة العسكرية:1/465. ④ الإدارة العسكرية: 2/465، وتاريخ الطبري:4/134. ⑤ مناقب أمير المؤمنين عمر لابن الجوزي، ص:220,219.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خارجہ پالیسی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شاہِ ایران سے دشمنی کا تعلق تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو اس وقت اسلامی لشکر یزدگرد کو اس کی اپنی سرزمین پر بھگاتے پھر رہے تھے اوراس کی حکومت کا خاتمہ کر رہے تھے۔ شام اور جزیرہ کی فتوحات کے بعد رومی شہنشاہ سے عمر رضی اللہ عنہ کے تعلقات بہتر ہوگئے۔ دونوں ریاستوں میں صلح ہوگئی۔ سلاطین سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باہمی خط کتابت بھی ہوتی رہی۔ عرب مؤرخین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ہرقل کے مابین تبادلۂ مکتوبات کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن وہ یہ وضاحت نہیں کرتے کہ یہ وہ پہلا ہرقل ہے جس سے عمر رضی اللہ عنہ نے حکومت چھین لی تھی یا پھر یہ اس ہرقل کا بیٹا تھا جو ہرقل قسطنطین کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ ہرقل اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رحلت سے 2 سال پہلے 641ء بمطابق 21 ہجری میں وفات پا گیا تھا۔

بہرحال خط کتابت چاہے پہلے ہرقل سے ہوئی یا دوسرے ہرقل سے، اچھے باہمی تعلقات کا عندیہ دیتی ہے۔ ایلچی ان کے خطوط ایک دوسرے کو پہنچاتے تھے۔ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ ایک مرتبہ جب رومیوں کا ایلچی مدینہ آیا تو انھوں نے اس کے ہاتھ ملکۂ روم کے لیے مدینہ کی عمدہ اشیاء بطور تحفہ ارسال فرمائی تھیں۔ ملکۂ روم نے اس کے جواب میں جواہر سے مرصع ایک قیمتی ہار ام کلثوم کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ہار بیت المال میں جمع کرا دیا۔ کتب تاریخ میں ہے کہ ام کلثوم نے تحائف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایلچی کے ذریعے سے ارسال فرمائے تھے۔[1]

عہد فاروقی کی فتوحات کے نتائج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی فتوحات کے بڑے دور رس انقلابی نتائج مرتب ہوئے۔

---

[1] تاريخ الطبري: 259/15، وأشهر مشاهير الإسلام: 359/2.

ایک طرف سرزمین فارس سے ساسانی مملکت کا جڑ سے خاتمہ ہوگیا اور دوسری طرف رومی بازنطینی سلطنت سے ٹکراؤ ہوا۔ اس طرح جاہلی دور میں سلطنتِ فارس اور رومیوں کے مابین جاری رہنے والی اس مہلک کشمکش کا خاتمہ ہوا جس کی وجہ سے متعلقہ علاقوں کے عوام کے مابین خونریز جنگیں ہوئیں جن میں بے شمار لوگ مارے گئے اور دونوں مملکتوں کا شدید نقصان ہوا۔ ان دونوں بڑی سلطنتوں کا مقصد صرف اپنی سرداری قائم رکھنا اور اپنا سکہ جمانا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی فتوحات کی وجہ سے ایران اور روم کی باہمی جنگوں کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔ اس طرح عہد فاروقی کے مجاہدینِ اسلام ان سلطنتوں کے غریب لوگوں کے لیے ابرِ رحمت اور پیامِ امن ثابت ہوئے۔

فتوحاتِ فاروقی کے باعث مرکز میں ایک عالمی اسلامی مملکت ظہور میں آئی جس کی حدود مشرق میں چین، مغرب میں المغرب (مراکش)، جنوب میں بحیرۂ عرب اور شمال میں ایشیائے کوچک اور کوہ قاف تک وسیع تھیں۔ یہ ایسی عظیم مملکت تھی اور اس کی قیادت اس قدر بے مثل تھی کہ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ قیادت وحکومت بھی دیگر اقوام عالم کی طرح اپنے خاص قوانین، اقدار اور مخصوص نظام کی پابند تھی۔

فتوحات فاروقی نے مفتوحہ علاقوں کے عوام پر کسی قسم کے دباؤ یا ان کے عقائد و نظریات کو تبدیل کیے بغیر انھیں ایک ربانی منہج کا پابند کردیا۔ کالے، سرخ، سفید اور زرد کی تمیز ختم کردی۔ سب اللہ تعالیٰ کے حضور یکساں قرار دے دیے گئے۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ قرار پایا۔ خلق خدا نے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے سائے میں امن، استحکام، برکات، کشادگی اور فراخی رزق جیسے انعامات حاصل کیے۔

ملتِ اسلامیہ دنیا بھر میں ابھر کر سامنے آئی جو عقیدۂ توحید اور شریعتِ الٰہی کی بنیاد پر متحد و منظّم تھی۔ وہ موروثی، نسبی اور دیگر زمینی امتیازات سے ماورا تھی۔ امت محمدیہ کے افراد اسلام کی ڈوری سے بندھے ہوئے تھے۔ اس امت میں سے بہت سی عظیم اور مخلص

قیادتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ انھیں اس امت میں انتہائی بلند مقام حاصل تھا۔ کوئی ایسا کردار سامنے نہ آیا جو ان کے اجلے دامن کو میلا کر دے یا ان کا مرتبہ گھٹا دے، اسی لیے وہ اپنے مقابلے میں لڑنے والوں سے کہتے تھے: اگر تم ہمارے دین کو قبول کر لو تو ہم تمھارے مابین کتاب اللہ نافذ کریں گے۔ تمھیں کتاب اللہ کے احکام ماننے کی برکات سے روشناس کرائیں گے اور تمھارا ملک تمھی کو سونپ کر واپس چلے جائیں گے۔[1]

فتوحات فاروقی کی برکت سے ایک انتہائی شائستہ، مہذب، متوازن اور متناسب ربانی ثقافت کا ظہور ونفوذ ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے تمام قوموں اور عوام کی طبائع کو اپنے اندر سمو لیا اور ساری دنیا کو اپنا حصہ بنا لیا۔ کالے، گورے اور زرد، سبھی رنگ ونسل کے لوگ ربانی منہج اور حکم الٰہی کے تحت ایک ہو گئے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کی ترقی یافتہ انسانیت کے سب سے بڑے فقید المثال لیڈر قرار پائے۔ انھوں نے ہمیں ایک ایسے طاقتور، ایمان دار، بالیدہ کردار اور صاحبِ علم انسان کے درخشندہ تصور سے روشناس کرایا جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے نفاذ، اس کے دین کے اقتدار، انسانیت کی بے لوث خدمت، کلمۃ اللہ بلند کرنے، لوگوں کو اندھیروں سے نکالنے اور انسان کو انسانوں کی غلامی اور دنیاوی مظاہر کی عبادت سے نکال کر ایک اللہ کی عبادت کا راستہ دکھانے پر مامور تھا۔ اور ریاست کے تمام شعبوں خصوصاً افواج میں اتباع اور علوم و وسائل اور اسباب میں ایک مؤثر ترین عامل کی حیثیت رکھتا تھا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عملی تطبیق ممکن بنا دی تھی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾

"(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم

---

[1] دراسات في عهد النبوة للشجاع، ص:370.

کریں اور زکاۃ دیں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔‘‘[1]

فی الجملہ اسلامی فتوحات کے زیر اثر اسلام کے سائے میں نہایت بلند پایہ اور ترقی یافتہ انسانی تہذیب قائم ہوئی۔ ہم ربانی تہذیب کی تعریف اس طرح کرسکتے ہیں:

’’زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت کے قیام کی خاطر زندگی، کائنات اور انسان کے بارے میں اسلامی تصورات کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف انسانی سرگرمیوں کو ایک جماعت کے ماتحت کردینے کا نام ربانی تہذیب ہے۔‘‘[2]
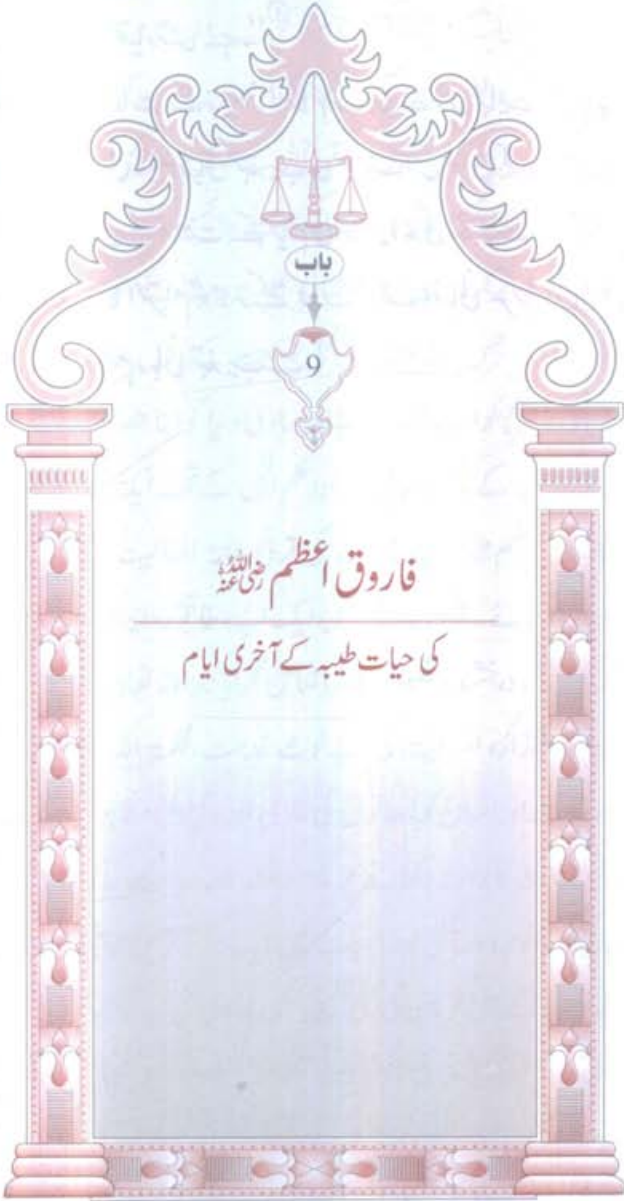
[1] الحج 41:22. [2] الإسلام والحضارة للندوة العالمية للشباب:90/1.

باب

9

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کی حیات طیبہ کے آخری ایام

امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نہایت عدل پسند، سچے ایمان دار، مجاہد، دل کے کھرے، پرہیز گار، طاقتور، امانت دار، عقیدۂ توحید کا مضبوطی سے دفاع کرنے والے مثالی اسلامی خلیفہ تھے۔ انھوں نے زندگی بھر دین، عقیدۂ توحید اور امت مسلمہ کی بے مثال خدمت کی۔ وہ اسلامی افواج کے بالغ نظر سالار، اعلیٰ فقیہ اور عظیم مجتہد تھے۔ ان کی رائے کا سب احترام کرتے تھے۔ وہ نہایت انصاف پسند جج بھی تھے۔ وہ اپنی رعایا کے ہر فرد، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، کمزور ہو یا طاقتور، فقیر ہو یا مالدار سب کے لیے بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ وہ سراپا سچائی تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والے انتہائی بلند پایہ مدبر، تجربہ کار، ماہر اور حکمت و برداشت سے انتظامی امور چلانے والے حکمران تھے۔ انھوں نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسلام کے استحکام کے لیے تاریخی خدمات انجام دیں۔ ان کے عہد خلافت میں اسلامی ریاست کے ستون مضبوط سے مضبوط تر ہو گئے۔ ان کے دورِ خلافت میں فارسیوں کے مقابلے میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں جن میں قادسیہ، مدائن، جلولاء اور نہاوند کی فتوحات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھی کے دور میں شامی علاقوں کو رومی بازنطینی تسلط سے نجات ملی۔[1]

[1] الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص:151.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت میں جزیرۂ عرب کے گرد تمام علاقوں میں اسلام پہنچا۔ ان کی خلافت فتنوں کے مقابلے میں نہایت مضبوط بند کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ بجائے خود ایک ایسا بند دروازہ تھے کہ ان کی زندگی میں کوئی فتنہ پرور جماعت اسے کھول سکی نہ اس میں داخل ہوسکی۔ ان کے عہد میں کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکا۔[1]

فتنوں کے بارے میں سیدنا عمر اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کے مابین گفتگو

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے کون فتنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو جانتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، میں ان کا فرمان اسی طرح جانتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیان کرو۔ بلاشبہ تم ایک دلیر آدمی ہو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

«فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَ مَالِهِ وَ نَفْسِهِ وَ وَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ»

''آدمی کا فتنہ جو اس کے اہل خانہ، مال، جان، اولاد اور پڑوسی کے بارے میں ہوگا جسے اس کا روزہ، نماز، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل مٹا دے گا۔''[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس فتنے کے بارے میں سوال نہیں کیا۔ میری مراد وہ فتنہ ہے جو سمندر کی طرح جوش مارے گا۔ میں نے عرض کیا: بھلا آپ کو اس فتنے سے کیا واسطہ؟ بلاشبہ آپ کے اور اس فتنے کے درمیان ایک بند دروازہ موجود ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا وہ دروازہ ٹوٹ جائے گا یا اسے کھول دیا جائے گا؟ میں نے عرض

---

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 77. [2] صحيح البخاري، حديث: 1895و7096.

کیا: وہ دروازہ ٹوٹ جائے گا۔ انھوں نے فرمایا: جب یہ دروازہ ٹوٹ گیا تو ممکن ہے قیامت تک بند نہ ہو سکے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی ابو وائل فرماتے ہیں: میں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازے کے بارے میں جانتے تھے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، وہ اس طرح جانتے تھے جس طرح آج کے بعد کل کا آنا یقینی ہو۔ میں نے انھیں ایسی احادیث سنائیں جن میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا۔

ابو وائل فرماتے ہیں: ہم اس بات سے ڈرے کہ آپ سے اس دروازے کے بارے میں کچھ پوچھیں۔ ہم نے مسروق سے گزارش کی کہ آپ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دروازے کے بارے میں پوچھیے۔ مسروق رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی: وہ دروازہ کون تھا؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ عمر رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا کہ آپ ایک مضبوط دروازہ ہیں جو مسلمانوں کے مابین فتنوں کے پھیلاؤ میں مضبوط رکاوٹ بنا ہوا ہے اور یہ دروازہ آخر کار ٹوٹ جائے گا۔ اور قیامت تک اس دروازے کے بند نہ ہونے کا یہی مطلب تھا کہ اس کے بعد مسلمانوں کے درمیان ہر طرف فتنے پھیل جائیں گے اور وہ ان فتنوں کو ختم کرنے، روکنے یا ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت سے محروم ہوں گے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں اپنی طرف سے بیان نہیں فرمائیں۔ نہ ایسے جلیل القدر صحابی سے ایسی بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ غیب بھی نہیں جانتے تھے۔ یہ سب کچھ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور سن کر ذہن نشین کر لیا تھا، اس لیے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر فرمایا: میں نے ایسی باتیں کی ہیں جو سو فیصد سچ ہیں۔ ان میں جھوٹ نام کی کوئی چیز نہیں کیونکہ میں نے سب باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے سنی ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 7096.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس حقیقت سے باخبر تھے جو انھوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے سنی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان کی خلافت مسلمانوں میں فتنے پھیلنے کے خلاف ایک مضبوط دروازہ ہے۔ ان کے دور خلافت اور ان کی زندگی میں مسلمانوں میں کوئی فتنہ راہ نہیں پا سکتا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پورا یقین تھا کہ وہ شہادت کی موت مریں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد پر چڑھے۔ ان کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ لرزنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ پر اپنا پائے اقدس مار کر فرمایا: «اُثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَّصِدِّيقٌ وَّ شَهِيدَانِ» ”اے احد! ٹھہر جا۔ تجھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔“[2]

آخری حج کے موقع پر دعا (23ھ)

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ منیٰ سے چلے اور وادی ابطح میں ٹھہرے۔ وہاں پتھروں کا ایک ڈھیر جمع کیا۔ اس پر کپڑے کا کنارا ڈالا اور لیٹ گئے، پھر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر دیے اور عرض کیا: اے اللہ! میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری طاقت جواب دے رہی ہے۔ میری رعایا خوب پھیل گئی ہے تو مجھے اس حالت میں اپنے پاس بلا لے کہ میں نے کوئی کوتاہی کی ہو نہ زیادتی، پھر وہ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔[3]

شہادت کی تمنا

زید بن اسلم اپنے باپ سے اور وہ عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی:

---

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 79. [2] صحيح البخاري، حديث: 3675. [3] تاريخ المدينة: 872/3، اس روایت کی سند سعید بن مسیب تک متصل ہے۔

«اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ» ''اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما۔ مجھے اپنے رسول کے شہر میں موت نصیب فرما۔''[1] ایک روایت میں ہے: «اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي قَتْلًا فِي سَبِيلِكَ وَ وَفَاةً فِي بَلَدِ نَبِيِّكَ» ''اے اللہ! تیرے راستے میں کٹ مرنے کی درخواست ہے۔ تیرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مرنا چاہتا ہوں۔'' اس پر حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے ابا جان! یہ کیسے ممکن ہو گا؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «يَأْتِي بِهِ اللّٰهُ إِذَا شَآءَ» ''اگر اللہ چاہے گا تو اس کے اسباب فراہم کر دے گا۔''[2]

علامہ یوسف بن حسن بن عبدالہادی عمر رضی اللہ عنہ کی اس دعا پر اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں: شہادت کی طلب مستحب ہے۔ یہ موت کی تمنا کرنا نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ دونوں کے درمیان فرق کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ موت کی تمنا وقت سے پہلے موت طلب کرنا ہے، حالانکہ مومن آدمی کے لیے درازیٔ عمر خیر کا باعث ہوتی ہے، جبکہ شہادت کی تمنا کا مطلب یہ ہے کہ جب مروں تو شہادت کی موت مروں۔ اس درخواست میں وقت سے پہلے موت کی آرزو نہیں ہے۔ اس میں صرف شہادت کی موت، یعنی افضل موت کی تمنا ہے۔[3]

عوف بن مالک اشجعی کا خواب

عوف بن مالک اشجعی فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک رسی لٹک رہی ہے۔[4] لوگ ایک دوسرے سے بلند ہوکر اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے تین ہاتھ زیادہ بلند ہیں۔ میں نے پوچھا: ایسا کیوں ہے؟ اس نے کہا: اس لیے کہ عمر زمین میں اللہ تعالیٰ

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1890. [2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 331/3، اس کی اسناد حسن ہے، وتاريخ المدينة: 872/3. [3] محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب: 791/3. [4] البداية والنهاية: 329/2.

کے خلیفہ ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی پروانہیں کرتے۔ وہ شہادت کی موت پائیں گے۔ عوف فرماتے ہیں: صبح کو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے انھیں سارا خواب سنایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لڑکے! تم ابوحفص کے پاس جاؤ اور انھیں میرے پاس لاؤ۔ عمر رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عوف! اب اپنا خواب بیان کرو۔ میں بیان کرتے کرتے جب ان الفاظ پر پہنچا کہ وہ زمین میں اللہ کے خلیفہ ہیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلا یہ سب کچھ کوئی سویا ہوا آدمی بھی دیکھ سکتا ہے؟ عوف فرماتے ہیں: پھر باقی خواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو سنا دیا۔[1]

جب عمر رضی اللہ عنہ جابیہ تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا تو مجھے بلایا، اپنے ساتھ بٹھایا۔ خطبہ سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اب مجھے اپنا خواب سناؤ۔ میں نے عرض کیا: آپ نے اسے بیان کرنے سے روک نہ دیا تھا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس وقت میں نے تمھیں ٹال دیا تھا۔[2]

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ نے اس خواب کو غلط قرار نہیں دیا تھا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، مجھے تو صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حیا آ گئی تھی، لہٰذا اب وہ خواب سناؤ۔[3]

عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے اپنا خواب سنا دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم دیکھ ہی رہے ہو کہ خلافت تو مجھے مل گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی پروانہیں کرتا تو مجھے امید ہے کہ لوگوں کا میرے بارے میں یہی گمان ہوگا۔ شہادت کے بارے میں سوچتا ہوں کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے، میں تو جزیرۂ عرب میں رہتا ہوں۔[4]

---

① محض الصواب: 869/3. ② تاریخ المدینۃ: 869,868/3، اس کی سند جید ہے، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کوفی مسعودی صدوق ہے، آخری عمر میں اسے اختلاط ہوگیا تھا۔ التقریب، رقم الترجمۃ: 3919. ③ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 331/3، ومحض الصواب: 868/3. ④ محض الصواب: 869/3.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بارے میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا خواب

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے خواب دیکھا کہ میں بہت سے راستے دیکھ رہا ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب راستے ختم ہوگئے صرف ایک باقی رہ گیا۔ میں اس پر چل پڑا۔ ایک پہاڑ پر پہنچا۔ اس پہاڑ پر پھسلن تھی۔ اچانک میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ ان کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اشارے سے بلا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ کر پیغام کیوں نہیں بھیج دیتے؟ انھوں نے کہا: «مَا كُنْتُ لِأَنْعٰی لَهُ نَفْسَهُ» ''میں انھیں ان کی موت کی خبر نہیں دے سکتا۔''[1]

مدینہ میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا آخری خطبہ

عمر رضی اللہ عنہ نے 23 ہجری 21 ذی الحجہ کو اپنی زندگی کا آخری خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس خطبے کے بعض اقتباسات نقل فرمائے ہیں۔ ان میں سے اکثر اقتباسات میں نے اپنی کتاب ''الانشراح ورفع الضيق بسيرة أبي بكر الصديق رضی اللہ عنہ'' میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت سنبھالنے کے حوالے سے تحریر کر دیے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خطبے میں اپنے ایک خواب کا تذکرہ بھی فرمایا۔ اس کی از خود تعبیر بھی فرمائی۔ انھوں نے فرمایا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ میرا پیغام وفات ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک مرغے نے مجھے دو دفعہ چونچ ماری ہے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ سرخ رنگ کا مرغا تھا۔ میں نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے سامنے اسے بیان کیا تو وہ کہنے لگیں: تمھیں عجمی آدمی قتل کرے گا۔ اور فرمایا: پوری قوم مجھے اپنے بعد خلیفہ کے تعین کا حکم دیتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور منصب خلافت کو ضائع نہیں

[1] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 332/3. اس روایت کی سند صحیح ہے۔

فرمائے گا اور نہ اس شریعت کو کوئی گزند پہنچنے دے گا جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے۔ اگر میرا وقت اجل آن پہنچا ہے تو خلافت کا معاملہ ان چھ آدمیوں کے سپرد ہوگا جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوقت وفات راضی تھے۔[1]

شہادت سے پہلے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہادت سے کچھ دن پہلے بروز ہفتہ 23 ذی الحجہ کو حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات فرمائی۔ انھوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دریائے دجلہ سے سیراب ہونے والے اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو دریائے فرات سے سیراب ہونے والے علاقے کے خراج کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت فرمایا: تم نے خراج لاگو کرنے کے لیے کیا اصول اپنائے؟ مجھے ڈر ہے کہ تم نے زیادہ اندازہ لگا لیا ہوگا۔ انھوں نے عرض کی: ہم نے مناسب اندازے لگائے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «لَئِنْ سَلَّمَنِي اللّٰهُ لَأَدَعَنَّ أَرَامِلَ أَهْلِ الْعِرَاقِ لَا يَحْتَجْنَ إِلٰى رَجُلٍ بَعْدِي أَبَدًا» ''اگر اللہ تعالیٰ مجھے عافیت بخشے اور میں زندہ رہا تو اہل عراق کی بیواؤں کے لیے ایسا مستقل نظام قائم کردوں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی کبھی محتاج نہ رہیں گی۔'' لیکن اس گفتگو کے چوتھے دن ان پر قاتلانہ حملہ ہوگیا۔[2]

مدینہ میں قیدی نہ رکھنے کا حکم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مفتوحہ علاقوں سے قید ہو کر آنے والے افراد کو مدینے میں قیام کی اجازت نہ دیتے تھے۔ وہ عراق کے مجوسیوں، شام اور مصر کے عیسائیوں کو اسلامی دارالخلافہ میں رکھنا گوارا نہ فرماتے تھے۔ وہاں تو ان کے لیے ایک ہی صورت میں رہائش

---

① صحيح مسلم، حديث: 567، و مسند أحمد: 15/1، حديث: 89، اس کی سند صحیح ہے۔
② صحيح البخاري، حديث: 3700، و الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 82.

ممکن ہوسکتی تھی کہ وہ سچے دل سے مسلمان ہوجائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ان کی انتہائی دانائی اور دوراندیشی کا بین ثبوت تھا کیونکہ یہ شکست خوردہ افراد اسلام سے بغض اور کینہ رکھتے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہردم سازشوں اور مکروفریب کے جال بنتے رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو ان کے ممکنہ شر سے بچانے کے لیے یہ اصول وضع فرمایا لیکن بعض صحابۂ کرام کے پاس مجوسی اور عیسائی نسل کے کئی قیدی بطور غلام رہ رہے تھے۔ وہ ان غلاموں کو مدینے ہی میں رہنے دینے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر دباؤ ڈالتے تھے تاکہ وہ اپنے روزمرہ امور میں ان سے کام لے سکیں۔ اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے بعض غلاموں کو مدینہ طیبہ میں اقامت کی اجازت دے رکھی تھی، حالانکہ وہ خود اس کے حامی نہ تھے۔ آخرکار وہی ہوا جس کا عمر رضی اللہ عنہ کو ڈر تھا۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور شوریٰ کا معاملہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ جس دن عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، میں نماز فجر کے لیے صف میں موجود تھا۔ میں نماز کے انتظار میں کھڑا تھا میرے اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان صرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب صفوں کے درمیان سے گزرتے تو فرماتے تھے: برابر ہوجاؤ، جب وہ دیکھتے کہ صفوں میں کوئی خلا نہیں رہا تو آگے بڑھتے اور تکبیر تحریمہ کہتے۔ وہ صبح کی نماز میں کبھی سورۂ یوسف، کبھی سورۂ نحل اور کبھی کوئی اور سورت تلاوت فرماتے۔ وہ پہلی رکعت میں لمبی قراءت فرماتے تھے تاکہ لوگ جماعت میں شامل ہوجائیں۔ اس دن حسب معمول انھوں نے ابھی تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی یہ آواز سنی: مجھے کتے نے مار ڈالا۔ ہوا یہ کہ ایک مجوسی غلام دو

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 83.

دھاری خنجر سے ان پر حملہ آور ہوا، پھر وہ دائیں بائیں وار کرتا ہوا آگے بڑھا یہاں تک کہ اس نے تیرہ افراد کو زخمی کر دیا۔ ان میں سے سات افراد شہید ہو گئے۔ ایک آدمی نے جب یہ سانحہ دیکھا تو فوراً اس پر بڑی چادر ڈال کر اسے جکڑ لیا۔ جب مجوسی کو یقین ہو گیا کہ اب وہ قابو آچکا ہے تو اس نے خودکشی کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور امامت کے لیے مصلے پر کھڑا کر دیا۔ جو لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے قریب تھے، انھوں نے وہ سب کچھ دیکھا جو میں نے دیکھا۔ مسجد کے اطراف میں موجود نمازی اس سانحے سے بے خبر تھے۔ انھوں نے نماز پڑھانے کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی آواز نہ سنی تو ''سبحان اللہ'' کہنے لگے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مختصر نماز پڑھائی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: دیکھو مجھ پر کس نے حملہ کیا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے اور عرض کی: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام نے حملہ کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہی جو لوہار ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی: جی ہاں! عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے۔ میں نے تو اس کے لیے بھلائی کا حکم دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری موت مدعیِ اسلام کے ہاتھ سے واقع نہیں ہوئی۔ تم اور تمھارا باپ عباس ہی ان عجمیوں کو مدینے میں رکھنے پر زور دیتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بہت سے غلام تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم ان سب غلاموں کو قتل کر دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے غلط بات کہی ہے۔ ان لوگوں نے جب تمھارے جیسا کلمہ پڑھا، تمھارے قبلے کی طرف نماز ادا کر لی اور تمھاری طرح حج بھی کر لیا تو پھر تم انھیں کس طرح قتل کر سکتے ہو؟

بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر ان کے گھر منتقل کر دیا گیا۔ ہم سب وہاں پہنچے۔ یہ اتنا المناک دن تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آج سے پہلے کبھی کوئی مصیبت اور دکھ نہیں آیا تھا۔ نبیذ لائی گئی، عمر رضی اللہ عنہ نے پی لی لیکن ساری نبیذ پیٹ کے زخم سے باہر نکل گئی، پھر

دودھ لایا گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پی لیا تو وہ بھی نکل گیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اب عمر رضی اللہ عنہ جانبر نہ ہوسکیں گے۔ لوگ آنے شروع ہوگئے۔ ہر آنے والا فرد عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کر رہا تھا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دیا: دیکھو میرے ذمے کتنا قرضہ ہے؟ حساب لگایا گیا تو کل قرضہ تقریباً 86 ہزار درہم تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ قرضہ عمر کے خاندان کے مال سے ادا ہوجائے تو بہتر ہے ورنہ بنو عدی بن کعب سے سوال کرنا اگر پھر بھی ادا نہ ہوسکے تو قریش سے سوال کرنا، ان کے علاوہ کسی اور کے پاس نہ جانا۔ تم میری طرف سے یہ قرضہ لازماً ادا کر دینا۔

اب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جاؤ۔ انھیں میرا سلام پہنچاؤ۔ میرا حوالہ ''امیر المؤمنین'' کہہ کر نہ دینا کیونکہ میں آج مومنوں کا امیر نہیں ہوں۔ ان سے عرض کرنا کہ عمر بن خطاب اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ حجرے میں دفن ہونے کی اجازت مانگتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اجازت طلب کی۔ حجرے میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی رو رہی ہیں۔ عبداللہ نے عرض کیا: «يَقْرَأُ عَلَيْكِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ السَّلَامَ وَيَسْتَأْذِنُ أَنْ يُّدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيْهِ» ''عمر بن خطاب آپ کو سلام کہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ آپ کے حجرے میں دفن ہونے کی اجازت مانگی ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: «كُنْتُ أُرِيدُهُ لِنَفْسِي وَلَأُوثِرَنَّهُ بِهِ الْيَوْمَ عَلٰى نَفْسِي» ''میں نے تو یہ جگہ اپنے لیے خاص کر رکھی تھی مگر آج میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما واپس گھر پہنچے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ کر فرمایا: مجھے اٹھا کر بٹھاؤ۔ ایک آدمی نے سہارا دیا۔ ان کا سر اونچا کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ سے دریافت فرمایا: کیا خبر لائے ہو؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! جو آپ چاہتے تھے وہ

بات طے ہوگئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، میرے لیے سب سے اہم معاملہ یہی تھا۔ دیکھو جب میں فوت ہوجاؤں تو دروازے پر رک کر ایک دفعہ پھر ان سے عرض کرنا کہ عمر بن خطاب یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتا ہے۔ اگر اجازت دیں تو دفن کرنا، وگرنہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کردینا۔ راوی فرماتے ہیں: جب آپ کا انتقال ہوگیا تو ہم آپ کی میت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر گئے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا اور عرض کیا کہ عمر بن خطاب دفن ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انھیں اندر لے آؤ، پھر انھیں اندر لے جاکر دونوں ساتھیوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کردیا گیا۔ ①

عمرو بن میمون کی روایت کے علاوہ دیگر کئی روایات اس واقعے کے کئی ایسے پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں جن کا تذکرہ عمرو بن میمون کی روایت میں نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پھیپھڑے پر وار کیا گیا تھا۔ وار کرنے والا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مجوسی غلام ابولؤلؤ تھا۔ ②

ابو رافع فرماتے ہیں: وہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ چکیاں بنانے کا کام کرتا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس سے روزانہ چار درہم وصول کرتے تھے۔ ابولؤلؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین! مغیرہ رضی اللہ عنہ نے میری آمدنی تنگ کر رکھی ہے۔ آپ اس سے میری سفارش کردیجیے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈر اپنے مالک سے اچھا سلوک کر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیت یہ تھی کہ وہ مغیرہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سفارش کردیں گے لیکن انھوں نے اپنے دل کی بات غلام سے نہیں کہی، چنانچہ غلام طیش میں آگیا اور بولا: «وَسِعَ كُلَّهُمْ عَدْلُهُ غَيْرِي؟» ”عمر کا عدل وانصاف میرے علاوہ ہر

---

① صحيح البخاري، حديث: 3700. ② صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 369.

شخص کو پہنچ چکا ہے؟'' اس نے اسی وقت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس نے ایک خنجر تیار کیا۔ اس کے 2 سرے تھے۔ اسے تیز کیا۔ زہر میں بجھایا، پھر ہرمزان کے پاس آیا اور کہا: تمھارا اس خنجر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: اگر تو کسی کو یہ خنجر مارے گا تو وہ بچ نہیں سکے گا۔ اس وقت سے ابولؤلؤ موقع کی تلاش میں رہا۔ ایک دن وہ فجر کی نماز میں عمر رضی اللہ عنہ کے عین پیچھے صف میں کھڑا ہوگیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کی عادت مبارک تھی کہ جب اقامت ہوجاتی تھی تو فرماتے تھے: اپنی صفوں کو درست کرلو۔ انھوں نے اپنی عادت کے مطابق صفیں درست کرائیں اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی۔ ابولؤلؤ نے فوراً عمر رضی اللہ عنہ کے کندھے پر وار کردیا اور دوسرا وار ان کے پہلو میں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے۔[1]

حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں: جب عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو میں نے ان کی زبان سے تلاوت سنی تو وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے:

﴿ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ۝ ﴾

''اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہے۔''[2]

خلافت کے لیے جدید انتخابی طریقہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد زریں میں امت اسلامیہ کا شیرازہ متحد رکھنے اور اس کا مستقبل محفوظ کرنے کی بھرپور جدوجہد جاری رکھی حتی کہ اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں شدید زخمی حالت میں بھی انھیں امت کی یک جہتی کی فکر تھی۔ بلاشبہ ان کی زندگی کے یہ آخری لمحات تاریخی حیثیت کے حامل تھے جن میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قابل رشک ایمان، اخلاص اور ایثار کھل کر سامنے آیا۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زندگی کے ان آخری نازک ایام میں اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے

---

[1] صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 370. [2] الأحزاب 38:33. [3] الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص:161.

کے لیے جدید طریقہ انتخاب اختیار کیا۔ یہ سابقہ طریقوں سے مختلف تھا۔ یہ طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت، اسلامی ریاست کے تقاضوں کے ادراک اور ان کی بے خطا ذہانت کی بیّن دلیل ہے۔ ان سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی صریح نص کے ساتھ اپنا خلیفہ منتخب نہیں فرمایا تھا (بلکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فیصلہ اچانک ہوا اور اس پر سب کا اجماع ہوگیا تھا)۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ سے مشورہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا تھا مگر جب عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ کے تقرر کا وقت آیا تو اس وقت وہ نہایت نازک حالت میں بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے۔ ان سے خلیفہ کے تقرر کے بارے میں عرض کیا گیا تو انھوں نے اس حالت میں بھی بڑا غور وفکر کیا اور موقع کی مناسبت سے ایک نیا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں خالق حقیقی سے جاملے کہ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور مسابقت کے معترف تھے۔ ان کے بارے میں اختلاف نہ ہونے کے برابر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اپنے قول اور فعل سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلافت کا زیادہ مستحق ہونے کے سلسلے میں امت کو اشارے دے دیے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امت کا خلیفہ مقرر فرمایا۔ انھیں یقین تھا کہ سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت، بصیرت، طاقت، اہلیت اور احساسِ ذمہ داری کے معترف ہیں۔ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمادیا۔ ان کی رائے سے کسی نے بھی اختلاف نہ کیا۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہوگیا۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو جدید اسلوب انتخاب اختیار کیا اس کے تحت چھ ایسے صحابیوں پر مشتمل کمیٹی بنائی گئی جو بدری تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان سے راضی تھے۔ ہر چند یہ سب جلیل القدر صحابہ فضیلت کے درجات میں مختلف تھے لیکن خلافت کے

[1] أولیات الفاروق، ص: 124، وفتح الباري: 208/13.

سب اہل تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے طریقہ انتخاب اور مدت انتخاب کا تعین فرمایا۔ خلیفہ کے منتخب ہونے کے لیے جتنے افراد کی حمایت ضروری تھی ان کا تعین فرمایا۔ مجلس مشاورت کے لیے معاملۂ خلافت طے کرنے اور اگر ارکان شوریٰ کی آراء مختلف ہوں تو حتمی نتیجے پر پہنچنے کا طریقہ طے فرمایا۔ دوسری طرف انھوں نے کچھ لوگوں کو اس مجلس مشاورت پر نگران مقرر کر دیا۔ جس خلیفہ کے تقرر کا فیصلہ ہو اگر کوئی اس کی مخالفت کرے اور انتشار پھیلائے تو اس کے خلاف کارروائی کا اختیار دیا اور حکم دیا کہ نگرانی پر مامور لوگ اس مجلس میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ دیں اور نہ کسی کو اہل حل وعقد پر مشتمل اس کمیٹی کی گفتگو سننے دیں۔[1]

انتخابی اقدامات کی تفصیل یہ ہے:

مجلس شوریٰ کے جلیل القدر ارکان: یہ مجلس چھ افراد پر مشتمل تھی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
- علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
- عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
- زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
- طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کو اس کمیٹی میں اس لیے شامل نہیں فرمایا تھا کیونکہ وہ ان کے قبیلے بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے، حالانکہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔[2]

انتخاب کا طریقۂ کار: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ افراد کو ایک گھر میں جمع ہونے کا حکم دیا اور وہیں آپس میں مشورہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ انھوں نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس کمیٹی کا رکن تو مقرر کر دیا لیکن انھیں منصب خلافت سونپنے کی ممانعت

---

[1] أولیات الفاروق، ص: 124. [2] البدایة والنهایة: 142/7.

کردی۔ ارشاد فرمایا کہ عبداللہ اس کمیٹی میں صرف مشیر کی حیثیت سے شریک ہوں گے۔ خلیفہ کے انتخاب کی نگرانی پر مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور امامت کے فرائض صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیے۔[1]

انتخاب کی مدت: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے تین دن کا وقت مقرر فرمایا۔ یہ وقت کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے کافی تھا۔ تین دن سے زیادہ وقت اختلافات پھوٹ پڑنے کا موجب بن سکتا تھا، اسی لیے انھوں نے فرمایا: «لَا تَتْرُكُهُمْ يَمْضِي الْيَوْمُ الثَّالِثُ حَتّٰى يُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ» ''تیسرے دن ان کا خلیفہ لازماً منتخب ہو جانا چاہیے۔''[2]

خلیفہ کے انتخاب کی مطلوبہ حمایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس انتخاب کے ارکان کو تاکید کی کہ ایک جگہ جمع ہو جائیں اور آپس میں صلاح مشورہ کریں۔ اگر پانچ ارکان ایک آدمی پر متفق ہو جائیں اور چھٹا آدمی تنہا ان کی مخالفت کرے تو اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اگر چار آدمی ایک آدمی کو خلیفہ منتخب کرلیں اور باقی دو آدمی اس فیصلے سے اختلاف کریں تو ان دونوں کی گردنیں ماردی جائیں۔[3]

یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ یہ ان انوکھی روایات میں سے ہے جنھیں ابومخنف نے اس سلسلے میں درست روایات اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلمہ طریقۂ کار اور اخلاقیات کے برعکس روایت کیا ہے۔ ابومخنف نے صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم بیان کیا: اے صہیب! ان کے پاس کھڑے رہنا۔ ان میں سے پانچ افراد ایک آدمی پر متفق ہو جائیں اور ایک مخالفت کرے تو اس کا سر تلوار سے جدا کر دینا۔ اگر چار آدمی ایک پر متفق ہوں اور دو مخالف ہوں تو ان دونوں کو قتل کر دینا۔[4]

---

[1] أشهر مشاهير الإسلام في الحرب والسياسة، ص: 648. [2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 364/3. [3] تاريخ الطبري: 226/5. [4] تاريخ الطبري: 226/5.

یہ قول یکسر خلاف قیاس ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ ایسے افراد کے بارے میں گردن مار دینے کا حکم جاری فرماتے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ صحابہ تھے اور خود انھی نے انھیں تقویٰ وطہارت ہی کی بنیاد پر اس کام کے لیے نامزد کیا تھا۔ [1]

علامہ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انصار سے فرمایا: ان سب نامزد صاحبان کا اجلاس ایک گھر میں منعقد کرانا، انھیں تین دن کی مہلت دینا۔ اگر یہ سب مستقیم رہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ اس گھر میں داخل ہوکر ان کی گردنیں اڑا دینا۔ [2]

یہ روایت منقطع ہے اس کی سند میں سماک بن حرب ضعیف راوی ہے۔ آخری عمر میں اس کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا۔ [3]

اس سلسلے میں صحیح روایت وہ ہے جسے علامہ ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی ثقہ سند کے ساتھ روایت فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے صہیب! لوگوں کی تین دن امامت کرانا، اس دوران میں یہ نامزد افراد ایک گھر میں اپنی مجلس جاری رکھیں گے جب تمام افراد ایک آدمی کی خلافت پر متفق ہو جائیں اور کوئی ایک آدمی اس فیصلے کی مخالفت کرے تو اس کی گردن اڑا دینا۔ [4]

درحقیقت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا جو منتخب ہونے والے خلیفہ کی مخالفت کرے، مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا شیرازہ بکھیرے اور ان میں انتشار پھیلانے کی کوشش کرے۔ انھوں نے یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق دیا تھا:

«مَنْ أَتَاكُمْ وَ أَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْيُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ»

---

[1] مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري للدكتور يحيى اليحيىٰ، ص: 175. [2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 342,341/3. [3] مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري، ص: 176. [4] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 342/3.

''اگر کوئی شخص تمھارے اتحاد کو توڑے یا جماعت کو منتشر کرنے کے ارادے سے اس وقت آئے، جبکہ تم سب ایک خلیفہ پر متفق ہو چکے ہو تو اس کی گردن اڑا دو۔''[1]

اختلاف کی صورت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ نامزد افراد میں اختلاف رائے پیدا ہونے کی صورت میں اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس مجلس مشاورت میں شامل کرنے کا حکم دیا۔ اور ان کے بارے میں صاف کہہ دیا تھا کہ خلافت سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ان کا دائرۂ عمل صرف اتنا ہوگا کہ اگر تم میں سے تین افراد ایک آدمی اور باقی تین دوسرے آدمی کے حق میں ہوں تو تم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ثالث بنا سکتے ہو۔ وہ جس فریق کے حق میں رائے دیں اسی فریق کا منتخب کردہ خلیفہ امیر المؤمنین قرار پائے گا۔ اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلے پر بھی اتفاق نہ ہوسکے تو عبدالرحمٰن بن عوف کا انتخاب درست ہوگا۔ تم اس کے ساتھ تعاون کرنا، پھر انھوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہتر فیصلہ کرنے والے، صحیح راستے پر چلنے والے اور بھلائی والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر ہے، لہٰذا تم ان کی بات قبول کر لینا۔[2]

انتشار سے روکنے کے لیے ایک جماعت کا تقرر: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: اے ابو طلحہ! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری وجہ سے اسلام کو شان و شوکت سے نوازا۔ تم انصار میں سے پچاس منتخب افراد کو اپنے ساتھ لے کر خلیفہ منتخب کرنے والے صاحبان کی نگرانی کرنا تا آنکہ خلافت کا معاملہ طے پا جائے۔[3]

عمر رضی اللہ عنہ نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب تم مجھے قبر میں اتار دو تو ان چھ افراد کو ایک گھر میں جمع کرنا تا کہ وہ ایک آدمی کو خلیفہ چن لیں۔[4]

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1852. [2] تاريخ الطبري: 225/5. [3] تاريخ الطبري: 225/5.
[4] تاريخ الطبري:225/5.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر عزیز، زندگی کی آخری ہچکی تک مسلمانوں ہی کی فلاح اور امت کے اتحاد ہی کی فکر میں بسر ہوئی۔ انتہائی سخت آزمائش، جان کنی کے عالم اور موت کی غشی کے باوجود وہ مسلمانوں کی بھلائی سے غافل نہ رہے۔ انھوں نے ایسا صائب شورائی نظام قائم فرمایا جس کی پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بلاشبہ شورائی نظام قرآن کریم اور سنت کا حصہ ہے، اسی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمل فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قانون شورائیت سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ انھوں نے شورائی نظام کی حدود میں رہتے ہوئے ایک نیا طریقۂ انتخاب اختیار فرمایا۔ انھوں نے خلافت کا معاملہ چھ صاحبان بصیرت کی صواب دید پر چھوڑ دیا۔ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا نہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنایا۔ یہ سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ ہی نے اختیار فرمایا۔ ان کا یہ طریقۂ کار زمانے اور زندگی کے نئے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کا بہترین طریقہ تھا۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے بعد والے خلیفہ کو وصیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد امت مسلمہ کی قیادت سنبھالنے والے خلیفہ کے لیے نہایت اہم وصیتیں فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا: میں تمھیں ہر دم اللہ وحدہ لاشریک سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ میں ابتدا میں مسلمان ہونے والے مہاجرین کے بارے میں خیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کی فضیلت اور اسلام میں سبقت کا ہر دم لحاظ رکھنا۔ انصار کے بارے میں حکم دیتا ہوں کہ ان کی حسنات کو قبول اور غلطیوں سے چشم پوشی کرنا۔ میں تمھیں نئے بسائے گئے شہروں کے باشندوں کے بارے میں بھی اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ لوگ دشمن کو روکنے والے اور مالِ فے جمع کرنے والے ہیں۔ تم ان سے ان کے فاضل اموال کے علاوہ کچھ نہ لینا۔ بادیہ نشینوں

[1] أولیات الفاروق السیاسیة، ص: 127.

کے بارے میں بھی اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ لوگ عرب کی بنیاد اور اسلام کا جوہر ہیں۔ تم ان کے اموال سے بطور زکاۃ چھوٹی عمر کے جانور لینا اور انھی کے فقراء پر خرچ کر دینا۔ میں ذمیوں کے بارے میں بھی بہتر سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ ان لوگوں کی حفاظت کرنا۔ ان کی طاقت سے زیادہ جزیہ مقرر نہ کرنا بشرطیکہ یہ لوگ طے شدہ شرائط کے مطابق مسلمانوں کو فرماں برداری اور عاجزی سے جزیہ ادا کرتے رہیں۔ میں تمھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی ناراضی سے بچنے کی بہت تلقین کرتا ہوں مبادا اللہ تعالیٰ تمھاری کسی کوتاہی کی وجہ سے تم پر ناراض ہو جائے۔ میں لوگوں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تم اللہ کے بارے میں لوگوں سے ہرگز مت ڈرنا۔ میں تمھیں رعایا میں عدل و انصاف کے قیام کی وصیت کرتا ہوں اور لوگوں کی ضروریات کی تکمیل اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے وقت نکالنے کا حکم دیتا ہوں۔ کسی امیر کو فقیر پر ترجیح نہ دینا۔ اللہ کے حکم سے اسی میں تمھارے دل کی سلامتی، تمھارے بوجھ کی کمی اور تمھاری آخرت کی بھلائی چھپی ہوئی ہے۔ یہ اعمال اس لیے انجام دینا تاکہ تم اپنے اس مالک کے حضور اچھی حالت میں پیش ہو سکو جو تمھارے باطن کو خوب جانتا ہے اور تمھارے دل کے ارادوں کے درمیان حائل ہے۔ میں تمھیں اللہ کے احکام کی سختی سے پابندی کا حکم دیتا ہوں۔ اس کی حدود کا احترام کرو۔ ہر آدمی چاہے وہ قریبی ہو یا دور کا تعلق دار اس کے بارے میں اللہ کی نافرمانی سے احتراز کرنا۔ کسی مجرم کے بارے میں نرم گوشہ نہ رکھنا، اسے اس کے جرم کے مطابق ضرور سزا دینا۔ لوگوں میں مساوات قائم رکھنا۔ غاصب سے حق ضرور وصول کرنا۔ اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ہرگز پروا نہ کرنا۔ اپنی اس ذمہ داری میں کسی کی طرف داری نہ کرنا، وگرنہ تم ظالم اور جابر کہلاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات سے محروم ہو جاؤ گے۔ تم دنیا یا آخرت کے مراتب سے ایک مرتبے میں ہو اگر تم اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے دنیا میں عدل و انصاف اور پاک دامنی کا دامن پکڑے رکھو

گے تو ایمان کی حلاوت اور اللہ کی رضا کے مستحق ٹھہرو گے۔ اگر تم پر خواہشات غالب آگئیں تو اللہ کے غضب کا نشانہ بنو گے۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ خود یا کسی اور کو ذمیوں پر ظلم کرنے کی ہرگز اجازت نہ دینا۔

یاد رکھو! میں نے تمھیں خلوص نیت سے وصیت و نصیحت کی ہے اور نہایت اہم باتیں بتائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی بھلائی کی امید میں ان باتوں پر عمل کرنا۔ میں نے تمھاری راہنمائی کے لیے وہی بات منتخب کی جو اپنے اور اپنی اولاد کے لیے منتخب کی۔ اگر تم نے میرے وعظ و نصیحت کو دل و جان سے قبول کرلیا اور میرے احکام پر عمل کرلیا تو گویا کہ تم نے وافر حصہ اور اپنا پورا پورا نصیب وصول کرلیا۔ اگر تم نے ان نصائح کو قبول نہ کیا، ان کی طرف دھیان نہ دیا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے مواقع ضائع کردیے تو یاد رکھو! یہ تمھارے حق میں خسارے کا باعث ہوگا۔ ہر برائی کی جڑ ابلیس ہے۔ وہ لوگوں کو ہلاکت کی دعوت دیتا ہے۔ اس نے پہلی قوموں کو گمراہ کیا اور جہنم رسید کیا۔ جہنم کتنا برا ٹھکانا ہے۔

انسان اس وقت کتنا بے قیمت ہوجاتا ہے جب وہ کسی دشمن سے الفت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دیتا ہے۔ تم حق کی تلاش کرنا اور گہرائی تک جاکر صداقت کی تلاش و جستجو کرنا۔ تم خود اپنے آپ کو ہر دم نصیحت کرتے رہنا۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ مسلمانوں پر شفقت بھرا ہاتھ رکھنا۔ بزرگوں کی عزت چھوٹوں پر مہربانی اور عالم دین کی تعظیم کرنا۔ انھیں کبھی نہ مارنا، اس طرح یہ ذلیل وحقیر سمجھے جائیں گے۔ ان کے مال فے کو ان سے روک کر انھیں ناراض نہ کرنا۔ انھیں بروقت عطیات دیتے رہنا۔ بصورت دیگر تم انھیں محتاج بنا دو گے۔ انھیں مسلسل معرکوں میں نہ بھیجنا، ورنہ ان کی نسل ختم ہوجائے گی۔ مال صرف اغنیاء تک محدود نہ کردینا۔ لوگوں پر اپنے دروازے بند نہ کرنا اس طرح طاقتور کمزور کو ہڑپ کر جائے گا۔

یہ میری وصیتیں تھیں جو میں نے تمھیں کیں۔ میں اللہ تعالیٰ کو تم پر گواہ بناتا ہوں اور تمھیں سلام کہتا ہوں۔ ①

عمر رضی اللہ عنہ کا یہ وصیت نامہ ان کی بے مثل بصیرت، دردمندی اور خلوص کا آئینہ دار اور فلاحی امور پر گہری نظر کا عکاس ہے جو ایک مکمل حفاظتی نظام اور یکسانیت و یکجہتی پر مبنی رہنما اصولوں کا حامل ہے۔ ②

اس وصیت میں انتہائی اہم امور اجاگر ہو گئے ہیں۔ یہ وصیت نامہ نہایت قیمتی ہدایات کی دستاویز ہے۔ یہ قابل اعتماد شہ پارہ ہے کیونکہ اس میں خلافت کے ایسے بنیادی قواعد و ضوابط کا بہت واضح تذکرہ موجود ہے جو دینی، سیاسی، فوجی، اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے بڑے مضبوط و مربوط اثرات و نتائج کے حامل تھے۔

ہمیں اس وصیت نامے سے درج ذیل نہایت بیش قیمت سبق حاصل ہوتے ہیں:

دینی حوالے سے وصیت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرنے اور ظاہر و باطن اور اپنے قول و فعل میں اللہ کا ڈر پیدا کرنے کی وصیت فرمائی کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے کما حقہ ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ جو خشیت اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

«أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ وَأُوصِيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالْحَذَرِ مِنْهُ وَأُوصِيكَ أَنْ تَخْشَى اللّٰهَ»

''میں تمھیں اللہ وحدہ لا شریک لہ سے ڈرنے، محتاط رہنے اور خشیت اختیار کرنے

① الطبقات لابن سعد: 339/3، والبيان والتبيين للجاحظ: 46/2، وجمهرة خطب العرب: 263/1-265، والكامل في التاريخ: 210/2، والخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص: 171-172. ② الإدارة الإسلامية في عصر عمر بن الخطاب، ص:381.

کی وصیت کرتا ہوں۔''

بلا امتیاز حدود اللہ کا نفاذ: عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت میں فرمایا: ''کسی غاصب کی پروا نہ کرنا اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کو خاطر میں نہ لانا۔'' حدود اللہ کا نفاذ اللہ کا حکم ہے۔ یہ دین کا اہم حصہ ہے، اس لیے کہ شریعت لوگوں پر حجت ہے۔ لوگوں کے اعمال و افعال کو اسی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ ان سے سرمو انحراف کرنا دین اور معاشرے کی بربادی ہے۔

استقامت: عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: «اِسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ» ''حکم کے مطابق استقامت اختیار کرو۔'' استقامت دین و دنیا میں کامیابی کی لازمی شرط ہے۔ سب سے پہلے اسلامی ریاست کے حاکم، پھر رعایا کو اپنے قول اور عمل سے استقامت کا اظہار کرنا چاہیے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: تم خود اپنے آپ کو نصیحت کرتے رہنا۔ اس طرح تم اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور آخرت میں کامیابی کے راستے تلاش کر لو گے۔

سیاسی حوالے سے وصیت

عدل و انصاف پر قائم رہنا کیونکہ عدل و انصاف خلافت کی اساس ہے۔ رعایا کے مابین عدل و انصاف کے قیام سے خلیفہ کی قوت و ہیبت بڑھتی ہے اور سیاسی و معاشرتی نقطۂ نظر سے استحکام پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں حاکم کا احترام جڑ پکڑتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: میں تمھیں عدل و انصاف کی وصیت کرتا ہوں تم سب لوگوں میں مساوات قائم رکھنا۔

پہلے پہل مسلمان ہونے والے انصار و مہاجرین کی طرف خصوصی توجہ کرنا کیونکہ عقیدہ اور اس عقیدے سے پیدا ہونے والا مضبوط سیاسی نظام انھی کے بل بوتے پر قائم تھا۔ یہی مقدس ہستیاں اس نظام کا حصہ تھیں اور اسے نافذ کرنے والی تھیں۔ یہی نجیب لوگ اس کے محافظ تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت میں فرمایا: میں تمھیں اولین مہاجرین سے

حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ تم ان کی مسابقت فی الاسلام کا حق پہچانو۔ میں انصار کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں ان کی حسنات قبول کرو اور خطا وقصور سے درگزر کرو۔

دفاعی حوالے سے وصیت

❁ اسلامی افواج کی طرف بھرپور توجہ مبذول کرنا، حربی ضروریات کا خیال رکھنا اور اسلامی ریاست میں امن وسلامتی کے استحکام کے لیے اپنی عظیم ذمہ داری کا احساس کرنا اور مجاہدین کی ذاتی ضروریات کا خیال رکھنا۔ یہ وہ اہم امور تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں پوری جانفشانی سے سرانجام دیے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی وصیت میں فرمایا: مجاہدین کی ضروریات اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے وقت نکالنا۔

❁ مجاہدین کو طویل عرصے تک سرحدوں پر متعین نہ رکھنا تاکہ وہ اپنے اہل وعیال سے دور نہ رہیں اور ان کی طبیعتوں میں اکتاہٹ، اضطراب اور کم ہمتی پیدا نہ ہو۔ انھیں ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق چھٹیاں دینا تاکہ وہ آرام کریں اور اپنی توانائی بحال کرسکیں، نیز وہ اپنے گھر آئیں تو ان کی نسل بھی بڑھے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم انھیں مسلسل سرحدوں پر متعین نہ رکھنا کہ مبادا ان کی نسل منقطع ہوجائے۔ اور میں تمھیں نئے بسائے گئے شہروں کے باشندوں سے بھی حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ امت کے پشت پناہ اور دشمن کے سامنے مضبوط بند کی حیثیت رکھتے ہیں۔

❁ ہر مجاہد کو استحقاق کے مطابق مالِ فے اور روزینہ عطا کرنا تاکہ اس کی اور اس کے اہل وعیال کی ضرورتیں پوری ہوں اور وہ توجہ سے جہاد میں مصروف رہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت یہ تھی: تم انھیں مالِ فے سے محروم نہ کرنا تاکہ وہ ناراض نہ ہوجائیں اور انھیں ان کے عطیات بروقت پہنچا دینا ایسا نہ ہو کہ وہ محتاج ہوجائیں۔

مالی اور اقتصادی حوالے سے وصیت

* لوگوں کے مابین عدل وانصاف سے اموال تقسیم کرنا تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی مخصوص طبقے ہی کے پاس سارے اموال جمع ہو جائیں، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اموال کو محض مالدار طبقے تک ہی محدود نہ کر دینا۔
* ذمی اگر شرائط کے مطابق جزیہ ادا کرتے رہیں تو ان سے حسن سلوک سے پیش آنا۔ ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت میں فرمایا: تم ذمیوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ مت ڈالنا اگر وہ اپنے ذمے واجب حقوق ایمانداری سے ادا کرتے رہیں تو یقیناً حسن سلوک کے مستحق ہیں۔
* لوگوں کے مالی حقوق میں بے ضابطگی سے بہت اجتناب کرنا اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔ ان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا۔ اس باب میں عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں فرمایا: تم ان سے ان کے اموال کی زکاۃ وصول کرنا اور انھی کے فقراء میں تقسیم کر دینا۔[1]

معاشرتی حوالے سے وصیت

* رعایا کی خبر گیری، عوام سے حسن سلوک اور ان کی ضروریات کی تکمیل کرنا۔ مال فے اور دیگر عطیات سے ان کے حصے انھیں بہم پہنچانا۔ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت میں ذکر فرمایا: تم ضرورت کے وقت لوگوں کے عطیات میں رکاوٹ پیدا نہ کرنا۔
* ناروا ترجیح، طرف داری اور خواہشات کی پیروی سے اجتناب کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ رعایا باغی ہو جائے، معاشرے میں فساد پھیلے اور انسانی تعلقات اضطراب کا شکار ہو جائیں، اس بارے میں عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کسی کو ترجیح دینے اور طرف داری کرنے سے اجتناب کرنا۔ کسی امیر کو فقیر پر ترجیح نہ دینا۔

---

[1] الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص: 175,174.

❁ رعایا کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی بہت عزت کرنا کیونکہ یہ بلند ترین اخلاق اور اعلیٰ معاشرتی عادات ہی ہیں جو رعایا کو اپنے خلیفہ پر حددرجہ مہربان اور قریب تر کر دیتی ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں فرمایا: میں بڑی تاکید سے حکم دیتا ہوں کہ تم تمام مسلمانوں پر رحم کرنا، ان کے بڑوں کی عزت کرنا، چھوٹوں سے شفقت کا برتاؤ کرنا اور علمائے کرام کا بہت احترام کرنا۔

❁ رعایا کے لیے اتنی بے تکلفی کی فضا ضرور پیدا کرنا کہ وہ اپنی شکایات کھلے دل سے پیش کر سکے۔ ہر مستحق انصاف کو انصاف ضرور دلانا کیونکہ بے انصافی سے لوگوں کے باہمی تعلقات خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور الجھنوں میں اضافے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی لیے فرمایا: لوگوں پر اپنے دروازے بند مت کرنا، اس طرح طاقتور لوگ کمزوروں کو ہڑپ کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔

❁ اتباع حق کرنا اور اسے اسلامی معاشرے میں بالفعل نافذ کرنے کی کوشش کرنا۔ حالات وظروف چاہے کیسے ہی ہوں حق کا دامن بہرحال مضبوطی سے تھامنا۔ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم حق کا راستہ اپنانا اور گہرائی میں جا کر حق تلاش کرنا۔ لوگوں کو برابری کا مقام دینا۔ غاصب کو کوئی رعایت نہ دینا۔

❁ ہر حال میں ظلم سے اجتناب کرنا۔ مسلمان ہوں یا ذمی سب کے مابین عدل و انصاف کا قیام ضروری ہے تاکہ اسلامی عدل و انصاف کی بدولت سب لوگ اپنا حصہ حاصل کر سکیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے تاکید فرمائی: میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کا بڑا دھیان رکھنا۔ ان پر نہ خود ظلم کرنا نہ کسی اور کو ظلم کی اجازت دینا۔

❁ بادیہ نشینوں سے حسن سلوک کرنا اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں بادیہ نشینوں سے حسن سلوک کی تلقین کی اور انھیں عرب کی بنیاد اور اسلام کا

اثاثہ قرار دیا۔[1]

※ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک وصیت یہ تھی کہ میرے کسی عامل کو ایک سال سے زیادہ اس کے منصب پر قائم نہ رکھنا، البتہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو چار سال تک اسی منصب پر قائم رکھنا۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آخری لمحات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری لمحات خود دیکھے اور اس طرح بیان فرمائے: میں عمر رضی اللہ عنہ پر حملے کے بعد ان کے پاس گیا۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ کو جنت مبارک ہو! جب لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا تو آپ نے اسلام کا راستہ اختیار کیا۔ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استخفاف کی کوشش کی تو آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ آپ سے راضی تھے۔ آپ کی خلافت کے بارے میں دو فرد بھی باہم مخالف نہ تھے۔ اب اللہ تعالیٰ آپ کو شہادت کی موت عطا فرما رہا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بات سن کر فرمایا: اپنی بات پھر کہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ساری بات دہرا دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر میرے پاس دنیا جہاں کے سونے چاندی کے خزانے بھی ہوں تو میں قیامت کی ہولناکی سے بچنے کے لیے فدیے میں دے دوں۔[3]

صحیح بخاری میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَرِضَاهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ مَنٌّ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى مَنَّ بِهٖ عَلَيَّ، وَأَمَّا مَا تَرٰى مِنْ جَزَعِي

① الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص: 173-175. ② عصر الخلافة الراشدة، ص: 102. ③ صحيح التوثيق في سيرة و حياة الفاروق، ص: 383.

فَهُوَ مِنْ أَجْلِكَ وَأَجْلِ أَصْحَابِكَ، وَاللّٰهِ لَوْ أَنَّ لِي طِلَاعَ الْأَرْضِ ذَهَبًا لَّافْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَبْلَ أَنْ أَرَاهُ» ''اے ابن عباس! تم نے جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور میری بابت ان کی رضامندی کا تذکرہ کیا یہ تو اللہ پاک کا مجھ پر خصوصی احسان تھا اور اب جو تم میری پریشانی دیکھ رہے ہو تو یہ تمھارے اور تمھارے دوستوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس دنیا و مافیہا کے خزانے بھی ہوں تو اللہ کا عذاب دیکھنے سے پہلے اس سے بچنے کے لیے فدیے میں دے دوں۔''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے عذاب سے انتہائی خوفزدہ رہتے تھے باوجودیکہ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں جنت کی بشارت دے رکھی تھی اور وہ خود اللہ کی زمین میں اللہ کا قانون نافذ کرنے، عدل و انصاف یقینی بنانے، زہد اختیار کرنے، جہاد کرنے اور دیگر نیک اعمال کی انجام دہی میں مرمٹے تھے، پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ سے کس قدر ڈرتے تھے۔ ان کے اس طرزِ عمل میں اللہ کے سخت عذاب اور قیامت کی ہولناکیوں سے بچنے کی خاطر تمام مسلمانوں کے لیے کتنا مؤثر سبق موجود ہے۔[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام کی سرگزشت اس طرح بیان فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سب سے آخر میں میں ان سے ملا تھا۔ جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو ان کا سر ان کے بیٹے عبداللہ کی گود میں تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا چہرہ زمین پر رکھ دو۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ کیا میری ران اور زمین ایک ہی نہیں ہیں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے دوسری یا تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا: تمھاری ماں نہ رہے! میرا چہرہ زمین پر رکھ دو، پھر اپنے دونوں پاؤں آپس میں جوڑ لیے اور فرمایا: «وَيْلِي وَوَيْلُ أُمِّي إِنْ لَّمْ يَغْفِرِ اللّٰهُ لِي» ''اگر اللہ رب العزت نے مجھے معاف نہ فرمایا تو میرے اور میری ماں کے لیے ہلاکت ہے۔'' انھوں نے یہی الفاظ کہے تھے کہ اس

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3692. [2] التاريخ الإسلامي: 19/33.

کے بعد ان کی روح پرواز کرگئی۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل میں اللہ کا کس قدر خوف موجزن ہے۔ ان کے لبوں پر آخری الفاظ یہی تھے کہ اگر معافی نہ ملی تو میرے اور میری ماں کے لیے ہلاکت ہے، حالانکہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طاقتوں سے جس قدر واقف ہوتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے اصرار کیا تھا کہ میرا چہرہ زمین پر رکھ دو۔ یہ بات اس امر کی علامت تھی کہ وہ رب ذوالجلال کی تعظیم میں اپنے آپ کو ذلیل و حقیر کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی دعا کی قبولیت یقینی ہو جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کی یہ آخری تصویر ان کے اللہ تعالیٰ سے بہت گہرے تعلق اور ہر آن قادر مطلق کا دھیان کرنے کی گواہی دیتی ہے۔[2]

تاریخِ وفات اور عمر مبارک

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ 23 ہجری 26 یا 27 ذوالحجہ بروز بدھ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ صحیح قول کے مطابق ان کی عمر 63 برس تھی۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت 10 سال، 6 ماہ اور کچھ دن تھی۔[4]

تاریخ ابی زرعہ میں حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تینوں اصحاب 63,63 برس کی عمر میں فوت ہوئے۔[5]

---

[1] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 360/3، و صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 383.
[2] التاريخ الإسلامي: 45,44/19. [3] تهذيب التهذيب: 387/7، بحواله محض الصواب: 840/3.
[4] سير السلف لأبي القاسم الأصفهاني: 160/1. [5] صحيح مسلم، حديث: 2352، ومحض الصواب: 843/3.

غسل اور نماز جنازہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کو غسل دے کر کفنایا گیا اور ان کی نماز جنازہ بھی ادا کی گئی اور وہ شہید تھے۔[1]

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جو مظلوم مسلمان شہید کر دیا جائے اسے غسل دیا جائے گا یا نہیں؟ علماء کے اس بارے میں دو قول ہیں:

① اسے غسل دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا سانحہ ان کی دلیل ہے۔[2]

② نہ اسے غسل دیا جائے گا اور نہ اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ اس قول کے قائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غسل دینے اور ان کی نماز جنازہ ادا کرنے کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہونے کے بعد کچھ مدت تک زندہ رہے اور کسی معرکے کا شہید بھی اگر زخمی ہونے کے بعد اتنی مدت زندہ رہے کہ کچھ کھا پی لے، کچھ لمحات بحالت زندگی گزار لے تو اسے بھی غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہونے کے بعد کچھ عرصہ زندہ رہے۔ انھوں نے پانی بھی پیا۔ طبیب کی تجویز کردہ دوا بھی پی۔ یہی وجہ تھی کہ انھیں غسل بھی دیا گیا اور ان کی نماز جنازہ بھی ادا کی گئی۔[3]

نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

علامہ ذہبی فرماتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔[4] علامہ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علی بن حسن رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟ انھوں نے فرمایا: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے۔ علی بن حسن رحمہ اللہ نے پوچھا: انھوں نے کتنی تکبیرات

---

① الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 366/3. اس کی سند صحیح ہے۔ ② الإنصاف للمرداوي: 503/2، ومحض الصواب: 844/3. ③ محض الصواب: 845/3. ④ محض الصواب: 845/3.

کہی تھیں؟ سعید رحمہ اللہ نے جواب دیا: چار۔ علی نے پوچھا: نماز جنازہ کس مقام پر ادا کی گئی؟ جواب ملا کہ قبر اور منبر کے درمیان۔[1]

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں نے دیکھا کہ پنجگانہ نماز کی امامت حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو انھوں نے نماز جنازہ کے لیے بھی انھی کو آگے کر دیا، چنانچہ صہیب رضی اللہ عنہ ہی نے عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آخری لمحات میں ان چھ افراد میں سے کسی کو بھی امامت نماز کا منصب تفویض نہیں کیا جن میں سے کوئی ایک ممکنہ طور پر خلیفہ منتخب ہوسکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مقدس حضرات میں سے کسی کو امامت کا فرض اس لیے نہیں سونپا کہ ان میں سے جس کو بھی وہ نماز کی امامت سونپیں گے وہ اس کے لیے وجہِ فضیلت بن کر اسی کے خلیفہ منتخب کیے جانے کا جواز بن جائے گی۔

عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بہت عظیم شخصیت تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں فرمایا تھا: «نِعْمَ الْعَبْدُ صُهَيْبٌ لَّوْ لَمْ يَخَفِ اللّٰهَ لَمْ يَعْصِهِ» ''صہیب بہت اعلیٰ انسان ہیں اگر وہ اللہ سے نہ بھی ڈرتے تو پھر بھی اس کی نافرمانی نہ کرتے۔''[3]

تدفین

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ حجرۂ نبویہ میں دفن ہوئے۔[4]

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر میں چار افراد عثمان، سعید بن زید، صہیب اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اترے تھے۔[5]

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 366/3. اس روایت کی سند میں خالد بن الیاس راوی متروک ہے۔
[2] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 367/3، ومحض الصواب: 845/3. [3] مجموع الفتاویٰ: 240/15. [4] محض الصواب: 846/3. [5] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 368/3.

ہشام بن عروہ فرماتے ہیں ولید بن عبدالملک کے دورِ امارت میں دیوار گرنے کی وجہ سے حجرے میں موجودہ قبروں کا ایک حصہ گر گیا۔ جب اس کی مرمت کا کام ہورہا تھا تو اس وقت ایک قدم ظاہر ہوگیا۔ لوگ گھبرا گئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ یہ تو نبی ﷺ کا قدم مبارک ہے۔ انھیں کوئی ایسا شخص نہ ملا جسے اس کے بارے میں علم ہو۔ یہاں تک کہ عروہ نے کہا: «لَا وَاللّٰهِ! مَاهِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ ﷺ، مَاهِيَ إِلَّا قَدَمُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ» ''اللہ کی قسم! یہ نبی ﷺ کا قدم مبارک نہیں ہے بلکہ یہ تو عمر رضی اللہ عنہ کا قدم مبارک ہے۔''[1]

گزشتہ صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے دونوں ساتھیوں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کی تھی تو انھوں نے اجازت مرحمت فرما دی تھی۔

ہشام بن عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ جب کوئی صحابی رسول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عمر رضی اللہ عنہ جیسا پیغام بھیجتا تھا تو وہ فرماتی تھیں: «لَا وَاللّٰهِ! لَا أُوثِرُهُمْ بِأَحَدٍ أَبَدًا» ''اللہ کی قسم! میں کسی کو وہاں دفن ہونے کی اجازت نہیں دوں گی۔''[2]

علماء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی ﷺ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما مسجدِ نبوی میں موجودہ مقام ہی میں مدفون ہیں۔[3]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جذبات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انھیں چار پائی پر لٹایا گیا تو لوگ ان کی چار پائی کے گرد جمع ہوگئے۔ وہ ان کے لیے دعائیں کرنے لگے اور کلمات خیر کہنے لگے۔ اچانک مجھے ایک آدمی نے کندھے سے پکڑ لیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت کی دعا

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1390. [2] محض الصواب: 847/3. [3] محض الصواب: 847/3.

کی اور نہایت درد ناک لہجے میں فرمایا: آپ نے اپنے پیچھے کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جسے دیکھ کر مجھ میں یہ خواہش پیدا ہو کہ میں بھی اس شخص کے اعمال جیسے اعمال کروں۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے سابقہ دونوں ساتھیوں کی معیت نصیب فرمائے گا۔ مجھے یاد ہے کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اکثر اوقات یہی جملے سنا کرتا تھا: ''میں ابوبکر اور عمر گئے، میں ابوبکر اور عمر داخل ہوئے اور میں ابوبکر اور عمر باہر نکلے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے مسلمانوں پر اثرات اور ان کے تاثرات

عمر رضی اللہ عنہ کا سانحۂ شہادت مسلمانوں کے لیے انتہائی الم انگیز واقعہ تھا۔ یہ کوئی عام معمول والی بات نہیں تھی کہ عام لوگوں کی طرح پہلے عمر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور پھر انتقال کر گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر کی امامت کرا رہے تھے کہ اچانک یہ ہوشربا حادثہ پیش آیا۔

اس حادثۂ فاجعہ کے بعد مسلمانوں پر اس قدر افسردگی اور کرب ناک حالت طاری ہوگئی کہ اسے صحیح طور پر بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ عمرو بن میمون فرماتے ہیں: «وَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ تُصِبْهُمْ مُّصِيبَةٌ قَبْلَ يَوْمَئِذٍ» ''گویا ایسی حالت ہوگئی جیسے اس سے پہلے مسلمانوں کو کبھی کوئی تکلیف یا مصیبت ہی نہیں پہنچی تھی۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سانحے کے بعد لوگوں کے جذبات جاننے کے لیے نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ سب لوگ اس طرح رو رہے تھے جیسے ان کی جوان اولاد فوت ہوگئی ہے۔[2]

بلاشبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مینارۂ ہدایت تھے۔ وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے تھے۔ یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ لوگ ان کی وفات سے اس قدر متاثر ہوئے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3685. [2] العشرة المبشرون بالجنة لمحمد صالح عوض، ص: 44. [3] العشرة المبشرون بالجنة لمحمد صالح عوض، ص: 44.

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو انھوں نے امامت کے لیے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا اور تین دن تک لوگوں کو کھانا کھلاتے رہے تاکہ لوگ ایک فرد کی خلافت پر اتفاق کرلیں۔ جب دستر خوان بچھائے گئے تو لوگوں سے ایک نوالہ بھی نہ نگلا گیا۔ انھوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! بلاشبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو ہم نے ان کے بعد کھایا بھی اور پیا بھی! ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تب بھی کھایا پیا۔ انسان کو زندگی میں کھانے پینے کی حاجت بہرحال ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے پہلے خود لقمہ اٹھایا، پھر لوگوں نے بھی کھایا۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر فرماتے تو اتنا روتے تھے کہ فرش کی کنکریاں بھیگ جاتی تھیں۔ وہ فرماتے تھے: یقیناً عمر رضی اللہ عنہ اسلام کا مضبوط قلعہ تھے۔ لوگ ان کے دور میں اسلام میں داخل ہوئے تھے خارج کوئی نہ ہوا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے تو اس قلعے میں شگاف پڑ گیا اور لوگ اسلام سے خارج ہونے لگے۔[2]

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے فرمایا کرتے تھے: «إِنْ مَّاتَ عُمَرُ رَقَّ الْإِسْلَامُ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي مَا تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْتَغْرُبُ وَأَنِّي أَبْقٰى بَعْدَ عُمَرَ» ''عمر فوت ہو گئے تو اسلام کمزور ہو جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد زندگی پاؤں، چاہے اس کے بدلے مجھے دنیا کی ہر وہ چیز مل جائے جس پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔'' ان سے سوال کیا جاتا کہ آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں؟ تو وہ فرماتے تھے: اگر تم زندہ رہے تو خود بخود سمجھ جاؤ گے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد چاہے کوئی بھی خلیفہ مقرر ہو جائے، اگر اس نے عمر رضی اللہ عنہ کی طرح لوگوں سے سلوک کرنا چاہا تو لوگ اس کی اطاعت نہیں کریں گے نہ اس خلیفہ کو برداشت کریں گے اور اگر وہ ان کے سامنے

---

[1] محض الصواب: 855/3. [2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 284/3.

کمزور پڑ گیا تو لوگ اسے قتل کر ڈالیں گے۔[1]

شہادت عمر سے حاصل ہونے والے اسباق

مسلمانوں کے خلاف کافروں کے دلوں میں موجود کینے کا ثبوت

مسلمانوں کے خلاف کافروں کے دلوں میں ہمیشہ کینہ رہتا ہے۔ اس کا ثبوت مجوسی ابولؤلؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے مہیا کر دیا۔ تمام کفار کی ہر دور میں ہر جگہ یہی فطرت رہی ہے۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لیے کینہ، حسد اور بغض کے سوا کچھ نہیں۔ وہ اہل ایمان کے خلاف ہر آن شر، ہلاکت اور بربادی کی آس لگائے رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے دین سے برگشتہ ہو کر مرتد ہو جائیں۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعۂ شہادت کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو کینے اور بغض کے مارے ابولؤلؤ مجوسی کے اس سفاکانہ فعل سے دو باتیں سامنے آتی ہیں جو اس عجمی کافر کے دل میں موجود عمر رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کے خلاف کینے کی نشاندہی کرتی ہیں۔ وہ دو باتیں یہ ہیں:

❁ علامہ ابن سعد رحمہ اللہ طبقات کبریٰ میں صحیح سند سے امام زہری سے روایت کرتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن اس مجوسی سے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ میں ہوا سے چلنے والی چکی بنا سکتا ہوں۔ یہ سن کر اس مجوسی کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اس نے پلٹ کر کہا: جی ہاں! میں آپ کے لیے ایسی چکی تیار کروں گا کہ لوگوں میں اس کا چرچا پھیل جائے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: «أَوْعَدَنِي الْعَبْدُ» ”اس مجوسی نے مجھے دھمکی دی ہے۔“[3]

---

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد: 284/3، والعشرة المبشرون بالجنة، ص: 44. [2] سير الشهداء دروس و عبر لعبد الحميد السحيباني، ص: 36. [3] الطبقات الكبرى لابن سعد: 345/3، اس روایت کی سند صحیح ہے۔

❁ دوسری بات جو اس مجوسی کے سینے میں موجود کینے پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیرہ دیگر صحابیوں کو بھی زخمی کیا جن میں سے سات شہید ہو گئے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ عجمی کافر دو دھاری چھری لے کر حملہ آور ہوا۔ وہ جہاں سے بھی گزرا دائیں بائیں لوگوں کو زخمی کرتا گیا یہاں تک کہ 13 افراد زخمی کر دیے جن میں سے سات شہید ہو گئے۔[1]

بالفرض اگر اس سفاک مجوسی کے نزدیک عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی زیادتی بھی کی تھی تو ان دیگر افراد کا کیا قصور تھا؟ اور اللہ کی پناہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر ظلم کیا ہو۔ صحیح بخاری کی اسی روایت میں ہے جب عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: دیکھو مجھے کس نے مارا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما تھوڑی دیر میں صورت حال معلوم کر کے واپس آئے اور عرض کیا: مغیرہ کے غلام نے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: وہ جو کاریگر ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: جی ہاں! عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اسے برباد کرے میں نے تو اس کے بارے میں اچھا حکم دیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری موت کسی ایسے فرد کے ہاتھ سے نہیں لکھی جو اسلام کا دعویدار ہو۔[2]

دشمنان اسلام نے اپنے محبوب ابولؤلؤ کی گمنام مجاہد کے طور پر ایران میں ایک یادگار تعمیر کر رکھی ہے۔ نجف کے ایک عالم دین سید حسین موسوی فرماتے ہیں: خوب جان لو! ایرانی شہر کاشان کے محلّہ باغِ فین میں ایک گمنام مجاہد کی یادگار تعمیر کی گئی ہے۔ اس میں ایک فرضی قبر بھی بنائی گئی ہے۔ اسے ابولؤلؤ فیروز مجوسی کی قبر ظاہر کیا جاتا ہے جس نے خلیفۂ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ قبر ”مرقد بابا شجاع الدین“ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے معنی ہیں: ”دین کا انتہائی دلیر آدمی۔“ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں نے اسے یہ لقب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے پر دے رکھا ہے۔ اس آستانے پر فارسی

---

[1] صحیح البخاري، حدیث:3700. [2] صحیح البخاري، حدیث:3700.

زبان میں یہ جملہ لکھا ہوا ہے: مرگ بر ابوبکر، مرگ بر عمر، مرگ بر عثمان، جس کے معنی ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے موت، عمر رضی اللہ عنہ کے لیے موت اور عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے موت...... استغفر اللہ! نقلِ کفر، کفر نہ باشد!

ایرانی شیعہ اس آستانے کی زیارت کرنے کے لیے آتے ہیں اور یہاں بہت سے نذرانے اور چندے جمع کراتے ہیں۔ میں نے یہ آستانہ خود دیکھا ہے۔ اب حکومت ایران نے اسے از سر نو نہایت کشادہ اور وسیع بنانے کا حکم دیا ہے۔ ایرانی شیعوں نے اس آستانے کی یادگار کی تصویر ڈاک کے ٹکٹوں اور پوسٹ کارڈوں پر بھی شائع کر رکھی ہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انکسار اور خشیت الٰہی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انکسار اور خشیت الٰہی، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر ہر وقت چھائے رہتے تھے، کا ثبوت ان کا وہ فرمان تھا جو شہادت سے تھوڑی دیر پہلے ان کی زبان پر جاری ہوا۔ انھوں نے کہا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَجْعَلْ مِيتَتِي بِيَدِ رَجُلٍ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ» ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری موت کسی ایسے آدمی کے ہاتھوں نہیں لکھی جو اسلام کا دعویدار ہو۔''[2]

قریبی ہوں یا دور کے رہنے والے، عربی ہوں یا عجمی، مقامی ہوں یا غیر مقامی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بے لاگ عدل و انصاف کے سبھی قائل تھے۔ اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ڈر تھا کہ مبادا ان سے کسی پر ظلم ہو گیا ہو اور اس نے انتقاماً انھیں خنجر مارا ہو اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور وہ ان سے جھگڑا کرے۔ ابن شہاب زہری کی روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری موت ایسے شخص کے ہاتھوں لکھی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھ سے ایک بھی سجدے کے بل پر جھگڑا نہیں کر سکے گا۔ مبارک

[1] لِله ثم للتاريخ كشف الأسرار وتبرئة الأئمة الأطهار، ص: 94. قارئین Google پر ابو لؤلؤ المجوسی لکھ کر اس آستانے کی تصاویر دیکھ سکتے ہیں۔ [2] صحيح البخاري، حديث:3700.

بن فضالہ کی روایت میں سجدہ کی بجائے «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» کے الفاظ آئے ہیں۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر خلیفۂ وقت کا یہ ارشاد حیرت انگیز تھا۔ تمام مسلمانوں خاص طور پر امت مسلمہ کے مصلحین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی سیرت اپنانی چاہیے۔ ان کے برتاؤ میں بڑی عاجزی اور انکسار ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے امتِ مسلمہ کو اسی طرح فائدہ پہنچائے جس طرح ہمارے اسلافِ کرام کے ذریعے پہنچایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کے خدمت گزاروں میں سرفہرست تھے۔ ہم سب کو اپنی زندگی کے احوال کا جائزہ لینا چاہیے اور ہمارا فکری مقولہ شاعر کے اس قول جیسا ہونا چاہیے:

''ہائے افسوس! ہائے بدبختی ...... اس دن، جبکہ میرا اعمال نامہ کھول دیا جائے گا۔''

''ہائے اس لمبے زمانے کا غم اور وحشت اگر مجھے اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں تھما دیا گیا۔''

''آہ! جب مجھ سے زندگی کی کارگزاریوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو اس وقت میرے پاس کیا جواب ہوگا۔''

''ہائے سوزش قلب! ایسا نہ ہو کہ میرا دل سنگدلوں میں شمار کیا جائے۔''

''ہائے افسوس! میں نے آگے نہیں بھیجا کوئی عمل یوم حساب کے لیے۔''

''بلکہ میں نے اپنی بدبختی سے اور قساوت قلبی سے عذاب کو دعوت دی۔''

''میں نے اعلانیہ گناہ کیے بیتے ہوئے دنوں میں۔''

''اف! ایسے عظیم مالک کے سامنے جس سے ذرہ برابر بھی کوئی گناہ اوجھل نہیں رہتا۔'' [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حقیقی عجز وانکسار

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے انکسار پر ان کی وہ درخواست کیسی عجیب اور عظیم گواہی ہے جو

---

[1] سیر الشهداء دروس و عبر، ص:40. [2] الرقائق لمحمد أحمد الراشد، ص:122,121.

انھوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی۔ شہادت کے وقت انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بیٹے! ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، انھیں میرا سلام عرض کرو۔ دیکھو ان کے حضور مجھے امیر المؤمنین نہ کہنا بلکہ عمر بن خطاب کہنا کیونکہ اب میں مومنوں کا امیر نہیں ہوں۔ [1]

اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو جو وصیت کی وہ بھی ان کی عاجزی کی آئینہ دار ہے۔ انھوں نے فرمایا: جب میں فوت ہو جاؤں تو میری میت اٹھانا، بعدازاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور ایک دفعہ پھر میرے دفن ہونے کی اجازت مانگنا۔ اگر وہ اجازت مرحمت فرمائیں تو مجھے حجرے میں لے جانا، ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں سپرد خاک کر دینا۔ [2]

اللہ تعالیٰ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر ہمیشہ لامحدود رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں بھی ان کی سیرت طیبہ، خاص طور پر ان جیسی عاجزی، اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک غایت درجہ متقی اور انتہائی متواضع انسان کی حیثیت سے اعلیٰ سے اعلیٰ اجر عطا فرمائے، یقیناً ہمارا رب کریم ہماری دعائیں سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ [3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا عظیم ایثار

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے عظیم ایثار پر ان کی وہ قربانی دلالت کرتی ہے جو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بلاتأمل دے دی۔ وہ خود اپنے شوہر گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد محترم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن ہونے کی آرزومند تھیں لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے وہاں دفن ہونے کی درخواست کی تو انھوں نے زبردست قربانی کا مظاہرہ کیا۔ اور اپنا گوشۂ مدفن بلاتأمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا اور فرمایا: میں نے یہ

[1] صحيح البخاري، حديث: 3700. [2] صحيح البخاري، حديث: 3700. [3] سير الشهداء، ص: 41.

جگہ اپنے لیے رکھی تھی لیکن آج میں عمر رضی اللہ عنہ کو خود پر ترجیح دیتی ہوں۔[1]

مرض الموت میں بھی امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کا اہتمام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ میں امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے کا ولولہ اس قدر شدت سے رچ بس گیا تھا کہ وہ موت کی سختیوں کا مقابلہ کر رہے تھے مگر اس حالت میں بھی دعوت وتبلیغ کے فرض سے غافل نہیں تھے۔

ایک نوجوان عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عیادت کے لیے حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ کو مبارک ہو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ساتھی رہے، پہلے پہل اسلام لانے والوں میں آپ کا شمار ہوا، پھر ایک وقت آیا کہ آپ خلیفۃ المسلمین بنے، عدل وانصاف میں نام پیدا کیا اوراب آپ کی زندگی کا اختتام شہادت پر ہو رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَدِدْتُ أَنَّ ذٰلِكَ كِفَافٌ لَّا عَلَيَّ وَلَا لِي» ''میری تمنا تو یہ ہے کہ میں اللہ کے دربار میں برابر سرابر ہی بری ہو جاؤں۔ نہ مجھے اس میں سے کچھ ملے نہ مجھ پر کوئی چیز بوجھ بنے۔'' جب یہ نوجوان واپس جانے کے لیے اٹھا تو اس کا ازار زمین کو چھو رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا: اس لڑکے کو میرے پاس واپس لاؤ، پھر فرمایا: «ابْنَ أَخِي! ارْفَعْ ثَوْبَكَ فَإِنَّهُ أَنْقٰى لِثَوْبِكَ وَأَتْقٰى لِرَبِّكَ» ''اے بھتیجے! اپنا تہبند اونچا کرلو۔ ایسا کرنے میں تمھارے تہبند کی طہارت اور دل کا تقویٰ مضمر ہے۔''[2]

عمر رضی اللہ عنہ موت کی ہچکیوں میں بھی امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کے فریضے سے غافل نہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں عمر بن شبہ نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ عمر پر رحمت فرمائے! موت کی کش مکش میں بھی وہ حق بات کے اظہار سے نہیں رکے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3700. [2] صحيح البخاري، حديث: 3700. [3] فتح الباري: 65/7، وسير الشهداء، ص: 42.

زندگی کے آخری لمحات میں فریضۂ امر بالمعروف پوری ہمت سے ادا کرنے پر ان کے وہ الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں جو انھوں نے اپنی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمائے۔ وہ اپنے گرامی قدر باپ کو موت کی سختیوں میں مبتلا دیکھ کر دل گرفتہ ہوگئیں۔ انھوں نے سسک کر کہا: اے رسول اللہ کے صحابی! اے رسول اللہ کے سُسر! اے امیر المؤمنین! عمر رضی اللہ عنہ صاحبزادی کے یہ الفاظ سن کر چونکے۔ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے فرمایا: عبداللہ! مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ میں نے جو کچھ سنا ہے اس پر مجھ سے صبر نہیں ہو رہا۔ انھیں ٹیک لگا کر بٹھا دیا گیا۔ انھوں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «إِنِّي أُحَرِّجُ عَلَيْكِ بِمَا لِي عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ أَنْ تَنْدُبِينِي بَعْدَ مَجْلِسِكِ هٰذَا فَأَمَّا عَيْنُكِ فَلَنْ أَمْلِكَهَا» ”میری بیٹی! میں اپنا وہ حق بروئے کار لاتا ہوں جو میرا تجھ پر ہے، لہٰذا میں اب کے بعد ممنوع قرار دیتا ہوں کہ تو اس انداز سے رو پیٹ کر میرے محاسن بیان کرے۔ ہاں اگر آنکھ سے آنسو نکل پڑے تو اس پر کوئی اختیار نہیں۔“[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو حفصہ رضی اللہ عنہا نے بلند آواز سے آہ و بکا کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بیٹی! کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا: «إِنَّ الْمُعَوَّلَ عَلَيْهِ يُعَذَّبُ» ”جس آدمی پر نوحہ اور چیخ و پکار کی جائے اسے عذاب دیا جاتا ہے؟“ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ آئے اور بڑے قلق سے گریہ و زاری کرتے ہوئے کہا: ہائے عمر! عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «يَاصُهَيْبُ، أَمَا بَلَغَكَ أَنَّ الْمُعَوَّلَ عَلَيْهِ يُعَذَّبُ؟» ”اے صہیب! تم پر بڑا افسوس ہے کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ جس میت پر آہ و زاری کی جائے اسے عذاب دیا جاتا ہے؟“[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جذبۂ اظہارِ حق پر ان کا وہ جملہ بھی بہت بڑی دلیل ہے جو انھوں

[1] مناقب أمير المؤمنين، ص: 230، والحسبة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 27. [2] صحيح مسلم، حديث: 927، وفضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل: 418/1، اس روایت کی سند صحیح ہے۔

نے شدید زخمی ہونے اور بہت سا خون بہہ جانے کی حالت میں اس آدمی کے جواب میں ارشاد فرمایا جس نے کہا تھا کہ آپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ مقرر کر دیجیے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: «وَاللّٰهِ! مَا أَرَدْتُّ اللّٰهَ بِهٰذَا» ''اللہ کی قسم! میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی تمنا نہیں کی تھی۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو ان کی تعریف و تحسین

لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رو برو ان کی تعریف کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ تعریف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے کسی فتنے کا سبب نہیں بنے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے، جو انتہائی للّٰہیت رکھنے والے عالم دین اور عظیم فقیہ تھے، فرمایا: اے امیر المومنین! کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کی تھی کہ وہ آپ کے اسلام لانے کے بعد دین اور مسلمانوں کو مضبوطی عطا فرمائے۔ یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان مشرکین مکہ کی ایذارسانی سے خائف رہتے تھے۔ جب آپ مسلمان ہوگئے تو آپ کا اسلام لانا مسلمانوں کے لیے باعثِ قوت بنا۔ آپ کی وجہ سے گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ گھر گھر رزق کی فراوانی ہوگئی اور آپ کی زندگی کا خاتمہ شہادت کی موت سے ہو رہا ہے، اس لیے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ان توصیفی کلمات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں کسی قسم کا منفی اثر پیدا کیا اور نہ وہ غرور میں آئے بلکہ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: «وَاللّٰهِ! إِنَّ الْمَغْرُورَ مَنْ تَغُرُّونَهُ» ''اللہ کی قسم! تمھارے الفاظ سے وہ شخص دھوکا کھائے گا جو ان سے متاثر ہوگا۔''[2]

کیا کعب احبار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی سازش میں شریک تھے؟

کعب احبار کا پورا نام کعب بن ماتع الحمیری تھا۔ کنیت ابو اسحاق تھی۔ وہ کعب احبار

---

[1] سیر الشھداء دروس و عبر، ص: 43. [2] سیر الشھداء دروس و عبر، ص: 45.

کے نام سے مشہور تھے۔ انھوں نے جوانی کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ مبارک پایا لیکن اسلام کی دولت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نصیب ہوئی۔[1]

اسلام لانے سے پہلے مشہور تھا کہ وہ یمن کے علاقے میں یہودیوں کے بہت بڑے عالم ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کتاب و سنت کا علم حاصل کیا، جبکہ صحابۂ کرام اور دیگر افراد نے ان سے سابقہ امتوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ کعب نے شام کی طرف ہجرت کی۔ حمص میں اقامت فرمائی اور وہیں وفات پائی۔[2]

حضرت کعب احبار پر امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کا الزام ہے۔ اس روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لائے۔ اگلے دن ان کی خدمت میں حضرت کعب احبار حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! غور سے سن لیجیے! آپ تین دن کے اندر اندر فوت ہونے والے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: تمھیں اس بات کا علم کس طرح ہوا؟ کعب احبار نے جواب دیا: میں آپ کی موت کا تذکرہ اللہ کی کتاب تورات میں پاتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! کیا واقعی میرا نام تورات میں لکھا ہے؟ کعب نے کہا: آپ کا نام نہیں بلکہ آپ کے اوصاف اور حلیہ صاف موجود ہے۔ بس اب آپ کی عمر تمام ہوچکی۔ یہ باتیں کعب احبار نے اس وقت کہیں جب عمر رضی اللہ عنہ کسی بیماری یا تکلیف کا شکار نہیں تھے۔ اگلے دن دوبارہ آئے اور عرض کی کہ اے امیر المؤمنین! ایک دن گزر گیا۔ آج کے دن کے علاوہ بس اب ایک دن اور ایک رات رہ گئی، پھر آئندہ صبح تک آپ کی زندگی ہے۔ راوی فرماتے ہیں: اگلے دن عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز

---

[1] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين لمحمد السيد الوكيل، ص: 294. کعب احبار کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کب اسلام لائے۔ امام زرکلی نے یہ تطبیق دی ہے کہ خلافت صدیقی میں اسلام لائے اور خلافت فاروقی میں مدینہ منورہ آگئے۔ (الأعلام للزركلي: 5/ 228) [2] سير أعلام النبلاء: 3/489-494.

کے لیے گھر سے نکلے۔ انھوں نے صفیں سیدھی کرنے کے لیے کچھ آدمی مقرر کر رکھے تھے۔ جب صفیں سیدھی ہوگئیں، عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نماز پڑھانی شروع کی۔ راوی فرماتے ہیں: ابولؤلؤ ایک دو دھاری خنجر، جس کا دستہ درمیان میں تھا، سے مسلح ہوکر نمازیوں میں شامل ہوگیا۔ اس نے عمر رضی اللہ عنہ پر خنجر کے چھ وار کیے۔ ان میں سے ایک وار ان کی ناف کے نیچے کیا۔ یہی وار ان کی موت کا سبب بن گیا۔[1]

بعض جدید قسم کے مفکرین نے اس روایت سے یہ نتیجہ نکالا کہ کعب احبار امیر المؤمنین کے قتل کی سازش میں ملوث تھے۔

ڈاکٹر جمیل عبداللہ مصری اپنی کتاب ''أثر أهل الكتاب في الفتن والحروب الأهلية في القرن الأول الهجري'' میں، عبدالوہاب النجار اپنی کتاب ''الخلفاء الراشدون'' میں اور استاذ غازی محمد فریج اپنی کتاب ''النشاط السري اليهودي في الفكر والممارسة'' میں اس قسم کا نتیجہ بیان کرتے ہیں۔[2]

ڈاکٹر احمد بن عبداللہ بن ابراہیم الزغیبی نے کعب احبار پر اس اتہام کا جواب یہ دیا ہے کہ میرے نزدیک یہ ایک من گھڑت قصہ ہے جسے علامہ طبری نے خواہ مخواہ بیان کردیا ہے۔ اس قصے میں کوئی صداقت نہیں۔ اس کے کئی اسباب ہیں:

بالفرض اگر اس قصے کو درست تسلیم کرلیا جائے تو کیا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ کعب احبار ہی کے قول پر اکتفا کرتے اور تورات کے دیگر کئی یہودی علماء سے جو مسلمان ہوچکے تھے اس کی تصدیق نہ فرماتے۔ عبداللہ بن سلام اور تورات کے دیگر کئی علماء وہاں موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے اس قصے کی حقیقت کے بارے میں ضرور تحقیق کرتے۔ اگر فی الواقع ایسا ہی تھا کہ کعب احبار قتل کی سازش میں شریک تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تحقیق و تفتیش سے اس کا راز ضرور فاش کردیتے۔ اس طرح ان کی کذب بیانی

---

[1] تاريخ الطبري:5/183,182. [2] العنصرية اليهودية وآثارها في المجتمع الإسلامي:2/519,518.

سامنے آجاتی اور عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو جاتا کہ کعب کوئی حقیقت بیان نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے قتل کی سازش میں شریک تھے یا کم از کم عمر رضی اللہ عنہ یہ سمجھ لیتے کہ کعب کو اس سازش کا علم ضرور ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اس وقت ہر حاکمِ وقت کی طرح مختلف وسائل استعمال فرماتے ہوئے یہ راز طشت از بام کر دیتے اور اس سازش میں شریک افراد کو قرار واقعی سزا دیتے جن میں سے ایک کعب بھی ہوتے۔ ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتہائی ذہین تھے اور معاملہ فہمی اور خبروں کی تحقیق میں بڑی مہارت رکھتے تھے تو دوسری طرف حاکم وقت بھی تھے۔ وہ بہت جلد معاملے کی تہہ تک پہنچ سکتے تھے لیکن ایسا کوئی بھی اقدام نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قصہ ہی من گھڑت ہے۔[1]

اگر مذکورہ قصہ صحیح ہوتا تو کعب کے علاوہ دیگر تورات کے علماء بھی اس سے آگاہ ہوتے اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے دیگر اصحاب بھی اس معاملے سے بے خبر نہ رہتے۔[2]

بالفرض اگر یہ قصہ صحیح ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب تو یہ تھا کہ کعب بذات خود اپنی سازش کا بھید کھول رہے ہیں، حالانکہ یہ امر انسانی طبیعت کے یکسر منافی تھا کیونکہ بدیہی بات یہی ہے کہ جو شخص کسی سازش کا حصہ بنے وہ اس کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے اس سازش کے بعد تا دیر اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور سازش کی تکمیل سے پہلے اسے فاش نہیں کرتا کیونکہ یہ بات غفلت اور بے وقوفی کی نشانی ہوتی ہے۔[3]

تورات لوگوں کی عمریں اور زندگی کی آخری حدیں بیان کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کتابوں کو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ ان میں ایسے قصے بیان نہیں کیے گئے۔[4] لہٰذا اس قصے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔[5]

---

[1] الحديث والمحدثون لمحمد أبي زهو، ص: 182. [2] الحديث والمحدثون أوعناية الأمة الإسلامية بالسنة لمحمد أبي زهو، ص: 182. [3] الحديث والمحدثون أوعناية الأمة الإسلامية بالسنة لمحمد أبي زهو، ص: 182. [4] العنصرية اليهودية: 524/2. [5] العنصرية اليهودية: 524/2.

شیخ محمد ابو زھو ذکر کردہ ان تنقیدی اعتراضات میں سے پہلے چار کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ مذکورہ قصہ بلاشک و شبہ بالکل من گھڑت ہے۔ حضرت کعب کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کر کے اسلام کو نقصان پہنچانے، پھر اسے تورات کی طرف منسوب کرنے کی یہ پوری داستان یکسر باطل ہے۔ اس کی کوئی دلیل ہی موجود نہیں۔[1]

ڈاکٹر سید محمد حسین ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علامہ ابن جریر طبری کا اس روایت کو بیان کر دینا اس واقعے کے صحیح ہونے کی قطعاً دلیل نہیں بن سکتا۔ علامہ ابن جریر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنی تمام روایات میں صحت کا خیال نہیں رکھتے۔ تفسیر طبری کا مطالعہ کرنے والا ان کی اس کتاب میں بہت سی روایات ایسی دیکھے گا جو صحیح نہیں ہیں۔[2]

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ روایت ان مرویات کا حصہ ہو جو سچ یا جھوٹ دونوں پہلوؤں کا احتمال رکھتی ہوں۔ قطعی صحت کے ساتھ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ کتب تاریخ کی ذکر کردہ تمام مرویات ثابت اور صحیح ہیں۔[3]

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت کعب احبار کے بارے میں اکثر کتب صحاح کے مؤلفین کی طرف سے توثیق[4] اور ان کی دیانت، امانت اور سیرت حسنہ کا اعتراف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قصہ ان پر سراسر بہتان ہے۔ ہم کعب احبار کو عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش سے بری سمجھتے ہیں۔ ہم یہ بات بھی ناقابل یقین سمجھتے ہیں کہ کعب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی کسی سازش کا کوئی علم تھا۔ وہ ایسے شخص بھی نہیں تھے کہ اپنی اعلیٰ صفات کے

[1] الحديث والمحدثون، ص: 183. [2] العنصرية اليهودية: 525/2. [3] العنصرية اليهودية: 525/2، والإسرائيليات في التفسير والحديث، ص:99. [4] الإسرائيليات في التفسير والحديث، ص:96.

باوجود اسرائیلی انداز اختیار کرتے اور اس قصے کی ثقاہت ثابت کرنے کے لیے اسے تورات کی طرف منسوب کردیتے۔[1]

وہ مزید فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! کعب احبار یقیناً اس تہمت سے بری ہیں۔ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ تو انتہائی قابلِ اعتماد اور مامون شخصیت تھے۔ وہ یہودیوں کے عالم تھے۔ صرف ان کا نام استعمال کیا گیا اور بہت سی باطل روایات اور خرافات کو خواہ مخواہ ان کی طرف منسوب کردیا گیا تاکہ یہ خرافات عوام الناس میں مشہور ہوجائیں اور ناتجربہ کار جاہل قسم کے لوگ اسے قبول کرلیں۔[2]

ڈاکٹر محمد سید الوکیل فرماتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے والا اس مقام پر سب سے پہلے عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس کردار کا مطالعہ کرے گا کہ عبید اللہ اس وقت اپنے باپ کے بارے میں اس غیر متوقع حادثے کی خبر سنتے ہی تلوار سونت لی اور طیش میں ہرمزان، جفینہ اور ابولؤلؤ کی چھوٹی بیٹی کو قتل کردیا۔ کیا آپ یہ حقیقت تسلیم کرسکتے ہیں کہ عبیداللہ جیسا حساس اور شعلہ مزاج انسان اس کعب احبار کو چھوڑ کر جس کے بارے میں شکوک وشبہات پائے جاتے تھے، ابولؤلؤ کی بیٹی کو قتل کردے؟ جو بھی اس موضوع کا علمی مطالعہ کرے گا وہ یہ بات ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ جمہور مؤرخین نے نہ صرف اس قصے کو بیان نہیں کیا بلکہ اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔ علامہ ابن سعد رحمہ اللہ نے شہادت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ مفصل بیان کیا ہے لیکن کعب احبار کے زیرِ بحث قصے کے بارے میں کسی قسم کا کوئی اشارہ تک نہیں کیا بلکہ وہ لکھتے ہیں: کعب احبار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کھڑے زار و قطار رو رہے تھے اور فرما رہے تھے: «وَاللّٰهِ! لَوْ أَنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يُقْسِمُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُؤَخِّرَهُ لَأَخَّرَهُ» ''اللہ کی قسم! اگر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ پر

[1] الإسرائيليات في التفسير والحديث، ص: 99. [2] الإسرائيليات في التفسير والحديث، ص:99.

اپنی موت مؤخر کرنے کی قسم ڈال دیتے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری فرما دیتا۔" [1]

ایک روایت میں ہے کہ کعب احبار نے طبیب کی زبانی عمر رضی اللہ عنہ کی موت قریب آجانے کی خبر سنی تو وہ ان کی خدمت میں گئے اور کہا: کیا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شہادت کی موت سے سرفراز فرمائے گا، جبکہ آپ فرماتے تھے: یہ کیسے ممکن ہے، میں تو جزیرۂ عرب میں رہتا ہوں۔ [2]

ابن سعد رحمہ اللہ کے علاوہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اپنی مشہور زمانہ کتاب "الاستیعاب" میں کعب احبار کے زیرِ بحث قصے کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ [3]

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابولؤلؤ نے عمر رضی اللہ عنہ کو منگل کی شام قتل کی دھمکی دی تھی اور بدھ کو 26 ذوالحجہ کی صبح کو ان پر حملہ آور ہوا تھا۔ [4]

یوں اس بدبخت کی دھمکی اور حملے کے درمیان صرف چند گھنٹوں کا فرق تھا تو پھر یہ کس طرح سوچا جاسکتا ہے کہ کعب احبار عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ تین دن میں فوت ہوجائیں گے، پھر کہا کہ ایک دن گزر گیا اب آپ کے دو دن باقی رہ گئے، پھر دو دنوں کے بعد کہا کہ اب ایک دن اور رات باقی ہے۔ کعب کے پاس یہ تین دن کہاں سے آگئے، جبکہ رات کو ابولؤلؤ نے دھمکی دی اور اگلے دن اس نے خنجر سے حملہ کر دیا۔

بہت سے مؤرخین ہیں جنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کیا لیکن کعب احبار کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا۔ ان مؤرخین میں علامہ سیوطی کی "تاريخ الخلفاء"، علامہ عصامی کی "سمط النجوم العوالي"، شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے بیٹے عبداللہ کی اپنی اپنی کتاب "مختصر سيرة الرسول"، حسن ابراہیم حسن کی "تاريخ الإسلام السياسي" اسی طرح اور بھی بہت سے دیگر مؤرخین کی اپنی کتابوں

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد: 361/3. [2] الطبقات الكبرى لابن سعد: 340/3. [3] جولة في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 296. [4] البداية والنهاية: 137/7.

میں اس واقعۂ شہادت کا مفصل تذکرہ تمام و کمال موجود ہے لیکن ہم وہاں کعب احبار کے قصے کا کوئی نام و نشان تک نہیں پاتے۔ کیا یہ سب دلائل اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ قصہ ساقط الاعتبار ہے، اس قصے کی کوئی معتبر سند موجود نہیں۔ بس اسے کچھ لوگوں نے مسلمانوں کو کعب سے متنفر کرنے کے لیے بیان کر دیا ہے۔

یہی وہ تحقیق ہے جس سے دل مطمئن اور دماغ پر سکون ہوتا ہے کہ اس واقعے کی کوئی اصلیت نہیں۔ خصوصًا اس وقت جبکہ ہم جان چکے ہیں کہ کعب احبار سچے مسلمان تھے اور صحابہ کے نزدیک انتہائی قابل اعتبار تھے۔[1]

صحابۂ کرام اور سلف صالحین کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خراج تحسین

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے تعظیم: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے حجرے میں تدفین سے پہلے بلا جھجک داخل ہو جاتی تھی کیونکہ وہاں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مدفون تھے لیکن عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ سے مکمل حجاب کے بعد ہی وہاں جاتی تھی۔[2]

قاسم بن محمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جس نے ابن خطاب کو دیکھا اسے خوب علم ہوگا کہ عمر رضی اللہ عنہ اسلام ہی کے فائدے کے لیے اس دنیا میں آئے۔ اللہ کی قسم! وہ انتہائی چاک و چوبند، پھرتیلے اور علم و ہنر میں یکتا تھے۔ انھوں نے ہر کام کے لیے موزوں ترین افراد کا انتخاب کیا۔[3]

حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے لوگو! جب تم کسی مجلس میں عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہو تو وہ مجلس خوشگوار بن جاتی ہے۔[4]

---

[1] جولة في عصر الخلفاء الراشدين، ص:296. [2] محض الصواب:852/3. [3] محض الصواب: 853/3. اس روایت کے تمام راوی سوائے عبدالواحد بن ابی عوف کے ثقہ ہیں۔ عبدالواحد صدوق ہیں اور کبھی کبھار خطا کرتے ہیں۔ [4] محض الصواب:853/3 بحوالہ مناقب أمير المؤمنين، ص:249.

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے تاثرات: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت زار و قطار رونے لگے۔ ان سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو انھوں نے فرمایا: میں اسلام کی وجہ سے روتا ہوں۔ آج اسلام میں ایک ایسا رخنہ پیدا ہوگیا ہے جس کو قیامت تک بند نہیں کیا جاسکے گا۔ ①

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا خراجِ تحسین: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا علم ایک پلڑے میں اور باقی ساری دنیا کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو عمر رضی اللہ عنہ کا علم بھاری نکلے گا۔ ②

انھوں نے مزید فرمایا: میرے خیال کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے علم کے دس حصوں سے نو حصے علم اٹھ گیا۔ ③

مزید فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام فتح کی نوید، ان کی ہجرت تقویت کا باعث، جبکہ ان کی خلافت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نشان تھی۔ ④

سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا اظہارِ خیال: ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے ہر گھر کے دینی اور دنیاوی معاملات میں نقص پیدا ہوگیا ہے۔ ⑤

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کے جذبات: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلام ہمیشہ آگے ہی بڑھتا رہا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو اسلام مسلسل پسپا ہونے لگا۔ ⑥

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا مدح سرائی کرنا: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس وقت

---

① الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 372/3، وأنساب الأشراف، ص: 387. ② مصنف ابن أبي شيبة: 32/12، اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ③ المعجم الكبير للطبراني: 180,179/9 اس کی سند صحیح ہے۔ ④ المعجم الكبير للطبراني: 178/9. اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ ⑤ الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 374/3. ⑥ الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 373/3، اس روایت کی سند صحیح ہے۔

پہنچے جب لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا کر چکے تھے۔ وہ آگے بڑھے اور فرمایا: اے لوگو! اگرچہ تم عمر کی نماز جنازہ ادا کرنے میں مجھ سے سبقت لے گئے لیکن عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جا سکو گے، پھر انھوں نے کہا: اے عمر! آپ انتہائی اعلیٰ اقدار کے مالک اور نہایت عظیم مسلمان تھے۔ حق و صداقت کے لیے انتہائی دلیر اور باطل کے لیے انتہائی سخت مزاحمت کرنے والے تھے۔ آپ اللہ کی رضا پر راضی رہے اور اس کی ناراضی پر ناراض ہوتے رہے۔ آپ نے ضرورت سے زیادہ کسی کی مدح کی نہ ضرورت سے زیادہ کسی پر نکتہ چینی کی۔ آپ کی شہرت بہت اچھی تھی اور آپ نجیب الطرفین تھے۔[1]

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے تعظیمی کلمات: عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: میں عمر کا پڑوسی تھا۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو افضل نہیں پایا۔ ان کی رات عبادت میں اور دن روزہ رکھنے اور لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں گزرتا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ رحلت کر گئے تو میں نے اللہ کے حضور دعا کی کہ میری خواب میں عمر سے ملاقات کرا دے، پھر میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ وہ مدینہ کے بازار میں جواہرات سے آراستہ چلے آ رہے تھے۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا، پھر میں نے کہا: آپ کیسے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: خیریت سے ہوں۔ میں نے پوچھا: کیا ملا؟ انھوں نے فرمایا: «وَلَقَدْ كَادَ عَرْشِي يَهْوِي لَوْلَا أَنِّي وَجَدْتُّ رَبًّا رَّحِيمًا» ''اگر میں اپنے رب کو رحیم و کریم نہ پاتا تو میری ہوا اکھڑ جاتی۔''[2]

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا اظہارِ عقیدت: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دنیا کی خواہش کی نہ دنیا ان کے پاس آئی۔ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دنیا آئی مگر

---

[1] الطبقات الكبرٰى لابن سعد:369/3. [2] تاريخ المدينة:946/3، اس روایت کی سند منقطع ہے، وحلية الأولياء:54/1.

انھوں نے دنیا حاصل نہ کی، ان کے بعد ہم سب ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے دنیا میں لتھڑے ہوئے ہیں۔[1]

سیدنا علی بن حسین رحمہ اللہ کے تعریفی کلمات: ابن ابی حازم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ علی بن حسین رحمہ اللہ سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان دونوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کیا درجہ تھا؟ انھوں نے فرمایا: وہی درجہ تھا جس طرح آج ان دونوں کا مرتبہ ہے کہ دونوں ان کے ساتھ آرام کر رہے ہیں۔[2]

سیدنا قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ کا خراجِ تحسین: امام شعبی فرماتے ہیں: میں نے قبیصہ بن جابر سے یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی مصاحبت اختیار کی۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اللہ کی کتاب تلاوت کرنے والا، اللہ کے دین کی سمجھ رکھنے والا اور ہر وقت درس و تدریس میں مشغول رہنے والا شخص نہیں دیکھا۔[3]

سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ کا اظہارِ حقیقت: علامہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اپنی مجلس کو خوشگوار بنانا چاہو تو عمر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ چھیڑ دو۔[4] مزید فرمایا: جن لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال سے کوئی فرق نہیں پڑا وہ بہت برے لوگ ہیں۔[5]

سیدنا علی بن عبداللہ بن عباس رحمہ اللہ کے دلی جذبات: علی بن عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: ایک دن سخت سردی تھی۔ میں عبدالملک بن مروان کے پاس گیا۔ عبدالملک ایک عمدہ خیمے میں بیٹھا ہوا تھا۔ خیمے کا رنگ سفید اور زرد تھا، جبکہ اس کا اندر والا حصہ بھی ایک خاص قسم کی بوٹی ''خوہ'' سے رنگا ہوا تھا۔[6] اس کے گرد چار انگیٹھیاں دہک رہی

---

[1] تاریخ الإسلام، عهد الخلفاء الراشدين للذهبي، ص: 267. [2] محض الصواب: 908/3.
[3] المعرفة والتاريخ للفسوي: 457/1. اس روایت کی سند میں مجالد بن سعید راوی ہیں جن کا عمر کے آخری حصے میں حافظہ خراب ہوگیا تھا۔ [4] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 251، ومحض الصواب: 909/3. [5] الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 372/3. [6] محض الصواب: 911/3.

تھیں۔ میں سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا: آج کا دن کچھ سرد ہے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر کی اصلاح فرمائے۔ اہلِ شام کا خیال ہے کہ آج سے قبل اتنی سردی کبھی نہیں پڑی اور انھوں نے دنیا کا ذکر کیا۔ دنیا کی برائیاں بیان کیں، پھر کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ چالیس سال تک برسر اقتدار رہے۔ بیس سال امیر شام رہے اور بیس سال خلیفۃ المسلمین۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کیا بات تھی وہ دنیا سے کیا ہی خوب واقف تھے![1]

ایک شاعرہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی رحلت پر اپنے جذباتِ الم اس طرح ظاہر کیے ہیں:

”اللہ فیروز کا ستیاناس کرے۔ اس نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی۔“

”ایک ایسے معزز و مکرم آدمی کے بارے میں جو اللہ کی کتاب تلاوت کرنے والا اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔“

”وہ مسلمان بھائیوں پر نہایت مہربان اور دشمنوں پر سختی کرنے والا تھا،
ناگہانی مصائب میں مدد کرنے والا اور انتہائی قابل اعتماد منتظم اعلیٰ تھا۔“

”وہ جب بھی کوئی بات کرتا تھا اس سے اس کے کردار کی تصدیق ہوتی تھی۔
وہ بہت بھلائیاں کرنے والا خندہ جبیں اور عالی رتبہ انسان تھا۔“[2]

اس نے مزید کہا:

”اے آنکھ آنسو بہا اور شدید گریہ وزاری کر
تو اس اعلیٰ نسب امام سے اکتاہٹ محسوس نہ کر۔“

”مجھے اس کی موت نے انتہائی دکھ پہنچایا جو اس شہسوار پروارد ہوئی جو لڑائی کے دن جنگ کی ہولناکیوں میں بے خطر کود پڑتا تھا اور بڑا بلند پایہ معلم تھا۔“

”وہ لوگوں کی آبرو کا محافظ تھا اور تمام اہلِ زمانہ کا مددگار تھا۔

① محض الصواب: 911/3، وابن الجوزي، ص:252. ② المائة الأوائل ترجمة خالد عيسى وأحمد سبانو، ص:163.

وہ ہر ضرورت مند لٹے پٹے اور پریشان حال شخص سے تعاون کرنے والا تھا۔''

''اب تم خوشحال اور تنگدست دونوں طرح کے لوگوں سے کہہ دو کہ مرجاؤ کیونکہ زمانے نے اسے موت کا پیالہ پلا دیا ہے۔''[1]

معاصر مؤلفین اور دیگر علماء کی آراء

جامعہ ازہر کے سابق مدیر ڈاکٹر محمد محمد الفحام فرماتے ہیں: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاسی برتری اور ان کی مختلف خوبیاں بیان کی ہیں۔ ان کی اس جواں مردی اور ہمت سے پردہ اٹھایا ہے جس کے سبب انھوں نے دورانِ خلافت پیش آنے والے اہم مسائل حل کیے، بلاشبہ ہمارے لیے اس میں ایک روشن راستے کی نشاندہی پائی جاتی ہے۔[2]

عباس محمود العقاد فرماتے ہیں: بلاشبہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو تنقید اور مؤاخذہ کے سلسلے میں نہایت عظیم الشان سرکردہ افراد میں سے پایا ہے۔ ان کی سب سے نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ کسی بھی معاملے کی تہہ تک پہنچنے اور قوت فیصلہ رکھنے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ فیصلہ کسی کے حق میں ہو یا خلاف، اسے بلاتاخیر نافذ فرماتے تھے۔

میری کتاب ''عبقرية عمر'' عام تاریخی کتب کی طرح محض واقعات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور ان کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں عمر رضی اللہ عنہ میں پائی جانے والی عظیم صفات کا ذکر جمیل ہے۔ علم نفسیات میں مہارت، اخلاقیات اور زندگی کے حقائق سے آگاہی کی بدولت انھوں نے عوامی بھلائی کے لیے کس طرح فائدہ اٹھایا۔ عمر رضی اللہ عنہ آج کے اس دور کے لیے جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں انتہائی مناسب شخصیت تھے۔ کیونکہ آج کل ہر طرف شیطانی طاقتیں زور پکڑ رہی ہیں۔ اور ایسی طاغوتی طاقتوں کی پیروی کی دعوت دینے والے یہ ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف

---

[1] تاريخ الطبري: 214/5، و الأيام الأخيرة في حياة الخلفاء للدكتور إيلي منيف شهلة، ص: 40. [2] الإدارة في الإسلام في عهد عمر بن الخطاب، ص: 391.

ہیں کہ جنگ اور حق دو متضاد چیزیں ہیں۔ اگر ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا مطالعہ کریں گے اور ان کے نقش قدم پر چلیں گے تو ان طاغوتی طاقتوں کا قلع قمع کر دیں گے کیونکہ ہم ایسے رجل عظیم کے بارے میں جان سکیں گے جس نے بیک وقت کفر کے خلاف کامیاب جنگ بھی کی، انصاف بھی قائم کیا اور شفقت و رحمت کے دریا بھی بہائے۔ اس سوچ کے ساتھ ہم دور حاضر کی بیماری سے، بشرطیکہ صحت سے ناامید نہ ہوں، شفایاب ہو سکتے ہیں۔[1]

ڈاکٹر احمد شلبی فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجتہادی قوت ان کی زندگی کا بہت نمایاں پہلو تھا۔ اس صلاحیت کو انھوں نے اپنے دور خلافت میں رونما ہونے والے جدید حالات سے نمٹنے کے لیے استعمال فرمایا۔ انھوں نے دین کی حفاظت فرمائی، علَم جہاد بلند کیا، علاقے فتح کیے، لوگوں میں عدل و انصاف قائم فرمایا، اسلامی تاریخ میں پہلا مالیاتی ادارہ قائم کیا۔ اسلامی ریاست کے دفاع اور حفاظت کے لیے مستقل بنیادوں پر حفاظتی فوج تیار کی۔ مراتب اور وظائف مقرر کیے۔ سرکاری ادارے قائم فرمائے۔ والی، حاکم اور قاضی مقرر کیے۔ لین دین کے لیے کرنسی کا اجرا کیا۔ ڈاک کا نظام قائم فرمایا۔ چیکنگ کا نظام وضع کیا۔ سن ہجری کا نفاذ کیا۔ مفتوحہ زمینوں کو بغیر تقسیم کے باقی رکھا۔ اسلامی شہروں کی منصوبہ بندی کی اور محکم تعمیر فرمائی۔ ایسا فردِ فرید ہی امیر المؤمنین اور اسلامی ریاست کا بانی کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔[2]

مشیر کار علی علی منصور فرماتے ہیں: آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عدالتی فیصلوں کے سلسلے میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام خط عدلیہ اور دعویٰ دائر کرنے والوں کے لیے ایک مکمل دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خط آج کل کی عدالتوں میں دائر

---

[1] الإدارة في الإسلام في عهد عمر بن الخطاب، ص: 392. [2] الإدارة في الإسلام في عهد عمر بن الخطاب، ص: 392، والتاريخ الإسلامي: 609/1.

ہونے والے مقدموں کے طریقۂ کار اور دیگر ضابطوں کے بارے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور عدالتوں کے لیے مستقل قوانین کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔[1]

میجر جنرل محمود شیت خطاب فرماتے ہیں: ہر چند اسلامی فتوحات کے بہت سے اسباب تھے لیکن ان فتوحات کا سہرا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی کے سر ہے جو ایسی یگانہ اور منفرد قائدانہ خوبیوں کے مالک تھے جو صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی کسی شخص میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔[2]

ڈاکٹر صبحی محمصانی فرماتے ہیں: خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا عہد زریں گزرنے کے ساتھ ہی اسلامی ریاست کے بانی کا دور ختم ہوگیا۔ انھوں نے اس ریاست کو چہار سو وسعت دی اور اس کے ستون مضبوط سے مضبوط تر کردیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت ذمہ دار لیڈر، دور اندیش فرمانروا، بڑے دانا اور چوکس نگہبان، طاقتور اور انصاف پسند حکمران، نرم دل اور مہربان پیشوا تھے۔ وہ اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہوئے نماز کی امامت کے دوران شدید زخمی کیے گئے جس سے وہ اللہ کو پیارے ہوئے۔ وہ سچے شہید تھے۔ بلاشبہ ان کا درجہ اللہ کے نہایت نیک اور بلند پایہ مقرب بندوں میں ہے۔

محمد سید الوکیل کہتے ہیں: یہ میری عملی کاوش ہے۔ میں نے اس میں خلیفۂ راشد، انصاف کے پیکر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اپنے قلم کو روک لیا ہے اور تاریخ کے سب سے زیادہ کامیاب اور درخشندہ ترین باب کا اختتام کیا ہے۔ ان اوراق میں تاریخ ایک انوکھے انداز کی منفرد شخصیت سے متعارف ہوئی۔ اس کا فکر و عمل دنیا کا مال جمع کرنا نہ تھا۔ اسے وسیع اختیارات کے گھمنڈ نے راہ حق سے پھسلنے نہیں دیا۔ اسے حکمرانی اور دنیا کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی خلافت کی طاقت نے صراطِ مستقیم سے سرِ مو منحرف نہ

---

[1] الإدارة في الإسلام في عهد عمر بن الخطاب، ص:392. [2] الإدارة في الإسلام في عهد عمر بن الخطاب، ص:393.

ہونے دیا۔ اسے اس کے عزیز و اقارب اور رشتہ دار عوام پر ظلم کرنے کا حوصلہ دلانے کی جرأت نہ کر سکے۔ ان کی ہر وقت یہی آرزو رہتی تھی کہ اسلام غالب ہوجائے اور شریعت کی حکمرانی قائم ہوجائے۔ وہ لوگوں کے درمیان ہر وقت عدل و انصاف قائم کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ اللہ کی توفیق اور مہربانی سے وہ اپنے اس مشن میں سرخرو بھی ہوئے اور اس قدر مختصر عرصے میں، جو قوموں کی تاریخ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا، عمر رضی اللہ عنہ ہر شعبۂ زندگی میں انقلابی اصلاحات برپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہی ان کی کامیابی کی معراج تھی۔ عمر اور عدل ایک ہی چیز کے دو نام اور ایک ہی حقیقت کے دو جلوے بن گئے۔[1]

اختتامیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ مثالی حیات طیبہ تمام آنے والی نسلوں کو عمر رضی اللہ عنہ کے ان عزائم اور فتح مندیوں سے آگاہ کرے گی جن سے بیتے ہوئے دنوں کی خوبصورت یادیں تازہ ہوجائیں گی۔ یہ لمحات ہمیں پیغام دیں گے کہ اس امت کا آخری زمانہ اس وقت تک خیر و برکت کا باعث نہ بن سکے گا جب تک کہ وہی قوانین نافذ نہ ہوں جو اس امت کے ابتدائی دور میں نافذ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد زریں علماء اور مبلغین کو اس عہد راشد کے اصول اپنانے اور لوگوں کی زندگیوں میں اس دور کا منہج، خدوخال اور اوصاف سمونے کے لیے ان کی سیرت کی ورق گردانی کی دعوت دیتا رہے گا۔ اس طرح امت اسلامیہ کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوسکتا ہے۔

میں 13 رمضان المبارک 1422ھ بمطابق 28 نومبر 2001ء کو بدھ کے دن صبح 7 بجکر

---

[1] جولة في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 297.

5 منٹ پر اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوا۔ یہ سارا لطف و کرم اور فضل و احسان میرے رب کریم کا ہے جس نے مجھے اس تالیف کی توفیق بخشی۔

میں اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے، لوگوں کے لیے اسے نفع مند بنائے اور اپنے خاص فضل و کرم سے اس میں برکت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

''اللہ لوگوں کے لیے (اپنی) رحمت سے جو کھول دے تو کوئی اسے بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کردے اس کے بعد کوئی اسے بھیجنے (کھولنے) والا نہیں اور وہ غالب، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

میں آخر میں اپنے اللہ کے حضور انتہائی عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ اس کے فضل و کرم کا اعتراف کرتے ہوئے سرنگوں ہونا چاہتا ہوں۔ اللہ کے سوا کوئی فضل کرنے والا، احسان کرنے والا اور توفیق دینے والا نہیں ہے۔ اول و آخر میں اسی پاک پروردگار کے احسانات کا شکر گزار ہوں۔ میں اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کے توسط سے دست بدعا ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہِ عالی میں شرف قبولیت سے نوازے، لوگوں کے لیے نفع مند بنائے، مجھے ہر لفظ کے عوض جزا عطا فرمائے اور قیامت کے دن اسے میری حسنات کے کھاتے میں ڈال دے۔

میری اللہ کے حضور یہ بھی دعا ہے کہ اس عاجزانہ کتاب کی پیش کش میں جن بھائیوں اور دوستوں نے مجھ سے تعاون فرمایا وہ بھی ہمیشہ اجروثواب پائیں۔ آخر میں تمام قارئین کرام سے التجا کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے مغفرت اور اللہ کی رحمت کی

---

[1] فاطر 2:35.

دعا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾

”اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحبِ امر کی، پھر اگر تم کسی چیز میں باہم اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ کے ساتھ اور یومِ آخرت کے ساتھ ایمان رکھتے ہو۔ یہ انجام کے لحاظ سے بہتر اور بہت اچھا ہے۔“[1]

اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جسے تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

یہاں میں محترم قارئین سے یہ عرض کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کا مطالعہ نہایت توجہ اور عمل کی نیت سے کیجیے۔ ہوائیں آئیں گی اور گزر جائیں گی۔ پھول کھلیں گے اور مرجھا جائیں گے۔ ستارے چمکیں گے اور غروب ہو جائیں گے۔ سورج طلوع ہوگا اور ڈوب جائے گا مگر سیرت فاروقی کا جو سورج افق مکہ سے طلوع ہوا تھا وہ کبھی غروب نہیں ہوگا۔ اس کی کرنیں حق و صداقت کے ہر متلاشی کو منزل کا نشان دکھاتی رہیں گی۔ آیئے! عہد کیجیے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے اسلام کے مجاہد اور مبلغ بننے کی کوشش کریں گے۔ آج زمانے اور زندگی کا ہم سے یہی مطالبہ ہے!

[1] النساء 4:59.

اے اللہ! تو پاک ہے ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں صرف اور صرف تجھی سے بخشش کا طلبگار ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه رب العالمين.

اللہ کی رحمت، بخشش، درگزر اور رضامندی کا طالب

علی محمد محمد الصلابی

13 رمضان 1422ھ

28 نومبر 2001ء

سیرتِ عمرِ فاروق ﷜

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام خلافتِ راشدہ کے نظام کی صورت میں اس امت کو نصیب ہوا۔ یہ دور عہد نبوی ہی کا امتداد تھا۔ اس عہد زریں کے حکمران اور اکثر وزیر، مشیر، سپہ سالار اور عوام آفتاب رسالت سے براہ راست فیض یافتگان تھے۔ نبی کریم ﷺ کی فرمودہ کئی ایک پیش گوئیاں اسی عہد میں پوری ہوئیں۔ یہ دور تاریخ اسلام کا سنہرا دور تھا۔

عالم اسلام کے معروف اور مایہ ناز سیرت نگار دکتور علی محمد محمد الصلابی ﷾ نے زیر نظر کتاب میں سیرت عمر ﷜ کے ساتھ ساتھ ان کے اسی مبارک دور کی منظر کشی کی ہے۔ اور اس دور کے عینی شاہدین کے بیانات کی روشنی میں 350 کتب سے استفادہ کر کے اسے ترتیب کی عمدہ لڑی میں پرویا، فکر و نظر کے دریچے وا کیے، علم و عمل کے راہیوں کو مہمیز لگائی اور بہت سے گمنام گوشوں کو سپردِ قرطاس کیا ہے، گویا دکتور صلابی اقبال کی زبان میں یوں کہہ رہے ہیں:

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

ISBN 969574236-X